

قَالَ عَلَىٰ رَأْسِهِ قُصْدُ نَجْوَى

نَوَادِلِی

بحل

شرح ملاجای



شاح

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شبیر رحیمی پورنوی
ذالافت اعنفیہ کھگرو کشن گنج (دہار)

والضحیٰ پبلیکیشنز

تقریظ:-

نذیرہ اعلیٰ حضرت

حضرت علامہ مولانا مین رضا قان بریلوی

تقریظ:-

ماہرینِ جہانِ علم ہندوستان

حضرت مولانا محمد مدنی میاں
پنجابی شری سادہ سب کوچہ شریف

تقریظ:-

امام فنِ خواجہ مظفر حسین انصاری

قَالَ عَلَى رَضَى تَعَالَى عَنْهُ قَصْدُ نَجْوِهِ

نَوَادِرُ الْعَمَمِي

بِحُلِّ

مُتَّحَمِي

تقریظ:-

نذیرۃ اعلیٰ حضرت

حضرت علامہ مولانا حسین رضا خان بریلوی

تقریظ:-

پیشین حضرت امام شمس الدین عظیمی

حضرت علامہ مولانا محمد مدنی میاں شریعتی صاحب رحمہ اللہ

تقریظ:-

امام علم و فن خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب

شاح

حضرت علامہ مولانا مفتی شبیر عجمی پوروی

ذی القلت محنفیہ کنگرہ کشکج (بہار)

والضحیٰ پبلی کیشنز

مادیہ سنیہ شریعتی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان

Ph:042-37361363

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نوادریعی بحل شرح ملاحی

شاح حضرت علامہ مولانا مفتی شبیر عظیمی پورنوی

والضحیٰ پبلکیشنز

سیل پوائنٹ

مکتبہ فیضانِ مدینہ

نزد فیضانِ مدینہ، مدینہ ٹاؤن فیصل آباد

0311-3161574

والضحیٰ پبلکیشنز

بادیہ علیہ سٹریٹ، سٹریٹ اردو بازار لاہور، پاکستان

0300-7259263, 0315-4959263

شاح

حضرت علامہ مولانا مفتی شبیر عظیمی پورنوی

لیگل ایڈوائزر: محمد رفیق انصاری ڈوگر، ایڈووکیٹ ہائی لاہور

طبع اول: اگست 2015ء شوال المکرم 1436ھ

قیمت: 640

نذر و انتساب

فضیلۃ الشیخ جلالتہ العلم سیدنا و سیدنا صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت علامہ الحاج حافظ حکیم سید شاہ محمد نجیم الدین محقق مراد آبادی قدس سرہ النورانی (بانی جامعہ نعیمیہ مراد آباد) اور شہزادہ سرکار غوث اعظم نورنگاہ سیدنا مخدوم اشرف بقیۃ السلف عمدۃ الخلف حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد نجیم اشرف صاحب قبلہ مجاہدہ نشیں آستانہ عالیہ اشرفیہ جانش کے نام سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

ساتھ ہی

اپنے شیخ پھوپھا قطب الاولیاء زبدۃ العارفین حضرت علامہ الحاج شاہ ابوالوفا عبد القادر شاہ ہدی رشیدی قدس سرہ القوی متوفی ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء اور اپنے جد کریم حب العلامہ و اولیاء کاملین بانی آل انڈیا یسعی کانفرنس حضرت مفتی محمد تصنیف سوداگر شاہ ہدی رشیدی عرف کرامت حسین نور محمد قدس سرہ اللہ الباری متوفی مئی ۱۹۹۲ء کے دربار اقدس میں نذر کر رہا ہوں کہ جن کے بے پایاں فیوض و برکات سے ہی میں تصنیف و تالیف کے لائق بن سکا۔

احقر محمد شبیر پورنوی

تقریظ جلیل مبلغ ایشیا و افریقہ شیخ الاسلام و المسلمین سیدنا و مخدومنا حضرت علامہ سید شاہ
محمد مدنی میاں صاحب قبلہ مدظلہ اشرفی جیلانی جانشین حضور محمد اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان
کچھوچھہ مقدسہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الا لا الہ الا اللہ

جامع معقول و منقول فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی محمد شبیر صاحب قبلہ پورنوی رشیدی اشرفی کے
ذات ستودہ صفات علمی حلقے میں محتاج تعارف نہیں۔ اگر آپ کسی ایسی ذات کو دیکھنا پسند کرتے ہوں جس کا دماغ عالم
اور دل صوفی ہو جو ارباب بصیرت کے مسلک اعتدال پر عامل اور اس کا داعی ہو۔ نیز جو عمر سے زیادہ علم اور علم سے
زیادہ عقل رکھنے والا ہوں۔ تو آپ علامہ موصوف سے ضرور ملاقات کریں اور انکی پہلو دار شخصیت کا گہرائی سے مطالعہ
کریں۔ عالم باعمل، فقیہ بالغ نظر، عظیم المرتبت مدرس اور خوش بیاں خطیب ہونے کیساتھ ساتھ آپ ایک جلیل القدر
مصنف بھی ہیں۔ اب تک آپکی متعدد کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ارباب علم و دانش سے خارج تحسین حاصل
کر چکی ہیں اور بعض کتابیں کتابت و طباعت کے مراحل سے گزر رہی ہیں۔ فتون میں "التشریح المنیب لجل شرح التہذیب
کی طرح "نوادیر النبی بجل شرح ملا جانی" بھی آپکی نگارشات کا شاہکار ہے شرح جامی علم نحو کی ایک بہت مشہور و
معروف کتاب ہے جو قریب قریب ہر مدرسے میں علم نحو کے منتہی طلبہ کے زیر درسیں رہتی ہے جس میں ایسے غوامض
و لطائف ہیں اکثر طلبہ جن کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ان حالات میں علامہ موصوف کا یہ ایک عظیم احسان
ان سارے طلبہ پر۔ بلکہ۔ عہد حاضر کے بہت سارے مدرسین پر بھی کہ انہوں نے اس عظیم کتاب کی ایک عمدہ اور
نفیس شرح فرما کر ایک مشکل کتاب کو سب کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس و آسان اور شرح ایسی
عمدہ کہ ذرا سی توجہ سے مطالب آسانی حل ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے آپ اسکی
مندرجہ ذیل خصوصیات کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

① شرح جامی کی اکثر عبارت کسی سوال مقدر کا جواب ہے اس میں اس سوال کو نکال کر حسین انداز میں
اس کا جواب دیا گیا ہے۔

② جو مقام محتاج بحث ہے اس میں مختصر لیکن جامع بحث کی گئی ہے

③ تن کی شرح اور شرح کی شرح کے درمیان "بیانہ" اور "قولہ" کے ذریعہ فرق قائم کیا گیا ہے

④ شواہد و امثال کے ذریعہ مغلق مسائل کو کافی آسان کر دیا گیا ہے

⑤ یہ اردو زبان میں نہایت آسان اور مبسوط شرح و ترجمہ ہے۔

یہ فقیر اشرفی و گدائے جیلانی دہلی گہرائیوں کیساتھ دعا گو ہے کہ مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف کی عمر و علم و صحت و اقبال میں
برکت عطا فرماتا رہے اور ان سے اسی طرح دین تین اور علوم دینیہ کی خدمت لیتا رہے۔ نیز انکی اس شرح کو قبولیت عامہ مرحمت فرمائے
آمین یا حبیب السالمین بحق طرہ و بس وجہت حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین فقط

والسلام علی من اتبع الهدی
فقیر اشرفی و گدائے جیلانی سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ، جانشین محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ



تقریظ مبارک بقیۃ السلف و عمدۃ الخلف نبیرۃ العظم حضرت سیدنا و مخدومنا حضرت علامہ شاہ تحسین رضا خان
صاحب قبلہ مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف (یو پی)

الحمد للہ والصلوة علی حبیبہ المجتبیٰ و علی آلہ البراء النقی۔ زیر نظر شرح نوادر النبی بجل شرح ملا جانی کا مصنف عزیز گرامی
قد مولانا مفتی محمد شبیر صاحب پورنوی ہیں جن سے میرا کوئی سابقہ تعارف نہیں تھا البتہ شرح سے انکی گونا گوں خوبیوں کا
بھرپور اندازہ لگا یا جاتا ہے کما قالہ المولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم لا تنتظر الی من قال بلہ تنظر الی ما قال
اکثر مختلف مقامات پر غائرانہ نگاہ ڈالا خوب سے خوب تر پایا۔ ترجمہ نہایت سلیس اور شرح ایسی جامع اور واضح کہ ذرا سی
توجہ سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مشکل مباحث کو آسان سے آسان کر دیا گیا ہے۔ شواہد کے ذریعہ ہر مسئلہ کو آشکارا
کر دیا گیا ہے۔ لہذا یہ شرح اس لائق ہے کہ طلبہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور فوشت مدین مطالعہ میں رکھیں اللہ تعالیٰ
سے دست بدعاء ہوں کہ رب قدیر مصنف کی عمر اور علم میں بیشمار برکتیں اور اس سعی بلیغ کی جزائے خیر عطا فرمائے آمین
بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم فقط

دعا گو تحسین رضا
۳۷ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ



تقریظ مسعود امام علم و فن خیر الاذکیاء سیدنا و استاذنا حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ
مدظلہ بالسی ضلع پورنویہ۔ بہار

نمدہ و فضلی علی رسولہ الکریم اما بعد "نوادیر النبی" نحو قواعد کی سب سے آخری کتاب شرح جامی کی شرح و ترجمہ ہے

جو طالبان علم کے لئے ایک نادر اور عمدہ تحفہ ہے۔ شرح جامی کی اکثر عبارت کسی سوال مقدر کا جواب ہے اس میں اس سوال کو نکال کر حسین انداز میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ عربی عبارتوں کو اعراب سے مزین اور مطلق مقامات کو نہایت اچھوتے انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ حاصل محصول کی بحث جو پوری کتاب میں دشوار مانی جاتی ہے لیکن اس کو بھی نہایت آسان کر دیا گیا ہے الغرض وہ طلبہ و مدرسین دونوں کے لئے بے حد نافع اور موجودہ دور میں نایاب کتاب ہے مولیٰ تبارک و تعالیٰ مولف شہیر کی سچی جیل کا اجر جزیل اور کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے آمین۔ آمین۔ آمین۔

العباد خواجہ مظفر حسین غفرلہ

۲۸ اپریل ۱۹۹۲ء



تقریظ محمود وحید عصر فقیہ بالغ نظر سیدنا و استادنا حضر علامہ مفتی محمد الیوب خان صاحب قبلہ مدظلہ صدر اہل مدرسنین جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مراد آباد (دیوبند)



بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد و نعلی علی صبیحہ الکریم۔ نادر النبی جمل شرح ملا جامی کے بیاض کا بالاستیعاب تو نہیں البتہ افتتاحیہ صفحات کا بالامعان اور مختلف اوراق کا طائرانہ نگاہ سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مولف شہیر عزیزی مولانا مفتی محمد شبیر صاحب زید غزہ نے جس خوش اسلوبی اور عام فہم زبان میں شرح جامی کی تشریح فرمائی ہے کہ وہ اپنی مثال خود ہے جس سے کم فہم طلبہ کے لئے بھی اس کا مکمل طور پر سمجھ لینا دشوار نہیں مولف مدوح کا تقریباً چار سال کا زمانہ قلب ہندوستان کا مشہور ادارہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں گذرنا۔ ذوق تحقیق۔ جودت طبع ان کا طرہ امتیاز تھا۔ عبادت کی گہرائی اور معانی کے عمیق سمندر میں پہنچنے کے انمول موتیوں کا نکالنا جس سے طمانیت حاصل ہو ان کا مزاج رہا اسی کا مظہر شرح مذکور ہے دعا ہے کہ مولیٰ بیانا اس شرح کو شرف قبول سے نوازے اور اس کے افادہ کو عام فرمائے نیز مولف کو جزا و موفور اور انکی مساعی کو مشکور فرمائے آمین۔

نفیر محمد الیوب نعیمی غفرلہ

۵ شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۹۲ء

علم نحو کی تعریف

وہ ایسے قوانین کا جاننا ہے کہ جس کے ذریعہ کلمہ یعنی اسم و فعل و حرف کے آخری حرف کی حالت معرب و مبنی ہونے کی حیثیت سے معلوم ہو جائے اور بعض کلمہ کو بعض کیساتھ مرکب کر کے کی کیفیت حاصل ہو جائے۔

علم نحو کی فرض

ذہن کو کلام عربی میں خطا لفظی سے بچانا ہے

علم نحو کا موضوع

کلمہ اور کلام ہے کہ انکے عوارض ذاتیہ سے علم نحو میں بحث کی جاتی ہے مثلاً کلمہ کے آخری حرف پر اعراب رفع ہے یا نصب یا جر اگر رفع ہے تو کیوں؟ اسی طرح نصب و جر سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

علم نحو کا موجد اور اسکی وجہ تسمیہ

بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس علم کا ایجاد سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک شخص آپ کی بارگاہ میں آکر یہ آیت کریمہ ان اللہ برئ من المشرکین ورسولہ کو بجائے زبر لام زیر کے ساتھ پڑھا جس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بیزار و بری ہے مشرکین اور اپنے رسول سے۔ ظاہر ہے یہ معنی فاسد ہے جبکہ قرأت مشہورہ میں رسولہ بفتح لام ہے اس صورت میں معنی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مشرکین سے بری ہیں یہ بلاشبہ درست ہے۔

فی الحال آپ نے اس کی اصلاح تو فرمادی لیکن اس فکر میں مبتلا ہو گئے کہ یہ اہل زبان ہے اور یہ زمانہ بھی رسول کی حیات ظاہری سے قریب کا ہے، جب اس سے غلطی واقع ہو سکتی ہے تو جو لوگ اہل زبان نہیں ان سے غلطی سرزد ہونا کوئی تعجب نہ ہوگا اس لئے سیدنا عمر فاروق اعظم نے ایک مختصر خاکہ علم نحو کا تیار کیا اور چند اصول و مسائل وضع کئے وہ مثلاً یہ ہیں (۱) الکلمۃ ثلث، اسم، فعل، حرف (۲) کل فاعل مرفوع، کل مفعول منصوب، کل مضاف مجرور یہ علم رفتہ رفتہ دوین پاتا رہا بالآخر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں اس کو کافی ترقی حاصل ہوئی۔ سیدنا مولیٰ علی کا دار الخلافہ چونکہ کوفہ تھا اس لئے اس علم کو کوفہ اور بصرہ میں کافی عروج ملا اور اس علم کے بڑے بڑے

علماء ان دونوں مقاموں میں بکثرت پیدا ہوئے۔ اختلاف راء کی وجہ سے مذہب کو ذ اور مذہب بصرہ علیحدہ علیحدہ شمار ہونے لگا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس علم کا موجد سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور مذکورہ واقعہ آپ ہی کے دور میں پیش آیا اور اصول مذکورہ کو آپ ہی نے وضع کر کے ابو الاسود دہلی کو فرمایا "اَقْصِدْ نَحْوَهُ" یعنی اس اصول مذکورہ کے مثل دوسرے اصولوں کی وضع کا قصد کرو۔ دربار میں چوتھو لوگوں کا کافی ہجوم تھا اور ہر ایک نے اس جملہ کو سنا جس سے لوگوں میں یہ بات عام ہو گئی کہ سیدنا مولیٰ علی نے عربی زبان کے لئے ایک جدید علم یعنی علم نحو کو وضع فرمایا ہے جس کی مزید تہذیب کا حکم ابو الاسود دہلی کو دیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ علم متہجروں میں ایک مستقل فن بن گیا۔ کو ذ اور بصرہ میں دو درسگاہیں اس کی تعلیم کے لئے قائم ہو گئیں۔ علمائے کو ذ کے امام فرار و کسان کی کہلائے اور علمائے بصرہ کے امام سیبویہ اور خلیل بن گئے۔ ان لوگوں کے بعد مبرد، اخفش، بغوی نے اس علم کو پایہ تکمیل تک پہنچایا پھر علامہ ابن حاجب نے اس علم کو بجا کر کیا ساتھ متن کافی لکھ کر کتابی صورت میں پیش کیا جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ اس کی کافی شرحیں لکھی گئیں جن میں سے ایک فوائد ضیاء ہے جس کو شرح جامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مصنف کا فیہ

نام و نسب

اسم گرامی عثمان بن ابی بکر بن یونس کافی حاشیۃ الامیر اور عثمان بن عمر بن ابی بکر کافی طبقات النحات۔ کنیت ابو عمر و اور لقب جمال الدین آپ کے والد بزرگوار سلطان عزالدین مویشک صلائی کے حاجب یعنی دربان تھے اسی وجہ سے آپ ابن الحاجب کیساتھ مشہور ہو گئے۔

تاریخ ولادت و وفات | مورخ ۵۷۰ھ مطابق ۱۱۷۵ء کو قصبہ اسنا میں پیدا ہوئے جو مملکت مصر میں واقع ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو مصری کہا جاتا ہے اور بمقام اسکندریہ بتاریخ ۱۶

شوال ۶۲۶ھ مطابق ۸ فروری ۱۲۲۹ء بروز پنجشنبہ وفات پائے اور باب البحر کے باہر شیخ صالح ابن ابی شامہ کے مزار سے قریب مدفون ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ پس عمر شریف ۷۴ سال ہوتی ہے۔ جوانی میں انتقال فرمانے کی خبر معتبر نہیں ہے۔ مذہب میں آپ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متقلد تھے۔

تحصیل علم | ابتدائی تعلیم قاہرہ میں حاصل کئے۔ قرآن شریف حفظ کر کے امام شاطبی علیہ الرحمہ سے فن قرأت حاصل فرمایا پھر امام ابو الجود علیہ الرحمہ سے قرأت سبع کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد امام ابن البناء

کی شاگردی اختیار کر کے مدت دراز تک علم حاصل کرتے رہے۔ اصول و عربیت میں بڑا کمال پیدا کر لئے اور دمشق پہنچ کر جامع مسجد کے زاویہ مالکیہ میں مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے۔

قوی الحافظ

منقول ہے کہ ایک مرتبہ کشتی کے سفر میں تھے جس میں ایک آدمی ایسے تھے جن کے ساتھ کوئی قلمی کتاب تھی آپ نے وہ کتاب لیکر اول تا آخر مطالعہ فرمائی۔ اس کتاب میں چوتھو تبراً تھا اس لئے اس کو دریا میں ڈال دیا کہ وہ اسی قابل تھی صاحب کتاب کو دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا اور شکایت بادشاہ کے دربار میں پیش کیا کہ فلاں شخص نے میری برسوں کی محنت کو ضائع کر دیا۔ انہوں نے کتاب دیکھنے کو لی تھی مگر اس کو دریا میں ڈال دیا۔ بادشاہ کی طلب پر آپ تشریف لیگئے اور دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ انکو کتاب ہی تو چاہیے۔ پوری کتاب لکھوائے دیتا ہوں چنانچہ اسی وقت آپ نے ازاول تا آخر پوری کتاب لکھوا دی

کافیہ

متعدد کتابیں آپ نے متعدد فنون میں تصنیف فرمائی مگر علم نحو میں آج تک جتنی کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں ان میں اختصار و جامعیت کے لحاظ سے کافیہ جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے اور اس قدر مقبول کہ جلیل القدر علماء نے اس کی شرحیں عربی۔ فارسی۔ ترکی میں تحریر فرمائی۔ ملاکاتب چلبی علیہ الرحمہ نے کشف الظنون میں انکی تعداد چھپن بیان فرمائی ہے بلکہ مقبولیت اتنی بڑھی کہ اولیاء کرام نے تصوف میں شرحیں تصنیف فرمائیں چنانچہ تاریخ بلگرام میں علامہ میر غلام علی صاحب آزاد نے ایسی تین شرحوں کا ذکر فرمایا ہے اول فخر الاولیاء سیدنا مولینا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی کی بزبان فارسی۔ دوم علامہ میر ابو الباقا قدس سرہ الاعلیٰ کی بزبان عربی جو میر عبدالواحد قدس سرہ کے معاصر تھے۔ سوم ملا موہن بہاری علیہ الرحمہ کی بزبان فارسی جو میر عبدالواحد قدس سرہ سے متاخر تھے۔

شاعر شرح جامی

نام و نسب

اسم گرامی ملا محمد عبدالرحمن بن احمد بن محمد ہے۔ لقب نور الدین و عماد الدین۔ تخلص جاتی آپ امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد خاص امام محمد علیہ الرحمہ کی نسل سے ہیں۔

تاریخ ولادت و وفات

مورخ ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۴۱۲ء بروز چہار شنبہ کو خراسان کے ایک قصبہ جام میں پیدا ہوئے اور ۱۸ محرم ۸۹۳ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۴۹۳ء بروز جمعہ المبارک کوہرات میں وفات فرمائے اور وہیں مدفون بھی ہوئے۔ پس آپ کی عمر شریف

۸۱ برس ہوتی ہے۔ سال وفات آتیکریہ و من دخلہ کان امناً سے نکلتا ہے جس کو بعض شاعر نے اس طرح لکھا ہے۔

جائی کہ بود بیل جنت بشوق رفت : کلک قضا لاشت بدروازہ بہشت
فی ہفتہ مغلدہ ارضہا السماء : تادیر و من دخلہ کان امناً
بعض شاعر نے اس طرح بھی لکھا ہے۔

جائی الذی ہو راح بجا منا : کار و ح کان فی جہد القبر کا منا
قدمات بہرات وقد صل بالحم : ارفہ و من دخلہ کان امناً

تخلص جامی اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ وہ قصبہ جام میں پیدا ہوئے۔ دوسری یہ کہ وہ اپنے والد شیخ الاسلام احمد جامی کے جام یعنی پیالہ معرفت سے فیضیاب ہوئے۔ چنانچہ دولوں نسبتوں کا اظہار آپ خود ہی ان اشعار سے فرماتے ہیں۔

مولد جام و رشتم قلم : جرعة جام شیخ الاسلامی است
لاجم در جریۃ اشعار : بد معنی تخلص جامی است

یعنی میری پیدائش قصبہ جام میں ہے اور میرا علم شیخ الاسلام کے پیالہ کا ایک گھونٹ ہے بہر صورت اشعار کی کتاب میں ان دولوں معنوں میں میرا تخلص جامی ہے۔

تحصیل علم صرف دو دولوں کی تحصیل اپنے والد ماجد شیخ الاسلام احمد جامی سے کئے پھر ہرات پہونچکر علامہ جنید علیہ الرحمہ سے فقہ المعانی و مطول پڑھی پھر خواجہ علی سمرقندی کے درس میں حاضر ہوئے جو میر سید شریف جرجانی محمد جاجری سے بھی استفادہ کیا۔

علوم ظاہری سے فارغ ہو کر مخدوم العارفین مولانا سعد الدین کاشغری کے ہاتھ پر سلسلہ معالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور خواجہ عبید اللہ احرار سے بھی استفادہ فرمایا۔

شرح جامی علامہ جامی علیہ الرحمہ جہاں ایک باکمال عارف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے وہیں ایک متبحر عالم محقق و مدقق و مصنف بھی تھے انہوں نے پچاسوں کتابیں

لکھی اور ان گنت نعتیہ کلام قلمبند کئے۔ شرح جامی ان ہی بیش بہا خزائن میں سے ایک عمدہ خزانہ ہے جو کافیر کی چھین شرجوں میں سے سب سے افضل و اعلیٰ سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے پوری دنیا کے اسلام کے مدارس میں اس شرح کو داخل نصاب رکھا گیا ہے جب کہ فاضل ہندی اور علامہ رضی کی شرحیں بھی پہلے سے موجود تھیں

کیونکہ دوسری شرحوں میں کافیر کی شرح کا پورا حق ادا نہیں کیا گیا بلکہ ہندی اور رضی کے بعض مقامات محتاج تنقید ہو کر رہ گئے تھے علامہ جامی علیہ الرحمہ نے شرح لکھ کر نہ صرف کافیر کی کماحقہ توضیح و تشریح اور اس کے مشکلات کا مجمع حل فرمایا بلکہ موقوفہ بہ موقوفہ فاضل ہندی اور شارح رضی کے بعض خیالات پر تنقید فرما کر انکی اصلاح بھی کرتے چلے ہیں اور اس بات کی نشاندہی کئے ہیں کہ صاحب کافہ کون کون سے نحوی مسائل میں جہور نجات سے منفرد ہو گئے ہیں۔ اس شرح کی تکمیل بتاریخ ۱۲ رمضان ۸۹۶ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۴۹۲ھ بروز ہفتہ کو ہوئی۔



فہرست نوادر النعمی محل شرح ملجامی

صفحہ	مضامین	مضامین	مضامین
۱۵	بسم اصل میں کیا تھا۔ با سے متعلق بحث	۲۷	اصحاب سے متعلق بحث
۱۶	با کو کسرہ دیا گیا فتح کیوں نہیں	۲۷	آل و اصحاب کے درمیان نسبت
۱۶	لفظ اسم اصل میں کیا تھا اس کی تحقیق	۲۷	متادین اصل میں کیا ہے۔ آداب کا معنی کیا ہے
۱۷	اسم کا اطلاق تین معنوں پر	۲۸	اتباع کی تحقیق
۱۷	حدیث تسمیہ و تہمید میں تطبیق	۲۹	ہذہ کا مشاڑ الیہ کون ہے
۱۹	رحمن و رحیم سے متعلق تین قول	۳۰	فوائد کے لغوی و اصطلاحی معنی
۱۹	صفت کی چار قسمیں ہیں	۳۱	حل مشکلات سے متعلق بیان
۲۰	رحمن و رحیم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر باعتبار معنی حقیقی نہیں ہوتا	۳۲	علامہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جاتر نہیں
۲۱	المجہولہ سے متعلق بحث	۳۳	مشارق و مغارب کو جمع لائیگی وجہ
۲۱	حمد کو جملہ اسمیہ سے بیان کیا گیا فعلیہ سے کیوں نہیں	۳۳	لفظ شیخ کی تحقیق
۲۱	ولی کے معنی پانچ ہیں	۳۳	مراتب عمر حج ہیں ان کا بیان
۲۲	حمد کے طریقہ مشہور سے عدول کی وجہ	۳۴	نام کی چھ قسمیں ہیں ان کا بیان
۲۲	صلوۃ سے متعلق بحث	۳۷	تہف و تاسف کے بیان
۲۲	لفظ نبی کی تحقیق	۳۹	شئی ممکن اپنے وجود میں چار علتوں کا محتاج ہے
۲۵	لنبیہ میں ضمیر مجرور کا مرجع کون ہے ؟	۳۹	ضیاء الدین کو علت غائیہ کی طرح کہا گیا علت غائیہ نہیں
۲۵	و علیٰ الہ میں علی کا ذکر کیوں ؟	۴۰	توفیق کے متعلق بیان
۲۶	آل کی تحقیق	۴۱	نعم انوکھ کا عطف و حسی پر

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۲	اعلم تین مقام پر متعل ہوتا ہے	۹۷	کلام کی تعریف
۴۳	کتاب کو محمد الہی سے شروع نہ کرینی وجہ	۱۰۱	اسناد و نسبت کا بیان
۴۷	کلمہ و کلام کی تعریف سے کتاب کو شروع نہ کرینی وجہ	۱۰۶	مصنف کے کلام اور صاحب مفصل کے کلام میں فرق
۴۷	تعدد موضوع سے تعدد علم ہوتا ہے	۱۰۸	کلام کی دو قسمیں ہیں جملہ اسمیہ و فعلیہ
۴۹	تقدم طبعی و تقدم وھی کے درمیان فرق	۱۱۲	اسم کی تعریف
۴۹	کلمہ کی بحث	۱۱۶	بحث محمول
۵۰	اشتقاق کی تین قسمیں ہیں ان کا بیان	۱۱۹	بحث حاصل
۵۳	کلم جس ہے یا جمع اس کی تحقیق	۱۲۸	خواص اسم کا بیان
۵۲	جراعات السنان شعر کا قائل کون ہے	۱۳۰	خاصی تعریف اور اس کی تقسیم
۵۴	اسم جنس۔ جمع۔ اسم جمع میں فرق	۱۳۳	لام سے متعلق سیبویہ۔ خلیل۔ مبر و کا مذہب
۵۴	الف لام اسمی و حرفی کی تعریف اور ان کے اقسام کا بیان	۱۳۴	اسم معرب کی تعریف
۵۷	کلم لغویہ کے دو فرد ہیں	۱۳۹	اسم معرب کا ایک معنی لغوی ہے دوسرا اصطلاحی
۵۷	لفظ کے معنی کی وضاحت	۱۵۱	اسم معرب کی تعریف مشہور سے عدول کی وجہ
۵۸	اسم کا اطلاق اسم ذات۔ وصف محض۔ اسم صفت پر	۱۵۲	اسم معرب کا حکم
۵۹	نقل کی دو صورتیں ہیں	۱۵۸	بجاز کی تین قسمیں۔ اختلاف کی آٹھ قسمیں
۶۲	مخذوف حقیقہ لفظ میں لکھا باری تعالیٰ و کلمات ملا کر	۱۶۱	اعراب کی تعریف
۶۳	دوال اربعہ سے متعلق بیانات	۱۶۹	اعراب اسم معرب کے آخر میں کیوں ؟
۶۴	مبتدا و خبر کے درمیان مطابقت کی چار شرطیں۔	۱۷۰	انواع اعراب کا بیان
۶۵	وضع سے متعلق بحث	۱۷۵	عامل کی تعریف
۶۷	معنی سے متعلق بحث	۱۷۷	مفرد منصرف و جمع مکرر منصرف پر اعراب
۶۹	حروف ہجا و حروف معانی۔ و حروف سبائی میں فرق	۱۸۱	جمع مونث سالم پر اعراب
۷۲	مفرد سے متعلق بیانات	۱۸۳	غیر منصرف پر اعراب
۸۱	صاحب مفصل کے نزدیک کلمہ کی تعریف	۱۸۴	اسماء مستعبرہ کا بیان
۸۲	دالالت عام ہے اور وضع خاص	۱۸۹	اسماء مستعبرہ کا اعراب بالحدوف کیوں ؟
۸۳	کلمہ کی تقسیم اسم و فعل و حرف کی طرف	۱۹۰	ثنائی اور اس کے ملحقات وغیرہ کا بیان
۸۵	تقسیم کی دو قسمیں ہیں	۱۹۹	اعراب تقدیری کا بیان
۸۶	حصہ اصطلاح میں چار قسموں پر	۲۰۶	اعراب لفظی کا بیان
۸۶	اسم کا تین قسموں پر منحصر ہونے کی دلیل	۲۰۸	تعریف غیر منصرف کی
		۲۰۹	علل تعدد میں ہر علت ناقصہ ہے
		۲۱۷	ہر علت کو فریض حاصل ہے

غیر منصرف

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۲۰	غیر منصرف ضرورت و تناسب کی وجہ سے منصرف پر ہاجاتا اس کا بیان	۳۰۹	وزن فعل کا بیان
۲۲۶	وہ ایک سبب جو قائم مقام دو سبب کے ہوتا ہے وہ جمع ہے	۳۱۵	ما فیہ علمیہ سے ایک قاعدہ کا بیان
۲۲۷	اور الف مقصورہ و الف ممدودہ	۳۲۵	مثل اخر سے متعلق سیبویہ و اخفش کا اختلاف
۲۲۹	عدل کی تعریف	۳۲۶	غیر منصرف پر لام یا اضافت کی وجہ سے کسرہ کا دخول
۲۳۶	عدل کی دو قسمیں تحقیقی و تقدیری	۳۳۴	اس تقدیر پر غیر منصرف میں نحو یوں کا اختلاف
۲۴۷	باب قظام سے مراد کیا ہے ؟		مرفوعات
۲۵۰	وصف کا بیان	۳۲۷	مرفوعات جمع ہے مرفوع کی مرفوعہ کی نہیں
۲۵۲	شرط۔ رکن۔ فرض میں فرق	۳۳۸	مرفوع کی تعریف
۲۵۳	وصف میں اصلی ہونے کی شرط کیوں ؟	۳۴۱	فاعل اصل مرفوعات کیسے ؟
۲۵۸	ثانیث لفظی کا بیان	۳۴۲	مبتدا اصل مرفوعات کیسے ؟
۲۶۰	ثانیث معنوی کا بیان	۳۴۳	فاعل کی تعریف
۲۶۲	ثانیث معنوی کے دو جب تاثیر کیلئے امور ثلاثہ کی شرط کیوں ؟	۳۴۹	فاعل میں اصل تقدیم ہے
۲۶۴	جنم کے سات طبقے	۳۵۰	لفظ اصل یا پنج معنوں میں متعل ہوتا ہے
۲۶۸	معرفہ کا بیان	۳۵۲	اضمار قبل الذکر یا پنج مقاموں پر جائز
۲۶۹	معرفہ میں صرف علیت کی شرط کیوں ؟	۳۵۴	فاعل کو مفعول پر مقدم کرنے کی چار صورتیں
۲۷۱	عجز کا بیان	۳۶۱	فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنے کی چار صورتیں
۲۷۸	جمع کا بیان	۳۶۳	فعل کا حذف جواز
۲۷۹	جمع منتہی المجموع کے سترہ وزن	۳۶۸	فعل کا حذف وجوب
۲۸۴	حضا ج غیر منصرف کیسے ؟	۳۷۰	فعل و فاعل دونوں کا حذف
۲۸۵	اسم جنس۔ علم جنس۔ علم شخصی میں فرق	۳۷۲	تنازع فعلان کی بحث
۲۸۷	سراویل منصرف ہے یا غیر منصرف ؟	۳۷۳	معنی تنازع فعلان کا
۲۹۱	نحو جوار سے کیا مراد ہے ؟	۳۷۹	بہ یوں کا اختیار فعل ثانی کو
۲۹۳	نحو جوار سے متعلق تین مذہب	۳۸۴	امام کسائی کا قول
۲۹۶	مقدرو مخذوف میں فرق	۳۸۵	امام فراء کا قول
۲۹۷	ترکیب کا بیان	۳۸۸	کو فیوں کا اختیار فعل اول کو
۳۰۱	الف و یون نا بدتان کا بیان	۳۹۵	مفعول سالم بسم فاعل کی تعریف
۳۰۳	الف و یون نا بدتان اسم ذات میں ہوں تو اس کی شرط	۳۹۶	فاعل کے مخذوف ہونے کی آٹھ وجہیں
۳۰۵	الف و یون نا بدتان اسم صفت میں ہوں تو اس کی شرط	۳۹۸	فاعل کی جگہ پر واقع نہ ہوگا باب علت کا
۳۰۷	لفظ رجن میں اختلاف کیوں ؟		مفعول ثانی و مفعول لا وغیرہ

صفحات	مضامین	صفحات	مضامین
۲۰۵	فاعل کی جگہ پر واقع ہوگا باب اعطیت کا	۲۴۰	مبتدا کے حذف وجوبی کا بیان
	مفعول اول وغیرہ	۲۴۳	خبر کے حذف جوازی کا بیان
۲۰۶	مبتدا و خبر کا بیان	۲۴۴	خبر کے حذف وجوبی کی چار صورتیں
۲۰۷	مبتدا قسم اول کی تعریف	۲۴۷	لولا سے متعلق تین مذہب
۲۰۹	مبتدا کی قسم دوم کی تعریف	۲۷۰	مثال اول سے متعلق علامہ رضی کا مذہب
۲۱۵	مطابقت کی تین صورتیں	۲۷۳	ایک دوسرا مذہب
۲۱۶	خبر کی تعریف	۲۷۳	خبر کے حذف وجوبی کی تیسری صورت
۲۱۸	مبتدا و خبر کے عامل سے متعلق تین مذہب	۲۷۴	پہلی صورت میں نجات کوئی کا مذہب
۲۲۰	مبتدا میں اصل تقدیم ہے	۲۷۶	اخفش کا اپنا مذہب
۲۲۲	مبتدا نحو ہو تو تخصیص کی صورتیں	۲۷۷	حذف وجوبی کی چوتھی صورت
۲۲۳	اخبار کی صحت کا مدار محققین کے نزدیک فائدہ پر ہے	۲۷۸	خبر ان واخواتہا کا بیان
۲۳۱	خبر میں عائد کا ہونا کب ضروری ہے؟	۲۷۹	خبر ان کی تعریف کا بیان
۲۳۲	عائد کا حذف بوقت قرینہ جائز ہے	۲۸۰	خبر ان کا حکم مبتدا کے حکم طرح ہے
۲۳۳	خبر ظرف ہو تو بصریوں کو فیلوں کا کیا اختلاف ہے؟	۲۸۱	خبر ان کا حکم مبتدا کے حکم کی طرح تقدیم میں نہیں
۲۳۴	ظرف مستقر ظرف لغوی تعریف و وجہ تسمیہ	۲۸۲	خبر ان اگر ظرف ہو تو مبتدا کے حکم کی طرح ہے
۲۳۶	تقدیم مبتدا کی دس صورتیں	۲۸۳	خبر لا الہ الا اللہ کا بیان
۲۴۲	تاخیر مبتدا کی دس صورتیں	۲۸۴	خبر لا الہ الا اللہ کا بیان
۲۴۷	خبر متعدد بے عطف و بغیر عطف	۲۸۶	خبر لا الہ الا اللہ کا بیان
۲۴۹	مبتدا جب شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کی خبر پر	۲۸۷	کلمہ تو حید لا الہ الا اللہ کا بیان
	دخول فاجائز ہے	۲۸۸	خبر لا سے متعلق بنو تیم کا خیال
۲۵۰	مبتدا جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اس کی چند صورتیں	۲۸۹	اسم ما و لا مشابہ بلیس کا بیان
۲۵۲	لیت و لعل دخول فاسے مانع کیوں؟	۲۹۰	اسم ما و لا کی تعریف کا بیان
۲۵۵	شرط و جزا اخبار کے قبیل سے ہیں		نکرو میں لا عمل کرتا ہے ما نہیں
۲۵۶	دخول فاسے مانع صرف لیت و لعل ہی کیوں؟	۲۹۱	لیس کا عمل لا میں قلیل ہے ما میں نہیں
۲۵۷	سیبویہ نے ان مکسورہ کو بھی لیت و لعل کیساتھ لاحق	۲۹۲	لزم کی تین قسمیں ہیں عقلی۔ عادی۔ ادعائی
	کیا ہے	۲۹۳	بحث منصوبات بحث مجزوات پر کیوں مقدم ہے؟
۲۵۸	لیت و لعل کیساتھ ان مفتوحہ بھی لاحق ہے		
۲۵۹	مبتدا کے حذف جوازی کا بیان		

بِسْمِ اللّٰهِ

ترجمہ: ————— اللہ کے نام سے شروع

تشییح: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اَللّٰهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مُحَمَّدٌ عَبْدُ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

بیانہ بسم۔ دراصل بسم تھا ہمزہ وصل۔ خبر کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

سوال ہمزہ وصل کا سقوط صرف تلفظ میں ہوتا ہے کتابت میں نہیں اور یہاں کتابت میں بھی ہے ایسا

کیوں؟ جواب تسمیہ کا استعمال چونکہ بکثرت ہوتا ہے اور کثرت استعمال خفت کا مقتضی ہے اس لئے

تلفظ کے ساتھ کتابت میں بھی اس کو ساقط کیا گیا اور باکو ہمزہ محذوف پر دلالت کرنے کے لئے طول دیدیا گیا۔

سوال بسم اللہ مجرھا و مرساہا میں ہمزہ وصل کو کتابت میں کیوں ساقط کیا گیا؟ جبکہ اس کا استعمال کثیر نہیں۔

جواب اس کا بھی استعمال کثیر ہے کیونکہ کشتی پر سوار ہونے والے جب تک کشتی پر ہوتے ہیں وہ بکثرت

اس کو پڑھتے ہیں سوال اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنٍ اور اِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کثیر الاستعمال نہیں پھر ان سے

ہمزہ وصل کیوں ساقط کیا جاتا ہے؟ جواب ان کو اس بسم اللہ کے ساتھ مشابہت حاصل ہے جس کا استعمال

کثیر ہوتا ہے۔ سوال اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ عَلَّمَکَ الْقُرْآنَ ہمزہ وصل کا سقوط کتابت میں کیوں نہیں؟ جواب اس کا استعمال

بہت قلیل ہے۔

باء جارہ برائے تبرک و استعانت ہے جس کا متعلق فعل مقدر ہے تقدیر عبارت یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُصْنَفُ کیونکہ با حرف جار ہے جو فعل یا شبہ فعل کے معنی کو اسم تک پہنچاتا ہے اس لئے ضروری ہے

اس کا متعلق کوئی فعل یا شبہ فعل ہو اور فعل یا شبہ فعل کبھی مذکور ہوتا ہے اور کبھی مقدر اور اگر مذکور ہو تو

با کا متعلق وہی مذکور ہوتا ہے اور اگر مقدر ہو تو اس کا متعلق وہی مقدر ہوتا ہے اور مقدر کی دو صورتیں

ہیں اول عام دوم خاص۔ عام مثلاً اَبَدًا، اَشْرَعُ وغیرہ اور خاص مثلاً اَکُلُ، اَشْرَبُ، اُصْنَفُ وغیرہ اور با کا متعلق

عام اس وقت ہوتا ہے جبکہ کوئی قرینہ خصوص موجود نہ ہو ورنہ اس کا متعلق خاص ہوتا ہے اور یہاں تسمیہ

میں چونکہ قرینہ خصوص اور وہ مصنف کی حالت موجود ہے اس لئے بار کا متعلق خاص یعنی اُصْنَفُ ہوگا۔

سوال بسم اللہ معمول ہے اور اُصْطِفَ عامل اور عامل من حیث العاقل معمول پر مقدم ہوتا ہے لہذا چاہیے یہ تھا کہ اُصْطِفَ کو بسم اللہ پر مقدم کیا جائے جواب بسم اللہ کو اُصْطِفَ پر تین وجہوں سے مقدم کیا گیا ہے اول یہ کہ بسم اللہ میں لفظ اللہ اسم جلالت ہے اور اسم جلالت کو تصنیف مصنف پر تقدم بالطبع حاصل ہے اس لئے کہ مصنف کی تصنیف حادث ہے اور ذات باری تعالیٰ جس پر اسم جلالت دال ہے قدیم ہے اور ظاہر ہے قدیم کو حادث پر تقدم بالطبع حاصل ہے اس لئے طبع کی مناسبت سے بسم اللہ کو ذکر میں پہلے بیان کیا گیا۔ دوم یہ کہ بسم اللہ کو مقدم کرنے سے حصر مطلوب حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ ایسی شئی کا مقدم کرنا کہ جس کا مقام موخر ہے حصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ایاک نعبد۔ بسم اللہ مجرہا اور یہاں حصر مطلوب مشرکین عرب کے اس تسمیہ کا رد کرنا ہے جو اپنے کام کے وقت معبودان باطل لات و عزری وغیرہ کا نام لے کر بسم اللات والعزری وغیرہ کہا کرتے تھے۔ سوم یہ کہ بسم اللہ کو مقدم کرنے سے اظہار تعظیم اور اہتمام شان کا بیان ہوتا ہے۔ سوال بسم اللہ کے باکو کسرہ دیا گیا جبکہ فتح دینا چاہئے تھا کیونکہ باحروف معانی مفردہ سے ہے اور حروف معانی مفردہ بنتی ہوتے ہیں اور بنی اصل میں ساکن ہوتا ہے لہذا باکو ساکن ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ ابتداً بالسکون محال ہے اس لئے بنی پر فتح ہونا چاہئے تھا کیونکہ فتح اخذ سکون اور اخف حرکات ہوتا ہے جواب (۱) سکون عدم حرکت کا نام ہے اور کسرہ بھی فعل وغیر منصرف پر نہیں آتا پس وہ بھی عدم حرکت ہوا اس لئے باکو کسرہ دیا گیا۔ (۲) لفظ باجر کو لازم یعنی وہ ہمیشہ اپنے مدخول کو جر دیتا ہے لہذا اثر کی مناسبت سے موثر یعنی باکو بھی کسرہ دیا گیا جس طرح لام امر اور لام اضافت کو کسرہ دیا جاتا ہے برخلاف واؤ کہ وہ جر کو لازم نہیں کرتا کیونکہ وہ برائے عطف بھی آتا ہے اس لئے اس کو فتح دیا جاتا ہے (۳) با کے فتح کی صورت میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ بسم با اور اسم سے مرکب نہیں بلکہ مفرد ہے جس کا معنی مسکرانا ہے اور ظاہر ہے یہ مقام تسمیہ کے بالکل خلاف ہے۔

اسم بصریوں کے نزدیک اسماء و مخدوفۃ الاعجاز سے ہے یعنی اُس اسماء سے جس کے آخری حرف کو حذف کیا جاتا ہے جیسے یذو ذم وغیرہ کہ دراصل یدو ذم و ذم تھے پس اسم دراصل سو تھا جس کے واؤ کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر کے شروع میں ہمزہ وصل لایا گیا سمو لغت میں بلند ہونے کے معنی میں ہے او اسم کو بلند ہونے سے یہ مناسبت ہے کہ اس سے مسعی غیر مشی سے بلند و اجلی ہوتا ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک اسم کی اصل وسم ہے واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض میں ہمزہ وصل لایا گیا اور وسم لغت میں بمعنی علامت ہے اور

اس کو علامت سے یہ مناسبت ہے کہ وہ اپنے مسعی کو غیر مسعی سے امتیاز کرنے کی علامت ہوتا ہے۔

بصریین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسم کی جمع اسماء اور اس کی تصغیر مشی آتی ہے اس لئے کہ اس کی اصل اگر وسم ہوتی تو اس کی جمع اوسام اور تصغیر وسم آتی چاہئے تھی لیکن نہ یہ جمع آتی ہے اور نہ تصغیر کو فین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسم کی اصل اگر سمو ہو تو تعلیل کا کثیر ہونا لازم آئے گا اس لئے کہ اس میں اولاً آخری حرف کو گرایا جاتا ہے پھر اس کے سین کو معنی علی السکون کیا جاتا ہے اس کے بعد شروع میں ہمزہ وصل لایا جاتا ہے لیکن اگر اس کی اصل وسم ہو تو اس میں صرف واؤ کو ہمزہ بدلایا جاتا ہے اور بس کذا فی البیضاوی سوال اسم کا اطلاق کتنے معنوں پر ہوتا ہے؟ اور یہاں پر کونسا معنی مراد ہے؟ جواب اسم کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے (۱) اس لفظ پر جو مسعی پر دلالت کرے جیسے زید معرب میں زید سے اس کی ذات مراد نہیں بلکہ لفظ زید ہے جس پر اعراب آتا ہے اسی طرح کتبت زید میں زید سے لفظ زید مراد ہے (۲) ذات مسعی پر جیسے زید کاتب و کتب زید میں زید سے اُس کی ذات مراد ہے کیونکہ لفظ زید کے اندر کتابت کی صلاحیت نہیں (۳) اُس ذات پر جو کسی صفت کے ساتھ قائم ہو جیسے زید ضائم میں زید سے نہ لفظ زید مراد ہے اور نہ صرف ذات زید بلکہ وہ ذات مراد ہے جو وصف صیام کے ساتھ متصف ہو۔ اور یہاں پر تینوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں لیکن پہلا و دوسرا اس لئے کہ جس طرح باری تعالیٰ کی ذات سے مدد طلب کی جاتی ہے اسی طرح اس لفظ سے بھی مدد طلب کی جاسکتی ہے جو ذات پر دلالت کرے اور تیسرا معنی اس لئے کہ اسم جلالت سے یہاں پر وہ ذات مراد ہے جو صفت رحم و کرم سے متصف ہو سوال بسم اللہ میں با برائے استعانت ہے اور استعانت بہ نسبت اسم کے ذات سے اولی ہوتی ہے پس بسم اللہ کے بجائے باللہ کیوں نہیں کہا گیا؟ جواب چونکہ با جس طرح استعانت کے لئے آتا ہے اسی طرح یمن و قم کے لئے بھی اس لئے اسم جلالت سے پہلے لفظ اسم بڑھا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ با سے مراد استعانت ہے قسم نہیں سوال تسمیہ و تحمید کو یہاں کیوں بیان کیا گیا؟ جواب اس لئے کہ تسمیہ کے متعلق حدیث پاک ہے کل امر ذی بال لعید الحمد لله فہو اقطع یعنی ہر وہ امر ذی شان جو تسمیہ سے شروع نہ کیا جائے وہ نامکمل ہے اسی طرح تحمید کے متعلق حدیث ہے کل امر ذی بال لعید الحمد لله فہو اقطع یعنی ہر وہ امر ذی شان جو تحمید سے شروع نہ کیا جائے وہ نامکمل ہے سوال دونوں حدیثوں پر عمل دشوار ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے متعارض ہیں اس لئے کہ دونوں کو ابتدا کلام میں بیان کرنے کا حکم ہے اور دو چیزوں کو ابتدا کلام میں بیان کرنا نامکن ہے جواب ابتدا کی تین

اور ذاتہ وہ ہے جو موصوف کا ذمہ و یجوبیان کرے جیسے زید السارق الزانی اور موصوہ وہ ہے جو موصوف کی وضاحت کرے جیسے الجسم الطویل العریض النقیع اور محترکہ وہ ہے جو موصوف کو غیر سے امتیاز کرے جیسے جارنی رجل الذی فی یدہ کتاب۔ اور تسمیہ میں جو صفت ہے وہ مادہ ہے محترکہ نہیں کہ محذوہ و مذکور لازم آئے سوال اسم جلالت کے بعد اس کے صفات رحم و رحیم کو کیوں بیان کیا گیا؟ اور اگر صفات کو بیان کرنا ہی تھا تو اس کی صفتیں کثیر ہیں ان ہی دونوں کو کیوں خاص کیا گیا جواب (۱) قرآن پاک میں چونکہ اسم جلالت کے بعد رحم و رحیم ہی کو بیان کیا گیا ہے اس لئے یہاں بھی ان کو بیان کیا گیا (۲) لفظ اللہ اسم جلالی ہے اور رحم و رحیم اسم جالی اور اسم جلالی کے ساتھ اسم جالی کو بیان کرنے میں یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاں قہر و جلال کا مالک ہے وہیں رحم و کرم کا بھی شہنشاہ ہے (۳) اسم جلالت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے جس کی دست قدرت میں ساری چیزیں موجود ہیں اور رحم و رحیم سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہی تمام نعمتوں کا مالک اور بخشے والا ہے سوال یہ مقصود صرف ایک سے حاصل تھا دونوں کو کیوں بیان کیا گیا؟ جواب ایک یہ کہ باری تعالیٰ کے اسمائے حسنی چونکہ تین قسم پر ہیں ۱۔ اسم ذات جیسے اسم جلالت ۲۔ اسم صفت غالب الاطلاق جیسے رحم و رحیم ۳۔ اسم صفت مطلق جیسے رحیم اس لئے یہاں تینوں قسموں سے استغاثت حاصل کی گئی دوسرا جواب یہ کہ رحم سے وہ رحمت مراد ہے جو دنیا میں مومن و کافر دونوں پر ہوتی ہے اور رحیم سے وہ رحمت مراد ہے جو آخرت میں صرف مومن پر ہوگی۔

اعتراف ان دونوں کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر درست نہیں اس لئے کہ وہ رحمت سے مشتق ہیں اور رحمت لغت میں معنی انعطاف و رقت قلب کے ہے اور قلب اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے کیونکہ اس کے لئے جسم لازم ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جہانیاں سے پاک ہے۔ جواب رحمت کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے قلب کا معنی مجرد ہوتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جن الفاظ کا اطلاق ان کے معنی حقیقی کے اعتبار سے درست نہ ہو تو ان کی غایات و آثار کے اعتبار سے ان کا اطلاق کیا جاتا ہے جو از قبیل فعل و تاثیر ہیں ان اسباب و مبادی کے اعتبار سے نہیں جو از قبیل انفعال و تاثیر ہیں مثلاً رحمت بمعنی رقت قلب مبادی و سبب ہے اور اس کا اثر انعام و احسان۔ مبادی از قبیل انفعال ہے اور اثر از قبیل فعل و تاثیر اس لئے یہاں رحمت سے مراد انعام لیا گیا ہے اور رحم و رحیم سے منعم۔ خیال رہے کہ لفظ رحم کے غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے جس کے نزدیک استقرار فعلانہ کی شرط ہے وہ اُسے غیر منصرف مانتے ہیں کیونکہ اُس کی مونث رحمانہ نہیں آتی اور جس کے نزدیک وجود فعلی کی شرط ہے وہ اسے منصرف

مانتے ہیں کیونکہ اس کی مونث فعلی نہیں آتی۔ بتقدیر اول اس پر کسرہ کا دخول الف لام کی وجہ سے ہے۔

الحمد لله

ترجمہ:۔ ہر طرح کی حمد لائق حمد کے لئے ہے۔

تشریح:۔ قولہ الحمد۔ لام تعریف جنسی ہے جو ماہیت حمد پر انطباق علی الافراد کے لحاظ کے بغیر دلالت کرتا ہے یا استغراقی ہے جو ماہیت حمد پر انطباق علی الافراد کے لحاظ سے دلالت کرتا ہے اور لولہ میں لام اختصا ص کے لئے ہے اور ضمیر غائب کا مرجع حمد ہے۔ لام تعریف جنسی ماننے کی تقدیر پر اُس کا معنی ہوگا ماہیۃ الحمد مختصۃ لولی الحمد اور استغراقی ماننے کی تقدیر پر معنی ہوگا کل فرد من افراد الحمد مختص لولی الحمد۔ بعض نے الف لام کو عہد حاجی بھی مانا ہے اور حمد معبود سے مراد ہے الحمد للہ انصافاً ما جئہ جمیع خلقہ کا پختہ و یرضاه

سوال حمد کو جملہ اسمیہ سے بیان کیا گیا جبکہ جملہ فعلیہ جملہ اسمیہ سے افضل ہے کیونکہ جملہ فعلیہ میں لوازم حمد تباہ مذکور ہوتے ہیں مثلاً نحمدہ کہنے سے حامد و محمود و حمد تینوں صراحتہ مذکور ہوتے ہیں لیکن جملہ اسمیہ میں صرف حمد و محمود دو ہی مذکور ہوتے ہیں حامد نہیں اور وہ حمد جس میں تینوں لوازم مذکور ہوں اس حمد سے اولیٰ ہے جس میں صرف دو ہی لوازم مذکور ہوں۔ جواب جملہ فعلیہ چونکہ حدوث و تجدید پر دال ہے اور جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دال ہے اس لئے حمد کو جملہ اسمیہ سے بیان کیا گیا اور اسی وجہ سے اس کو مناظرہ رشیدیہ میں اسمیہ جملہ سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ یہ اشارہ ہو کہ یہ پہلے جملہ فعلیہ تھا جو دوام و استمرار پر دلالت کرنے کیلئے اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے پس اُس کا معنی ہوا اسمیہ کا فعلیہ ہونا سوال الحمد لولہ جملہ خبریہ ہے جس سے حمد کی خبر معلوم ہوتی ہے حالانکہ مقصود یہاں خبر نہیں بلکہ انشاء ہے جواب یہ اگرچہ بظاہر جملہ خبریہ ہے لیکن وہ مقام انشاء میں واقع ہونے کی وجہ سے انشائیہ ہو گیا ہے جس طرح بعث و اشتریت مقام بیع و شراء میں واقع ہونے کی وجہ سے انشائیہ ہو گیا ہے حالانکہ وہ خبریہ ہے حمد، مدح، شکر کی تعریفات اور ہر ایک کے درمیان نسبتوں کی تفصیلات التشریح المنیب محل شرح التہذیب میں ملاحظہ کریں۔

قولہ لولہ۔ ولی بروزن فعلیل صفت مشبہ ہے جس کے معنی پانچ ہیں (۱) ناصر جیسے کل من علی

امراحد فہو ولیہ (۲) متصرف جیسے زید ولی ابنہ الصغیر (۳) محب جیسے اللہ ولی الذین امنوا (۴) قریب جیسے زید ولی بنکیر (۵) حری یعنی لائق جیسے شاہدا ولی من خالہ بتقدیر اول عبارت یہ ہوگی الحمد لنا صر الحمد اللہ تعالیٰ ناصر حمد اس طرح ہیکہ وہ حامد کو حمد کرنے کی قوت و زبان و مکان دیتا ہے۔ بتقدیر دوم عبارت یہ ہوگی الحمد لمصرف الحمد اللہ تعالیٰ کا متصرف حمد ہونا ظاہر ہے کہ ہر شئی ممکن اس کے تصرف میں ہے۔ بتقدیر سوم عبارت یہ ہوگی الحمد لمحب کل حمد لیکن یہ اللہ تعالیٰ کیلئے درست نہیں اس لئے کہ کافروں کی اگر حمد کی جائے تو وہ حمد اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ بتقدیر چہارم عبارت ہوگی الحمد لقریب الحمد اللہ تعالیٰ کا قریب حمد ہونا ظاہر ہے کہ وہ ہر شئی کے قریب ہے حتیٰ کہ ارشاد ہے نحن اقرب الیہ من حبل الوريد۔ بتقدیر پنجم عبارت ہوگی الحمد لمرئی الحمد اللہ تعالیٰ کا لائق حمد ہونا بھی ظاہر ہے کہ اس کا غیر بھی اگرچہ لائق حمد ہوتا ہے مگر اسی کی عطا و بخشش سے سوال حمد کے طریقہ مشہور الحمد للہ سے کیوں عدول کیا گیا؛ حالانکہ یہ مختصر بھی ہے کہ لولہ کے حروف مکتوبی پانچ ہیں اور حروف ملفوظی سات اور اللہ کے حروف مکتوبی صرف تین ہیں اور ملفوظی پانچ اجواب تین وجہوں سے عدول کیا گیا (۱) لفظ اللہ مقام حمد میں چونکہ مشہور تھا اس لئے جدید لفظ لے آیا تاکہ مشہور مقولہ کل جدید لذیذ کا لطف حاصل ہو (۲) مدعی چونکہ پہلے سے ثابت تھا کہ حمد خدا ہی کے لئے ہوتی ہے اور وہی اس کے لائق ہے اس لئے ایسا لفظ بیان کیا گیا جس سے اسی مدعی کی طرف اشارہ ہو (۳) لنبیہ کے ساتھ رعایت صحیح مقصود ہے سوال رعایت صحیح امراضی سے ہوتی ہے مستقبل سے نہیں اور لنبیہ امر مستقبل ہے۔ جواب لنبیہ اگرچہ کتابت میں مستقبل میں ہے لیکن ذہن میں وہ ماضی میں ہے۔ سوال دلی جس طرح کتابت میں نبی سے پہلے ہے اسی طرح ذہن میں بھی کہ مذہبوں مطابق مکتوب ہوتا ہے جواب تقدیم سے مقصود ہے کہ نبی مذہبوں ولی مکتوب سے پہلے ہونے کا فیہ

وَالصَّلٰوةُ عَلٰی نَبِیِّہِ

ترجمہ: — اور صلوٰۃ نازل ہوئی محمود پر

تشریح: — قولہ والصلوٰۃ: یہ باب تفعیل کا اسم مصدر ہے جو اصل میں صلوٰۃ یا صلوٰۃ تھا بقاعدہ سئل واوالف سے بدل گیا صلوٰۃ ہو گیا۔ اس کو واؤ کے ساتھ اس لئے لکھا جاتا ہے تاکہ یہ اشارہ ہو کہ الفاصل میں

واو تھا۔ حدیث پاک میں ہر امر ذی شان سے پہلے حمد کے لانے کا حکم ہے لیکن صلوٰۃ کا تو اس کی چار وجہیں ہیں ایک یہ کہ سرکار ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت سی کرامتوں کے ساتھ خاص کیا ہے جن میں سے ایک یہ کہ جب ان کے نام پاک کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ میرا بھی نام بیان کیا جاتا ہے جیسے کلمہ توحید وغیرہ میں دوسری یہ کہ نبی کریم تبلیغ احکام اور قبولیت اعمال میں خدا اور بندوں کے درمیان چونکہ وسیلہ میں اس لئے جب خدا کی حمد بیان کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ سرکار کی بھی صلوٰۃ بجالاتے ہیں تاکہ اس کے وسیلہ سے خدا کی بارگاہ میں حمد مقبول ہو جائے تیسری یہ کہ حمد صلوٰۃ کے بغیر ناقص ہے۔ صلوٰۃ سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے کیونکہ اس کو یہاں اصلۃ نہیں بلکہ حمد کی استعانت و استمداد کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ چوتھی یہ کہ اس سے یہ تہیہ کرنا مقصود ہے کہ یہ کتاب مومن کی ہے یہود و نصاریٰ کی نہیں کیونکہ وہ بھی اگرچہ خدا کی حمد بجالاتے ہیں لیکن چونکہ وہ نبی کریم پر ایمان نہیں لاتے اس لئے وہ ان کی صلوٰۃ بیان نہیں کرتے۔

جمہور کے نزدیک صلوٰۃ کا معنی مشہور دعا ہے لیکن اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو رحمت مراد ہوتی ہے اور جب فرشتوں کی طرف ہو تو استغفار اور بندوں کی طرف ہو تو دعا اور وحوش و طیور کی طرف ہو تو تسبیح مراد ہوتی ہے لہذا پہلی صورت میں الصلوٰۃ علی نبیہ کا معنی ہوا رحمۃ اللہ علی نبیہ دوسری صورت میں استغفار الملائکہ علی نبیہ تیسری صورت میں دعا و العباد علی نبیہ چوتھی صورت میں تسبیح الوحوش و الطیور علی نبیہ۔

اعتراف پہلی اور دوسری اور تیسری صورت درست نہیں لیکن پہلی اس لئے کہ رحمت لغت میں انعطاف و رقت قلب کے معنی میں ہے اور قلب کے لئے جسم لازم ہے اور اللہ تعالیٰ جسم و جہانیاں سے پاک ہے لیکن دوسری اس لئے کہ استغفار کے لئے گنہ لازم ہے اور سرکار نبی ہیں اور نبی ہر گناہ صغائر و کبائر سے مہصوم ہوتے ہیں اور لیکن تیسری اس لئے کہ دعا کا صلہ جب علی آئے تو بد دعا کے معنی میں آتی ہے اور یہاں یہ بدایتہ ممنوع ہے جواب (۱) رحمت کا اطلاق جب اللہ تعالیٰ پر ہو تو اس سے قلب کے معنی کی تخرید کر لی جاتی ہے جیسا کہ گزرا (۲) فرشتوں کا استغفار حقیقۃً نبی کے لئے نہیں بلکہ ان کی گنہ گار امت کے لئے ہوتا ہے اور استغفار کو نبی کریم کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے گناہ گار امتوں کو اپنے ساتھ لاحق فرمایا ہے جیسا کہ واقعہ معراج اس کا بین ثبوت ہے کہ رب کائنات نے جب آپ کو سلام کیا تو آپ نے السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین کہہ کر گنہ گار امتوں کو اپنی چادر کرم میں شامل فرمایا اور نیکو کار کو علیحدہ چھوڑ دیا (۳) علی جب لفظ دعا کا صلہ آئے تو بد دعا کے معنی میں آتا ہے

لیکن وہ یہاں لفظ دعا رک نہیں بلکہ اس کے دال یعنی صلوٰۃ کا صلہ ہے یا یہ کہ علی نہ لفظ دعا کا صلہ ہے اور نہ صلوٰۃ کا بلکہ نازلہ کا صلہ ہے جو صلوٰۃ کے بعد مقدر ہے اصل عبارت یہ ہے الصلوٰۃ نازلہ علی نبیہ۔ اس تقدیر پر قرینہ لفظ علی ہے جو استعلا۔ فوق پر دال ہے اور نزول بھی فوق ہی سے ہوتا ہے۔ سوال یہ قرینہ صرف باری تعالیٰ کی صلوٰۃ پر تو ہو سکتا ہے لیکن اس کے علاوہ کی صلوٰۃ پر نہیں کیونکہ اس کے علاوہ کی صلوٰۃ میں اوپر سے نزول نہیں ہوتا جو اب خدا کے علاوہ کی صلوٰۃ حقیقہ خدا ہی کی صلوٰۃ ہوتی ہے یا یہ کہ صلوٰۃ باری تعالیٰ کو اس کے غیر پر غالب قرار دے کر نازلہ کو مقدر مانا گیا ہے۔

قولہ علی نبیہ۔ نبی بروزن فعل صفت مشبہ ہے جس کا مصدر نبأ یا نبؤۃ مہوز اللام ہے یا نبؤیا نبؤۃ ناقصہ وادی بتقدیر اول مصدر کا معنی اخبار ہے اور نبی کا معنی مخبر عن الغیب جیسا کہ المنجد میں ہے النبی المخبر عن الغیب اور نبی دراصل نبی بروزن فعل ہے جو خطیئہ کے قاعدہ سے ہزہ بدل کر یار ہو گیا پھر یار میں مدغم ہو گیا اور بتقدیر دوم مصدر کا معنی ارتفاع ہے اور نبی کا مرتفع بکسر فا وفتح فالین پہلی صورت میں فعل بمعنی فاعل یعنی بلند ہونے والا ہو گا اور دوسری صورت میں فعل بمعنی مفعول یعنی بلند کیا ہوا۔ دونوں جائز ہیں۔

سرکار کے نام کو صراحۃً اس دہم کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا کہ صلوٰۃ میں آپ کے نام کو صراحۃً بیان کرنا۔ ضروری ہے یا یہ کہ لفظ نبی دال علی الصفت ہے اور نام دال علی الذات اور دال علی الذات کے بیان کرنے میں ایہام سور ادبی ہے جیسا کہ شاگرد اپنے استاد کو اوصاف سے پکارتے ہیں نام سے نہیں کہ سور ادبی ہے سوال سور ادبی کے ازالہ کے لئے لفظ نبی ہی کی کیا تخصیص ہے لفظ رسول کو کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ جواب قرآن کریم کی اتباع مقصود ہے کہ اس میں سرکار کے لئے جو صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے لفظ نبی ہی مذکور ہے رسول نہیں جیسا کہ ارشاد ہے إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلُّوا تَسْلِيمًا اس میں باطن کے ساتھ ظاہر پر بھی عمل ہو جائے گا۔ یا یہ کہ لولہ کے ساتھ رعایت صحیح مقصود ہے۔ یا یہ کہ نبی رسول سے عام ہے کیونکہ نبی وہ برگزیدہ انسان ہے جو تبلیغ احکام کے لئے بندوں کی طرف بھیجا گیا ہو خواہ ان کے ساتھ کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول وہ برگزیدہ انسان ہے جو تبلیغ احکام کے لئے بندوں کی طرف بھیجا گیا ہو اور ان کے ساتھ کتاب بھی ہو۔ لہذا رسول خاص ہوا اور نبی عام (تفصیل التشریح المنیب میں دیکھئے) اور سرکار جب وصف عام کی وجہ سے صلوٰۃ کا مستحق ہو سکتے ہیں تو وصف خاص کی وجہ سے بدرجہ ادلی مستحق ہوں گے۔ سوال نبی، سرکار مدینہ کے علاوہ دوسرے بھی ہو سکتے ہیں لہذا

صلوٰۃ سرکار کے ساتھ خاص نہ ہوتی حالانکہ مقصود یہاں صرف ان ہی کی ذات ہے جواب نبی کی اضافت ضمیر غائب کی طرف ہے جو معرف ہے اور معرف کی طرف اضافت سے چونکہ تعریف کا فائدہ ہوتا ہے اس لئے نبی سے صرف سرکار کی ذات ہی مراد ہے۔

سوال نبیہ میں ضمیر مجرور کا مرجع حمد ہے یا ولی اگر حمد ہے تو فساد معنی لازم آئے گا اس لئے کہ اس صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے حمد کا نبی اور ظاہر ہے حمد کا نبی نہیں ہوتا اور اگر ولی ہے تو انتشار ضائر لازم آئے گا اس لئے کہ اس صورت میں اس کا مرجع ولی ہے اور لولہ میں حمد اور انتشار ضائر اور فساد معنی دونوں باطل ہیں جواب ضمیر مجرور کا مرجع ولی بھی ہو سکتا ہے اور حمد بھی لیکن ولی اس لئے کہ انتشار ضائر ایک کلام میں ممنوع ہے اور یہاں دو کلام ہیں اور اگر مرجع حمد ہے تو فساد معنی لازم آئے گا کہ وہ اس کا مرجع بطور صنعت استخدام ہے اور وہ کہتے ہیں کہ لفظ کے اگر دو معنی ہوں تو ضمیر سے ایک جگہ ایک معنی مراد لیا جائے اور دوسری جگہ دوسرا معنی اور یہاں حمد کے چونکہ دو معنی ہیں ایک ثنا اور دوسرا محمود اس لئے لولہ میں ضمیر سے پہلا معنی مراد لیا گیا اور نبیہ میں ضمیر سے دوسرا معنی جو بلاشبہ درست ہے۔

وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْمَلَائِكَةُ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِ سَلَامٌ مِّن رَّبِّكَ

ترجمہ:- اور ان کے آل و اصحاب پر جو ان کے اخلاقی عادات کی اقتدا کرنے والے ہیں۔

تشریح:- قولہ و علی آلہ۔ آل پر صلوٰۃ سرکار کی حدیث پاک اذ اصلیتوا علی فعیبتوا کی وجہ سے ہے یعنی تم لوگ جب مجھ پر صلوٰۃ بھیجو تو عام کر دو یعنی آل پر بھی بھیجو۔ اور یہاں علی کے بیان کرنے کی اگرچہ ضرورت نہ تھی کہ تکرار سے اصالت صلوٰۃ کے ساتھ اختصار بھی فوت ہو جاتا ہے لیکن اس سے شیعہ کے اس مسلک کا رد کرنا ہے کہ سرکار اور ان کے آل کے درمیان علی کے ذریعہ فصل کرنا ناجائز ہے۔ ان کی دلیل یہ کہ نبی کریم کا ارشاد ہے مَنْ فَصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَ آلِي بَعَثْتُ جَفَانًا یعنی جو میرے درمیان اور میرے آل کے درمیان علی سے فصل کرے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اہلسنت و جماعت اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث مذکور میں علی سے مراد لفظ علی نہیں بلکہ مولیٰ علی ہیں لہذا اب اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ جو میرے اور میرے آل کے درمیان مولیٰ علی کے ذریعہ فصل کرے یعنی مجھ کو اور

میرے آل کو مانے اور مولیٰ علی کو نہ مانے اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

آل۔ بصریہ کے نزدیک اصل میں اہل تھا۔ باخلاف قیاس ہمزہ ہو کر بقاعدہ اُس آل ہو گیا۔ اور کوفیہ اس کی اصل اول کہتے ہیں جو قال کے قاعدہ سے آل ہو گیا ہے ہر ایک کی دلیل التشریح المنیب میں ملاحظہ کیجئے آل سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق چھ قول ہیں (۱) متبعین۔ حدیث میں ہے کئی مومن تھے۔ فہو من آئی اس کے قائل حضرت جابر بن عبد اللہ اور ابوسفیان ثوری اور بعض اصحاب شافعیہ ہیں اور یہی قول امام نووی اور ازہری کے نزدیک راجح ہے (۲) بنو ہاشم اور بنو مطلب۔ اس کے قائل امام شافعی ہیں (۳) صرف بنو ہاشم۔ اس کے قائل امام اعظم اور بعض اصحاب مالکیہ ہیں (۴) اہل بیت کرام (۵) نبی کریم کی تمام ازواج مطہرات اور صاحبزادیاں اور داماد اور ان کی اولاد (۶) صرف نبی کریم کی اولاد۔

قولہ واصحابہ۔ اصحاب جمع ہے صاحب کی جیسے اطہار جمع ہے طاہر کی۔ بعض کا قول ہے کہ وہ صُحْب بسکون حار کی جمع ہے جیسے انہار جمع ہے نہر کی۔ بعض کا قول ہے کہ وہ صُحْب بکسر حار کی جمع ہے جیسے انہار جمع ہے نہر کی۔ تحقیق یہ ہے کہ اصحاب کا واحد صُحْب بسکون حار ہو یا بکسر حار دونوں اصل میں صاحب تھے جن سے الف برائے تخفیف ماقط ہو گیا ہے۔ کیونکہ جمع اگر افعال یا فاعل کے وزن پر ہو تو اس کا واحد اسم فاعل بغیر تار ہوتا، جیسے کو اہل کا واحد کابل اور اطہار کا واحد طاہر ہے اسی طرح اصحاب کا واحد صاحب ہوتا ہے۔

اصحاب عام ہیں اور صحابہ خاص اور اصحاب رسول سے صحابہ ہی مراد ہوتے ہیں اور صحابہ وہ مومنین ہیں جنہوں نے بحالت ایمان نبی کریم کی صحبت گزاری اور اسی پر قائم رہے یہاں تک کہ خاتمہ اسی ایمان پر ہوا ہو۔ اس میں مومنین کی قید بمنزلہ جنس ہے اور باقی بمنزلہ فصول۔ صحبت کی قید سے وہ مومنین خارج ہو گئے جنہوں نے سرکار کی حیات طیبہ پائی لیکن صحبت سے محروم رہے ہوں اور ایمان کی قید سے وہ مومنین خارج ہو گئے جنہوں نے بحالت کفر نبی کریم کی صحبت پائی اور ان کے رد و پوش ہو جانے کے بعد ایمان نصیب ہوا ہو۔ اور ایمان پر قائم رہنے کی قید سے وہ مومنین خارج ہو گئے جنہوں نے ایمان کے ساتھ نبی کریم کی صحبت گزاری اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا ہو۔ لیکن درمیان میں مرتد ہو گئے ہوں اور خاتمہ کی قید سے وہ بد نصیب خارج ہو گئے جنہوں نے نبی کریم کی صحبت گزاری لیکن خاتمہ کے وقت ایمان سے محروم ہو گئے ہوں۔

اس بیان سے آل واصحاب کے درمیان نسبت بھی معلوم ہو گئی کہ آل معنی اول کے اعتبار سے عام ہے

اور اصحاب خاص کیونکہ اس میں مادہ اجتماع کا پایا جاتا ہے اور دوسرا افتراق کا کیونکہ سیدنا ابو بکر صدیق پر آل واصحاب دونوں صادق ہیں اس لئے کہ وہ سرکار کے متبع ہیں اور مجھ فقیر پور نوری پر آل صادق ہے اصحاب نہیں اور آل معنی دوم کے اعتبار سے اصحاب سے عام وخاص من وجہ ہے کیونکہ اس میں ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے اور دوا دے افتراق کے کیونکہ سیدنا مولیٰ علی وغیرہ پر آل واصحاب دونوں صادق ہیں کیونکہ وہ بنو ہاشم بھی ہیں اور اصحاب بھی اور ابوطالب وغیرہ آل یعنی بنو ہاشم میں لیکن اصحاب نہیں اور سیدنا ابو بکر وغیرہ اصحاب میں لیکن آل یعنی بنو ہاشم نہیں اور آل معنی سوم کے اعتبار سے بھی اصحاب سے عام وخاص من وجہ ہے جیسا کہ مثال گزری اور آل معنی چہارم کے اعتبار سے اصحاب سے عام وخاص مطلق ہے لیکن آل خاص ہے اور اصحاب عام اس لئے کہ سیدنا مولیٰ علی پر آل یعنی اہلیت اور اصحاب دونوں صادق ہیں اور سیدنا امیر معاویہ وغیرہ پر اصحاب صادق ہے لیکن آل یعنی اہل بیت نہیں اور آل معنی پنجم کے اعتبار سے اصحاب سے عام وخاص من وجہ ہے اس لئے کہ سیدنا مولیٰ علی اور سیدنا عثمان غنی پر آل یعنی داماد اور اصحاب دونوں صادق ہیں اور سیدنا مرثدا سید شاہ عبدالشکور سیوانی علیہ الرحمہ وغیرہ پر آل یعنی اولاد صادق ہے لیکن اصحاب نہیں اور سیدنا ابوذر غفاری وغیرہ پر اصحاب صادق ہے آل نہیں اور آل معنی ششم کے اعتبار سے بھی عام وخاص من وجہ ہے اس لئے کہ سیدنا امام حسین و سیدنا امام حسین پر آل یعنی اولاد اور اصحاب دونوں صادق ہیں اور سیدنا سرکار غوث اعظم وغیرہ پر آل یعنی اولاد صادق ہے لیکن اصحاب نہیں اور سیدنا خطلہ وغیرہ پر اصحاب صادق ہے آل نہیں۔

صرف پہلی صورت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آل جب عام ہے تو اس میں اصحاب داخل ہوئے پھر آل کے بعد اصحاب کے ذکر سے کیا فائدہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ کہ عام کے بعد خاص کا ذکر فضیلت و بزرگی پر دلالت کرتا ہے قرآن کریم میں ہے حَافِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوٰۃَ الْوَسْطٰی۔ باقی پانچ صورتوں میں یہ سوال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ چوتھی صورت کے علاوہ باقی چار صورتوں میں آل واصحاب میں سے ہر ایک عام وخاص من وجہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کا متغایر ہے اور چند متغایر شی کا ذکر منوع نہیں اور چوتھی صورت آل خاص ہے اور اصحاب عام اور خاص کے بعد عام کے ذکر میں کوئی کلام نہیں۔

قولہ المتادین باداہ۔ متادین باب تفعیل کا اسم فاعل بمعنی اقتدا کرنے والے ہے مصباح میں ہے

تادب بہ اقتدا کرنا۔ وہ آل واصحاب میں سے ہر ایک کی صفت ہے یا دونوں کی بتقدیر اہل جمع بفتح نوں ہو گا اور

بتقدیر دوم تشریح بکسرتون ہوگا۔

آداب جمع ہے ادب کی اور ادب کے معنی اچھی عادت ہے مصباح میں وہ اخلاقی لکھ ہے جو ناشائستہ باتوں سے روکتا ہو اور اس کا اطلاق ہر قسم کے علوم و معارف یا ان کے دلچسپ حصے یا مخصوص قوانین پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً آداب المجلس و آداب الدرس کے معنی مجلس یا درس کے مخصوص قوانین ہیں سوال المتادین جمع ہے اور جمع پر جب الف لام داخل ہو اور اردہ بعض پر کوئی قرینہ مخصوص نہ ہو تو عموم و استفراق کا فائدہ دیتا ہے جیسے نور الانوار میں ہے اذا كان دخول لام التعريف على الجميع فثمرته عمومۃ لہذا اچھی عادت میں تمام صحابہ کا مساوی ہونا لازم آئے گا نیز آداب جمع ہے اور جمع جب مضاف ہو تو استفراق کا فائدہ دیتا ہے لہذا اصل عبارت یہ ہوگی کئی فرد من افراد الاصحاب متادب بجمع آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی افراد اصحاب میں سے ہر فرد نبی کریم کے تمام اخلاقی عادات کی اقتدا کرنے والا ہے اور ظاہر ہے ہر صحابی ایسا نہیں بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ جواب ابھی گزرا کہ متادین اسم فاعل ہے اور اسم فاعل پر جب الف لام داخل ہو تو بمعنی الٰہی ہوتا ہے لہذا یہ اسمی ہے اور استفراق کا فائدہ الف لام حرفی دیتا ہے اور جمع کی اضافت یہاں استفراق کے لئے نہیں بلکہ جنس کیلئے ہے کہ وہ کبھی جنس کے لئے بھی ہوتی ہے جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں کو اھیۃ الصلوۃ میں کراہیۃ سے جنس کراہیت مراد ہے کہ نماز کی تمام مکروہات فقہ کی کسی کتاب میں نہیں۔

سوال ادب کا معنی اچھی عادت و صفت عرض ہے اور ایک عرض کا دو ذات میں پایا جانا محال ہے۔ جواب متادب کا معنی جیسا کہ گزرا اقتدا کرنے والا ہے پس عبارت بالا کا معنی ہوگا کہ صحابہ نبی کریم کے اخلاقی عادات کی اقتدا کرنے والے ہیں اُس کا معنی یہ نہیں کہ اخلاقی عادات سے صحابہ موصوف ہیں جیسا کہ بعض شارحین نے کیا ہے اس صورت میں محذور مذکور لازم آئے گا انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آداب سے پہلے مثل محذوف ہے صحابہ مثل آداب سے موصوف ہیں عین آداب سے نہیں یا یہ کہ ادب سے مراد اس کی نوع ہے شخص نہیں اور واقع ہے کہ عرض کی ایک نوع دو ذات میں پائی جاتی ہے۔

أَمَّا بَعْدُ

ترجمہ: لیکن حمد و صلوٰۃ کے بعد

تشریح:۔ قولہ اَمَّا بَعْدُ۔ اما حرف شرط ہے جس کی شرط وجوبی طور پر ہمیشہ محذوف ہوتی ہے اور انا کے بعد اسم ہوتا ہے اور وہ اسم اگر ظرف ہو تو وہ ما بعد فار کا معمول ہوتا ہے جیسے اَمَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَرِيدٌ منطلق میں یوم الجمعۃ منطلق کا معمول ہے اور اگر ظرف نہیں تو وہ اسم مبتدا ہوتا ہے جس کی خبر وہ ہے جس پر فار جزائریہ داخل ہوتا ہے جیسے اَمَّا زَيْدٌ فَمِنْطَلِقٌ میں لہذا یہاں تقدیر عبارت مہمہا لیکن من شیء بعد ذلك فہنہا ہے جو اصل میں مہمہا لیکن من شیء فہنہا بعد ذلك تھا جس کی شرط محذوف ہونے کے بعد مہمہا لیکن من شیء فہنہا بعد ذلك ہوا اور اس صورت میں حرف شرط و جزا کا ایک ساتھ اجتماع لازم آتا ہے اس لئے وسط میں بعد ذلك لایا گیا اور ذلک مضاف الیہ کو محذوف منوی مان کر بعد کو ضمہ پر مبنی قرار دیا گیا کہ نقصان کی تلافی کرنے کے لہذا مہمہا بعد فہنہ ہوا پھر مہمہا کے ہا کو ہمزہ سے بدلنے اور اس کے قلب مکانی کرنے کے بعد اَمَّا ہوا۔

انما کے ذریعہ سے پہلے سید ناداد علیہ السلام نے دو جملوں کے درمیان فصل کر کے کلام فرمایا تھا جیسا کہ ان کے متعلق قرآن کریم میں ہے وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ کذا قال الشرح والشعبي وہ کبھی اجمال کی تفصیل کیلئے بھی آتا ہے جیسے جبارنی القوم اَمَّا زَيْدٌ فَاكْرَمُهُ وَاَمَّا خَالِدٌ فَاَهْنُؤُهُ میں اور کبھی استیناف کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔

فَهَذِهِ فَوَائِدُ وَافِيَةٌ

ترجمہ: پس یہ فوائد کافی ہیں

تشریح:۔ قولہ فہذہ۔ سوال ہا حرف تنبیہ ہے اور ذہ اسم اشارہ مونث ہے جس کا اشارہ الیہ بھی مونث ہوتی ہے اور یہاں اُس کا اشارہ الیہ کتاب ہے جو مذکور ہے لہذا اسم اشارہ اشارہ الیہ کے مطابق نہ ہوا جواب اشارہ الیہ کتاب نہیں بلکہ رسالہ ہے اور یہ مونث ہے سوال رسالہ چھوٹی کتاب کو کہا جاتا ہے اور یہ ضخیم ہے اور اگر اسے رسالہ فرض بھی کر لیا جائے تو وہ (۱) الفاظ مرتبہ کا نام ہے (۲) یا معانی مرتبہ کا (۳) یا نقوش مرتبہ کا (۴) یا الفاظ مرتبہ و نقوش مرتبہ کے مجموعہ کا (۵) یا الفاظ مرتبہ و نقوش مرتبہ کے مجموعہ کا (۶) یا معانی مرتبہ و نقوش مرتبہ کے مجموعہ کا (۷) یا الفاظ مرتبہ و معانی مرتبہ و نقوش مرتبہ کے مجموعہ کا کل باطل ہیں لیکن اول اس لئے کہ رسالہ

یہاں مشار الیہ واقع ہے اور مشار الیہ محسوس و موجود فی الخارج ہوتا ہے اور الفاظ مرتبہ موجود فی الخارج نہیں اسبطح دوم کہ وہ بھی موجود فی الخارج نہیں ہوتے لیکن سوم اس لئے کہ وہ اگرچہ خطبہ الحاقیہ ماننے کی تقدیر پر موجود فی الخارج ہوتے ہیں لیکن آنے والا قول محل مشکلات الکافیہ اس کے موافق نہیں اس لئے کہ حل معانی کا ہوتا ہے نقوش کا نہیں اسی طرح لفظ فائدہ بھی اس کے موافق نہیں کہ وہ معانی ہوتے ہیں نقوش نہیں اور یہ تینوں مفرد تھے اور جب یہ باطل ہو گئے تو وہ بھی باطل ہو گیا جو ان سے مرکب ہے جواب رسالہ سے مراد یہاں وہ مضامین مرتبہ ہیں جو شارح کے ذہن میں حاضر و موجود ہیں خواہ خطبہ ابتدائیہ ہو یا الحاقیہ اور وہ چونکہ کشف و ظہور میں محسوس کے مشابہ ہیں اس لئے ان کو محسوس مان کر ان کی طرف اشارہ کیا گیا کہ شرح جامی کے مضامین شارح کے نزدیک محسوس کی طرح ظاہر و منکشف ہیں۔ واضح ہو کہ خطبہ کی دو قسمیں ہیں ایک ابتدائیہ دوسری الحاقیہ۔ ابتدائیہ وہ خطبہ ہے جو کتاب لکھنے سے پہلے لکھا گیا ہو اور الحاقیہ وہ خطبہ ہے جو کتاب لکھنے کے بعد لکھا گیا ہو۔

قولہ فائدہ۔ یہ جمع ہے فائدہ اسم فاعل کی اور وہ فید بروزن یح سے مشتق ہے جو باب ضرب یضرب کا مصدر یعنی ثابت ہونا ہے جیسے کہا جاتا ہے فاذا یضرب فید اذا اذنت لہذا فائدہ کا معنی ہوا الامور الثابتہ بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے ما استفید من علیہ او جاعل او مال یعنی فائدہ بردہ علم یا مرتبہ یا مال ہے جو کسی سے حاصل کیا جائے اور معانی بھی چونکہ الفاظ سے حاصل کئے جاتے ہیں یا ان کے اندر موجود ہوتے ہیں اس لئے ان کو فائدہ کہا جاتا ہے۔ اور فائدہ مرفوع واقع ہے کہ وہ ذامبتدا کی خبر ہے۔

قولہ وافیہ۔ یہ اسم فاعل فائدہ کی صفت مرفوع ہے جو باب ضرب یضرب مشتق ہے اس کا مصدر و فی ہے جو اصل میں وفو و بروزن فحول تھا جو ذی کے قاعدہ سے و فی ہوا جس کا معنی کامل ہونا ہے اور وافیہ کا معنی کامل ہے سوال اپنی شرح کو فائدہ کامل کہنا خود ستائشی ہے جو درست نہیں جواب یہ خود ستائشی نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے جو جائز ہے قرآن کریم میں ہے واما بنعمہ ربک فحیث یعنی اے محبوب آپ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کیجئے اور یہ شرح بھی چونکہ رب کریم کی ایک عظیم نعمت ہے اس لئے طلبہ کو رغبت دلانے کے لئے یہ کہا گیا کہ یہ فائدہ کاملہ یعنی کافی ہیں۔

مجلہ مشکلات الکافیہ

ترجمہ: کتاب کافیہ کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے

تشییح :- قولہ محل مشکلات۔ حل پر باجاء کا متعلق وافیہ ہے لیکن متعلق کی تضمین کے ساتھ اصل عبارت یہ ہے وافیہ متعلقہ محل مشکلات الکافیہ۔ حل بفتح حا و تشدید لام باب ضرب یضرب سے معنی حلال ہونا ہے اور نازل ہونا اور واجب ہونا بھی آیا ہے مصباح میں ہے حل محل حلاً وحلاً وحلولاً والکان وبالکان بمعنی نازل ہونا حل محل حلولاً علیہ امر اللہ بمعنی واجب ہونا لیکن یہاں حل باب نصر یضرب کا مصدر بمعنی گرہ کھولنا ہے مصباح میں ہے حل محل العقدہ گرہ کھولنا جس سے کنایہ ایضاح مراد ہے۔ مشکلات جمع ہے مشککہ کی جو بمعنی امر دشوار و مشتبہ ہے مصباح میں ہے (اشکل الامر) بمعنی مشتبہ ہونا کہا جاتا ہے اشکلت علی الاخبار یعنی میرے اوپر خبریں مشتبہ ہو گئیں سوال خفا کے اعتبار سے نص کی چار قسمیں ہیں خفی، مشکل، مجمل، متشابہ اور شرح میں جس طرح شکل کا حل کیا گیا ہے اسی طرح خفی و مجمل کا بھی لہذا یہ تخصیص درست نہیں جواب مشکل سے یہاں مراد خفی و مجمل کا قسم نہیں بلکہ امر دشوار و مشتبہ ہے جیسا کہ گزرا اور یہ کل کو شامل ہے سوال مشتبہ چونکہ شبہ سے ناخوہ ہے اور شبہ وہ ہے جو حق کے مشابہ ہو حق نہ ہو بلکہ باطل ہو لہذا مسائل کافیہ کا باطل ہونا لازم آئے گا حالانکہ اس کے تمام مسائل حق ہیں جواب مشتبہ سے یہاں مراد حق خفی ہے اور حق خفی ظاہر الدلالہ نہ ہونے میں باطل کے مشابہ ہے باطل نہیں۔

قولہ الکافیہ۔ کافیہ پر الف لام زائد ہے جو الحسن والجمین کی طرح تفسیر کلام کے لئے لایا گیا ہے اور تار مبالغہ کے لئے ہے یا تانیث کے لئے بہرہ و تقدیر موصوف مقدیر ہوگا بتقدیر اول کتاب مقدیر ہوگا اور بتقدیر دوم رسالہ اصل عبارت یہ ہے کتاب بالغ فی الکافیۃ اور رسالہ کافیۃ یا تار نقل کے لئے ہے کہ کافیہ کو معنی و فی سے اسی کی طرف منتقل کیا گیا ہے پہلے کافیہ کا معنی کفایت کرنے والی تھا خواہ کتاب ہو یا دوسری شئی لیکن اب ایک معین کتاب کا نام پڑ گیا جس کو ابن حاجب نے لکھا اور علامہ جامی نے اس کی شرح کی وضع اول کے اعتبار سے وہ وصف ہے اور وضع ثانی کے اعتبار سے علم۔

للعلامة المشتهر في المشارق والمغارب

ترجمہ :- یہ کتاب تصنیف ہے ایک بہت بڑے عالم کی جو مشارق و مغارب میں مشہور ہیں۔

تشریح :- قولہ للعلامة۔ علامہ پر لام بارہ ہے جس کا متعلق محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے الکاتبة للعلامة یا کاتبة للعلامة بتقدیر اول الکافیہ موصوف ہے اور الکاتبة صفت اور بتقدیر دوم الکافیہ ذوالحال سے اور کاتبة حال اور ذوالحال اگرچہ فاعل یا مفعول نہیں لیکن مفعول کا مضاف الیہ ضرور ہے کیونکہ قاعدہ ہے مضاف الیہ کو اگر مضاف کی جگہ پر رکھا جائے اور معنی میں فساد نہ ہو تو مضاف الیہ سے حال واقع ہونا جائز ہے جیسا کہ رب قدیر کا فرمان ہے واتبوا ملأة ابراهيم حنیفاً میں حنیفاً ابراہیم سے حال واقع ہے حالانکہ فاعل یا مفعول نہیں لیکن جب اسکو ملأہ کی جگہ رکھ کر واتبوا ابراهيم حنیفاً کہا جائے تو معنی میں فساد نہیں ہوتا اسی طرح الکافیہ مضاف الیہ ہے مشکلات کا جو محل مصدر کا مفعول ہے اور الکافیہ کو جب اس کی جگہ پر رکھ کر محل الکافیہ کہا جائے تو معنی میں کوئی فساد نہیں ہوتا لہذا اس کا بھی ذوالحال ہونا صحیح ہے۔

علامہ عالم کا مبالغہ ہے اور علامہ انسان کو تو کہا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو نہیں کیونکہ ایک نامہ اگرچہ تائیت کیلئے نہیں لیکن اس کے مشابہ ضرور ہے اس توہم کی بنا پر اس کو علامہ نہیں کہا جاتا البتہ عالم یا عالم کہا جاتا ہے قرآن کریم میں ہے عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَعَلَامُ الْغُيُوبِ مسوال اللہ تعالیٰ کے لئے جس طرح تائیت کے صفی استعمال نہیں کر سکتے اسی طرح تذکیر کے بھی کہ یہ صفات حیوان ہیں جو اب تذکیر و تائیت میں اصل چونکہ تذکیر ہے ارشاد باری تعالیٰ ۛ الزَّحَالُ قَوْمٌ عَلَى النَّسَاءِ اور اللہ تعالیٰ کو الفاظ سے تعبیر کرنا ضروری ہے اس لئے اس کو تذکیر کے صفی سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ حقیقت یہ بھی منوع ہے

قولہ المشتهر في المشارق والمغارب۔ مشہور ہائے کسر و فتح کے ساتھ باب افتعال کا اسم فاعل و مفعول دونوں جائز ہیں۔ لازم و متعدی دونوں منقول میں۔ مصباح میں ہے اشتهر الامر بمعنی مشہور ہونا و اشتهر الامر بمعنی مشہور کرنا اور یہاں لفظ مشہر لایا گیا مشہور اس لئے نہیں کہ وہ ثلاثی مجرد ہے اور مشہر ثلاثی مزید جو کثرت پر وال ہے کیونکہ کثرت لفظ کثرت معنی پر دال ہوتی ہے۔ اور وہ صفت ہے العلامة کی کیونکہ موصوف جب لفظ مذکر

اور معنی مونث یا اس کا برعکس تو صفت کے ساتھ مطابقت ضروری نہیں۔

مشارق جمع ہے مشرق کی اور مغارب جمع ہے مغرب کی اور یہ جمع باعتبار مطالع ہے کہ ہر دن کا مشرق الگ الگ ہے اسی طرح ہر دن کا مغرب بھی اول جہدی سے اول سرطان تک یعنی اول قطب شمال سے اول قطب جنوب تک ایک سو بیاسی مطالع ہیں اسی طرح مغارب بھی ۲۲ جون سے ۲۲ دسمبر تک آفتاب روزانہ جنوب کی طرف ہٹا جاتا ہے اور ۲۲ دسمبر سے ۲۲ جون تک روزانہ شمال کی طرف ہٹا جاتا ہے طلوع کے وقت بھی اور غروب کے وقت بھی۔ سورہ رمن میں جو رب المشرقین والمغربین ہے اس میں تشبیہ باعتبار جہدی و سرطان ہے لیکن دونوں جگہ خواہ مشارق و مغارب ہو یا مشرقین و مغربین ان سے کنایہ پوری روئے زمین مراد ہے کیونکہ پوری روئے زمین ان ہی دونوں کے درمیان واقع ہے۔

الشیخ ابن الحاجب

ترجمہ :- وہ شیخ ابن حاجب ہیں۔

تشریح :- قولہ الشیخ۔ مرفوع و منصوب و مجرور تینوں پڑھا جاسکتا ہے۔ مرفوع کی صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہوگا یعنی ہوا شیخ اور منصوب کی صورت میں أغنی فعل مقدر کا مفعول ہوگا یعنی أغنی الشیخ اور مجرور کی صورت میں العلامة سے بدل واقع ہوگا یا اس کا عطف بیان۔

شیخ بمعنی پڑھا ہے جو باب ضرب یضرب شاخ شیخ و شیوخ سے ماخوذ ہے لیکن یہاں اس مراد بمعنی مقتدا و پیشوا ہے جو علامہ ابن حاجب کو بطور تعظیم و تخیل کہا گیا ہے۔ مصباح میں ہے شیخ تعظیم کیلئے یا شیخ کہہ کر پکارنا۔ شیخت الوحی میں نے مرد کو تعظیم کے لئے شیخ کے لقب سے موصوف کیا۔ اور یہی اکثر شراح نے بھی مراد لیا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ آپ کا انتقال جوانی (۲۵ سال) کی عمر ہی میں ہوا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی عمر پچتر سال سے بھی زیادہ تھی جیسا کہ المہدی فی الادب میں ہے کہ ابن حاجب کی ولادت ۶۸۷ھ میں اور وفات ۷۴۷ھ میں ہوئی اس اعتبار سے شیخ کا اطلاق حقیقتہ ہوگا کیونکہ مراتب عرفہ میں اول مرتبہ طفولیت ہے جو امام عظیم کے نزدیک اول ولادت سے دھائی سال تک کی عمر کو کہا جاتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک اول ولادت سے دو سال

تک کی عمر کو کہا جاتا ہے اور مرتبہ جنین چھ ماہ سے دو سال تک اور مرتبہ مراہقہ باختلاف روایت دو سال یا ڈھائی سال سے پندرہ سال تک اور مرتبہ شباب پندرہ سال سے اکاون سال تک اور مرتبہ شیخوۃ اکاون سال سے اسی سال تک اور اس کے بعد کی عمر کو مرتبہ کھول و ہرم کہا جاتا ہے

قولہ ابن الحاجب مصنف کا علم عثمان ہے اور شیخ ان کا لقب اور ابن حاجب ان کی کنیت ہے اور حاجب چونکہ بمعنی دربان ہے اور ان کے والد اپنے دور کے شہنشاہ عزیز الدین موشک صلاحی کی درباری کرتے تھے اس لئے مصنف ابن حاجب سے مشہور ہوئے۔ واضح ہو کہ نام وہ اسم ہے جس سے معین شی بھی جائے اس کی چھ قسمیں ہیں (۱) علم (۲) لقب (۳) کنیت (۴) عرف (۵) تخلص (۶) خطاب۔ علم تو ظاہر ہے جیسے زید و بکر وغیرہ اور لقب وہ نام ہے جو کسی اچھائی یا بُرائی سے پڑ گیا ہو جیسے سیدنا شاہ عبدالقادر تارا یا زوی علیہ الرحمہ کا نام شاہ صاحب پڑ گیا ہے اور کنیت وہ نام ہے جس کے شروع میں اب یا ام یا ابن یا بنت ہو جیسے ابو بکر، ام حبیبہ، ابو محمد وغیرہ۔ عرف وہ نام ہے جو محبت کی وجہ سے پچھن میں پڑ گیا ہو جیسے گدو وغیرہ اور تخلص وہ نام ہے جس کو شاعر اختصار کے لئے اپنے اشعار میں بیان کرتا ہے جیسے احقر کا تخلص شبیر اور سیدنا عبدالرحمن کا جانی ہے اور خطاب وہ نام ہے جو بڑے لوگوں کی طرف سے اعجاز میں دیا گیا ہو جیسے سرکار مصطفیٰ رضا خاں کو سیدنا صدیق الافاضل نے مفتی اعظم ہند کا خطاب دیا ہے۔

تَعَمَّدَ اللَّهُ الْغُفْرَانَ، وَأَسْكَنَ الْمُحِبُّوۃَ جَنَّتَهُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت میں چھپالے اور اپنی محبتوں کے وسط میں بسالے۔

تشییح: قولہ تعمدہ اللہ بغفرانہ۔ تعمد باب تفعل کا فعل ماضی ہے جو دعائیلے آیا ہے اور صیغہ ماضی جب دعا کے لئے آئے تو وہ مستقبل میں انشاء کا معنی دیتا ہے لہذا وہ بمعنی لیتعمد ہوا۔ سوال با چونکہ سبب کیلئے آتا ہے جیسا کہ کتب بالقلوب میں اور یہاں غفران پر بادا داخل ہے لہذا غفران سبب ہوا اور تعمد سبب اور سبب سبب کا غیر ہوتا ہے اور یہاں متحد ہے کیونکہ تعمد مصدر کا معنی جیسا کہ تاج اللغات میں ہے گناہ پوشیدہ اور غفران کا معنی بھی گناہ پوشیدن ہے جواب بار یہاں بمعنی فی ہے مصباح میں ہے تعمد اللہ برحمۃ

رحمت میں چھپالینا۔ رحمت کے سایہ میں رکھنا۔ اور اگر سبب کے لئے بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس صورت میں تعمد عام ہو گا کہ گناہ پوشی محض فضل ربی سے ہو یا حسنات انسانی سے اور غفران خاص کہ وہ محض فضل ربی سے ہے کیونکہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہے جس سے تعریف مستفاد ہوتی ہے کافیہ میں ہے تفید تعریفاً مع المعرفة۔

خیال رہے کہ مشبہ بول کر مشبہ بہ مراد لینے کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں اور مشبہ بہ کے لوازم کو مشبہ کے لئے ثابت کرنے کو استعارہ تخیلیہ اور مشبہ بہ کے مناسب کو مشبہ کے لئے ثابت کرنے کو استعارہ ترشیحیہ کہتے ہیں جیسے محالب النبیۃ ثبت بظلال یعنی موت کے جنگل نے فلاں کو چھو دیا۔ موت کو درندہ سے تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے اور درندہ کے لازم جنگل کو موت کے لئے ثابت کرنا استعارہ تخیلیہ ہے اور چھوٹا درندہ کے مناسب کو موت کے لئے ثابت کرنا استعارہ ترشیحیہ ہے۔ اسی طرح یہاں تعمدہ میں ضمیر منصوب سے مراد گناہ کو جسم سے تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے اور جسم کے مناسب چھپانے کو گناہ کے لئے ثابت کرنا استعارہ ترشیحیہ ہے اور غفران کو لباس سے تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے لہذا فی العبارة الاتیہ۔

قولہ اسکن بجوۃ جنانہ۔ اسکن بمعنی بسا نامصباح میں ہے اسکن الدار کسی کو بود و باش کرانا بجوۃ منصوب مفعول فیہ ہے جو فعلولۃ کے وزن پر یحییٰ یحییٰ کا مصدر ہے جس کا معنی وسط ہے۔ با حرف جار نہیں بلکہ فاعل ہے مصباح میں ہے یحییٰ الدار گھر کے وسط میں ٹھہرنا۔ جنان بیعت جیم نہیں کہ وہ مفرد بمعنی قلب ہے جو یہاں درست نہیں بلکہ وہ بکسر جیم جمع ہے جنت کی اور جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت بوجہ کثرت کے زمین کو چھپالیں۔

سوال یہ جملہ دعائیں ہے اور دعا رعمدہ واعلیٰ سے کی جاتی ہے لہذا اشارہ کو اسکن اللہ اعلیٰ چنانہ کہنا چاہئے تھانہ کہ بجوۃ جنانہ جواب وسط یہاں بمعنی درمیان نہیں بلکہ اعلیٰ وعدہ و پسندیدہ ہے چنانچہ کہا جاتا ہے الوسط من کل شیء اختیار یعنی ہر شیء کا وسط وہ ہے جو اعلیٰ وعدہ ہو خواہ درمیان میں ہو یا کنارے میں۔ اسی وجہ سے پروردگار عالم نے امت محمدیہ کو وسط امت فرمایا ہے حالانکہ وہ آخری امت ہے ارشاد گرامی ہے جعلنا کوامۃً وسطاً یعنی اے امت محمدیہ ہم نے تم کو اعلیٰ وعدہ امت بنایا یا یہ کہ وسط بمعنی درمیان ہی ہے لیکن اس سے کنارہ کا مقابل مراد ہے معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی تمام جنتوں کے درمیان میں بسائے نہ کہ کنارے میں مطلب یہ کہ جنت میں ان کو اس طرح داخل کیا جائے کہ درمیان میں پہنچ جائے

کنارے میں نہ رہے۔

نظمہا فی سلب التقریر و سلب التخریر

ترجمہ:۔ میں نے ان فوائد کو تقریر کے دھاگے اور تخریر کی لڑی میں پر دیا ہے۔
تشییح:۔ قولہ نظمہا فی سلب التقریر۔ نظم کا معنی لغت میں در درشت کشیدن یعنی موتی کو دھاگے میں پر دنا اور سلب دھاگے کو کہا جاتا ہے اور تقریر سے مراد کلام فصیح و بلیغ ہے اور یہاں مفردات کلام کو موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور کلام کو سلب سے لہذا کلام جو مراد ہے تقریر سے مشبہ ہوا اور سلب مشبہ اور مشبہ بہ کو مشبہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اصل عبارت یہ ہے نظمہا فی التقریر الذی ہو کالسلب الذی فیہ الخرز یعنی میں نے مفردات کلام کو ایسے فصیح و بلیغ کلام میں پر دیا ہے جو اس لڑی کی مانند ہیں جس میں موتیاں پر دئے ہوئے ہوں۔

قولہ سلب التخریر۔ سلب کا معنی لڑی ہے جس میں مبرہ یا موتی پر دئے ہوئے ہوں۔ تخریر وہ کلام ہے جو حشو و زوائد سے خالی ہو۔ مصباح میں ہے حرر المعنی حشو و زوائد سے پاک کرنا۔ کلام مشبہ ہے اور لڑی مشبہ بہ یہاں بھی مشبہ بہ مشبہ کی طرف مضاف ہے اصل عبارت یہ ہے نظمہا التخریر الذی ہو کالسلب الذی فیہ الخرز یعنی میں نے مفردات کلام کو ایسے کلام میں پر دیا ہے جو اس لڑی کی مانند ہیں جس میں موتیاں پر دئے ہوئے ہوں۔ اس سے لفظ کی نفاست کی طرف اشارہ ہے جس طرح فوائد وافیہ سے معانی کی نفاست کی طرف اشارہ ہے۔

للولد العزیز ضیاء الدین یوسف

ترجمہ:۔ اپنے عزیز بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لئے

تشییح:۔ قولہ للولد العزیز۔ یہ نظمہا کے ساتھ متعلق ہے۔ عزیز کا معنی پیارا، گرامی، کریم مصباح میں ہے عز علیہ عزاکریم ہونا۔ ضیاء مجرور ہے اگر الولد کی صفت یا بدل یا عطف بیان قرار دیا جائے اور مرفوع ہے

اگر ہو مبتدا محذوف کی خبر مانی جائے اور منصوب ہے اگر اُمینی فعل مقدر کا مفعول بہ مانا جائے۔ اور ضیاء الدین اس کا لقب ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ کائنات ضیاء یقتدی بہ الی الدین کما یقتدی بضیاء البیت و سواہ الی البیت کما فی سوال باسولی

قولہ یوسف۔ اس پر بھی تینوں اعراب آسکتا ہے جر آئے گا جبکہ ولد عزیز کا عطف بیان یا بدل ہو نصب آئے گا جبکہ اُمینی فعل مقدر کا مفعول بہ ہو اور رفع آئے گا جبکہ ہو مبتدا محذوف کی خبر ہو لیکن تینوں کسی صورت میں نہیں آئے گی کیونکہ وہ غیر منصرف ہے جس میں ایک سبب معرفہ ہے اور دوسرا مجملہ۔

حفظہ اللہ سبحانہ عن موجبات التلہف والتاسف

ترجمہ:۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کو رنج و غم کے اسباب سے محفوظ رکھے۔
تشییح:۔ قولہ حفظہ اللہ۔ یہ بھی جملہ دعائیہ ہے حفظ فعل ماضی بمعنی لیفظ ہے۔ ضمیر منصوب کا مرجع ضیاء الدین ہے اور سبحان مضاف ہے اور ضمیر مجرور مضاف الیہ جس کا مرجع اسم جلالت ہے۔ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول مطلق ہے جس کا فعل بَحَثَ یا اَسْتَجَّ وجوہاً محذوف ہے سبحان اگرچہ باب فتح یفتح کا مصدر معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اس کا مصدر نہیں کیونکہ وہ اس صورت میں سونے، آرام کرنے، تیرنے کے معنی میں آتا ہے جو جناب باری تعالیٰ میں قطعاً جائز نہیں بلکہ وہ باب تفعیل کا اسم مصدر ہے جو عیوب سے پاکی بیان کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ سوال یہ معنی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہیں کیونکہ عیوب سے پاکی اس وقت بیان کی جاتی ہے جبکہ اُن سے اتصاف ممکن ہو ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا ان سے اتصاف نامکن ہے جو اب باب تفعیل کبھی ایجاد فعل کے لئے آتا ہے اور کبھی انتساب فعل کے لئے اور یہاں انتساب فعل کے لئے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پاکی پہلے سے حاصل تھی متکلم نے اسی پاکی کو دوبارہ منصوب کر دیا۔

قولہ موجبات التلہف والتاسف۔ تلہف و تاسف دونوں مصدر ہیں باب تفعیل کے اور ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ مصباح میں ہے تلہف علیہ غلین ہونا، افسوس کرنا اور تاسف افسوس کرنا خطبہ میں الفاظ مترادف کا استعمال ممنوع نہیں بلکہ حسن و عمدہ ہے۔ بعض علماء نے تلہف اس غم کو کہا ہے جو مطلوب

کے فوت ہونے پر لاحق ہوتا ہے اور تاسف اس غم کو جو امر مکروہ کے نازل ہونے پر لاحق ہوتا ہے اور بعض نے تالیف اس اضطراب کو کہا ہے جو فعل حرام کے کرنے پر لاحق ہوتا ہے اور تاسف اس اضطراب کو جو فعل واجب کے چھوڑنے پر لاحق ہوتا ہے۔ موجبات سے مراد اسباب ہیں اور غم کے اسباب وہ کام ہیں جن کا کرنا یا چھوڑنا ضروری مثلاً نماز و روزہ وغیرہ کرنا اور چوری و شراب نوشی وغیرہ نہ کرنا۔

لَا تَأْتِي لِهَذَا الْجَمْعِ وَالتَّالِيفِ كَالْعِلَّةِ الْغَائِيَةِ

ترجمہ :- کیونکہ ضیاء الدین یوسف اس جمع و تالیف کی علت غائیہ کی طرح ہیں۔

تشریح :- قولہ لَآ تَأْتِي اس میں لام جارہ برائے تعلیل ہے جو اس دعوے کی علت بیان کرتا ہے جو ضیائیہ میں یار نسبتی سے پیدا ہے یعنی اس شرح کا نام فوائد ضیائیہ اس لئے رکھا گیا کہ وہ اس کی تالیف کی گویا علت ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ وہ اپنے استاد سے جب کافی پڑھ رہے تھے تو اپنے ساتھیوں کی طرح زود فہم نہ تھے اور استاد کو انہیں کافی سمجھنا پڑتا تھا ایک دن کسی مسئلہ میں الجھ گیا بار بار سمجھایا گیا نہ سمجھ سکا تو استاد نے جلال میں آکر کہا کہ تم کیا پڑھو گے اور کیا سمجھ گئے جبکہ تمہارے والد ہی دیوانے میں جو عشق و جوانی مثلاً زلیخا وغیرہ کتابیں لکھا کرتے ہیں۔ صاحبزادہ روتے ہوئے اپنے والد گرامی علامہ جامی علیہ الرحمہ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے اور ساری حالات سے روشناس کرایا۔ علامہ نے فرمایا کہ کچھ دنوں رُک جاؤ اس کے بعد پھر مدد رسہ جانا۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے ہیں کہ کافی کی مکمل شرح تیار کر کے فرمایا کہ جاؤ اپنے استاد سے کہو کہ وہ اسے دیکھ کر کافی پڑھایا کریں گے۔ صاحبزادے شرح کو استاد کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ والد صاحب نے اسے دیکھ کر پڑھانے کو فرمائے ہیں۔ استاد دیکھ کر دنگ پڑ گئے اور انتہائی کٹھن محسوس کرنے لگے علامہ کی بارگاہ میں معافی طلب کی اور تسہیل کے لئے کافی اصرار کیا آپ نے اسے لیکر اعلیٰ کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر تسہیل فرمایا پھر واپس کردی اور آج جو شرح ہمارے درمیان ہے یہی تسہیل شدہ ہے خیال رہے کہ تسہیل کے لئے اعلیٰ کے سایہ کا انتخاب اس لئے فرمایا کہ اس سے جودت ذہن میں کی آجاتی ہے۔

قولہ الجمع والتالیف جمع کا معنی اکٹھا کرنا ہے اور تالیف کا معنی مناسب طریقہ پر اکٹھا کرنا۔ شرح تہذیب میں ہے قد اعتبرت فی الموقف المناسبة بین أجزاءہ لہذا جمع ہوا اور تالیف خاص اور عام کے بعد خاص کا ذکر

جائز ہے بلکہ مستحسن ہے قرآن کریم میں حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ کیونکہ عام مبہم ہوتا ہے اور خاص اس کی تفسیر اور تفسیر بعد الایہام کو آگے دالنا مانا گیا ہے۔

قولہ كَالْعِلَّةِ الْغَائِيَةِ شئی ممکن اپنے وجود میں جس کا محتاج ہو اس کو علت کہتے ہیں۔ اس کی چار قسمیں ہیں (۱) علت فاعلی (۲) علت مادی (۳) علت صوری (۴) علت غائی۔ علت فاعلی وہ ہے جو معلول کا موجب ہو جیسے بڑھی تپائی کے لئے۔ علت مادی وہ ہے جو معلول کا جزر ہو اور اس سے معلول کا وجود بالقوہ ہو جیسے لکڑی تپائی کے لئے اور علت صوری وہ ہے جو معلول کا جزر ہو اور اس سے معلول کا وجود بالفعل ہو جیسے تپائی کی صورت اور علت غائی وہ ہے جو فاعل کے فعل کا باعث ہو جیسے کتاب کا رکھنا تپائی پر۔ پس فوائد ضیائیہ بھی ایک شئی ممکن ہے جس کے وجود کے لئے بھی چار علتوں کا ہونا ضروری ہے لہذا اس کی علت فاعلی علامہ جامی ہیں اور علت مادی وہ معانی ہیں جو اس شرح میں موجود ہیں اور علت صوری اُن معانی کی ہیئت ترکیب ہے اور ضیاء الدین یوسف علت غائی ہے کہ ان ہی کی وجہ سے کتاب لکھی گئی ہے جیسا کہ گزرا۔ سوال ضیاء الدین جب علت غائی ہیں تو کالعلۃ الغائیہ کیوں کہا گیا؟ علت غائیہ کیوں نہیں؟ جواب علت فاعلی و علت مادی اپنے وجود معلول سے مطلقاً مقدم ہوتی ہیں لیکن علت غائی کا وجود ذہنی یعنی اس کا تصور وجود معلول سے مقدم ہوتا ہے لیکن وجود خارجی معلول سے موخر ہوتا ہے جیسے تپائی پر کتاب رکھنے کا تصور تپائی کے وجود سے پہلے ہوتا ہے اور کتاب رکھنے کا وجود تپائی بننے کے بعد ہوتا ہے اور یہاں ضیاء الدین کا تصور اور ان کا وجود دونوں وجود شرح سے پہلے ہیں لہذا صرف ایک جزر میں شریک ہونے کی وجہ سے علت غائی کی مانند ہونے میں علت غائیہ نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کاف زائد ہو جیسا کہ ایس کٹھن شئی میں ہے۔

نَفْعُهُ اَللّٰهُ تَعَالٰی بِهَا وَسَائِرُ الْمُبْتَدِئِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ التَّحْصِیْلِ

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ ان کو اور تمام علوم عربیہ حاصل کرنے والے مبتدیوں کو ان فوائد ضیائیہ کے ذریعہ نفع بخشے۔

تشریح :- قولہ نَفْعُهُ اَللّٰهُ یہ جملہ بھی دعائیہ ہے پس نَفْعُ فعل ماضی بمعنی مستقبل یعنی نفع ہے اور ضمیر منصوب

کا مرجع ضیاء الدین اور بھائی ضمیر مجرور کا مرجع فوائد ضیائیہ ہے۔ اور سائر اسم فاعل ہے جس کا مصدر سور ہو اور

ہے جو باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے باقی کے معنی میں ہے مصباح میں ہے سَائِرُ الشَّیْءِ چیز کا بقیہ المثل السائر بقیہ کہاوت اور

عرف میں یعنی جمع ہے اور اس معنی کو کشاف نے اس مقام میں بیان کیا ہے جیسا کہ ملا عصام نے فرمایا قد استعملنا
الكشاف في هذا المقام بمعنى الجمع بتقدير اول ضمير الدين کے لئے صرف ایک بار دہرایا ہوتا ہے اور بتقدیر دوم
ایک بار خاص ضمیر الدین کے لئے اور دوسری بار تمام مبتدئین کے زمرہ میں اس لئے دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے
ملا عصام نے فرمایا قال سائرهمنا بمعنى الجمع انفع للبد مؤلفا لأنك يتكرر الدعاء في حقہ۔

قولہ المبتدئین من اصحاب التحصیل۔ مبتدئین جمع مذکر سالم ہے اس کا واحد مبتدی اسم فاعل ہے اور
اس پر الف لام یعنی الذی اسم موصول ہے اور وہ چونکہ مبہم ہے اس لئے من اَصْحَابِ التحصیل سے اس کا بیان لایا گیا کہ
شروع کرنے والے اصحاب تحصیل سے ہوں اصحاب صنائع سے نہیں اور من خارجہ جو برائے تئیں ہے اس کا متعلق
کائناتیں مقدر ہے جو حال واقع ہے اور تحصیل کے اوپر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اصل عبارت یہ ہے
المبتدئین کائناتیں من اصحاب تحصیل العلوم العربیۃ اسی طرح آیت کریمہ فاجتنبوا الرجس من الاوثان اصل میں
فاجتنبوا الرجس کائناتیں من الاوثان ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ وَهُوَ حَسْبِيَ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ

ترجمہ :- اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ہے اور وہی میرا کافی اور بہترین کارساز ہے۔

تشریح :- قولہ وَا تَوْفِيقِي۔ تالیف چونکہ امور متفرعہ میں سے ہے اس لئے اس عبارت سے رب قدیر سے استعانت
طلب کی گئی نیز فوائد وافیہ اور نظم و انضام کے صفی سے استعلا رکادہم ہوتا تھا اس لئے اس کے ازالہ کے لئے یہ کہا گیا کہ
یہ سارے کارنامے میرے ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہیں۔ توفیق یہاں مصدر مجہول ہے جو مفعول مالم یفعل
کی طرف مضاف ہے معنی یہ ہے ما کوئی موقفاً الا باللہ۔ اصطلاح میں توفیق کا معنی ہے توجیہ الاسباب نحو المطلوب
الخیر یعنی اسباب کو مطلوب خیر کی جانب متوجہ کرنا۔ بعض علماء نے مطلوب کو عام رکھا ہے خواہ خیر ہو یا شر لیکن یہ
درست نہیں اس لئے کہ یہ فعل باری تعالیٰ ہے جو خیر کے لئے ہی ہوتا ہے شر کے لئے نہیں سوال توفیق جب فعل
باری تعالیٰ ہے تو فعل کی اسناد فاعل کی طرف بواسطہ من ہوتی ہے جیسے الضوب صاویون زیدی میں بواسطہ بار
نہیں ہے کہ وہ وسائل پر داخل ہوتا ہے جیسے ضوب بالخشب۔ میں جواب بار فاعل پر بھی داخل ہوتا ہے

جیسے کفی بالذی شہیدائیں اسم جلالت پر پایہ کہ بار یہاں بمعنی جن ہے۔

قولہ و ہوسب۔ ہو کا مرجع اسم جلالت ہے اور حسب بفتح سین کا معنی خاندانی شرافت آبا و اجداد
کے مفاخر اور محسوب۔ عدد، اندازہ۔ مصباح میں ہے ہذا بحسب ذات یہ اس کے موافق ہے واعمل علی حسب ما امرتک
یعنی کرو اس کے موافق جیسا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور حسب بسکون سین کا معنی لاغیر و لیس غیر ہے لیکن
یہاں بسکون سین بمعنی کافی ہونا مراد ہے۔ مصباح میں ہے حسبک درہم اور بار کی زیادتی کے ساتھ
بحسبک درہم بھی کہا جاتا ہے یعنی تمہارے لئے ایک درہم کافی ہے اور حسب بسکون سین کبھی اسم فاعل کے
معنی میں آتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں اور یہاں اسم فاعل بمعنی محسب ہے جو مبتدا کی خبر واقع ہے اور
وہ چونکہ یار حکم کی طرف مضاف ہے اس لئے اس کا رفع ضمہ تقدیری ہے۔

قولہ و نعم الوکیل۔ نعم بکسر نون و سکون عین فعل مدح ہے جو اصل میں نعم بفتح نون و کسر عین تھا
تخفیف کے واسطے عین کا کسرہ ماقبل کو دیکر عین کو ساکن رکھا گیا۔ الوکیل اس کا فاعل ہے۔ فعل مدح اپنے فاعل
سے مل کر خبر ہوا جس کا مبتدا هو مخصوص بالمدح محذوف ہے۔ اگر نعم الوکیل کا عطف مجموعہ محسب پر ہوا اور
مذکور ہے اگر صرف محسب پر عطف ہو لیکن دونوں ہی صورت میں سوال وارد ہو سکتا ہے کہ بتقدیر اول عطف الانشاء
علی الاخبار لازم آتا ہے کہ نعم الوکیل جملہ انشائیہ ہے اور محسب خبر یہ باطل ہے اس لئے کہ جملہ خبریہ میں حکایت
ہوتی ہے اور انشائیہ میں ایجاد مالم یوجد ظاہر ہے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں اور بتقدیر دوم عطف الجملة
علی غیر الجملة لازم آتا ہے کہ نعم الوکیل جملہ ہے اور محسب مضاف، مضاف الیہ سے مل کر مرکب اضافی۔ یہ بھی باطل ہے
جواب عطف محسب پر بھی ہو سکتا ہے اور صرف محسب پر بھی ہو جیسا پر اس لئے کہ وہ اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن منقول
ہو کر انشائیہ ہو گیا ہے جس طرح الحمد لله میں ہے۔ لہذا انشائیہ کا عطف انشائیہ پر ہوا یا یہ کہ نعم الوکیل سے پہلے
منقول فی حق محذوف ہے لہذا اخبار کا عطف اخبار پر ہوا لیکن صرف محسب پر عطف اس لئے ہو سکتا ہے کہ
غیر جملہ پر جملہ کا عطف جائز۔ جیسے آیت کریمہ خالق الاشیاء وجعل اللیل میں خالق الاشیاء معطوف علیہ
مرکب اضافی ہے اور جعل اللیل معطوف جملہ ہے یا یہ کہ محسب محسب کے معنی کو متضمن ہے۔ لہذا جملہ کا
عطف جملہ پر ہوا اس سے قطع نظر کہ اخبار ہے یا انشاء۔

اعْلَمُوا أَنَّ الشَّيْخَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَمْ يَصِدْ رُسَالَتَهُ هَذِهِ بِحَمْدِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ بَأَن
جَعَلَهُ جُزْءًا مِنْهَا هُضًا لِنَفْسِهِ

توجہ:۔ معلوم کیجئے کہ شیخ ابن حاجب علیہ الرحمہ نے اپنے اس رسالہ کا فیہ کو حمد باری سبحانہ تعالیٰ سے
اس طور پر شروع نہیں فرمایا کہ حمد کو اس رسالہ کا ایک جز بنادیں۔ اس کی وجہ کسر نفسی ہے۔

تشریح:۔ قولہ اعلم۔ اس کا استعمال تین مقام پر ہوتا ہے اول جبکہ سلسلہ کلام جاری ہو اور
مخاطب میں بے توجہی پیدا ہو رہی ہو تو اس کے ذریعہ تنبیہ کی جائے دوم جبکہ متکلم اپنا کلام مکمل کر چکا ہو اور
اسی سے متعلق کوئی بات بھول گیا ہو تو اس کے ذریعہ الگ سے اس کو بیان کرے سوم جبکہ سوال مقدر کا جواب
دینا مقصود ہو اور یہاں بھی تیسرا مقام ہے جیسا کہ آنے والی عبارت اس پر دال ہے لیکن پہلا اس لئے نہیں کہ
سلسلہ کلام نعم الوکیل پر ختم ہو گیا ہے یہاں دوسری بات کا بیان ہے۔ پہلے حمد و صلوٰۃ و وجہ تالیف کا ذکر تھا اور
ترک حمد اور کلمہ و کلام کا بیان ہے اور دوسرا اس لئے نہیں کہ مابعد کا ذکر ماقبل میں سے نہیں کہ یہ اس کا غیر ہے۔

قولہ ان الشیخ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ سلف صالحین اپنی کتابوں کے شروع میں حمد الہی
کو جز کتاب بناتے تھے لیکن مصنف علیہ الرحمہ نے اس کی مخالفت کیوں کی؟ حمد الہی کو کافیہ کا جز رکھیں نہیں
بنائے؟ جواب یہ کہ جز بنانے کی پابندی سلف صالحین سے ثابت نہیں کہ وہ عام مکتوبات و رقعات و معمولی
خطوط میں حمد الہی کو جز بنانے کا التزام نہیں کرتے تھے بلکہ سرکار مدینہ بھی جو خطوط بادشاہوں کے نام ارسال
فرماتے تھے ان میں حمد الہی کا جز نہ ہونا مستحق نہیں جیسا کہ ہر قل کے نام خط سے ظاہر ہے جو بخاری شریف جلد
اول صفحہ ۱۰ پر مرقوم ہے۔ طالعید الحکیم حاشیہ خیالی پر لکھتے ہیں ذہبے الشیخ ابن الحاجب الی ان لفظ الحمد
اتماحتاج الیہ فی الخطب دون الرسائل والوثائق۔ البتہ سلف صالحین کا یہ طریقہ و معمول ضروری ہے کہ وہ
اپنی مالیشان کتابوں کے شروع میں حمد الہی کو ان کا جز بناتے تھے لیکن مصنف علیہ الرحمہ نے خیال کیا ہے کہ
میں دنی الشان ہوں میری یہ کتاب کافیہ بھی مرتبہ میں سلف صالحین کی مالیشان کتابوں کی برابر نہیں اس لئے
انہوں نے ہر بنائے کسر نفسی حمد الہی کو جز نہیں بنایا۔

قولہ لم یصد رسلته ہذہ۔ یصد ما خوذہ تصدیق سے جو معنی شروع کرنا ہے۔ مصباح میں ہے
صد کتاب بکذا کتاب کو کسی چیز سے شروع کرنا۔ وہ نفی حمد بلم فعل معروف ہے جس کا فاعل ضمیر مستتر ہے
جو راجع بسوئے الشیخ ہے اور رسالۃ مرکب اضافی موصوف ہے اور ہذہ اس کی صفت موصوف اپنی صفت
سے مل کر مفعول بہ ہے اس صفت سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ صرف کافیہ مصنف کی ایسی کتاب ہے جس
حمد الہی کو اس کا جز نہیں بنایا گیا ہے اس کے علاوہ دوسری کتابیں شافعیہ، مختصر الاصول، ایضاح وغیرہ میں
جز بنایا گیا ہے۔

قولہ جعلہ جز منہا۔ بارجارہ کا متعلق لم یصد فعل ہے اور جعلہ کی ضمیر منصوب کا مرجع حمد الہی
ہے اور منہا کی ضمیر مجرور کا مرجع رسالہ ہے اس عبارت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کتاب کافیہ سے حمد الہی کی نفی
بالکلیہ نہیں بلکہ صرف جز کتاب ہونے میں ہے کیونکہ ممکن ہے زبان سے حمد بجالایا گیا ہو۔

قولہ ہضاً لنفسہ۔ ضاد کے ساتھ ہضم اور صاد کے ساتھ ہضم دونوں کا معنی توڑنا ہے مصباح
میں ہے ناب ہضم ہر چیز کو توڑ دینے والا دانت ہضم الشی توڑنا یہاں اس کا معنی کسر نفسی ہے اس پر نصب
اس لئے ہے کہ وہ لم یصد کا مفعول لہ ہے اور مفعول لہ اپنے ناصب کی علت ہوتا ہے اور قید بھی اور نفی کا
مرجع قید ہوتی ہے جیسے لم اضرب زیداً امانۃ لہ میں نفی امانت کے ساتھ متعلق ہے جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے زید
کو مارا لیکن امانت کے لئے نہیں اور کبھی نفی کا مرجع مطلق بھی ہوتا ہے جیسے لم اضرب زیداً اکراماً لہ میں جس کا معنی
یہ ہے کہ میں نے زید کو اس کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے نہیں مارا یہ معنی ہرگز نہیں کہ میں نے زید کو مارا لیکن اس کی
تعظیم و تکریم کی وجہ سے نہیں اور یہاں نفی کا مرجع یہی مطلق ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حمد الہی کو کسر نفسی
کی وجہ سے جز کتاب نہیں بنایا اس کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حمد الہی کو جز کتاب بنایا لیکن کسر نفسی کی
وجہ سے نہیں۔

بِتَخْلِيلِ أَنْ كِتَابَهُ هَذَا مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ كِتَابَةٌ لَيْسَ لِكُتُبِ السَّلَفِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى
حَتَّى يَصْدُرَ بِهِ عَلَى سَنَنِهَا

توجہ:۔ اس خیال سے کہ یہ ان کی کتاب ہے اس حیثیت سے کہ ان کی کتاب ہے سلف صالحین

کی کتابوں کی طرح نہیں یہاں تک کہ اس کتاب کو ان کے طریقے پر حمد الہی سے شروع کیا جائے۔

تشریح: — قولہ **تَحْمِيلُ** ان کتابہ۔ تحمیل پر بار بار وہ ظرف مستقر ہے اس کا متعلق متلبا محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے **هَذَا النَّفْسُ مَتَلْبَا** تحمیل ان کتابہ اس عبارت سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ حمد الہی کو جزر کتاب بنانا عبادت ہے اور کس نفسی عبادت کرنے میں ہے چھوڑنے میں نہیں کہ عبادت غایت تذلل کا نام ہے کافی شیخ زادہ البیضاوی۔ جواب یہ کہ حمد الہی کو جزر کتاب نہ بنانے کی علت صرف کس نفسی ہی نہیں بلکہ کس شان کتاب کا خیال بھی ہے مطلب یہ کہ حمد الہی کو جزر کتاب بنانا بے شک عبادت ہے لیکن اس میں صرف ایک جہت سے تذلل ہے کہ حامد اپنے کو ذلیل سمجھ کر حمد الہی کو جزر کتاب بنائے لیکن جزر کتاب نہ بنانے میں دو جہت سے تذلل ہے ایک یہ کہ حامد اپنے کو ذلیل سمجھ کر کتاب کے شروع میں حمد الہی کو بجالایا اور دوسری یہ کہ حامد نے یہ خیال کیا کہ میں دنی الشان ہوں میری یہ کتاب کافی بھی سلف صالحین کی عالیشان کتابوں کی طرح رفیع الشان نہیں۔

قولہ **مِنْ حَيْثُ**۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ کافی سلف کی کتابوں سے عمدہ ہے کہ اس میں ایسے قواعد جامعہ و نکت لطیفہ اور تہذیب و ترتیب ہیں کہ جو سلف کی کتابوں میں کم دیکھا گیا ہے۔ جواب یہ کہ یہ اگرچہ سلف کی کتابوں سے عمدہ ہے لیکن یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ ابن حاجب کی کتاب ہے کیونکہ رفیع الشان کی طرف نسبت کرنیوالی شئی ارفع ہوتی ہے اور دنی الشان کی طرف نسبت کرنیوالی شئی ادنی ہوتی ہے اور ابن حاجب نے چونکہ خود کو دنی الشان تصور کیا ہے لہذا ان کی یہ کتاب بھی ادنی ہوتی اس لئے حمد الہی کو جزر کتاب نہیں بنایا گیا کہ وہ رفیع الشان کتاب میں جزر بنایا جاتا ہے خیال رہے کہ مصنف کی کتاب مشبہ ہے اور سلف کی کتاب مشبہ بہ اور جب مشبہ میں حیثیت کا ذکر ہے تو مشبہ بہ میں بھی اس کو یوں بیان کرنا چاہئے **مِنْ حَيْثُ** اَنَّ كِتَابَهُ لَيْسَ كَكُتُبِ الْمُتَلَفِينَ مِنْ حَيْثُ اَنَّهَا كُتُبُهُمْ لَيْكِنْ اس کو تکبر کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا کہ مشبہ میں حیثیت کا ذکر اس کے لئے کافی ہے۔

قولہ **حَتَّى يَصْدُرَ**۔ حتی حرف عطف ہے یا حرف جار اگر حرف جار ہے تو فعل پر حرف جار کا دخول لازم آئے گا حالانکہ وہ اسم پر داخل ہوتا ہے اور اگر حرف عطف ہے تو اس کا معطوف علیہ کون ہے۔ شق اول کو اختیار کر کے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ وہ حرف عطف ہے جس کا معطوف علیہ شرط محذوف کی جزا محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے **اِنْ كَانَ كِتَابُهُ كَكُتُبِ الْمُتَلَفِينَ فَيُحْمَلُ فِيهِ مَا يَحْمَلُ فِيهَا حَتَّى يَصْدُرَ رِجْلُهُ عَلَى**

سُجَّتْهَا یعنی مصنف کی کتاب اگر سلف کی کتابوں کی طرح ہوتی تو اس کتاب میں وہ عمل کیا جاتا جو سلف کی کتابوں میں کیا گیا ہے یہاں تک کہ اس کتاب کو سلف کی کتابوں کے طریقے پر حمد الہی سے شروع کیا جاتا۔

قولہ **عَلَى سُنَنِ**۔ سن بفتحین واحد ہے جس کا معنی طریقہ ہے مصباح میں ہے **اسْتَقَامَ فُلَانٌ عَلَى سُنَنِ** واحد فلاں سنیوں و احید فلاں ایک ہی طریقہ پر قائم رہا آمنی علی سُنَنِ تَقِيْلٌ تم اپنے طریقہ پر چلے چلو۔ اور سنن بضم سین و فتح نون جمع ہے سُنَّة کی جو بعضی طریقہ ہی ہے لیکن یہاں مناسب نہیں کہ سلف صالحین کی کتابوں کے متعدد طریقے نہیں بلکہ ایک ہی طریقہ ہے وہ حمد الہی کا جزر کتاب ہونا۔ اور سنن بکسر سین و فتح نون سنن بضم سین و فتح نون سنن بضمین معنی کشادہ راستہ مصباح میں ہے **وَالسُّنُّ وَالسُّنُّ وَالسُّنُّ** من الطرق کشادہ راستہ۔ بڑا راستہ۔ ظاہر ہے یہ معنی یہاں درست نہیں۔

وَلَا يَلِيزُ مِنْ ذَلِكَ عَدَمُ الْاِبْتِدَاءِ بِمَطْلَقٍ حَقِّ يَكُونُ بِتَرْكِهَا اِقْطَعُ لِحَاجَاتِ اِتْيَانِهِ بِالْحَمْدِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَجْعَلَ جِزْرًا مِنْ كِتَابِهِ

ترجمہ: — اور حمد کو جزر کتاب نہ بنانے سے مطلقاً عدم ابتداء بالحمد لازم نہیں آتی یہاں تک کہ اسکے چھوڑ دینے سے کتاب بے برکت ہو جائے کیونکہ جائز ہے مصنف علیہ الرحمہ حمد کو جزر کتاب بنائے بغیر بھی بجالائے ہوں۔

تشریح: — قولہ **وَلَا يَلِيزُ**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حمد الہی کو کس نفسی کی وجہ سے جزر کتاب نہیں بنایا گیا تو اس حدیث پاک کا کیا ہو گا جس میں فرمایا گیا کہ ترک حمد سے برکت جاتی رہتی ہے ارشاد ہے **كُلُّ اَمْرِ ذِي نَائِلٍ لِمُعِيْدٍ اَوْ مُجِدٍّ اَوْ قَطْعٍ** جواب یہ کہ حدیث میں بدأت بالحمد مطلق ہے کہ جزر بنا کر حمد کی جائے یا جزر بنائے بغیر کی جائے کیونکہ امر ذی شان قول کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ مطلق ہے کہ قول ہو یا عمل جیسے و منو امر ذی شان ہے جو عمل ہے قول نہیں اور ظاہر ہے حمد الہی اس کا جزر نہیں ہو سکتی اور جب امر ذی شان مطلق ہو تو بدأت بالحمد بھی مطلق ہوتی کہ جزر بنا کر ہو یا جزر بنا کر نہ ہو اور یہ دونوں ایک دوسرے کے قیام ہیں ہوتے اور ایک قیام کا انتفاء دوسرے قیام کے انتفاء کو مستلزم نہیں پس جزر بنا کر حمد نہ کرنے سے یہ لازم آئے کہ جزر بنا کر بغیر

بھی حمد نہ کی ہو تاکہ حمد کا بالکل ترک لازم آئے اور حدیث کی مخالفت کا الزام عائد ہو۔ سوال جس طرح ایک متبائن کا استفادہ دوسرے متبائن کے استفادہ کو مستلزم نہیں اسی طرح اس کے وجود کو بھی مستلزم نہیں پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ مصنف شروع کتاب میں حمد بیان کیا تھا جس سے حدیث کی مخالفت لازم نہ آئے۔ جواب سرکار کا ارشاد ہے ظَنُّوا الْمَوْنِينَ خَيْرًا یعنی مومنوں کے ساتھ اچھا گمان کرو اور ایسے مقتدر عالم دین کے متعلق کہ جن کی کتاب کا فیہ اہل علم کے نزدیک بے حد مقبول ہے یہی گمان کیا جائے گا کہ انہوں نے شروع کتاب میں حمد بیان کی تھی کیونکہ عام انسان سے بھی بدگمانی جائز نہیں حدیث کا ارشاد ہے وَإِيَّاكَ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ سوال حمد الہی کی طرح تسمیہ کو بھی جز کتاب نہیں بنانا چاہئے تھا کیونکہ اس کے متعلق جو حدیث کل امروزی بابی لَوْ يُدْأَبُ سِوَانَهُ فَهَؤُلَاءِ قَطَعُ مَذْهَبِهِ اس میں بھی بیدارت مطلق ہے۔ جواب تسمیہ کا جز کتاب ہونے پر دوسری حدیث پاک سے تنصيص موجود ہے وہ حدیث یہ ہے اَلَا مَن كَتَبَ مَنكُوكًا بَابًا فَلْيَكْتَبْ فِيْ اَوَّلِهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یعنی خبردار ہو جاؤ کہ جو شخص تم لوگوں میں سے کوئی کتاب لکھے تو چاہئے کہ وہ اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھے۔

قَوْلُهُ حَتَّى يَكُونَ بَرَكَةً۔ یہ حتی بھی حرف عطف ہے جس کا معطوف علیہ شرط محذوف کی جزاء محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَدَمُ الْاِبْتِدَاءِ مُطْلَقًا فَيَكُونُ مَخَالِفًا لِلْحَدِيثِ حَتَّى يَكُونَ بَرَكَةً اَقْطَعُ یعنی اگر مطلقاً عدم ابتداء لازم آئے تو حدیث کی مخالفت ہو تو یہاں تک کہ اس کے ترک سے کتاب بے برکت ہو جاتی۔ اور لجواز ایتیانہ دلیل ہے وَلَا يَلْزَمُ كِي جِس كَا حَاصِل ظَاہِر ہے۔

وَبَدَأَ بِتَعْرِيفِ الْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ لِأَنَّهُ يُبْحَثُ فِي هَذَا الْكِتَابِ عَنْ أَحْوَالِهِمَا فَبَسْطَ لِمَعْرِفَةِ كَيْفَ يُبْحَثُ عَنْ أَحْوَالِهِمَا

ترجمہ:۔ اور مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب کا فیہ کو کلمہ و کلام کی تعریف سے شروع فرمایا کیونکہ وہ اس کتاب میں ان ہی دونوں کے احوال سے بحث کریں گے تو جب تک ان دونوں کی تعریف بیان نہ کی جائے تو دونوں کے احوال سے بحث کیسے کی جائے گی۔

تسبیح:۔ قَوْلُهُ بَدَأَ بِتَعْرِيفِ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ علم نحو میں مقصود اس کے موضوع یعنی کلمہ

کلام کے احوال کو بیان کرنا ہے اور یہاں ان دونوں کی تعریف بیان کی گئی ہے جو مقصود سے خارج ہے۔ جواب یہ کہ کلمہ و کلام کے احوال کو سمجھنا ان دونوں کی تعریف لکھنے پر موقوف ہے کہ تعریف لکھے بغیر مخاطب کو ان دونوں کی معرفت نہیں ہو سکتی اور نہ ان دونوں کے احوال جانے جاسکتے اور مقصود جس چیز پر موقوف ہو وہ بھی مقصود سے ہوتی ہے اس لئے پہلے کلمہ و کلام کی تعریف بیان کی گئی سوال علم نحو میں مقصود مرکب توصیفی و اضافی و امتزاجی، تعدادی و صوقی کے احوال کو بھی بیان کرنا ہے کہ اس علم میں ان کے احوال سے بھی بحث کی جاتی ہے۔ جواب ان سے بحث کرنا حقیقہ کلمہ ہی سے بحث کرنا ہے اس لئے کہ ان مرکبات سے بحث دونوں جز کے معرب ہونے کی حیثیت سے ہوتی ہے یا مبنی ہونے کی حیثیت سے یا ایک جز کے معرب ہونے اور دوسرے جز کے مبنی ہونے کی حیثیت سے اور کلام سے بحث کرنا بھی اگرچہ حقیقہ کلمہ ہی سے بحث کرنا ہے لیکن جبکہ اس کے اجزاء کے اعتبار سے ہو کہ دونوں جز معرب ہیں یا دونوں مبنی یا ایک جز معرب ہے اور دوسرا مبنی لیکن جب بحث مجموعہ من حیث المجموع کے اعتبار سے ہو تو نہیں مثلاً یہ بحث ہو کہ خبر جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے اور جملہ جب حال ہو اور وہ اسمیہ ہو تو وہ داؤد اور ضمیر دونوں کے ساتھ ہو گا یا صرف داؤد یا صرف ضمیر کے ساتھ وغیرہ وغیرہ۔

سوال علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام متعدد ہیں اور تعدد موضوع سے چونکہ تعدد علم ہوتا ہے لہذا علم نحو متعدد علم ہوا حالانکہ وہ ایک علم ہے جواب اس کے دو ہیں ایک الزامی اور دوسرا تسلیی الزامی یہ کہ تعدد موضوع سے اگر تعدد علم ہو تو اصول فقہ کے موضوع چار ہیں۔ کتاب سنت، اجماع امت، قیاس اور منطق کے موضوع دو ہیں معرف و حجت حالانکہ دونوں میں سے کوئی متعدد نہیں۔ تسلیی یہ کہ تعدد موضوع سے تعدد علم اس وقت ہوتا ہے جبکہ موضوعات میں بحث کی جہت مختلف ہو اور جب ایک ہو تو لازم نہیں آتا جیسے علم فقہ کے موضوع افعال مکلفین اور علم طب کے موضوع جسم حیوانی میں بحث کی جہت مختلف ہے اول میں جہت علت و حرمت اور دوم میں جہت صحت و مرض لہذا دونوں الگ الگ علم ہوئے اور اصول فقہ کے موضوع کتاب و سنت و اجماع و قیاس میں صرف ایک جہت من حیث الاستنباط والا استخراج ہے اس لئے وہ ایک علم ہے منطق کے موضوع معرف و حجت میں بھی صرف ایک جہت یعنی من حیث الایصال ہے اس لئے وہ ایک علم ہے اسی طرح یہاں کلمہ و کلام میں بھی صرف ایک جہت اور وہ ہے من حیث الاعراب و البناء و کیفیت ترکیب بعض مع بعض خیال ہے

موضوعات میں جو حیثیت ہوتی ہے اس سے مراد تعلیلیہ بحث ہے اور تقنیدیہ فی نظر باحث تفصیل التشریح اللیب میں دیکھئے۔

قولہ فقیہ لایعرفا۔ اس مقام پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کلمہ و کلام کے احوال جو ان دونوں کی تعریف لکھنے پر موقوف ہے تعریف سے کیا مراد ہے؟ تعریف برسم ہے یا بوجہ تا اگر برسم ہے تو طائید و ست نہیں اس لئے کہ احوال سے بحث کرنا تعریف برسم پر نہیں بلکہ بوجہ تا پر موقوف ہے اور اگر مراد تعریف بوجہ تا ہے تو تقریب تام نہیں اس لئے کہ دعویٰ تعریف بوجہ تا کا ہے اور دلیل میں تعریف برسم پیش کی گئی ہے اس کا جواب یہ کہ تعریف برسم بھی مراد ہوتی ہے اور بوجہ تا بھی لیکن برسم اس لئے کہ بعیرت کے طور پر احوال سے بحث کرنا مراد ہے اور یہ تعریف برسم پر موقوف ہے اور تعریف بوجہ تا اس لئے کہ تعریف برسم، تعریف بوجہ تا کا ایک فرد ہے کیونکہ تعریف بوجہ تا کہتے ہیں کسی نہ کسی طریقے سے جانی جائے اور کسی نہ کسی طریقے سے جاننے میں مکمل جاننا بھی داخل ہے جس کو تعریف برسم شامل ہے۔ اور تعریف بوجہ تا اگرچہ الکلمۃ کے لام تعریف سے بھی حاصل ہوتی ہے لیکن معلم مفکر کے لئے! معلم کے لئے نہیں!!

قَدْ مَرَّ الْكَلِمَةُ عَلَى الْكَلَامِ لَكُونَ أَفْرَادًا حَاجَةً مِنْ أَفْرَادِ الْكَلَامِ وَمَفْهُومَهَا جُزْءٌ مِنْ مَفْهُومِهِ

ترجمہ: — اور مصنف علیہ الرحمہ نے کلمہ کو کلام پر مقدم فرمایا اس کی وجہ یہ کہ کلمہ کے افراد کلام کے افراد کا جز ہیں اور کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جز ہے۔

تشریح: — قولہ قَدْ مَرَّ الْكَلِمَةُ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کلام، کلمہ سے افضل ہے کیونکہ کلام سے مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہوتا ہے کسی چیز کی خبر معلوم ہوتی ہے یا طلب، کلمہ سے نہیں لہذا کلام کو کلمہ پر مقدم کرنا چاہئے۔ جواب یہ کہ افراد کلمہ افراد کلام کا جز ہے کیونکہ زید قائم کلام کا ایک فرد ہے جس کا ایک جز زید اور دوسرا قائم کلمہ کے فرد ہیں اس طرح مفہوم کلمہ مفہوم کلام کا جز ہے اس لئے کہ کلمہ کا مفہوم لفظ وضع لفظی ہے اور کلام کا مفہوم کلمتین مالا سناد جس کے معنی ہیں ما تضمنت لفظین مومنونین بالاسناد

اور چونکہ وجود جز وجود کل پر اور تصور جز تصور کل پر طبعاً مقدم ہوتا ہے لہذا کلمہ کو کلام پر تقدم طبعی حاصل ہوا اس لئے اس کو وضع یعنی ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تاکہ وضع موافق طبع ہو جائے۔

خیال رہے کہ تقدم طبعی وہ ہے کہ دو شئی میں سے ایک دوسرے پر موقوف ہو لیکن موقوف علیہ کے وجود سے موقوف کا وجود لازم نہ ہو جیسے دو کے لئے ایک موقوف علیہ ہے لیکن ایک کے وجود سے دو کا وجود ضروری نہیں اور تقدم وضعی جس کو تقدم رتبہ بھی کہتے ہیں وہ ہے کہ دو شئی میں سے ایک شئی کو دوسری شئی کی بہ نسبت کسی تیسری شئی سے زیادہ قرب حاصل ہو جیسے صف اول کو صف ثانی کی بہ نسبت محراب سے قرب حاصل ہے۔ تقدم کی مزید تین قسمیں بھی ہیں۔ تقدم زمانی، تقدم علی تقدم شرفی بدایۃ الحکمۃ میں دیکھئے۔

سوال افراد یا اور مفہوم یا میں ضمیر مجرد کا مرجع لفظ کلمہ ہے یا مفہوم کلمہ یا دونوں، ہر ایک باطل ہے لیکن مفہوم کلمہ اس لئے کہ افراد کی اضافت مفہوم کی طرف اگرچہ صحیح ہے کہ افراد مفہوم ہی کے ہوتے ہیں لیکن ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت نہ ہوگی کہ ضمیر موصوف ہے اور مرجع مذکور مفہوم کی اضافت ضمیر کی طرف درست نہ ہوگی کہ مفہوم کا مفہوم ہونا لازم آتا ہے جو باطل ہے اور مرجع کا لفظ کلمہ ہونا اس لئے باطل ہے کہ مفہوم کی اضافت ضمیر کی طرف اگرچہ صحیح ہے کیوں کہ ضمیر و مرجع میں مطابقت موجود ہے لیکن افراد کی اضافت ضمیر کی طرف صحیح نہ ہوگی کہ افراد مفہوم کلمہ کے ہوتے ہیں لفظ کلمہ کے نہیں اور مرجع دونوں ہونا اس لئے باطل ہے کہ ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت نہیں۔ جواب شارح کا یہ کلام بطور صنعت استعمال ہے کہ کلمہ کی دو حیثیتیں ہیں ایک باعتبار لفظ اور دوسرا باعتبار مفہوم۔ ضمیر کی طرف افراد کی اضافت باعتبار مفہوم ہے اور اس کی طرف مفہوم کی اضافت باعتبار لفظ ہے۔

فَقَالَ الْكَلِمَةُ قِيلَ هِيَ وَالْكَلَامُ مُشْتَقَّانِ مِنَ الْكَلِمِ بِتَسْكِينِ اللَّامِ

ترجمہ: — پس مصنف نے فرمایا (الکلمۃ) بعض نحو یوں کا کہنا ہے کہ کلمہ و کلام کلم بکون لام سے مشتق ہیں۔ تشریح: — قولہ فَقَالَ۔ قال پر تفصیل یہ ہے اس کو عاطفہ بھی مانا گیا ہے جس کا معطوف علیہ قدم ہے لیکن عطف چونکہ ترتیب کو مقتضی ہے یعنی زمانہ معطوف علیہ پہلے ہوتا ہے اور زمانہ معطوف بعد میں اس لئے تقدم کی جانب ارادہ کو مقدم کرنا مانا گیا ہے کہ ارادہ تقدم کا زمانہ قول کے زمانہ سے پہلے ہوتا ہے اور اس تقدیر

پر قرینہ تقدیر کا فعل اختیاری ہونا ہے کہ وہ ارادہ کے بعد ہوتا ہے۔

قولہ قیل ہی والکلام۔ تن میں چونکہ صرف الکلمہ مذکور ہے الکلام نہیں اس لئے شرح میں صرف الکلمہ کی ضمیر لائی گئی حاصل یہ کہ جمہور نجات کلمہ و کلام کو مشتق نہیں مانتے اور بعض نجات مشتق کے قائل ہیں۔ کچھ شارح اس کا برعکس یوں بیان کرتے ہیں کہ اشتقاق کے قائل جمہور نجات ہیں اور عدم اشتقاق کے قائل بعض نجات ہیں اور کچھ شارح دونوں کو بعض کا قول قرار دیتے ہیں یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ عدم اشتقاق کے قائل جمہور نجات ہیں اور اشتقاق کے قائل بعض نجات جیسا کہ قیل کلمہ ضعیف سے اشارہ ظاہر ہے اور محمد عمر کابلی نے صراحت فرمایا فذهب جمہور النحاة الى انهما غيد مشتقان وعند البعض مشتقان۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اشتقاق ماننے پر تکلف کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کے وجود پر کوئی باعث بھی نہیں۔ بعض نجات کی دلیل یہ ہے کہ اشتقاق کا معنی جیسا کہ حاشیہ کابلی پر ہے رد کلمہ اخروی بحسب المناسبة المعنوية واللفظية یعنی دو لفظ میں سے ایک کو اصل اور دوسرے کو فرع اس شرط کے ساتھ ماننا کہ دونوں میں مناسبت لفظی و معنوی پائی جائے۔ اور کلمہ و کلم اور کلام و کلم میں مناسبت لفظی پائی جاتی ہے کہ اصل و فرع حروفِ اصلہ میں شریک ہیں یونہی مناسبت معنوی بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ شارح لٹائید معانیہما سے بیان کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ اشتقاق کی تین قسمیں ہیں اول صغیر جس کا معنی ہے اصل و فرع کے دربان جملہ حروفِ اصلہ اور ترتیب میں اشتراک ہو جیسے ضرب و ضرب میں دوم کبر جس کا معنی ہے کہ اصل و فرع میں حروفِ اصلہ بلا ترتیب مشترک ہوں جیسے جذ اور جذب میں سوم اکبر جس کا معنی ہے کہ اصل و فرع کے درمیان تمام حروفِ اصلہ میں اشتراک نہ ہو جیسے نعت اور نعت میں اور ظاہر ہے کلمہ و کلم اور کلام و کلم میں اشتقاق صغیر ہے کہ حروفِ اصلہ اور ترتیب دونوں میں اشتراک پایا جاتا ہے۔

قولہ بتسکین اللام۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ کلمہ و کلم سے مشتق نہیں کہ کلم جس ہے اور کلمہ اس کا فرد اور فرد جنس سے مشتق نہیں ہوتا جواب یہ کہ جنس کلم بفتح کاف و کسر لام ہے اور یہ بفتح کاف و سکون لام ہے جس کا معنی جرح یعنی زخمی کرنا ہے۔ یہ جرح بفتح جیم ہے اور ایک جرح بضم جیم یعنی زخم آتا ہے وہ یہاں مراد نہیں جیسا کہ آگے مناسبت معنوی کے بیان سے ظاہر ہوگا۔

وَهُوَ الْجَرْحُ لِتَأْثِيرِ مَعَانِيهِمَا فِي النُّفُوسِ كَالْجَرْحِ

ترجمہ: — اور کلم بمعنی زخم کرنا ہے اس لئے کہ کلمہ و کلام کے معانی زخم کی طرح دلوں میں اثر کرتے ہیں۔ تشویح: — قولہ لتأثیر معانیہما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اشتقاق کے لئے جیسا کہ گزرا مناسبت لفظی و معنوی ضروری ہے اور کلمہ و کلم اور کلام و کلم کے درمیان مناسبت لفظی کا پایا جانا تو ظاہر ہے جیسا کہ گزرا لیکن مناسبت معنوی نہیں کہ اصل یعنی کلم کا معنی جرح زخم کرنا ہے اور ایک فرع یعنی کلمہ کا معنی لفظ موضوع ہے اور دوسری فرع یعنی کلام کا معنی ما تفسیر کلمتین بالاسناد ہے ظاہر ہے اصل و فرع کے درمیان کوئی مناسبت نہیں جواب یہ کہ مناسبت کی تین صورتیں ہیں (۱) مناسبت معنی مطابقی میں (۲) معنی تفسی میں (۳) معنی التزامی میں اور یہاں اصل و فرع کے درمیان اگرچہ معنی مطابقی و تفسی میں مناسبت نہیں ہے لیکن معنی التزامی میں مناسبت موجود ہے کیونکہ کلم کا معنی التزامی تاثیر ہے اور کلام یونہی کلمہ کا معنی التزامی بھی تاثیر ہے جس طرح کلمہ مجروح میں تاثیر کرتا ہے اسی طرح کلمہ و کلام دلوں میں تاثیر کرتے ہیں اچھے کلمات اور عمدہ کلام سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور بُرے کلمات اور گندے کلام سے رنج ہو پونچتا ہے۔ حاشیہ سوالی کابلی پر ہے وَالْمُرَادُ مِنْ مَعْنَى الْمَشْتَقِ مِنْهُ اَعْمَقُ مِنَ الْمَعْنَى الْمَطَابِقِ اَوْ التَّفْسِيرِ اَوْ الِالتِّزَامِ وَفِيْمَا نَحْنُ فَيَدِيكُنِ الْمُنَاسِبَةِ فِي الْمَعْنَى اِلِالتِّزَامِ مَوْجُودٌ لِانَّ التَّأْثِيرَ كَمَا يَكُونُ لَازِمًا لِلْكَلِمِ كُنْ لَكَ لَازِمًا لَهَا۔ سوال کلام کے لئے تاثیر کا ہونا تو درست ہے لیکن کلمہ کے لئے نہیں کہ تاثیر نسبت کی فرع ہے اور کلمہ میں نسبت نہیں ہوتی۔ جواب تاثیر سے یہاں مراد عام ہے کہ بالذات ہو یا بالعرض کلام میں تاثیر بالذات ہوتی ہے اور کلمہ میں بالعرض۔ سوال مناسبت التزامی میں لزوم ذہنی ہونا شرط ہے اور لزوم ذہنی اس امر کو کہتے ہیں جو ملزوم کا تصور لازم کے تصور کے بغیر محال ہو اور وہ یہاں پایا نہیں جاتا اس لئے کہ کلمہ و کلام کے تلفظ کے وقت تاثیر فی النفوس کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ جواب مناسبت التزامی میں لزوم ذہنی کی شرط اصطلاح مناطہ میں ہے اور یہ اصطلاح نحو ہے جس میں صرف یہ علاقہ پایا جانا ضروری ہے کہ ملزوم سے لازم کی طرف ذہن منتقل ہو جائے اور وہ یہاں موجود ہے کہ مثلاً جب کلمہ کا تصور کیا جاتا ہے تو ذہن تاثیر فی النفوس کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

سوال کلام کو اگر کلمہ سے یا کلمہ کو کلام سے مشتق مانا جائے تو کوئی تکلف لازم نہیں آتا کہ ان دونوں کے درمیان مناسبت لفظی و معنوی دونوں موجود ہیں۔ جواب اشتقاق معنی لغوی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کلمہ و کلام معنی لغوی کے اعتبار سے باہم مترادف ہیں مصباح میں ہے الکلمۃ لفظ مفرد یا مرکب جو انسان بولے۔ الکلام قول۔ گفتگو۔ جملہ لہذا کلام کلمہ سے مشتق نہ ہوگا ایسا ہی اس کا برعکس کیونکہ اشتقاق مغایرت کو مقتضی ہوتا ہے۔

وَقَدْ عُبِّرَ بِبَعْضِ الشُّعْرَاءِ عَنْ بَعْضِ تَأْثِيرَاتِهِمَا بِالْجَرَحِ حَيْثُ قَالَ شُعْرَاءُ جَرَحَ أَلْسَانَهُ
اللسان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

ترجمہ: — اور بعض شعرا نے کلمہ و کلام کی بعض تاثیرات کو جرح سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ اس نے کہا شعر جراحات اللسان الخ یعنی نيزوں کے زخم بھر جاتے ہیں اور وہ زخم نہیں بھرتا جس کو زبان نے زخم کیا ہے۔
تشریح: — قولہ قد عبر اس عبارت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کلمہ کا کلم سے یونہی کلام کا کلم سے مشتق ہونے کا قول اگرچہ ضعیف ہے جیسا کہ اس کی طرف قیل سے اشارہ کیا گیا ہے لیکن دونوں کے درمیان علاقہ قوی و معتبر ہے وہ یہ کہ بعض شعرا نے کلمہ و کلام کے بعض تاثیرات کو کلم بمعنی جرح سے تعبیر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کلمہ و کلام کلم سے ماخوذ ہیں۔ طاعصام نے شارح کا رد زنی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض شعرا سے مراد مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور یہ شعرا ان ہی کا ہے اور علامہ جاتی کو چونکہ ان کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے بعض شعرا سے تعبیر کیا ہے، لیکن یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ یہ شعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نہیں بلکہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے رطعن اللسان أشد من صوب اللسان۔
قولہ جراحات اللسان۔ جراحات جمع ہے جراحۃ کی جو بمعنی زخم ہے دونوں جگہ جیم مکسور ہے جراحات کی اضافت لسان کی طرف اضافت لایہ ہے اور لسان بروزن فعال جمع ہے سن کی اس کی جمع اسنہ ہے معنی اس کا آئی، نیزہ، اور تیر کی ٹوک ہے۔ لہذا کی ضمیر مجرور کا مرجع جراحات جمع مؤنث سالم ہے جو واحد مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے۔ التیام باب افتعال کا مصدر ہے جس کا معنی پُر ہونا اور اچھا ہونا ہے مصباح میں ہے التیام الجرح اچھا ہونا مصدر میں مزہ میز کے قاعدہ سے یا رہو گئی ہے کیونکہ اس کا

مادہ ل ۶ م ہے۔ اس لئے لام کو مدغم کر کے پڑھا نہیں جاتا کہ وہ مادہ کا ہے زائد نہیں۔ اسی سے لا یلتام فعل مضارع معروف آیا ہے جو اصل میں لا یلتئم بروزن لا یجتنب تھا ہمزہ کو کشف کے قاعدہ سے ساکن کرنے کے بعد بقاعدہ راس الف سے بدل دیا گیا ہے۔ وما جرح میں ما مصدر یہ ہے جبکہ موصوفہ اور موصولہ بھی ہو سکتا ہے بتقدیر اول جرح بمعنی مصدر ہوگا یعنی جرح اللسان اور بتقدیر دوم ما کی صفت ہوگا اور بتقدیر سوم صلہ اور فائدہ محذوف ہوگا یعنی ما جرح اللسان۔

وَالْكَلِمُ بِكِسْرِ اللَّامِ جَنْسٌ لَا يَجْمَعُ كَثْرَةً وَتَمَّ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْجَمْعُ حَيْثُ لَا يَقَعُ إِلَّا عَلَى الثَّلَاثِ فَصَاعِدًا وَالْكَلِمُ الطَّيِّبُ مَوْوَلٌ بِبَعْضِ الْكَلِمِ

ترجمہ: — اور کلم کسر لام کے ساتھ تمرؤ تمرہ کی طرح جنس ہے جمع نہیں اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اچھے کلمے صعود کرتے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ کلم جمع ہے کیونکہ اس کا اطلاق تین یا اس سے زائد پر ہوتا ہے اور آیت مذکورہ میں الْكَلِمُ الطَّيِّبُ مَوْوَلٌ ہے بعض الْكَلِمِ الطَّيِّبِ ہے۔

تشریح: — قولہ وَالْكَلِمُ بِكِسْرِ اللَّامِ۔ الکلمۃ میں تین لفظ ہیں (۱) لام (۲) کلم بفتح کاف و کسر لام (۳) تار۔ ان میں سے دوسرا چونکہ معروض ہے اور باقی دونوں عارض اور معروض طبعاً مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا اور اس لئے بھی کہ اس کا تلفظ تنہا ہوتا ہے اور ان دونوں کا تلفظ تنہا نہیں بلکہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ ملا کر ہوتا ہے۔

قولہ جنس لا جمع۔ کلم بفتح کاف و کسر لام بصریہ و کوفیہ کا اختلاف ہے۔ بصریہ کہتے ہیں کہ وہ اسم جنس ہے کوفیہ جمع کا قول کرتے ہیں۔ بصریہ کی دلیل یہ ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں تار ہو وہ اسم جنس ہوتا ہے جیسے تمر کہ اس کا مفرد تمرہ آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ میں بھی کلم کی صفت طیب واحد کا صیغہ آیا ہے دوسری جگہ یحذفون الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِمْ میں واحد کی ضمیر کا مرجع کلم کو قرار دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلم جمع نہیں بلکہ اسم جنس ہے اور اس لئے بھی کہ

وہ عشروانہ کے مابین اعداد کی تمیز واقع ہوتا ہے اور ان کی تمیز ہمیشہ مفرد منصوب ہوتی ہے جیسے خستہ عشر کلانا وغیرہ۔ واضح ہو کہ اسم جنس وہ اسم ہے جو واحد و کثیر سب کے لئے وضع کیا گیا ہو اور وحدت پر دلالت کرنے کے لئے تار لگایا گیا ہو اگر غیر ذوی العقول ہو جیسے ورق کہ اس کا واحد ورقہ ہے تموک کہ اس کا واحد تموک ہے یا آخر میں یا نسبتی بڑھائی جاتی ہو اگر ذوی العقول ہو جیسے روئی ردیوں میں کا ایک، جوئی جوئیوں میں کا ایک اور جمع وہ اسم ہے جو دو سے زیادہ کے لئے وضع کیا گیا ہو اور اس کا واحد اسی کے لفظ سے ہو جیسے انبیاء کہ اس کا واحد نبی ہے، اسم جمع وہ اسم ہے جس سے جمع کا معنی ظاہر ہوں اور اس کے لئے اسی مادہ سے واحد نہ ہو جیسے خیل، قوم، رطب، جیش، اسم جمع اور اسم جنس کی جمع مفردات کی طرز پر آتی ہے جیسے قوم کی جمع اقوام، رفقہ کی جمع رفق، نجم کی جمع انجم اور روم کی جمع اروام۔

قولہ قیل جمع کیم بجر لام کو کو فیین جمع کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کا اطلاق تین یا اس سے زیادہ پر ہوتا ہے ایک یا دو پر نہیں اور آیت کریمہ الیہ یصعد الکلم الطیب میں طیب کلم کی صفت نہیں بلکہ بعض کی صفت ہے جو مقدر ہے اور بعض مفرد مذکور ہے اصل عبارت یہ ہے الیہ یصعد بعض الکلم الطیب اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بعض طیب کلمات ہی صعود کرتے ہیں۔ چہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بعضیت کا معنی طیب ہی سے حاصل ہے تقدیر کی ضرورت نہیں کہ جو کلم طیب ہے وہی صعود کرتا ہے ہر کلمات نہیں اور بعضیت کے ساتھ تاویل اصل کے خلاف ہے اس لئے کہ اصل عدم تاویل ہے اور کلم کا تین یا اس سے زائد پر بولا جانا استعمال میں ہے لیکن وضع میں واحد و کثیر سب پر صادق آتا ہے۔

واللّٰمُ فیہا للجنس والتاء للوحدۃ

ترجمہ: — اور لام الکلمہ میں جنس کے لئے ہے اور تاء وحدت کے لئے۔

تشریح: — قولہ واللّٰم۔ الف لام کی دو قسمیں ہیں اسی و حر فی الف لام اسی وہ ہے جو اسم موصول کے معنی میں ہو وہ صرف اسم فاعل و اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے وجہ یہ کہ الف لام اسی چونکہ ذوجہیں ہوتا ہے صورتہ حرف ہوتا ہے اور معنی اسم اس لئے اس کا مدخل بھی وہ ہوتا ہے جو صورتہ مفرد ہو اور معنی جملہ اور وہ

صرف اسم فاعل و اسم مفعول ہو سکتے ہیں کیونکہ الضارب کا معنی الذی ضرب اور المضروب کا معنی الذی ضرب اور الضاربتہ کا معنی التی ضربتے اور المضروبہ کا معنی التی ضربتے ہے اور الف لام حر فی وہ ہے جو اسم موصول کے معنی میں نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں زائد و غیر زائد حر فی زائد وہ ہے جس کے اسقاط سے معنی میں کوئی فرق پیدا نہ ہو اور غیر زائد وہ ہے جس کے اسقاط سے معنی میں فرق پیدا ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد خارجی (۴) عہد ذہنی۔ جنسی وہ الف لام ہے جس کے مدخل کی نفس ماہیت مراد ہو جیسے الترحل خبر من المرحۃ میں الترحل سے ماہیت رحل مراد ہے اور الف لام استغراقی وہ ہے جس کے مدخل کے تمام افراد مراد ہوں جیسے ان الانسان لفی حسوۃ میں الانسان سے تمام افراد انسان مراد ہیں اور عہد خارجی وہ الف لام ہے جس کے مدخل کے وہ فرد مراد ہو جو ماقبل میں مذکور ہو جیسے ارسلنا الی فرعون رسولاً فقصی فرعون الرسول میں مذکور رسول مراد ہے اور عہد ذہنی وہ الف لام ہے جس کے مدخل کا فرد غیر معین مراد ہو جیسے اخاف ان یاکلہ الذئبے میں ذئب سے ماہیت مراد نہیں بلکہ فرد واحد غیر معین مراد ہے۔ یہی معنی اگرچہ نکرہ کا بھی ہے لیکن دونوں میں فرق اصل وضع کے اعتبار سے ہے نکرہ فرد واحد غیر معین کے لئے موقوف ہے اور الف لام عہد ذہنی ماہیت معلومہ معینہ کے لئے موضوع ہے لیکن قرینہ کی وجہ سے فرد غیر معین مراد لیا جاتا ہے جیسے مثال مذکور میں اکل یہ قرینہ ہے کہ ذئب سے فرد غیر معین مراد ہے اور اس کو لام تعریف اسی اصل وضع کے اعتبار سے کہا جاتا ہے اور حر فی زائد کی دو قسمیں ہیں لازمی و عارضی، لازمی وہ الف لام ہے جو اپنے مدخل سے جدا ہونا محال ہو جیسے اذنہ اور الیسع اور النجوم وغیرہ میں اور عارضی وہ الف لام ہے جو اپنے مدخل سے جدا ہونا محال نہ ہو جیسے البصوۃ، الکوفۃ اور الحسن والحسین میں لیکن یہ سماعی ہے قیاسی نہیں لہذا المختار والکلمۃ وغیرہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

قولہ للجنس۔ گویا یہ جواب ہے اس سوال کا کہ الکلمۃ میں الف لام مذکور بالا قسموں میں سے کوئی نہیں۔ الف لام اسی اس لئے نہیں کہ کلمہ نہ اسم فاعل ہے اور نہ اسم مفعول اور الف لام زائد اس لئے نہیں کہ اس سے مبتدا کا نکرہ ہونا لازم آتا ہے جو ممنوع ہے اور الف لام جنسی اس لئے نہیں کہ اس سے مراد نفس ماہیت ہوتی ہے جو مفہوم کلی ہے اور تاء وحدت سے مراد شخص واحد غیر معین ہوتا ہے اور ظاہر ہے جس شخص کے درمیان منافات ہے اور الف لام استغراقی و عہد خارجی و ذہنی ماننے پر فرد کلمہ کی تعریف لازم آتی ہے

حالانکہ مقصود ماہیت کی تعریف ہے نیز استفراقی ماننے پر تمام افراد مراد ہوں گے اور تار وحدت سے شخص واحد غیر معین مراد ہوگا جو ایک دوسرے کے منافی ہے اور عہد خارجی کی صورت میں اس کے مدخول کا ماقبل میں مذکور ہونا ضروری ہوگا اور وہ یہاں مذکور نہیں اور عہد ذہنی ماننے پر کلمہ کے فرد واحد غیر معین کی تعریف لازم آئے گی اور غیر معین کی تعریف نہیں ہوتی۔ جواب یہ کہ الکلمۃ میں الف لام جنسی ہے اور تار اگرچہ وحدت کے لئے ہے لیکن وحدت شخصہ نہیں جو اس کے منافی ہو بلکہ وحدت جنسیہ ہے کیونکہ کلم لغت میں بمعنی بات ہے اور کلمہ کے معنی ایک بات اور نحو یوں نے جب اسی کو معنی لغوی سے معنی اصطلاحی کی طرف نقل کیا تو اس کی تار کو وحدت شخصہ سے جنسیہ کی طرف نقل کر دیا اب اس سے مراد ایک جنس و ماہیت ہوگی۔

وَلَا مَنَافَاةَ بَيْنَهُمَا لِجَوَازِ اتِّصَافِ الْجَنْسِ بِالْوَحْدَةِ وَالْوَاحِدُ بِالْجَنْسِيَةِ يُقَالُ هَذَا الْجَنْسُ وَاحِدٌ وَذَلِكَ الْوَاحِدُ جَنْسٌ

ترجمہ: — اور جنس وحدت کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ جنس کا وحدت سے اور واحد کا جنسیت سے اتصاف جائز ہے بوجہ جواز اتصاف جنس بالوحدۃ والواحد بالجنس۔

تشریح: — قولہ وَلَا مَنَافَاةَ۔ یعنی الکلمۃ میں جب الف لام سے الف لام جنسی مراد ہے اور تار سے وحدت جنسی تو اب دونوں میں کوئی منافات نہ رہی کیونکہ الف لام جنسی جس طرح مدخول کی ماہیت پر دلالت کرتا ہے اسی طرح وحدت جنسی بھی لہذا جنس کا اتصاف وحدت کے ساتھ اور واحد کا جنسیت کیساتھ جائز ہونا چاہیے بوجہ جواز اتصاف جنس بالوحدۃ والواحد بالجنس۔ سوال یہ مبتدا و خبر ہیں موصوف صفت ہیں کہ ہر ایک کا اتصاف دوسرے کے ساتھ درست ہو۔ جواب اتصاف سے یہاں مراد تصادق ہے جو مبتدا و خبر سے بھی حاصل ہے یا یہ کہ علم مخاطب سے پہلے وہ اگرچہ مبتدا و خبر ہیں لیکن اس کے بعد موصوف و صفت ہیں سوال کا بلی میں ہے لکن الوُصَافُ قَبْلَ عَلِمِ الْمُخَاطَبِ بِمَا الْخَبَرُ وَالْخَبَرُ بَعْدَ الْعِلْمِ بِمَا أَوْصَافُ لَا تَنْدُ لَا يَفِيدُ بِهَا فَاكُنْدُ

وَيَكُنْ حَمْلُهَا عَلَى الْعَهْدِ الْخَارِجِيِّ بَارَادَةُ الْكَلِمَةِ الْمَذْكُورَةِ عَلَى السَّنَةِ الْخَاتَمَةِ

ترجمہ: — اور الف لام کو عہد خارجی پر حمل کرنا ممکن ہے کیونکہ اس سے وہ کلمہ مراد نحو یوں کی زبانوں پر جاری ہے۔

تشریح: — قولہ يَكُنْ حَمْلُهَا۔ یعنی الکلمۃ میں الف لام عہد خارجی بھی ممکن ہے جو کلمہ نحو یہ پر دال ہوتا کیونکہ کلمہ نحو یہ کے دو فرد ہیں ایک وہ ہے جس پر لفظ موضوع مفرد صادق آتا ہے جیسے کلمہ شاعر اور دوسرا وہ جس پر لفظ موضوع مرکب صادق آتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے قَبْتُ كَلِمَةً رَدِيَةً۔ پہلا کلمہ نحو یہ ہے اور یہاں اسی کی تعریف مقصود ہے۔ خیال رہے کہ کلمہ نحو یہ سے یہاں کوئی خاص فرد مراد نہیں کیونکہ وہ فرد شخصی نہیں بلکہ جنسی ہے جو کثیرین پر صادق آتا ہے۔

قولہ بَارَادَةُ الْكَلِمَةِ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ الکلمۃ میں الف لام اگر عہد خارجی کا ہے تو اس کے مدخول کا ماقبل میں مذکور ہونا چاہیے حالانکہ کلمہ نحو یہ ماقبل میں مذکور نہیں۔ جواب یہ کہ مدخول کا ماقبل میں مذکور ہونا ضروری نہیں بلکہ مشہور و معلوم ہونا ہی کافی ہے اور کلمہ نحو یہ بھی ایسا ہی ہے کہ وہ مخاطب کو اس قرینہ سے معلوم ہے کہ عالم و تعلم دونوں نحو یوں ہیں اور کتاب بھی علم نحو میں ہے۔

لَفْظُ اللَّفْظِ فِي اللَّغَةِ الرَّيُّ يُقَالُ أَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفْظُ النُّوَاةِ أَيْ رَمِيَتْهَا

ترجمہ: — (وہ لفظ ہے) لفظ کا معنی لغت میں پھینکنا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے أَكَلْتُ التَّمْرَةَ اَلرَّيُّ یعنی میں نے کھجور کو کھایا اور گٹھلی کو پھینکی۔

تشریح: — قولہ اللَّفْظُ۔ یعنی لغت میں لفظ بمعنی مطلق رمی ہے جس کا معنی ہے پھینکنا خواہ منہ سے ہو یا غیر منہ سے پھینکنا خواہ لفظ کا ہو یا غیر لفظ کا۔ پھینکنے والا رمی عقل ہو یا غیر ذی عقل۔ منہ سے لفظ کو پھینکنے کی مثال لَفْظُ الْكَلَامِ اور منہ یا ماتہ سے غیر لفظ کو پھینکنے کی مثال أَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفْظُ النُّوَاةِ اور غیر لفظ کو پھینکنے

کی مثال جو منہ سے نہ ہو اور نہ پھینکنے والا ذی عقل ہو لفظ *الرجی الدقیق*۔ تن میں لفظ نکرہ ہے اور شرح میں معارف اس کی وجہ یہ کہ تن میں وہ خبر واقع ہے جس میں اصل تنکیر ہے اور شرح میں بتدا واقع ہے جس میں اصل تعریف ہے۔

قوله *یقال اكلت*۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لغت میں لفظ بمعنی مطلق رمی ہے اس پر کیا قرینہ ہے؟ جواب یہ کہ اس پر قرینہ اہل عرب کا یہ مقولہ ہے *اكلت التمرة ولفظت النواة* یعنی میں نے کھجور کھایا اور اس کی گٹھلی پھینک دی پھر سوال پیدا ہوا کہ اس مقولہ سے صرف منہ سے رمی ثابت ہے جیسا کہ قرینہ اکل اس پر دال ہے مطلق رمی نہیں اس کا جواب شرح میں آئی رہیٹھا ہے دیا گیا کہ اس سے بھی مطلق رمی ثابت ہے قرینہ اکل تخصیص پر دال نہیں کیونکہ اہل عرب جب کھجور کھاتے ہیں تو گٹھلی کو کبھی منہ سے پھینکتے ہیں اور کبھی ہاتھ سے۔

ثم نقل في عرب النواة ابتداءً او بعد جعله بمعنى الملفوظ كالخلق بمعنى المخلوق الى ما يتلفظ به الانسان

ترجمہ: — پھر لفظ آیا ابتدا ہی سے یا جس طرح کہ خلق بمعنی مخلوق ہے اسی طرح اس کو ملفوظ کے معنی میں کرنے کے بعد نئیوں کی اصطلاح میں ما يتلفظ به الانسان کی طرف منقول ہو گیا۔

تشییح: — قوله *ثم نقل*۔ اس عبارت سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اسم تین معنوں کے لئے بولا جاتا ہے اسم ذات، وصف محض، اسم صفت۔ اسم سے اگر صرف ذات تصور ہو تو وہ اسم ذات ہے جیسے حجر اور اگر اسم سے صرف وصف تصور ہو تو وہ وصف محض ہے جیسے سواد اور اگر ذات کے ساتھ صفت بھی تصور ہو تو وہ اسم صفت ہے جیسے اسود۔ اسم ذات پر اسم صفت کا حل جائز ہے جیسے الحجر اسود میں یونہی اس پر اسم ذات کا حل بھی جائز ہے جیسے الحجر صلب میں لیکن اسم ذات پر وصف محض کا حل جائز نہیں لہذا جس طرح الحجر سواد میں حل جائز نہیں اسی طرح الکلمۃ لفظ میں جائز نہیں کہ الکلمۃ اسم ذات ہے اور لفظ مصدر ہے جو وصف محض ہے۔ جواب یہ کہ لفظ اگرچہ مصدر ہے لیکن یہاں اس کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ نئیوں کی اصطلاح میں وہ ما يتلفظ به الانسان کے لئے منقول ہو گیا ہے۔

قوله *ابتداء*۔ نقل دو طرح سے ہے اول یہ کہ لفظ ابتداء ہی سے ما يتلفظ به الانسان کی طرف منقول ہو گیا ہے دوم یہ کہ لفظ پہلے بمعنی ملفوظ ہوا جس طرح خلق بمعنی مخلوق ہوتا ہے پھر ما يتلفظ به الانسان کی طرف منقول ہو گیا ہے صورت اولیٰ میں سبب کو مسبب کے لئے نقل کیا گیا ہے اس لئے کہ لفظ کا معنی مصدری سبب ہے اور ما يتلفظ به الانسان مسبب اور صورت ثانیہ میں عام کو خاص کے لئے نقل کیا گیا ہے اس لئے کہ لفظ کا لغوی معنی عام ہے اور اصطلاحی معنی خاص کیونکہ لغت میں لفظ ہاتھ سے پھینکی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور منہ سے پھینکی ہوئی گٹھلی اسی طرح منہ سے نکالی ہوئی بات کو بھی کہتے ہیں اور اصطلاح میں لفظ صرف ما يتلفظ به الانسان ہی کو کہتے ہیں۔ پہلی صورت میں تعدد نقل سے اجتناب ہے اور دوسری صورت میں منقول و منقول الیہ کے درمیان زیادہ قرب حاصل ہے کیونکہ عام و خاص کا قرب سبب و مسبب کے قرب سے زیادہ ہے اس لئے کہ عام کا اطلاق خاص پر بکثرت ہوتا ہے جیسے الانسان حیوان میں لیکن سبب کا اطلاق مسبب پر بکثرت نہیں ہوتا مثلاً الوقت صلوة نہیں کہا جاتا۔

قوله *ما يتلفظ به الانسان*۔ معرف میں لفظ سے اصطلاحی معنی مراد ہے اور تعریف میں لغوی معنی تکلم مراد ہے لہذا دور لازم نہیں آئے گا کہ جہت مختلف ہو گئی اور تعریف میں باربرائے استعانت نہیں کہ زبان پر بھی تعریف صادق آئے بلکہ برائے تعدیہ ہے اصل عبارت یہ ہے *اللفظ ما لفظه الانسان* یعنی لفظ وہ بات ہے جس کو آدمی بولے یا بار بمعنی علی ہے اور ظاہر ہے تلفظ زبان پر نہیں بلکہ زبان سے ہوتا ہے خیال رہے کہ حرکات اعرابیہ تعریف سے خارج ہیں کیونکہ تعریف میں تلفظ بالاصالة کی قید ملحوظ ہے جو اس میں نہیں ہوتا اور حروف اعرابیہ جیسے داؤ۔ الف، یا اگرچہ حقیقۃً لفظ ہیں لیکن حکماً نہیں کہ وہ حروف اعرابیہ کے قائم مقام ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ حرکات اعرابیہ لفظ ہیں۔ کما قال الرضی وغیرہ

حقیقۃً او حکماً مہملًا کان او موضوعاً مفردًا کان او مرکباً واللفظ الحقیقی کزید و ضرب و الحکمی کالمنزلی فی زید و ضرب و اضرب اذ لیس من مقولۃ الحرف و الصوت اصلاً و لکن یوضع لہ

ترجمہ: — جس کا انسان تلفظ کرے خواہ حقیقی ہو یا حکمی مہمل ہو یا موضوع، مفرد ہو یا مرکب اور لفظ

حقیقی جیسے زید اور ضرب اور حکمی مستر کی طرح ہے جیسے زید ضرب اور ضرب میں کیونکہ مستر مقولہ حرف و صوت سے قطعاً نہیں اور نہ ہی اس کے لئے کوئی لفظ موضوع ہے۔

تشریح: — قولہ حقیقۃً اذْهَمًا۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ لفظ کی تعریف ضمیر مستر اور مہل و مرکب پر صادق نہیں لیکن ضمیر مستر پر اس لئے نہیں کہ جب اِضْرِبْ بولا جاتا ہے تو اس میں ضمیر مستر اَنْتَ کا تلفظ نہیں کیا جاتا اور مہل و مرکب پر اس لئے نہیں کہ تلفظ سے متبادر معنی موضوع مفرد کا تلفظ ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ تعریف میں تلفظ سے مراد مطلق تلفظ ہے خواہ مہل کا تلفظ ہو یا موضوع کا مفرد کا تلفظ ہو یا مرکب کا لہذا تعریف ہر ایک پر صادق ہے لیکن ضمیر مستر پر اس لئے کہ تلفظ صرف تلفظ حقیقی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تلفظ حکمی کو بھی شامل ہے اور ضمیر مستر کا اگرچہ تلفظ حقیقی نہیں ہوتا لیکن حکمی ضرور ہوتا کیونکہ تلفظ حقیقی کہتے ہیں درحقیقت بولنے کو اور تلفظ حکمی کہتے ہیں جو حقیقۃً محفوظ نہ ہو لیکن اس پر محفوظ حقیقی کے احکام جاری کیا جائے مثلاً اس کو مسند الیہ یا ذوالحال یا موکد وغیرہ بنایا جائے یہی حال ضمیر مستر کا ہے کہ وہ بھی مسند الیہ وغیرہ بنایا جاسکتا ہے۔ خیال رہے کہ تلفظ حقیقی و حکمی میں تلفظ حقیقی اصل ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا یونہی مفرد و مرکب میں مفرد اصل ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا لیکن موضوع و مہل میں موضوع اصل ہے اس کو موخر اس لئے کیا گیا کہ وہ طبعاً موخر ہے لفظ کا پہلے معنی نہیں ہوتا بعد میں اس کو معنی کے لئے وضع کیا جاتا ہے۔

قولہ اللفظ الحقیقی۔ یہ تفسیر ہے لفظ حقیقی و حکمی کی کہ زید اور ضرب لفظ حقیقی ہیں اور زید ضرب میں ضرب کے اندر بولنے کا حکمی ہے۔ خیال رہے کہ لفظ حقیقی چونکہ کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی فعل اس لئے زید سے اسم کی مثال دی گئی اور ضرب سے فعل کی۔ اسم کو مقدم اس لئے کیا گیا کہ وہ دوامیت پر دلالت کرتا ہے اور فعل حدوث پر۔ اور لفظ حقیقی حرف بھی ہوتا ہے لیکن اس کی مثال کنید میں کاف تشبیہ اور و ضرب میں واو عاطفہ سے ضمنا دی گئی۔ صراحت اس لئے نہیں کہ وہ غیر مستقل ہے اور لفظ حکمی کی صرف ایک مثال اس لئے بیان کی گئی کہ مستر صرف اسم ہوتا ہے نہ کہ فعل و حرف کا مثبت فی محلہ۔ سوال لفظ حقیقی اور لفظ حکمی کی جب تفسیر بیان کی گئی تو مہل و موضوع و مفرد و مرکب کی تفسیر کیوں چھوڑ دی گئی؟ جواب اس تفسیر میں موضوع مفرد و مرکب کی تفسیر بھی موجود ہے اس لئے کہ زید لفظ حقیقی کے علاوہ موضوع و مفرد بھی ہے اور زید ضرب

میں ضرب مرکب ہے اس لئے کہ اس میں ہو مستر ہے رہ گیا مہل تو اس کی تفسیر اس لئے بیان نہیں کی گئی کہ وہ بحث میں متروک ہے اور اس لئے بھی کہ موضوع کی تفسیر سے مہل کی تفسیر بھی معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ مہل موضوع کی ضد ہے اور قاعدہ ہے تُعْرِفُ الْأَشْيَاءَ بِأَضْدَادِهَا یعنی چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔

قولہ والْحَمْدُ۔ اس مقام پر دو دعوے ہیں ایک ایجابی دوسرا سلبی۔ دعویٰ ایجابی یہ کہ مستر لفظ حکمی ہے اور سلبی یہ کہ مستر لفظ حقیقی نہیں اور دعویٰ ایجابی چونکہ بدیہی تھا اس لئے اس کی دلیل بیان نہیں کی گئی اور دعویٰ سلبی نظری تھا اس لئے اس کی دلیل اذْهَمًا لیس الخ سے بیان کی گئی جس کا حاصل یہ کہ جو لفظ حقیقی ہوتا ہے وہ مقولہ حرف و صوت سے ہوتا ہے اور مستر مقولہ حرف و صوت سے نہیں۔ سوال حرف از قسم کلمہ ہے اور کلمہ از قسم لفظ ہے اور قسم چونکہ مقسم کو لازم ہوتا ہے اس لئے حرف لفظ کو لازم ہوا اور صوت بھی لفظ کو لازم لہذا جو مقولہ حرف سے نہیں وہ مقولہ صوت سے بھی نہ ہوگا پس حرف کے بعد صوت کا ذکر فضول جواب حرف لفظ کو لازم ہے لیکن صوت نہیں کہ وہ لفظ سے عام ہے کیونکہ وہ مشن وغیرہ کی آواز کو بھی شامل ہے لہذا صوت عام ہوتی اور حرف خاص اور خاص کے بعد عام کا ذکر واقع ہے۔

خیال رہے کہ اَصْلًا لیس کی تاکید ہے جس کا معنی ہے کہ مستر کسی وقت بھی مقولہ حرف و صوت سے نہیں ہوتا برخلاف مجذوف کہ وہ مقولہ حرف و صوت سے ہوتا ہے کیونکہ وہ تلفظ کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہتے ہیں کہ الحمد للہ میں ثابت مقدر ہے یا معنی یہ کہ مستر نقلاً و نقلاً کسی اعتبار سے مقولہ حرف و صوت سے نہیں۔

قولہ ولم یوضع لہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مستر جب مقولہ حرف و صوت سے نہیں تو وہ معنی ہوا کیونکہ معنی بھی مقولہ حرف و صوت سے نہیں ہوتا لہذا اس کو لفظ حکمی کی مثال قرار دینا صحیح نہ ہوا جواب یہ کہ معنی وہ ہوتا ہے جو لفظ سے قصد کیا جائے اور مستر لفظ سے قصد نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کے لئے لفظ موضوع نہیں ہوتا۔

وَلَا تَعْلَمُ وَاعْنَهُ بِاسْتِعَارَةٍ لَفْظِ الْمَنْفَصِلِ لَهُ نَحْوُهُ وَأَنْتَ وَاجِبٌ وَأَعْلَى أَحْكَامِ
الْفَرْقِ فَكَانَ لَفْظًا حَكْمًا لَا حَقِيقَةً

تو حتمہ: — اور نحو یوں نے ہوا اور اَنْتَ جیسے لفظ منفصل کو مستر کے لئے استعارہ کر کے مستر پر

لفظ کے احکام جیسے مسند الیہ وغیرہ جاری کرو یا لہذا مستر لفظ حکمی ہے حقیقی نہیں۔

تشریح: — قولہ انا عبرا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جب ضمیر مستر کے لئے کوئی لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے تو اس کے لئے لفظ منفصل مثلاً ہوا اور انت وغیرہ کو کیوں تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اضرب میں انت مستر ہے۔ جواب یہ کہ تعبیر کسی بطور وضع ہوتی ہے اور کسی بطور استعارہ اور یہاں تعبیر بطور استعارہ کی جاتی ہے یعنی ضمیر مستر کو مجازاً کہی انت اور کہی ہوا اور کہی ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قولہ واجروا علیہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مستر اگر لفظ حقیقی نہیں تو کیا ضروری ہے کہ وہ لفظ حکمی ہو جائے؟ جواب یہ کہ لفظ یا تو حقیقی ہو گا یا حکمی اور ضمیر مستر جب لفظ حقیقی نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ لفظ حکمی ہو گا کیونکہ حکمی کہتے ہیں جو حقیقہ مفلوظ نہ ہو اس پر مفلوظ حقیقی کے احکام جاری کیا جائے اور مستر قوۃ حرف وصوت سے نہ ہونے کی وجہ سے وہ حقیقہ مفلوظ نہیں ہوتا لیکن اس پر لفظ کے احکام مثلاً مسند الیہ ہونا، موکد ہونا، مبدل ہونا جاری ہوتے ہیں جیسے اضرب میں وہ مسند الیہ واقع ہے اور جار زید فضلی قائماً میں ذو الحال اور ان زید اضرب فی نفسہ میں موکد واقع ہے۔

والحمد لله لفظ حقیقہ لانہ قد یتلفظ بہ الانسان فی بعض الاحیان وکلمات اللہ تعالیٰ داخلہ فیہ اذھی ما یتلفظ بہ الانسان وعلیٰ ہذا القیاس کلمات الملائکۃ والجن

ترجمہ: — اور محذوف لفظ حقیقی ہے اس لئے کہ انسان بعض اوقات میں اس کا تلفظ کرتا ہے اور کلمات باری تعالیٰ بھی لفظ حقیقی کی تعریف میں داخل ہیں اسی قیاس پر کلمات ملائکہ و جن میں کہ وہ بھی لفظ حقیقی ہیں۔

تشریح: — قولہ والحمد لله۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لفظ کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے محذوف خارج ہو جاتا ہے کیونکہ بولنے والا جب الحمد لله بولتا ہے تو اس میں حرف جر کا متعلق جو محذوف ہے اس کو نہیں بولتا۔ جواب یہ کہ بولنے والا بعض اوقات میں متعلق محذوف کو ظاہر کر کے بولتا ہے جیسے واسئل القرۃ کو بعض اوقات میں اہل کو ظاہر کر کے واسئل اہل القرۃ بولا جاتا ہے۔ سوال محذوف

کو بعض اوقات میں اس وقت ظاہر کیا جاتا ہے جبکہ اس کا حذف جائز ہو لیکن اگر واجب ہو تو نہیں جیسے ان احد من المشرکین استجارک میں۔ جواب محذوف واجب بھی بوقت ضرورت ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً بیان حذف کے وقت کہ ان احد من المشرکین استجارک میں استجارک محذوف ہے۔

قولہ کلمات اللہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف ابھی تک جامع نہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور جن و ملائکہ کے کلمات پر صادق نہیں آتی جیسے سیدنا جبریل علیہ السلام کا قول ان فی الجنتہ نہرا من لبن لعلیٰ وحین وحن اور جن کے کلمات قبر حرب بکابن قفر۔ لیس قرب قبر حرب قبر۔ نکل جاتے ہیں۔ جواب یہ کہ ان تمام کا بھی انسان تلفظ کرتا ہے خدا کے کلمات کو انہ ان نماز میں پڑھتا ہے یونہی جن و ملائکہ کے کلمات کا بھی بعض اوقات میں تلفظ کرتا ہے کیونکہ تلفظ مطلق ہے جو حد و ثا تلفظ کے علاوہ نقل تلفظ کو بھی شامل ہے۔

والد وال الاربع وھی المخطوط والعقود والنصب والاشارات غیر داخلہ فیہ فلا حاجۃ الی قید یخرجہا

ترجمہ: — اور دو ال اربع یعنی خطوط و عقود و اشارات لفظ کی تعریف میں داخل نہیں لہذا ایسی قید کی کوئی ضرورت نہیں جو ان کو لفظ کی تعریف سے خارج کر دے۔

تشریح: — قولہ والد وال۔ یہ علامہ رضی کے اس سوال کا جواب ہے کہ کلمہ کی تعریف میں ایسی قید کا اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ جو دو ال اربع خطوط، اشارات، نصب، عقود کو خارج کر دے کیونکہ وہ بھی معنی کے لئے موضوع ہیں لیکن ان کو کلمہ نہیں کہا جاتا۔ جواب یہ کہ کسی شے کو خارج کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ وہ اس میں داخل ہو جائے اور جب۔ وال اربع کلمہ کی تعریف میں داخل ہی نہیں تو ان کو نکالنا فضول ہے۔ شارح ہندی نے اس کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ دو ال اربع لفظ کی قید ہی سے خارج ہیں کیونکہ ان کا تلفظ ہی نہیں ہوتا لہذا دوسری قید کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس جواب پر چونکہ دوسرا سوال وارد ہو سکتا ہے کہ کلمہ کی تعریف میں لفظ جنس ہے اور لفظ کی قید سے دو ال اربع کو خارج کرنے سے جنس کا فصل ہونا لازم آتا ہے اس لئے شارح نے اس سے عدول کر کے دوسرا جواب دیا۔ خیال رہے کہ دو ال میں لام شدد ہر

وہ اصل میں فواصل کے وزن پر دو ال تھا پھر مضاعف کے قاعدہ سے ایک لام کو دوسرے لام میں ادغام کر دیا گیا۔ یہ جمع ہے دالتہ کی اور وہ کہتے ہیں اس شے کو جس سے کوئی معنی سمجھا جائے اور خطوط ان نقوش کو کہا جائے جو معنی پر دلالت کرے اور عقود جمع ہے عقد کی اور وہ انگلی کے اس پور کو کہا جاتا ہے جس سے مقدار متعین کیا جائے اور نصب جمع ہے نصیبہ کی جیسے صحف جمع ہے صحیفہ کی اور نصیبہ وہ شے ہے جو اس لئے گاڑا جاتا ہے تاکہ اس سے مسافت یا راستہ کا تعین حاصل ہو اور اشارات جمع ہے اشارہ کی اور اس سے مراد اشارہ حسینہ ہے اور وہ موضوع ہوتا ہے مثلاً الیہ محسوس کے لئے۔

وَأَمَّا قَال لَفْظٌ وَلَمْ يَقُلْ لَفْظَةً لِأَنَّهُ لَمْ يَقْصُدِ الْوَحْدَةَ وَالْمُطَابَقَةَ غَيْرَ لَزْمَةٍ لَعَدَمِ
الِإِشْتِقَاقِ مَعَ كَوْنِ اللَّفْظِ أَخْصَرَ

ترجمہ: — اور مصنف علیہ الرحمہ نے لفظ فرمایا لفظہ نہیں اس لئے کہ انہوں نے وحدت کا قصد نہیں کیا ہے اور مبتدا و خبر کے درمیان مطابقت یہاں لازم نہیں کیونکہ مشتق ہونا معدوم ہے ساتھ ہی لفظ بہ نسبت لفظ زیادہ مختصر ہے۔

تشریح: — قولہ وَأَمَّا قَال۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کافیہ جبکہ مفصل سے ماخوذ ہے تو کافیہ میں لفظ بدون تار اور مفصل میں تار کے ساتھ کیوں آیا ہے جواب یہ کہ صاحب مفصل کا خیال ہے کہ کلمہ ایک ہی لفظ ہوتا ہے اس لئے انہوں نے کلمہ کی تعریف میں اللفظہ تار وحدت کے ساتھ لکھا ہے اور مصنف کا خیال ہے کہ کلمہ کبھی ایک لفظ ہوتا ہے اور کبھی چند الفاظ جیسے عبد اللہ جبکہ علم ہو اس لئے انہوں نے کلمہ کی تعریف میں لفظ کو بدون تار لکھا ہے۔

قولہ والمطابقة غیر۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا و خبر کے درمیان چونکہ تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری ہے اس لئے مصنف کو بھی الکلمہ لفظہ تار کے ساتھ لکھنا چاہئے۔ جواب یہ کہ مبتدا اگر مومنٹ ہو تو اس کے اور خبر کے درمیان مطابقت ضروری ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں ایک کہ خبر مشتق ہو یا اسم صوب لہذا ہی اسم وفعل و حرف کہنا جائز ہے دوسری یہ کہ خبر میں ایک ایسی ضمیر ہو

جس کا مرجع مبتدا ہو لہذا مکہ آمن اصلہا کہنا جائز ہے تیسری یہ کہ خبر ایسا لفظ نہ ہو جو مذکر و مونث دونوں کیلئے بولا جاتا ہو لہذا الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا جائز ہے کیونکہ اسم تفضیل جو من کے ساتھ مستعمل ہے وہ مذکر و مونث دونوں کے لئے بولا جاتا ہے چوتھی یہ کہ خبر ایسی صفت نہ ہو جو مونث کے ساتھ خاص ہو لہذا المرءۃ حائض کہنا جائز ہے اور الکلمۃ لفظ میں پہلی شرط مفقود ہے کہ خبر مشتق نہیں اور نہ ہی اسم منصوب ہے یونہی دوسری و تیسری شرط بھی مفقود ہے اس لئے خبر کو تار کے ساتھ نہیں لکھا گیا۔ لیکن مبتدا اگر مذکر ہو تو اس کے اور خبر کے درمیان مطابقت ضروری ہونے کے لئے صرف دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ خبر مشتق ہو یا اسم منصوب اور دوسری یہ کہ خبر میں ایک ایسی ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف راجع ہو۔

قولہ مع کون اللفظ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شرائط مفقود ہونے کی وجہ سے جب مطابقت ضروری نہیں تو ممنوع بھی تو نہیں ہے لہذا الکلمۃ لفظہ کیوں نہیں کہا گیا؟ جواب یہ کہ لفظہ سے لفظ مختصر ہے اور عبارت میں اختصار ہی اولیٰ ہوتا ہے ارشاد گرامی ہے خیر الکلام ما قلّ ودلّ ولم یملّ نیز یہ مقصود مصنف کے بھی خلاف ہے کہ وہ کلمہ سے صرف ایک ہی لفظ کا ارادہ نہیں کرتے بلکہ چند لفظوں کا ارادہ کرتے ہیں۔ سوال لفظ اختصار اسم تفضیل ہے جو زیادتی پر دال ہے اور لفظ بدون تار سے صرف اختصار حاصل ہوتا ہے زیادتی اختصار نہیں۔ جواب اسم تفضیل کا استعمال کبھی اصل معنی کے بیان کے لئے بھی ہوتا ہے جس میں زیادتی ملحوظ نہیں ہوتی اور یہاں یہی مراد ہے۔

وَضَعُ الْوَضْعِ تَخْصِيصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ حَيْثُ مَتَى أُطْلِقَ أَوْ أَحْسَنَ الشَّيْءُ الْأَوَّلُ فَهُوَ مِنَ الشَّيْءِ الثَّانِي قِيلَ يَخْرُجُ عَنْهُ وَضْعُ الْحَرْفِ حَيْثُ لَا يَفْهَمُ مِنْهُ مَعْنَاةٌ مَتَى أُطْلِقَ بَلْ إِذَا أُطْلِقَ مَعَ ضَمِيرٍ ضَمِيمَةٍ وَلُجِبَ بَانَ الْمُرَادِ مَتَى أُطْلِقَ أَطْلَاقًا صَحِيحًا وَأَطْلَاقُ الْحَرْفِ بِلَا ضَمٍّ ضَمِيمَةٍ غَيْرُ صَحِيحٍ وَلَا يَبْعَدُ أَنْ يُقَالَ الْمُرَادُ بِأَطْلَاقِ الْأَلْفَاظِ أَنْ يَسْتَعْمِلَهَا أَهْلُ السُّنَنِ فِي مَحَاوِرَاتِهِمْ وَبَيَانِ مَقَاصِدِهِمْ فَلَا حَاجَةَ إِلَى اعْتِبَارِ قَيْدِ زَائِدٍ

ترجمہ: — (جو موضوع ہو) وضع ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ اس طرح خاص کرنا ہے کہ

جب شئی اول کا اطلاق یا احساس کیا جائے تو اس سے دوسری شئی سمجھی جائے۔ بعض نے اعتراض کیا ہے کہ اس تعریف سے حرف کی وضع خارج ہو جاتی ہے کیونکہ جب حرف کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے اس کا معنی دوسرے کلمہ کے ملانے بغیر سمجھا نہیں جاتا ہے بعض نے اس کا جواب بایں طور دیا ہے کہ جب اس کا صحیح اطلاق کیا جائے اور حرف کا اطلاق دوسرے کلمہ کے ملانے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔ شارح فرماتے ہیں کہ یہ کہنا بعید نہ ہوگا کہ الفاظ کے اطلاق سے مراد یہ ہے کہ اہل زبان ان الفاظ کو اپنے محاوروں و مقصدوں کے بیان میں استعمال کریں پس اس توجہ سے صورت میں قید زائد کے اعتبار کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

تشریح: — قولہ الوضع۔ وضع فعل مجہول ہے جس کا مصدر وضع ہے لغت میں اس کا معنی رکنا ہے اور اصطلاح میں اس معنی کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کر دینا کہ جب پہلی چیز کا اطلاق یا احساس کیا جائے تو دوسری چیز سمجھ میں آجائے۔ پہلی چیز کو موضوع اور دوسری چیز کو موضوع لہ کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ وضع کے لغوی معنی کو یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ وہ علوم میں غیر مقصود ہے اور ماقبل میں لفظ کے لغوی معنی کو اس لئے بیان کیا گیا تھا کہ وہ معنی اصطلاحی کی طرف منقول ہے اور منقول کے لئے ضروری ہے معنی اول مذکور ہوا اور معنی اول یہی اس کا معنی لغوی ہے اور اویہاں تشکیک و تردید کے لئے نہیں بلکہ تنویر و تقسیم کے لئے آیا ہے یعنی یہ بیان کرنے کے لئے کہ وضع کی دو قسمیں ہیں لفظی و غیر لفظی۔ اول کو متی اطلاق سے بیان کیا گیا اور دوم کو متی احسن الشئ سے۔

قولہ قیل یخرج۔ اس عبارت سے وضع کی تعریف پر جامع ہونے کے اعتبار سے اعتراض وارد کیا ہے جس کا حاصل یہ کہ حرف موضوع ہے لیکن جب وہ بولا جاتا ہے تو اس سے اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ دوسرے کلمہ کو نہ ملایا جائے مثلاً من بولا جاتے تو اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا جب تک کہ اس کے ساتھ بصرہ و کوفہ وغیرہ کو نہ ملایا جائے پس یہ تعریف حرف کی وضع پر صادق نہیں آتی۔ سوال ضمیمہ کے ساتھ ضم کی قید کا اضافہ فضول ہے اس لئے کہ ضمیمہ ہی ضم پر دل ہے۔ جواب ضمیمہ بیان محمول برتجربہ ہے اس لئے کہ وہ یہاں کلمہ آخری کے معنی میں ہے اصل عبارت یہ ہے اذا اطلق مع ضم کلمہ آخری۔

قولہ اُجیب۔ سوال مذکور کے دو جواب دئے ہیں ایک شارح ہندی نے جس کو اُجیب سے بیان کیا ہے اور دوسرا علامہ جامی نے جس کو لایعجز سے بیان کیا ہے شارح کے جواب کا حاصل یہ کہ تعریف میں اطلاق سے مراد اطلاق صحیح ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے المطلق اذا اطلق اطلق علی الفرد الکامل اور اطلاق کافر د کامل اطلاق صحیح ہے اور حرف کا اطلاق صحیح دوسرے کلمہ کے ملانے پر ہوتا ہے جس سے اس کا معنی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ علامہ جامی نے یہ جواب دیا ہے کہ اہل زبان اپنے محاوروں میں اس کو استعمال کریں اور ظاہر ہے اہل زبان اپنی بول چال میں حرف کو استعمال کرتے ہیں تو اس سے اس کا معنی سمجھ میں ضرور آتا ہے قولہ فلا حاجۃ۔ یہ شارح ہندی کے جواب کے رد کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ کہ شارح ہندی کے جواب سے قید زائد یعنی اطلاق کے ساتھ لفظ صحیح کا اعتبار لازم آتا ہے حالانکہ تعریف میں قید زائد کا اعتبار خلاف اصل ہے۔ سوال قید زائد کا اعتبار علامہ جامی کے جواب سے بھی لازم آتا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اطلاق کو استعمال مذکور یعنی استعمال فی محاورات و بیان مقاصد کے ساتھ مقید کیا ہے۔ جواب استعمال مذکور اطلاق کا بیان ہے اور بیان کسی کی قید نہیں ہوتا۔ سوال یونہی صحیح بھی اطلاق کا بیان ہے قید نہیں۔ جواب اطلاق سے استعمال مذکور کا بیان ہونا متبادر ہے لفظ صحیح نہیں۔

لَعْنُ الْمَعْنَى مَا يُقْصَدُ بِشَيْءٍ فَهُوَ أَمَّا مَفْعَلٌ اسْمٌ وَمَكَانٌ بِمَعْنَى الْمَقْصَدِ أَوْ مَقْصَدٌ وَمِثْلُ
بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ أَوْ خَفَّفَ بِمَعْنَى اسْمٍ مَفْعُولٍ كَرَوْنِي

ترجمہ: — (ایسے معنی کے لئے) معنی وہ ہے جو کسی شئی سے قصد کیا جائے پھر معنی بروزن مفعول بمعنی جائے قصد ہے یا مصدر می بمعنی مفعول ہے یا مری کی طرح اسم مفعول کا مخفف ہے۔

تشریح: — قولہ المعنى۔ معنی وہ ہے جو کسی شئی سے قصد کیا جائے۔ شئی عام ہے خواہ لفظ ہو یا غیر لفظ۔ لفظ تو ظاہر ہے لیکن غیر لفظ جیسے دوال اربع سے ان کے مدلولات۔ سوال یہ معنی اصطلاحی ہے جس کو معنی لغوی انا مفعول ان پر مقدم کیا گیا ہے حالانکہ معنی لغوی مقدم ہوتا ہے کیونکہ لفظ پہلے معنی لغوی کے لئے موضوع ہوتا ہے پھر معنی اصطلاحی کی طرف منقول ہوتا ہے نیز یہ اسلوب مذکور کے خلاف ہے اس لئے کہ ماقبل میں

پہلے لفظ کے معنی لغوی کو بیان کیا گیا ہے پھر معنی اصطلاحی کو۔ جواب اس کے معنی لغوی میں بہ نسبت معنی اصطلاحی کے تفصیل ہے لہذا معنی لغوی بمنزلہ مرکب ہوا اور معنی اصطلاحی بمنزلہ مفرد اور مفرد بالطبع مقدم ہوتا ہے برخلاف لفظ کہ اس کے معنی لغوی میں اتنی تفصیل نہیں اس لئے اس کو پہلے بیان کیا گیا۔

قوله فَوَاقَا مَفْعَلٌ۔ یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ معنی نہ مصدر می ہو سکتا ہے اور نہ اسم مکان اور نہ اسم مفعول لیکن اسم مکان اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس تقدیر پر متن کا ترجمہ ہوتا ہے کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے قصد کرنے کی جگہ کے لئے اور مصدر می کی تقدیر پر ترجمہ ہوتا ہے کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے قصد کرنے کے لئے حالانکہ کلمہ نہ تو قصد کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اور نہ ہی قصد کرنے کی جگہ یا زمانے کے لئے بلکہ مقصود متکلم کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اور اسم مفعول اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ثلاثی مجرد کے اسم مفعول مفعول کے وزن پر ہوتا ہے اور یہ اس وزن پر نہیں۔ جواب یہ کہ معنی اسم مکان بھی ہو سکتا ہے اور مصدر می اور اسم مفعول بھی لیکن اسم مکان و مصدر می اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ مجازاً اسم مفعول یعنی مقصود کے معنی میں ہے اور اسم مفعول اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ اصل میں معنوی بروزن مضروب تھا پھر وہ سید کے قاعدہ سے معنی بروزن مرنی ہو گیا پھر تخفیف کے لئے خلاف قیاس ایک یاء کو حذف کر کے فون کا کسرہ فتح سے بدل دیا گیا پھر قال کے قاعدہ سے یاء بدل کر الف ہو گئی اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے الف ساقط ہو کر معنی ہو گیا۔ خیال رہے کہ مصدر می کا عطف اسم مکان پر ہے مفعول پر نہیں کیونکہ مفعول جس طرح اسم مکان کا صیغہ ہے اسی طرح مصدر می کا بھی۔ وہ اگر اسم مکان ہو تو بمعنی مقصود ہوگا اور مصدر می ہو تو بمعنی قصد ہوگا اور بمعنی المفعول کا تعلق اسم مکان اور مصدر می دونوں کے ساتھ ہے اس لئے کہ دونوں مجازاً بمعنی اسم مفعول ہے نہ کہ صرف مصدر می بمعنی اسم مفعول اور اَوْ مَخْفُوفٌ کا عطف مفعول پر ہے۔

وَلَمَّا كَانَ الْمَعْنَى مَا اخُوذَ فِي الْوَضْعِ فَذَكَرُ الْمَعْنَى بَعْدَ مَبْنًى عَلَى تَجْرِيدٍ عَنْهُ فَخَرَجَ بِهِ لِلْمَعْنَى وَالْأَلْفَاظِ الدَّالَّةِ بِالطَّبِيعِ إِذْ لَوْ يَتَعَلَّقُ بِهَا وَضْعٌ وَتَخْصِصٌ أَصْلًا وَبَقِيَتْ حُرُوفُ الْجَمَاعِ الْمَوْضُوعَةُ لَغَرَضُ التَّرْكِيبِ لَا بَارَازَ الْمَعْنَى وَخَرَجَتْ بِقَوْلِهِ الْمَعْنَى إِذْ وَضَعَهَا لَغَرَضُ التَّرْكِيبِ لَا بَارَازَ الْمَعْنَى

ترجمہ: — اور معنی جبکہ وضع کی تعریف میں داخل ہے تو اس کے بعد معنی کا ذکر وضع سے معنی کی تجرید

کے طور پر ہے پس وضع کی قید سے الفاظ مہملہ اور وہ الفاظ جو بالطبع دلالت کرتے ہیں خارج ہو گئے۔ اس لئے کہ ان سے وضع و تخصیص کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوتا اور حروف ہجا جو غرض ترکیب کے لئے موضوع ہیں معنی کے مقابلہ کے لئے نہیں باقی رہ گئے اور وہ مصنف کے قول بمعنی کی قید سے نکل گئے کیونکہ ان کی وضع غرض ترکیب کے لئے ہوئی ہے معنی کے مقابلہ کے لئے نہیں۔

تشریح: — قوله لَمَّا كَانَ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ وضع کی تعریف میں شئی اول سے لفظ اور شئی ثانی سے معنی مراد ہے لہذا وضع کے بعد معنی کا ذکر فضول ہے۔ جواب یہ کہ معنی کا ذکر یہاں بر بنائے تجرید ہے یعنی وضع اپنے معنی تصغنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ سوال تجرید خلاف اصل ہے اور عبارت کو خلاف اصل پر اس وقت حل کیا جاتا ہے جبکہ کوئی نکتہ مقصود ہو اور یہاں وہ کوئی نکتہ مقصود ہے؛ جواب تجرید خلاف اصل نہیں کیونکہ وہ علم بدیع سے ہے جو کلام میں حسن پیدا کرتا ہے اور اگر خلاف اصل بھی ہو تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ معنی کو اگر دوبارہ بیان نہ کیا جائے تو اس کا ذکر ضمناً لازم آئے گا حالانکہ تعریف میں ہر جز کا ذکر صراحتاً ہوا کرتا ہے نیز یہ بھی کہ ذکر کرنے میں مفرد کا معنی کی صفت ہونے کی طرف ذہن متبادر کرتا ہے ذکر نہ کرنے کی صورت میں نہیں۔

قوله فخرج به المہملات۔ اس عبارت سے کلمہ کے اجزاء تعریف کی جنس و فصل ہونے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ لفظ بمنزلہ جنس ہے جو الفاظ موضوعہ و مہملہ سب کو شامل ہے کیونکہ انسان جس طرح لفظ موضوع کا تلفظ کرتا ہے اسی طرح لفظ مہمل کا بھی۔ اور وضع بمنزلہ فصل بعید بدو مرتبہ ہے جس سے الفاظ غیر موضوعہ نکل گئے اور وہ الفاظ بھی نکل گئے جن میں دلالت طبعیہ یا عقلیہ ہے جیسے لفظ أَرَحُ کی دلالت سینہ کے درد پر اور دِز کی دلالت وجود لفظ پر جبکہ ہیں پر وہ بولا جائے کیونکہ یہ معنی مذکور کے لئے وضع نہیں کئے گئے ہیں کہ ان میں وضع و تخصیص قطعاً نہیں ہوتی۔ اور بمعنی بمنزلہ فصل بعید بیک مرتبہ ہے جس سے حروف ہجا نکل گئے جو معنی کے لئے نہیں بلکہ چند حروف ہجا کو لفظ بنانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ حروف ہجا بولنے سے کوئی معنی سمجھ میں نہیں آتا اور مفرد بمنزلہ فصل قریب ہے جس سے الفاظ موضوعہ مرکبہ نکل گئے خواہ مرکبہ کلامیہ ہو یا غیر کلامیہ واضح ہو کہ حروف کی تین قسمیں ہیں (۱) حروف ہجا (۲) حروف مبنی (۳) حروف معانی۔ حروف ہجا وہ ہیں جن کو الباء اور اللام وغیرہ سے تعبیر کیا جائے

اور حروف مبانی وہ ہیں جو کلمہ کے اجزاء ہوں جیسے با ضرب میں اور حروف معانی وہ ہیں جن کے معنی ہوں جیسے مرث بزمید میں بار۔

قوله الدالة بالطبع - وضع کی قید سے جس طرح وہ الفاظ نکل گئے جن میں دلالت طبعیہ ہے اسی طرح وہ الفاظ بھی نکل گئے جن میں دلالت عقلیہ ہے لیکن ان کو یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ ان الفاظ کا ذکر جن میں دلالت طبعیہ ہے بطور تمثیل ہے بطور تحدید و انتہا نہیں۔

قوله اذ لم يتعلق - یہ دلیل ہے مہلات اور ان الفاظ کا کلمہ کی تعریف سے نکلنے کی جو بالطبع دلالت کرتے ہیں۔ اس میں ضمیر مجرور کا مرجع مہلات اور الفاظ دالۃ بالطبع دونوں نہیں بلکہ ہر سبیل بدلیت ہر ایک ہے اور وضع کے بعد تخصیص کا ذکر اگرچہ فضول ہے کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہے لیکن اس کو اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا کہ مہلات اور ان الفاظ میں جن میں دلالت طبعیہ ہے نہ وضع تجریدی ہے اور نہ غیر تجریدی یونہی لفظ اصلاً سے یہ اشارہ ہے کہ ان دونوں کے اندر نہ وضع خاص ہے اور نہ وضع عام۔

قوله لغرض التركيب - غرض ترکیب حروف ہجا کا معنی نہیں ہے کیونکہ معنی وہ ہوتا ہے جو لفظ کے اطلاق کے وقت سمجھ میں آجائے اور یہ حروف ہجا کے اطلاق کے وقت سمجھ میں نہیں آتی اور اگر بالفرض غرض ان کا معنی ہو تو ہر حرف ہجا کا ایک دوسرے کے مترادف ہونا لازم آئے گا مثلاً تا، سین ہو جائے گی اور یا، عین کیونکہ اس تقدیر پر ہر ایک غرض ترکیب کے لئے موضوع ہو گا حالانکہ ظاہر ہے ہر ایک دوسرے کا غیر ہے اور اس لئے بھی کہ مثلاً چار پائی کی غرض اس پر آرام کرنا ہے حالانکہ یہ اس کا معنی نہیں ہے۔

فان قلت قد وضع بعض الالفاظ بازاء بعض آخر فكيف يصدق عليه انه وضع لمعنى قلنا المعنى ما يتعلق به القصد وهو اعم من ان يكون لفظاً او غير لفظ

ترجمہ: — پس اگر آپ سوال کریں کہ کچھ الفاظ دوسرے الفاظ کے مقابلہ میں وضع کئے گئے ہیں تو اس پر وضع لمعنى کیسے صادق آئے گا تو ہم جواب دیں گے کہ معنی وہ ہے جس کے ساتھ قصد متعلق ہو

اور وہ عام ہے لفظ ہو یا غیر لفظ ہو۔

تشریح: — قوله فان قلت - یہ ایک سوال ہے جس کا حاصل یہ کہ تسلیم ہے کہ اکثر الفاظ معانی کے لئے موضوع ہیں جیسے لفظ رسول وغیب لیکن بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو الفاظ ہی کے لئے موضوع ہیں جیسے لفظ اسم موضوع ہے لفظ زید و بکر کے لئے اور لفظ فعل موضوع ہے لفظ ضرب و گرم کے لئے اور لفظ حرف موضوع ہے لفظ من والی کے لئے۔

قوله قلنا المعنى - یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ معنی سے مراد وہ ہے جو مکمل کا مقصود ہو خواہ وہ لفظ ہو یا غیر لفظ۔ غیر لفظ جیسے رسول وغیب کا معنی اور لفظ جیسے لفظ اسم و فعل و حرف کا معنی خیال رہے کہ سوال مذکور تعریف ما يقصد بشئ میں لفظ ما سے اغاض کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ عموم اس میں موجود ہے اور معنی کی تعریف یہاں ما يتعلق به القصد سے کی گئی جبکہ ما قبل میں ما يقصد بشئ سے کی گئی ہے حالانکہ دونوں کا حاصل ایک ہے اس کی وجہ غالباً معنی کی دونوں تعریفوں کو بیان کرنا ہے جن کو بعض لوگوں نے الگ الگ بیان کیا ہے۔

فان قلت قد وضع بعض الكلمات المفردة بازاء الالفاظ المركبة كلفظ الجملة والخبر فكيف يكون موضوعاً للمفرد قلنا هذه الالفاظ وان كانت بالقياس الى معانيها مركبة لكنها بالقياس الى الفاظها الموضوعية بازاء مفردة وقد اجيب من الاشكالين بانها ليس ههنا لفظ وضع بازاء لفظ آخر مفرداً كان او مركباً بل بازاء مفهوم محلي افرادة الفاظ كلفظ الاسم والفعل والحرف والخبر والجملة وغيرها

ترجمہ: — پھر اگر آپ سوال کریں کہ کچھ کلمات مفردہ الفاظ مرکبہ کے مقابلہ میں وضع کئے گئے ہیں جیسے لفظ جملہ و خبر لہذا وہ مفرد کے لئے کیسے موضوع ہوں گے؟ تو ہم جواب دیں گے کہ یہ الفاظ یعنی جملہ و خبر اگرچہ اپنے معانی کے اعتبار سے مرکب ہیں لیکن اپنے ان الفاظ کے اعتبار سے جو ان کے مقابلہ میں موضوع ہیں، مفرد ہیں اور بعض نے دونوں سوالوں کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں کوئی لفظ کسی دوسرے لفظ کے

مقابلہ میں وضع نہیں کیا گیا ہے خواہ وہ لفظ مفرد ہو یا لفظ مرکب بلکہ اس مفہوم کلی کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے جس کے افراد الفاظ ہیں جیسے لفظ اسم و فعل و حرف و خبر و جملہ وغیرہ

تشریح: — قولہ فَانْ قُلْتَ۔ یہ ایک سوال ہے جس کا حاصل یہ کہ یہ مانا کہ اکثر الفاظ مفردہ معانی مفردہ کے لئے موضوع ہیں لیکن بعض الفاظ مفردہ ایسے بھی ہیں جو الفاظ مرکبہ کے لئے موضوع ہیں جیسے لفظ خبر موضوع ہے زید قائم مرکب کے لئے اور لفظ جملہ موضوع ہے ضرب زید مرکب کے لئے۔ خیال رہے کہ اس سوال کا تعلق مفرد کے ساتھ ہے لیکن اس کو مفرد کی بحث میں نہ بیان کر کے یہاں اس لئے بیان کیا گیا کہ اس کا تعلق سوال اول کے ساتھ ہے۔

قولہ قُلْنَا هَذِهِ الْاَلْفَاظُ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ زید قائم اور ضرب زید اگرچہ اپنے معانی کی طرف نظر کر کے مرکب ہیں کیونکہ اس کے لفظ کا جزر معنی کے جزر پر دلالت کرتا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ وہ خبر و جملہ کے مقابل میں وضع کئے گئے ہیں مفرد ہیں۔ عبارت میں مفردہ خبر ہے لکھنا کی اور مرکبہ خبر ہے کانت کی۔

قولہ وَقَدْ اَجِيبَ۔ ما قبل میں مذکورہ بالا دونوں سوالوں کا جواب الگ الگ دیا گیا تھا اور یہاں پر دونوں کا جواب ایک ساتھ دیا جاتا ہے۔ پہلا دونوں جواب تسلیمی تھا یعنی یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ الفاظ کی وضع الفاظ کے لئے بھی ہوتی ہے اور مفرد کی وضع مفرد کے لئے لیکن دوسرے لحاظ سے وہ مرکب بھی ہو سکتا ہے اور یہ دوسرا جواب انکاری ہے یعنی یہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے کہ الفاظ کی وضع الفاظ کے لئے ہوتی ہے حاصل یہ کہ اسم و فعل و حرف وغیرہ الفاظ مفہومات کلیہ کے لئے موضوع ہیں جن کے افراد الفاظ ہیں جو مفرد و مرکب ہوتے ہیں مثلاً اسم ایسے معنی مستقل کے لئے موضوع ہے جو زمانہ سے مقرر ہونے کے لفظ زید و بکار وغیرہ کے لئے اسی طرح لفظ فعل ایسے معنی مستقل کے لئے موضوع ہے جو زمانہ سے مقرر ہونے کے لفظ ضرب و کرم کے لئے اسی طرح لفظ حرف معنی غیر مستقل کے لئے موضوع ہے نہ کہ من والی وغیرہ کے لئے یونہی لفظ خبر و جملہ وغیرہ

وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ أَنَّ هَذَا الْحُكْمَ مُنْقَضٌ بِأَمْثَالِ الضَّمَاثِرِ الرَّاجِعَةِ إِلَى الْاَلْفَاظِ مَخْصُوصَةٍ
مَفْرُودَةٍ أَوْ مُرَكَّبَةٍ فَإِنَّ الْوَضْعَ فِيهَا وَإِنْ كَانَ عَلَمًا لَكِنَّ الْمَوْضُوعَ لَهَا خَاصٌّ فَلَيْسَ هَذَا

مفہوم کلی ہو موضوع لہ فی الحقیقۃ

ترجمہ: — اور آپ پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ یہ حکم ضمیروں کے امثال سے جو الفاظ مخصوص مفرد یا مرکبہ کی طرف راجع ہیں منقوض ہے۔ اس لئے کہ وضع اگرچہ ضمیروں کی طرف عام ہے لیکن اس کا موضوع لہ خاص ہے لہذا یہاں مفہوم کلی حقیقت میں موضوع لہ نہیں ہے۔

تشریح: — قولہ وَلَا يَخْفَى۔ شارح کے نزدیک دوسرا جواب چونکہ پسندیدہ نہیں تھا اس لئے انہوں نے اس جواب کو بصیغہ تہریض نقل کیا ہے اور اس عبارت سے اس کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ کہ الفاظ مذکورہ لفظ اسم و فعل وغیرہ اگرچہ غیر لفظ یعنی مفہومات کلیہ کے لئے موضوع ہیں لیکن ہر لفظ کا موضوع لہ غیر لفظ نہیں بلکہ بعض الفاظ کا موضوع لہ الفاظ ہی ہے جیسے ضمائر مثلاً لفظ ہو کا مرجع کوئی لفظ ہو اسی طرح لفظ ذا کا مشار الیہ کوئی لفظ ہو کیونکہ اسم ضمیر و اسم اشارہ مفہوم کلی کے لئے موضوع نہیں ہوتے بلکہ ان کا مرجع و مشار الیہ ہو ہوتا ان کا موضوع لہ لفظ ہوتا ہے جیسے کرم فعل ماضی و هو مبنی علی الفتح میں لفظ ہو کا موضوع لہ کرم ہے اور اشتریت ابلا و هو أطول میں لفظ ہو کا موضوع لہ ابل ہے پس لفظ ہو کا مرجع جب کوئی لفظ ہو یا لفظ ذا کا مشار الیہ کوئی لفظ ہو تو موضوع بھی لفظ ہو گا اور موضوع لہ بھی۔ سوال ہر مرجع اگر لفظ ہو کا موضوع لہ ہو تو ایک لفظ کی وضع امور غیر محصورہ کے لئے لازم آئے گی کیونکہ مرجع غیر محصورہ میں سیطرہ لفظ ذا کا موضوع لہ اگر ہر مشار الیہ ہو تو ایک لفظ کی وضع امور غیر محصورہ کے لئے لازم آئے گی کیونکہ مشار الیہ غیر محصور ہیں اور غیر محصور کے لئے لفظ کی وضع ناممکن ہے اس لئے لفظ ہو اور لفظ ذا کا موضوع لہ بھی مفہوم کلی ہی ہے جس طرح کہ لفظ اسم کا موضوع لہ مفہوم کلی ہے۔ جواب واضح کے ذہن میں بوقت وضع موضوع لہ کا تصور ضروری ہے لیکن واضح کبھی (۱) جزئی حقیقی کا تصور کرتا ہے اور اس کے لئے کوئی لفظ وضع کرتا ہے اس کو وضع خاص اور موضوع لہ خاص کہتے ہیں (۲) کبھی واضح مفہوم کلی کا تصور کرتا ہے اور اس کے لئے کوئی لفظ وضع کر دیتا ہے جیسے حیوان ناطق کا تصور کر کے واضح نے اس کے لئے لفظ انسان کو وضع کر دیتا ہے اس کو وضع عام اور موضوع لہ عام کہتے ہیں (۳) اور کبھی واضح مفہوم کلی کا تصور کرتا ہے اور اس کے تمام افراد غیر محصورہ کے لئے کوئی لفظ وضع کر دیتا ہے اس کو وضع عام اور

موضوع لہ خاص کہتے ہیں جیسے اسم ضمیر و اسم اشارہ کہ واضح نے واحد مذکر غائب کا تصور کر کے اس کے تمام افراد غیر محصورہ کے لئے لفظ ہو کو وضع کر دیتا ہے پس مذکورہ بالا صورتوں میں سے اگر پہلی صورت ہو یعنی وضع خاص اور موضوع لہ خاص ہو تو امور غیر محصورہ کے لئے وضع کرنا ناممکن ہے لیکن اگر تیسری صورت یعنی وضع عام اور موضوع لہ خاص ہو تو امور غیر محصورہ کے لئے وضع کرنا ناممکن ہے اور اسم ضمیر و اسم اشارہ میں یہی صورت پائی جاتی ہے لہذا ان دونوں کی وضع امور غیر محصورہ کے لئے ممکن ہے۔ اور لفظ اسم و لفظ صومیس پہ فرق ہے کہ لفظ اسم کا موضوع لہ مفہوم کلی ہے اس لئے اس میں وضع بھی عام ہے اور موضوع لہ ہی عام اور لفظ ہو کا موضوع لہ امور غیر محصورہ میں اس لئے اس میں وضع تو عام ہے لیکن موضوع لہ خاص۔ خیال رہے کہ اسم ضمیر و اسم اشارہ کی وضع کے عام ہونے پر سب کا اتفاق ہے لیکن ان دونوں کا موضوع لہ عام ہے یا خاص اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کا خیال ہے کہ ان دونوں کا موضوع لہ خاص ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ان دونوں کا موضوع لہ بھی عام ہے جس طرح لفظ انسان کا موضوع لہ عام ہے۔

مفرد و هو اما مجرد و علی انه صنف للمعنی و معناه ج ما لا یدل جزئ لفظ علی جزئ و فیہ انما یومر ان اللفظ موضوع للمعنی المتصف بالافراد و التركيب قيل الوضع و ليس الامر كذلك فان اتصاف المعنی بالافراد و التركيب انما هو بعد الوضع فينبغي ان يتركب فیہ تجزئ لکما یرتکب فی مثل من قتل قتیلًا فله سلبه

ترجمہ: — (جو مفرد ہے) اور مفرد یا تو مجرد ہے اس بنا پر کہ وہ معنی کی صفت ہے اس وقت مفرد کا معنی ہو گا کہ جس کے معنی کے لفظ کا جز معنی کے جز پر دلالت نہ کرے اس صورت میں یہ وہم ہوتا ہے کہ لفظ ایسے معنی کے لئے موضوع ہے جو وضع سے پہلے افراد و ترکیب سے متصف ہے حالانکہ وہ اس طرح نہیں کہونکہ معنی کا افراد و ترکیب کے ساتھ متصف ہونا وضع کے بعد ہوتا ہے پس اس وہم کے ازالہ کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس میں مجاز کا ارتکاب کیا جاتا ہے جیسے من قتل قتیلًا فله سلبه کی مثل میں ارتکاب کیا گیا، تشبیہ: — قولہ و هو اما مجرد مفرد مجرد ہے یا مفعول یا منصوب لیکن مجرد اس لئے کہ وہ معنی کی

صفت ہے اور معنی مجرد ہے اور قاعدہ ہے جو اعراب موصوف کا ہوتا ہے وہی صفت کا ہو گا پس کلمہ کا معنی ہو گا کہ وہ ایسا لفظ ہے جو ایسے معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے جو مفرد ہو اور معنی مفرد کی تعریف ہو گی۔ جس کے جز پر لفظ کا جز دلالت نہ کرے۔ اس احتمال کو احتمال رفع و نصب پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ اس صورت میں صفت و موصوف کے درمیان فصل لازم نہیں آتی برخلاف احتمال رفع کہ مفرد کا لفظ کی صفت ہونے کی وجہ سے فصل لازم آتی ہے جو خلاف اصل ہے یہی حال احتمال نصب میں کہ وہ وضع کی ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے حال و ذوالحال کے درمیان لمعنی سے فصل لازم آتی ہے۔

قولہ فیہ انہ۔ یہ ایک سوال ہے جس کا حاصل یہ کہ مفرد اگر مجرد ہو تو معنی مفرد کا وجود وضع سے پہلے ہونا لازم آئے گا اس لئے کہ مفرد معنی کی صفت ہے اور معنی وضع کا متعلق ہے اور وضع فعل ہے اور قاعدہ ہے فعل یا شبہ فعل کی نسبت جب ایسی شی کی طرف ہو جو کسی قید کے ساتھ مقید ہو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ قید کا وجود فعل یا شبہ فعل سے پہلے ہے جیسے ضربت رجلا مثلاً و ذاسے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مشدود کا وجود ضرب سے پہلے ہے لہذا معنی مفرد کا وجود وضع سے پہلے ہونا لازم آئے گا حالانکہ وضع سے پہلے لفظ کا کچھ معنی نہیں ہوتا تو وضع سے پہلے معنی مفرد کا وجود کیسے ہو گا؟ خیال رہے کہ اس سوال کو وہم کے ساتھ تعبیر کیا گیا جبکہ وہ قاعدہ مذکور کی وجہ سے قوی ہے اس کی وجہ یہ کہ اس سوال کا جواب چونکہ ظاہر تھا اس لئے اصل کو بدرجہ ضعیف قرار دے کر وہم سے تعبیر کیا گیا۔

قولہ فیہ انہ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ مفرد کا معنی کی صفت ہونا مجاز بطریق مشارفہ ہے یعنی وضع سے پہلے ہی معنی کو مفرد کے ساتھ مایوئل کے اعتبار سے مجازاً موصوف کر دیا گیا ہے جس طرح حدیث پاک من قتل قتیلًا فله سلبه میں موصوف کیا گیا ہے حالانکہ قتل کے بعد مقول ہوتا ہے واضح ہو کہ ارتکاب مجاز یہاں ضروری ہے اس کو ینبی سے تعبیر کیا گیا جبکہ اس سے امر غیر ضروری کو تعبیر کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ کہ جواب چونکہ ظاہر تھا اس لئے اس کے ظہور کی وجہ سے جواب دینے کو غیر ضروری سمجھا گیا طبیعی سے تعبیر کیا گیا۔ اور تعریفات میں ارتکاب مجاز ممنوع ہوتا ہے مگر اس وقت جبکہ قرینہ موجود نہ ہو اور یہاں قرینہ موجود ہے کہ معنی کا مفرد کے ساتھ یونہی مرکب کے ساتھ متصف ہونا وضع کے بعد ہی ہوتا

أَوْ مَرْفُوعٌ عَلَى أَنَّهُ صِفَةٌ لِّلْفِعْلِ وَمَعْنَاهُ جَ مَالَا يَدُلُّ جُزْؤُهُ عَلَى جُزْءٍ مَعْنَاهُ وَلَا يَدُلُّ جَ مِنْ
بَيَانِ نَكْتَةٍ فِي إِيرَادِ أَحَدِ الْوَصْفَيْنِ جَمْلَةً فَعَلِيَّةً وَالْآخَرَ مَفْرُودًا وَكَانَ النُّكْتَةُ فِيهِ
التَّنْبِيهُ عَلَى تَقْدِيرِ الْوَضْعِ عَلَى الْإِفْرَادِ حَيْثُ أَتَى بِصِيغَةِ الْمَاضِي بِخِلَافِ الْإِفْرَادِ

ترجمہ: — مفرد یا مرفوع ہے اس بنا پر کہ وہ لفظ کی صفت ہے اس وقت مفرد کا معنی ہوگا جس کے
لفظ کا جزر معنی کے جزر پر دلالت نہ کرے اور اس وقت ضروری ہے لفظ کے دو وصفوں میں سے ایک کو
جملہ فعلیہ اور دوسرے کو مفرد لانے میں نکتہ کو بیان کرنا کہ اس میں نکتہ گویا اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ وضع
افراد پر مقدم ہے کیونکہ وضع کو صیغہ ماضی کے ساتھ لایا گیا ہے برخلاف افراد۔

تشریح: — قولہ أَوْ مَرْفُوعٌ یہ دوسرا احتمال ہے اور وہ یہ کہ مفرد مرفوع ہے اس لئے کہ وہ لفظ کی
دوسری صفت ہے جس طرح وَضْعُ لَعْنَى پہلی صفت ہے اور لفظ مرفوع ہے اس لئے کہ وہ خبر واقع ہے
الکلمۃ مبتدائی لہذا مفرد بھی مرفوع ہوگا پس کلمہ کا معنی ہوگا کہ وہ ایسا لفظ مفرد ہے جو معنی کے لئے موضوع ہے
اور لفظ مفرد کا معنی ہوگا کہ وہ ایسا لفظ ہے جس کا جزر معنی کے جزر پر دلالت نہ کرے اور معنی مفرد کا معنی گزرنا کہ
وہ معنی ہے جس کے جزر پر لفظ کا جزر دلالت نہ کرے لہذا دونوں کے درمیان تلازم ہے یعنی جب لفظ مفرد
ہوگا تو معنی بھی مفرد ہوگا اور جب معنی مفرد ہوگا تو لفظ بھی مفرد ہوگا۔ خیال رہے کہ مفرد کو مرفوع صوبتدا
محذوف کی وجہ سے بھی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس سے چونکہ تعریف میں حذف لازم آتا ہے اس لئے
اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ البتہ لفظ کی صفت ہونے میں وَضْعُ لَعْنَى سے موصوف و صفت کے درمیان فصل للانتم
آتی ہے لیکن وہ یہاں منوع نہیں اس لئے کہ وَضْعُ لَعْنَى فصل اجنبی نہیں کیونکہ وہ لفظ کی صفت اول ہے۔
قولہ وَلَا يَدُلُّ جَ۔ یہ ایک سوال ہے جس کا حاصل یہ کہ مفرد کے مجرور ہونے کی تقدیر پر لفظ
کی دو صفتیں ہوں گی ایک وَضْعُ لَعْنَى اور دوسری مفرد پہلی صفت کو جملہ اور دوسری کو مفرد لانے کی کیا وجہ
ہے؟ پہلی صفت کو بھی مفرد لاکر یہ کہنا چاہئے الکلمۃ لَفْظٌ مَوْضُوعٌ لَعْنَى مَفْرُودٌ۔

قولہ كَانَ النُّكْتَةُ۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ لفظ کی دونوں صفت اگر مفرد
ہوں تو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ کون سی صفت حقیقہ مقدم ہے اور کون سی موخر اس لئے پہلی صفت کو جملہ فعلیہ

لاکریہ تنبیہ کی گئی کہ افراد سے وضع حقیقہ مقدم ہے کیونکہ پہلی صفت کو صیغہ ماضی کے ساتھ بیان کیا ہے جو زمانہ
گزشتہ پر دال ہے۔ سوال صیغہ ماضی تقدم زمانی پر دال ہے حالانکہ یہاں تقدم رتبی مقصود ہے یعنی وضع کو
مفرد ہر مرتبہ میں تقدم حاصل ہے۔ جواب تقدم زمانی سے تقدم رتبی مستعار کر لیا گیا ہے۔ سوال صیغہ ماضی
تقدم زمانی پر دال نہیں کیونکہ زمانہ تعریفات میں مجبور ہوتا ہے کافی حاشیہ ملا عبد الغفور۔ جواب تعریفات میں
زمانہ اگرچہ مجبور ہوتا ہے لیکن لفظ زمانہ پر پھر بھی دال ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ دونوں صفتوں میں قلب یعنی مفرد
کو مقدم اور وَضْعُ لَعْنَى کو موخر کر کے الکلمۃ لَفْظٌ مَفْرُودٌ وَضْعُ لَعْنَى اس لئے نہیں کہا گیا کہ اس تقدیر پر مفرد کا رفع
ہونا متعین ہو جاتا ہے اور احتمال نصب و جر ختم ہو جاتا ہے۔

وَأَمَّا نَصْبُهُ وَإِنْ لَوْ يُسَاعِدُ رَسْمُ الْخَطِّ فَعَلَى أَنَّهُ حَالٌ مِنَ الْمُسْتَكْرَمِ فِي وَضْعِ أَوْ مِنَ اللَّعْنَى
فَأَنَّهُ مَفْعُولٌ بِهِ بِوَسْطَةِ الْأَمْرِ وَوَجْهٌ صَحِيحٌ أَنَّ الْوَضْعَ وَإِنْ كَانَ مَقْدَمًا عَلَى الْإِفْرَادِ
بِحَسَبِ الذَّاتِ لَكِنَّهُ مُقَارَنٌ لَهَا بِحَسَبِ الزَّمَانِ وَهَذَا الْقَدْرُ كَافٍ لِصِحَّةِ الْحَالِيَةِ

ترجمہ: — اور لیکن مفرد کا نصب ہونا اگرچہ رسم الخط اس کی موافقت نہیں کرتی پس وہ وضع کی ضمیر
مستتر یا معنی سے حال ہے کیونکہ معنی بواسطہ لام جارہ مفعول بہ واقع ہے اور وَضْعُ لَعْنَى کی ضمیر سے حال کے صحیح
ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وضع اگرچہ باعتبار ذات افراد پر مقدم ہے لیکن باعتبار زمانہ اس سے مقارن ہے اور
اتنی مقدار صحت حالیت کے لئے کافی ہے۔

تشریح: — قولہ وَأَمَّا نَصْبُهُ۔ یہ تیسرا احتمال ہے اور وہ یہ کہ مفرد منصوب ہے اس لئے کہ وہ وَضْعُ لَعْنَى
ضمیر مستتر یا معنی سے حال واقع ہے لہذا کلمہ کا معنی ہوگا کہ وہ لفظ ہے جو معنی کے لئے موضوع ہو دران حالیکہ وہ
لفظ، مفرد ہے۔ یا وہ لفظ ہے جو معنی کے لئے موضوع ہو دران حالیکہ وہ معنی، مفرد ہے۔ خیال رہے کہ مفرد
کے مرفوع و مجرور ہونے کی تقدیر پر ماقبل میں اس کا معنی بیان کیا گیا لیکن حال ہونے کی تقدیر پر اس کا معنی
اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ وَضْعُ لَعْنَى کی ضمیر مستتر (جس کا مرجع لفظ ہے) سے حال ہونے کی تقدیر پر مفرد، لفظ کی صفت
ہوتا ہے اور معنی سے حال ہونے کی تقدیر پر معنی کی صفت اور دونوں کا بیان گزر چکا اس لئے الگ سے پھر

اسی کو بیان نہیں کیا گیا۔ اول دونوں احتمال کو انا مرفوع و انا مجرور بصیغہ اسم مفعول تعبیر کیا گیا لیکن تیسرے احتمال کو انا منصوب بصیغہ اسم مفعول تعبیر نہ کر کے انا نصب سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہ مشہور ہے کہ جس اسم کے اخیر میں تنوین ہو اور تارتانیث اور الف ممدودہ نہ ہو تو اس اسم کے اخیر میں الف لکھا جاتا ہے اور وقف کی حالت میں یہ لکھا بھی جاتا ہے اور مفرد کے اخیر میں نہ تارتانیث ہے اور نہ الف ممدودہ اس کے باوجود کاذب ہونا رسم خط کے خلاف ہے اور اس عبارت سے اسی رسم خط کے خلاف پر تنبیہ کی گئی کہ یہ عبارت جس طرح دستور سابق کے خلاف ہے اسی طرح رسم خط مشہور کے خلاف ہے اور یہاں رسم خط کے خلاف اس لئے کیا گیا کہ مفرد میں منصوب ہونے کے علاوہ مرفوع و مجرور ہونے کا احتمال بھی ہے اگر اخیر میں الف لکھ دیا جاتا تو دوسرے احتمالات ختم ہو جاتے۔

قوله فانه مفعول بہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دینا تو صحیح ہے لیکن معنی سے نہیں اس لئے کہ حال، فاعل یا مفعول ہر سے واقع ہوتا ہے اور معنی نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ مجرور ہے۔ جواب یہ کہ مفعول بہ کبھی حرف جر کے واسطے سے ہوتا ہے اور کبھی بلا واسطہ اور معنی یہاں لام حرف جر کے واسطے سے مفعول بہ واقع ہے۔ سوال وضع فعل متعدی ہے اور فعل متعدی کا مفعول بلا واسطہ حرف جر ہوتا ہے۔ جواب وضع فعل متعدی بیک مفعول ہے جو مفعول اول کی طرف بلا واسطہ حرف جر متعدی ہوتا ہے لیکن مفعول دوم کی طرف متعدی کے لئے حرف جر کا واسطہ ضروری ہے کیونکہ وہ باعتبار مفعول دوم فعل لازم ہوتا ہے اور وضع کا مفعول اول چونکہ اس میں ضمیر مستتر ہے اس لئے اس کے مفعول دوم کو لام کے ساتھ لایا گیا۔ سوال مفرد جب معنی سے حال واقع ہے تو اس کو معنی پر مقدم کرنا چاہئے کیونکہ معنی ذوالحال نکرہ ہے اور قاعدہ ہے ذوالحال جب نکرہ ہو تو حال کا مقدم کرنا ذوالحال پر ضروری ہوتا ہے جیسے جار فی را کبائر جل میں را کبائر جل پر مقدم ہے۔ جواب حال کا مقدم کرنا ذوالحال پر اس وقت ضروری ہے جبکہ ذوالحال نکرہ ہو اور مجرور نہ ہو اور جب ذوالحال مجرور ہو تو اس پر حال کا مقدم کرنا جائز نہیں اور یہاں پر معنی چونکہ مجرور ہے اس لئے اس پر مفرد کو مقدم نہیں کیا گیا۔

قوله وجه صحتم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دینا درست نہیں اس لئے کہ حال اور ذوالحال کے عامل کے درمیان معیت و مقارنت ضروری ہوتی ہے جیسے ہمارے زید

راکبائیں مجتہد اور رکوب میں معیت و مقارنت ہے لیکن وضع و افراد میں کوئی معیت و مقارنت نہیں کیونکہ وضع مقدم بالذات ہے اور افراد موخر بالذات۔ جس طرح طلوع شمس مقدم بالذات ہے اور وجود نہار موخر بالذات۔ جواب یہ کہ حال و ذوالحال کے عامل میں مقارنت و معیت ذاتی شرط نہیں بلکہ معیت زمانی بھی کافی ہے یعنی ذوالحال کے عامل کا زمانہ حال کے زمانہ پر مقدم نہ ہو جیسے مثال مذکور میں مجتہد کا زمانہ رکوب کے زمانہ پر مقدم نہیں ہے اور وہ یہاں پایا جاتا ہے کیونکہ وضع اگرچہ افراد پر مقدم بالذات ہے لیکن دونوں میں معیت زمانی پائی جاتی ہے یعنی وضع کا زمانہ افراد کے زمانہ پر مقدم نہیں ہے جیسے طلوع شمس کا زمانہ وجود نہار کے زمانہ پر مقدم نہیں حالانکہ طلوع شمس مقدم بالذات ہے اور وجود نہار موخر بالذات۔

وقيد الافراد لاخراج المركبات مطلقا سواء كانت كلامية أو غير كلامية فيخرج بهم عن حل الكلمة مثل الرجل وقائمة وصور وأمثالها ما يدل جزء اللفظ منه على جزء المعنى لكثرة بعد لشد في الإمتزاج واحد وأعراب واحد وبقي مثل عبد الله علماء اختلاف في مع أنه معرب بأعرابين ولا يخفى على الفطن العارف بالغرض من علم النحو أنه لو كان الأمر بالعكس لكان أنشأ

ترجمہ — اور افراد کی قید مطلق مرکبات کو خارج کرنے کے لئے ہے خواہ مرکبات کلامیہ ہوں یا غیر کلامیہ پس افراد کی قید سے الرجل اور قائمة اور بصري اور ان جیسے مرکبات کہ جن کے لفظ کا جزر معنی کے جزر پر دلالت کرتے ہیں کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے۔ لیکن شدت اتصال کی وجہ سے ان کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے اور ایک اعراب دیا جاتا ہے۔ اور علم نحو کی غرض سے باخبر ہو شیار انسان سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ اگر یہ معاملہ اس کا برعکس ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔

تثویہ — قوله قيد الافراد۔ کلمہ کی تعریف میں افراد کی قید احترازی ہے جس سے مرکبات کلامیہ جیسے الله قائم اور خلق الانسان نکل گئے اسی طرح مرکبات غیر کلامیہ جیسے رسول الله اور عالم الغیب نکل گئے کیونکہ ان کے لفظ کا جزر معنی کے جزر پر دلالت کرتا ہے۔

قوله فخرج۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کلمہ کی تعریف سے وہ لفظ نکل گیا جو اسم و حرف سے مرکب ہو جیسے الرجل کہ اس کے لفظ کا جزر معنی کے جزر پر دلالت کرتا ہے لام تعریف تعین پر دلالت کرتا ہے اور رجل ذات پر اور اسی طرح قائمہ اور بصریٰ بھی تعریف سے نکل گئے کیونکہ قائمہ میں تار تانیث مونث ہونے پر دال ہے اور قائمہ اشتقاقی معنی پر دال ہے اسی طرح بصریٰ میں بصرہ ایک شہر پر دال ہے اور یار نسبت مضمون ہونے پر دال ہے۔ جواب یہ کہ جو لفظ اسم و حرف سے مرکب ہو وہ کلمہ نہیں بلکہ مرکب ہے لیکن شدت اتصال کی وجہ سے اس کو ایک کلمہ مان لیا جاتا ہے یعنی وہ حقیقۃً دو لفظ ہیں لیکن حکماً ایک لفظ مان لیا جاتا ہے اس لئے اس پر ایک اعراب آتا ہے۔ خیال رہے کہ لفظ مثل کے بعد امثالہا کا ذکر بظاہر لغو معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں اس لئے کہ لفظ مثل صرف اپنے مدخول کے عموم کا مقتضی ہے اور یہاں اس کا مدخول اسم معرف بہ لام ہے یا وہ اسم ہے جو تار تانیث یا یار نسبت کے ساتھ ہے اور لفظ امثال تمام مرکبات کو عام ہے خواہ مرکبات کلامیہ ہوں جیسے علم البیان یا غیر کلامیہ جیسے رب المشرقین والمغربین۔

قوله بقی مثل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کلمہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ عبد اللہ جبکہ کسی آدمی کا نام ہو اس میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ لفظ کا جزر آدمی کے جزر پر دلالت نہیں کرتا حالانکہ وہ کلمہ نہیں اس لئے کہ اگر وہ کلمہ ہوتا تو اس پر دو اعراب نہ آتے۔ جواب یہ کہ عبد اللہ بحالت علمیت مصنف کے نزدیک کلمہ ہی ہے اور اس کے دونوں جزوں پر جدا جدا اعراب وضع سابق کے اعتبار سے ہے یعنی علم ہونے سے پہلے جس طرح اس پر جدا جدا اعراب آتا تھا اسی طرح علم ہونے کے بعد بھی جدا جدا اعراب آتا ہے اور اس لئے بھی کہ کلمہ ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس پر صرف ایک اعراب آئے بلکہ دو اعراب بھی آسکتے ہیں جس طرح مرکب ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس پر دو یا اس سے زائد اعراب آئے بلکہ ایک اعراب بھی آسکتا ہے اگر رجل وقائمہ و بصریٰ وغیرہ مرکب ہیں لیکن صرف ایک اعراب آتا ہے۔

قوله ولا یخفی۔ مصنف علیہ الرحمہ نے چونکہ اسم و حرف سے مرکب ہونے والے الفاظ مثلاً الرجل وقائمہ وغیرہ کو کلمہ سے خارج کیا تھا اور عبد اللہ بحالت علمیت جیسے کلمات کو کلمہ میں داخل کیا تھا اس لئے علامہ جامی قدس سرہ السایہ خیال ظاہر فرماتے ہیں کہ اگر اس کا برعکس کیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا یعنی اسم و حرف سے مرکب ہونے والے الفاظ کو کلمہ میں داخل کیا جائے اور عبد اللہ بحالت علمیت جیسے

کلمات کو کلمہ سے خارج کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ نحو یوں کی نظر لفظ کے احوال کی طرف اعراب بنار افراد و ترکیب کے اعتبار سے ہے اول الذکر پر دو اعراب آتے ہیں اور ثانی الذکر پر ایک اعراب آتا ہے علامہ زحشری صاحب مفصل کہتے ہیں کہ جن طرح عبد اللہ بحالت علمیت جیسے کلمات کلمہ کی تعریف سے خارج ہیں اسی طرح اسم و حرف سے مرکب ہونے والے الفاظ کو بھی کلمہ کی تعریف سے خارج کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

وما اوردہ صاحب المفصل فی تعریف الکلمۃ حیث قال ہی اللفظۃ الدالۃ علی معنی مفرد بالوضع فقل عبد اللہ علی ما خرج عنہ فانہ لا یقال لہ لفظۃً واحدهً وبقی مثل الرجل وقائمہ و بصریٰ بما یعد لشدۃ الإمتزاج لفظۃً واحدهً داخل فیہ فاخرجہ بقید الافراد ولو لم یخرجہ بتوکرہ لکان انسب لما عرفت

ترجمہ۔ اور صاحب مفصل علامہ زحشری نے جو کلمہ کی تعریف میں اللفظۃ کو تار وحدت کے ساتھ لایا ہے جبکہ انہوں نے کلمہ کی تعریف میں ہی اللفظۃ الدالۃ علی معنی مفرد بالوضع کہا تو عبد اللہ جیسا مرکب بحالت علمیت اس تعریف سے خارج ہو گیا۔ کیونکہ اس کو لفظ واحد نہیں کہا جاتا اور الرجل اور قائمہ و بصریٰ جیسے الفاظ جو شدت اتصال کی وجہ سے لفظ واحد کہا جاتا ہے کلمہ کی تعریف میں داخل ہونا باقی رہ گیا اس لئے اس کو افراد کی قید سے خارج کر دیا اور اگر صاحب مفصل اس قید کو ترک کر کے قائمہ وغیرہ کو نہ نکالتے تو زیادہ مناسب تھا اس بنا پر جو آپ پہچان چکے۔

تشریح۔ قوله وما اوردہ۔ یعنی کلمہ کی گزشتہ تعریف علامہ ابن حاجب کی تھی لیکن وہ تعریف جس کو صاحب مفصل نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ کلمہ وہ ایک لفظ ہے جو معنی مفرد پر وضع سے دلالت کرے۔ اس تعریف میں لفظۃ کی قید سے عبد اللہ بحالت علمیت کلمہ ہونے سے نکل گیا۔ کیونکہ اس کو ایک لفظ نہیں کہا جاتا اور الرجل وقائمہ وغیرہ باقی رہ گئے کیونکہ ان کو شدت اتصال کی وجہ سے ایک کلمہ کہا جاتا ہے لیکن مفرد کی قید سے وہ بھی نکل گئے کیونکہ ان کے لفظ کا جزر معنی کے جزر پر دلالت کرتا ہے اور اگر صاحب مفصل افراد کی قید کو چھوڑ دیتے اور الرجل وقائمہ وغیرہ کو نہ نکالتے تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ نحو یوں کی نظر لفظ کے احوال کی طرف ہے اعراب و بنا و کیفیت افراد و

ترکیب کے اعتبار سے اور مذکورہ مثال میں صرف ایک اعراب آتا ہے جدا جدا نہیں۔

وَأَعْلَمُ أَنَّ الْوَضْعَ يَسْتَلْزِمُ الدَّلَالَۃَ لِأَنَّ الدَّلَالَۃَ كَوْنُ الشَّيْءِ بِحَيْثُ يَفْهَمُ مِنْهُ شَيْءٌ آخَرَ فَمَتَى تَحَقَّقَ الْوَضْعُ تَحَقَّقَتِ الدَّلَالَۃُ فَبَعْدَ ذِكْرِ الْوَضْعِ لِحَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِ الدَّلَالَۃِ كَمَا وَقَعَ فِي هَذِهِ الْكَلِمَةِ لَكِنَّ الدَّلَالَۃَ لَا تَسْتَلْزِمُ الْوَضْعَ لِأَمَّا أَنْ تَكُونَ بِالْعَقْلِ كَمَا لَوْلَا لَفْظُ دِينَ الْمَسْمُوعِ مِنْ دِرَاءِ الْمَجْدِ أَرِ عَلَى وَجُودِ اللَّافِظِ وَأَنْ تَكُونَ بِالطَّبْعِ كَمَا لَوْلَا أَيْ عَلَى وَجْهِ الصِّدْقِ وَفِعْدِ ذِكْرِ الدَّلَالَۃِ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْوَضْعِ كَمَا فِي الْمَفْصَلِ

ترجمہ۔۔۔ اور معلوم کیجئے کہ وضع، دلالت کو مستلزم ہے اس لئے کہ دلالت شئی کا اس طرح ہونا ہے اس سے دوسری شئی سمجھ لی جائے پس جب وضع متحقق ہوگی تو دلالت بھی متحقق ہو جائے گی لہذا وضع کے ذکر کے بعد اب دلالت کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی جیسا کہ اس کتاب کا فیہ میں واقع ہے لیکن دلالت، وضع کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے دلالت عقل سے ہو جیسے لفظ دین کی دلالت جو دیوار کے پیچے سے مسوع ہے، بولنے والے کے وجود پر اور ممکن ہے دلالت طبع سے ہو جیسے اُخ آخ کی دلالت سینہ کے درد پر لہذا دلالت کے ذکر کے بعد وضع کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی جیسا کہ مفصل میں ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ وَاَعْلَمُ اَنَّ۔۔۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مصنف نے کلمہ کی تعریف میں وضع کو ذکر کیا اور صاحب مفصل نے دلالت و وضع دونوں کو ذکر کیا اب دریافت یہ ہے کہ کلمہ میں دلالت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو کافیہ میں کیوں نہیں لایا گیا اور اگر ضروری نہیں تو مفصل میں کیوں لایا گیا؟ جواب یہ کہ دلالت عام ہے اور وضع خاص لہذا وضع کے لئے دلالت لازم ہوئی اس لئے کہ خاص کا وجود عام کے وجود کے بغیر ناممکن ہے لیکن دلالت کے لئے وضع لازم نہ ہوتی کیونکہ دلالت طبعیہ و عقلیہ میں دلالت موجود ہے لیکن وضع نہیں لہذا علامہ ابن حاجب نے جب وضع کو ذکر کیا تو اب دلالت کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی کہ وہ دلالت کو شامل ہے اور صاحب مفصل نے چونکہ پہلے دلالت کو ذکر کیا ہے اس لئے اس کے بعد وضع کو ذکر کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ دلالت وضع کو لازم نہیں ہے۔ سوال دلالت اگرچہ وضع کو مستلزم نہیں لیکن مفرد تو وضع کو مستلزم ہے

اس لئے کہ افراد و ترکیب کا وجود وضع کے بعد ہوتا ہے لہذا مفرد کے بعد وضع کا ذکر فضول ہوا۔ جواب مفرد کی دلالت وضع پر دلالت التزامی ہے اور دلالت التزامی تعریفات میں مہجور ہوتی ہے اس لئے مفرد کے بعد وضع کو بیان کیا گیا۔

قولہ لَكِنَّ الدَّلَالَۃَ۔۔۔ دلالت جب عام ہے اور وضع خاص تو دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہوتی ہے، میں ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے اور دوسرا افتراق کا۔ مادہ اجتماع تو زید میں ظاہر ہے لیکن مادہ افتراق جیسے اُخ اُخ اور لفظ دین میں جو دیوار کے پیچے سے مسوع ہو۔

وَهُىْ اَيُّ الْكَلِمَةِ اسْمٌ وَفَعْلٌ وَحَرْفٌ اَيُّ مُنْقَسِمَةٍ اِلَى هَذِهِ الْاَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ وَمُخَصَّرَةٌ فِيهَا

ترجمہ:۔۔۔ (اور وہ) یعنی کلمہ (اسم ہوتا ہے اور فعل اور حرف) یعنی کلمہ ان ہی تین قسموں میں منقسم و مختصر تشریح:۔۔۔ قولہ اَيُّ الْكَلِمَةِ۔۔۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ لفظ صحیح کا مرجع لفظ الکلمہ ہے یا اس کا مفہوم لیکن اول باطل ہے اس لئے کہ اُس کے آخر میں تارنیت ہے اور شروع میں لام تعریف لہذا وہ اسم ہوا جس سے تقسیم شئی الی نفسہ والی غیرہ لازم آتی ہے کیونکہ اس صورت میں الکلمہ منقسم ہے اور اسم و فعل و حرف اس کے اقسام لہذا اسی اسم یعنی اسم، اسم ہو جو تقسیم شئی الی نفسہ کو لازم ہے اور اسی فعل و حرف یعنی اسم فعل و حرف جو تقسیم شئی الی غیرہ کو لازم ہے اور دوم بھی باطل ہے اس لئے کہ صحیح مونث ہے اور الکلمہ کا مفہوم مذکر لہذا ضمیر مرجع کے مطابق نہ ہوتی جواب یہ کہ مرجع لفظ الکلمہ ہے لیکن مقسم باعتبار لفظ نہیں کہ محذور مذکور لازم آئے بلکہ باعتبار مفہوم ہے نیز یہ بھی کہ مرجع الکلمہ کا مفہوم ہے اور وہ مذکر نہیں بلکہ مونث ہے کیونکہ مفہوم لفظ کے تابع ہوتا ہے اور یہاں لفظ الکلمہ مونث ہے لہذا مفہوم بھی مونث ہوگا۔

بیانہ اسم و فعل و حرف۔ اسم کو تقسیم میں فعل و حرف پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ کلام میں مسند و مسند الیہ دونوں ہوتا ہے اور فعل کو حرف پر اس لئے کہ وہ کلام میں مسند ہوتا ہے اور حرف چونکہ کلام میں نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ اس لئے اس کو اخیر میں بیان کیا گیا لیکن دلیل حصر میں اس کو فعل پر یونہی اسم پر بھی اس لئے مقدم کیا گیا کہ اس کا مفہوم فعل و اسم کے مفہوم سے مختصر ہے اور

مختصر مستحق تقدیم ہونے کے زیادہ لائق ہے نیز یہ کہ حرف کا مفہوم اسم و فعل کے مفہوم کی بہ نسبت بسیط ہے کیونکہ اس میں صرف ایک جزر بسیط ہے اور اسم و فعل میں دو جزر ہیں اور جس میں ایک جزر ہو وہ بمنزلہ بسیط ہوتا ہے اور بسیط طبعاً مرکب پر مقدم ہوتا ہے اس لئے حرف کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا اور اس لئے بھی کہ دلیل میں تردید کے دونوں شق میں سے شق ثانی (ادلائل) حرف سے زیادہ قریب ہے لیکن فعل کو اسم پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ مفہوم فعل کے دونوں جزر وجودی ہیں اور اسم کے ایک جزر وجودی اور دوسرا بسیط اور وجود تصور میں عدم سے طبعاً مقدم ہوتا ہے اس لئے فعل کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تاکہ ذکر طبع کے موافق ہو جائے۔

قولہ ائى منقسمۃ۔ اس عبارت سے چند سوالوں کا جواب دیا گیا ہے ایک یہ کہ خبر جب مشتق نہ ہو تو اس کے اور مبتدا کے درمیان تذکر و تانیث میں مطابقت اگرچہ ضروری نہیں لیکن عمدہ ضروری ہوتی ہے۔ دوسرا سوال یہ کہ خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے اور یہاں محمول ہونے کی صلاحیت نہیں کیونکہ کلمہ جنس ہے اور اسم و فعل و حرف اس کی نوعیں اور نوعوں کا محل جنس پر نہیں ہوتا چنانچہ الحيوان الانسان کہاں مانا کیونکہ خبر مبتدا کے معنی افراد پر محمول ہوتے ہیں الئى محصور میں اور یہاں اس تقدیر پر معنی ہوتا ہے کہ افراد کلمہ میں سے ہر فرد از قبیل اسم ہے یونہی از قبیل فعل و حرف یہ صراحتاً باطل ہے۔ کیونکہ یہ محل خاص بر عام ہے جو مجموعہ ہے حالانکہ محل اس کا برعکس ہوتا ہے یعنی عام کا محل خاص پر ہوتا ہے جیسے الانسان حیوان میں یا ادى کا محل مساوی پر جیسے الانسان ناطق میں۔ تیسرا سوال یہ کہ مشہور ہے الضمیر اذا داہن المرجع والخبر فرع عاۃ الخبر اولى یعنی ضمیر جب مرجع و خبر کے درمیان دائر ہو تو خبر کی رعایت اولی ہوتی ہے وہ اس طرح کہ مرجع مذکر کی ضمیر چاہتا ہو اور خبر مونث کی ضمیر یا اس کا برعکس تو خبر کی رعایت اولی ہوتی ہے اور یہاں خبر کا مرجع چونکہ کلمہ ہے جو مونث کی ضمیر چاہتا ہے اور خبر اسم ہے جو مذکر کی ضمیر چاہتا ہے لہذا ہی اسم کے بجائے هو اسم کہنا چاہئے تھا۔ جواب ہر ایک سوال کا یہ کہ جی مبتدا ہے لیکن اسم اس کی خبر نہیں بلکہ منقسمہ محذوف ہے لہذا خبر مبتدا کے موافق ہے اور مبتدا سے خبر کی رعایت بھی اور خاص کا محل عام پر بھی کہ منقسمہ بھی عام ہے اور خبر کے محذوف ہونے پر قرینہ کلمہ کے اقسام ہیں کہ وہ ان کی طرف منقسم ہوتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ جی مبتدا کی خبر منقسمہ محذوف نہیں بلکہ اسم و فعل و حرف ہی ہے علامہ زینی زادہ فوائد شافعیہ میں لکھتے ہیں کہ

جی بکیر الباء علی الاصل مرفوع مبتدا راجع الی لفظ الکلمۃ باعتبار ملاحظۃ معنویہا فیکون الارجاع بحسب اللفظ والتقسیم باعتبار المعنی اسم مرفوع خبر المبتدا اور ملا نور محمد رقمطراز ہیں و لیس قولہ منقسمۃ الی ہذہ الاقسام الثلثۃ اشارۃ الی تقدیر الخبر کا وہم لانہ تکلف ولادائی الی اعتبارہ اور یہ قاعدہ تسلیم نہیں کہ ضمیر جب مرجع و خبر کے درمیان دائر ہو تو خبر کی رعایت اولی ہے کیونکہ ملت فاطمۃ و هو انسان اور قرأت زینب و هو حاتم کو کوئی بھی اولیٰ تو درکنار حاتم بھی نہیں کہتا اور جی پر اسم و فعل و حرف کا محل برسبیل بدلیت نہیں کہ خاص کا محل عام پر لازم آئے بلکہ برسبیل اجتماع ہے اور مجموعہ بن حیث المجموع چونکہ حکم میں بمنزلہ واحد مونث ہوتا ہے اس لئے خبر مبتدا کے مطابق بھی ہے ہاں البتہ کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ اس عبارت سے جب خبر کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ نہیں تو اس کو مقدر کیوں مانا گیا؟ تو اس کا جواب یہ کہ نحو یوں کی غرض چونکہ کلمہ و کلام کے احوال کو بیان کرنا ہے اور وہ ان دونوں کی تعریف پر موقوف ہے اس لئے پہلے ان دونوں کی تعریف بیان کی گئی اور اس کے بعد جب جی اسم و فعل و حرف کہا گیا تو وہم پیدا ہوا کہ یہ کلمہ کی حالت کا بیان ہے اس لئے اس عبارت سے اس کا ازالہ کیا گیا کہ یہ کلمہ کی حالت کا بیان نہیں بلکہ اس کی تقسیم کا بیان ہے حاشیہ لا عبد الرحمن میں ہے قولہ ائى منقسمۃ ان ہذا تقسیم لابیان حکم الکلمۃ۔

خیال رہے کہ تقسیم دو طرح کی ہوتی ہے ایک کل کی تقسیم اجزاء کی طرف دوسری کلی کی تقسیم جزئیات کی طرف پہلی صورت میں مقسم کا اطلاق ہر ایک جزر پر درست نہیں ہوتا جیسے ذراع کا اطلاق ہر ایک بالشت پر اور دوسری صورت میں مقسم کا اطلاق ہر ایک جزر پر درست ہے جیسے حیوان کا اطلاق انسان و فرس و بقرو وغیرہ پر۔ اور کلمہ کی تقسیم میں اسم و فعل و حرف کی طرف یہی دوسری صورت ہے کیونکہ کلمہ کا اطلاق ہر ایک پر درست ہے۔ قولہ منحصر فیہا۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ دلیل کسی دعویٰ کی دیجاتی ہے یہاں دلیل وجود ہے لیکن دعویٰ نہیں۔ جواب یہ کہ دعویٰ کبھی عبارت میں مذکور ہوتا ہے اور کبھی ماقبل سے مستفاد ہوتا ہے اور یہاں دعویٰ ماقبل سے مستفاد ہے وہ اس طرح کہ مصنف نے جب مقام تقسیم میں تین قسموں پر اقتصار کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی چوتھی قسم نہیں ورنہ اس کو بھی بیان کر دیتے اور جب وہ بیان نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کلمہ ان ہی تین قسموں پر منحصر ہے۔ حاشیہ عبد الغفور پر ہے قولہ منحصرۃ یفہم من السکون فی معرض بیان الاقسام و متعلق یہ اور حاشیہ عبد الرحمن پر ہے اما الانقسام فلان المقام مقام التقسیم اما الانحصار فمن السکوت فی موضع الحاجۃ الی بیان الاقسام

واضح ہو کہ لغت میں حصر کا معنی منع کرنا ہے اسی وجہ سے قلم کو حصار کہا جاتا ہے کہ وہ دشمن کے غلبہ کو روکنے والا ہوتا ہے اور اصطلاح میں وہ چار قسم ہے (۱) عقلی (۲) قطعی (۳) استقرائی (۴) جعلی حصر عقلی وہ ہے جس میں امر آخر کی استعانت کے بغیر محض اقسام پر نظر کرنے سے انحصار کا جزم حاصل ہو جیسے شی کا انحصار موجود و معدوم کے درمیان کہ اقسام پر نظر کرنے ہی سے جزم حاصل ہو جاتا ہے اور حصر قطعی وہ ہے جس میں جزم ایسی دلیل سے مستفاد ہو جو قسم آخر کے امتناع پر دل ہے جیسے شی کا انحصار واجب و ممکن کے درمیان کہ عقل قسم آخر یعنی اجتماع واجب و ممکن کا بھی محتمل ہے لیکن دلیل اجتماع نقیضین اس کو باطل قرار دیتی ہے اور حصر استقرائی وہ ہے جس میں جزم متبع سے حاصل ہو جیسے ابواب ثلاثی مجرد کا چھ میں انحصار۔ اور حصر جعلی وہ ہے جس میں جزم اس تائید پر نظر کرنے سے حاصل ہو جس کا تقسیم کو نوا لے نے لحاظ کیا ہے۔ اور یہاں یہ حصر قطعی ہے جس میں عقل کلمہ کے اقسام ثلثہ کے علاوہ جو قسم اجتماع کا بھی احتمال رکھتی ہے لیکن دلیل اجتماع نقیضین اس کو باطل کر دیتی ہے۔

بعض علماء نے حصر کی صرف دو قسمیں بیان کی ہیں ایک حصر عقلی دوسری استقرائی عقلی وہ ہے جو اثبات و نفی کے درمیان دائرہ ہو اور استقرائی وہ ہے جو متبع سے حاصل ہو جیسے شرح تہذیب میں ہے اَعْلَوْ اَنْ حَصَرَ الْقَضِيَّةَ فِي الْحَلِيَّةِ وَالشَّرْطِيَّةِ عَلَى مَا قَرَّرَهُ الْمَصْنُوعُ عَقْلًا دَاخِلًا فِي النِّبْيِ وَالْإِثْبَاتِ وَأَمَّا حَصَرُ الشَّرْطِيَّةِ فِي الْمَتَصِلَةِ وَالْمَنْفَصِلَةِ فَاسْتَقْرَائِيٌّ وَهُوَ الَّذِي يَظْهَرُ بَعْدَ التَّبَيُّحِ وَالتَّصْحِيحِ۔ اس تقدیر پر حصر مذکور عقلی ہے جو اثبات و نفی کے درمیان دائرہ ہے۔

لَا تَهَايِ الْكَلِمَةَ لَمَّا كَانَتْ مَوْضُوعَةً لِمَعْنَى وَالْوَضْعُ يَسْتَلْزِمُ الدَّلَالَاتِ

ترجمہ: — (اس لئے کہ وہ) یعنی کلمہ جب معنی کے لئے موضوع تھا اور وضع دلائل کو مستلزم ہوتی ہے۔

تشریح: — قولہ ای الکلمۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تن میں اولاً جو دراصل اولاً تدل ہے حرف کا معنی ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سرے سے کسی معنی پر دلالت نہ ہو جیسے مہلات دوسری یہ کہ معنی

پر دلالت ہو لیکن وہ دلالت معنی فی نفسہا پر نہ ہو جیسے من والی وغیرہ پس یہ تعریف جس طرح من والی وغیرہ پر صادق آتی ہے اسی طرح مہلات پر بھی صادق آئے گی حالانکہ یہ باطل ہے۔ جواب یہ کہ تدل کی ضمیر مرفوع کلمہ کی طرف راجع ہے اور کلمہ وہ ہے جو معنی کے لئے موضوع ہو یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی معنی پر دلالت نہ کرے لہذا تعریف مذکور مہلات پر صادق نہیں اور اس لئے بھی کہ جب مقید کی نفی کی جاتی ہے تو صرف قید کی نفی ہوتی مثلاً جب کہا جائے رسول اللہ یس یعنی یسین یعنی رسول اللہ غیب پر بخیل نہیں تو یہ صاف مطلب ہوتا ہے کہ رسول اللہ موجود تو ہیں لیکن بخیل نہیں اور تن میں بھی نفی صرف قید کی طرف راجع ہے یعنی معنی پر دلالت کرے گا لیکن معنی فی نفسہا پر نہیں پس وہ معنی مہلات پر صادق نہ آئے گا۔

خیال رہے کہ تن میں لام جارہ کا متعلق منحصر ہے جو ماقبل سے مفہوم ہے منقسم نہیں جیسا کہ ملا عبدالحکیم لکھتے ہیں اِنَّ الدَّلِيلَ الْمَذْكُورَ دَلِيلُ الْاِنْحِصَارِ لِادْلِيلِ التَّقْسِيمِ فَانْتِهَاءُ عَارِضٍ مِنْ ضَرْفٍ قِيْدٍ مَتَابِنَةٍ اَوْ مُتَخَالِفَةٍ اِلَى اَمْرٍ مُشْتَرِكٍ فِيهِ تَصْوِيرٌ مُخَصَّصٌ لَا يَحْتَاجُ اِلَى الدَّلِيلِ۔

قولہ والوضع۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ دلالت کا ذکر جب کلمہ کی تعریف میں نہیں تو دلیل میں اس کا ذکر کیوں کیا گیا؟ جواب یہ کہ تعریف میں وضع کا ذکر ہے اور وضع، دلالت کو مستلزم ہے کیونکہ وہ اس کا مقسم ہے اور مقسم اقسام کو لازم ہوتا ہے پس دلالت اگرچہ تعریف میں صراحتہ مذکور نہیں لیکن التزاماً ضرور مذکور ہے اور دلیل میں اس کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ مقسم ہونے کی وجہ سے وضع سے عام ہے اور ظاہر ہے جب کوئی شی عام ہونے کے اعتبار سے منحصر ہو تو خاص ہونے کے اعتبار سے بدرجہ اولیٰ منحصر ہوگا۔

فَهِيَ اِمَامٌ مِنْ صِفَتِهَا اَنْ تَدُلَّ عَلَى مَعْنَى كَاثِرٍ فِي نَفْسِهَا اَيَّ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ وَالْمُرَادُ بِكَوْنِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِهَا اَنْ تَدُلَّ عَلَيْهِ بِنَفْسِهَا مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ اِلَى اِنْضَامِ كَلِمَةٍ اُخْرَى اِلَيْهَا لِاسْتِقْلَالِهَا بِالْمَفْهُومِ اَوْ مِنْ صِفَتِهَا اَنْ لَا تَدُلَّ عَلَى مَعْنَى فِي نَفْسِهَا بَلْ عَلَى مَعْنَى يَحْتَاجُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ اِلَى اِنْضَامِ كَلِمَةٍ اُخْرَى اِلَيْهَا لَعَدَمِ اسْتِقْلَالِهَا بِالْمَفْهُومِ وَتَبَيُّحِ تَحْقِيقِ ذَلِكَ فِي بَيَانِ حَدِّ السَّمْعَانِ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی سُبْحٰنَہٗ

ترجمہ: — تو کلمہ (آیا) اس کی صفت میں سے (یہ ہے کہ دلالت کرے گا ایسے معنی پر جو اس کے نفس

میں ہے) یعنی نفس کلمہ میں ہے اور معنی کے نفس کلمہ میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اس معنی پر بذات خود دلالت کرے اس کے بغیر کہ اسے کسی دوسرے کلمہ سے ملنے کی حاجت ہو کیونکہ وہ معنی مستقل بالمفہومیۃ ہے (یا) اس کی صفت میں سے یہ ہے کہ اس معنی پر جو اس کی ذات میں ہے دلالت (نہیں) کرے گا بلکہ اس معنی پر دلالت کرے گا کہ اس پر دلالت کرنے میں کسی دوسرے کلمہ کے ملنے کا محتاج ہو کیونکہ وہ مستقل بالمفہومیۃ نہیں اور اس کی تحقیق اگر خدائے سبحانہ تعالیٰ نے چاہا تو تعریف اسم کے بیان میں عنقریب آئے گی۔

تشریح: — قولہ من صفتہا یہ جواب ہے اس سوال کا کہ لانا میں ان حرف مشبہ بفعل ہے جس کا اسم ضمیر ہا ہے جو راجع بسوئے کلمہ ہے اور ان تدل اس کی خبر اور خبر اسم پر محمول ہوتی ہے اور یہاں وہ محمول نہیں اس لئے کہ کلمہ ذات ہے اور ان تدل بتاویل مصدر وصف محض ہوتا ہے جو ذات پر محمول نہیں ہوتا جو کہ ان حرف مشبہ بفعل کی خبر ان تدل نہیں بلکہ جملہ اسمیہ یا ظرفیہ ہے جو عبارت میں محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے لانتھا انا من صفتہا ان تدل اس میں من صفتہا جار مجرور مل کر ثابت کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور ان تدل بتاویل مصدر مبتدا موخر مبتدا موخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ان حرف مشبہ بفعل کی خبر ہے یا جار مجرور مل کر ظرف ہے اور ان تدل بتاویل مصدر اس کا فاعل ہے ظرف اپنے فاعل سے مل کر جملہ ظرفیہ ہو کر ان حرف مشبہ بفعل کی خبر ہے۔ علامہ رضی کا خیال ہے کہ ان تدل سے پہلے لفظ ذات مضاف مقدر ہے پس ذات پر ذات کا مل ہوا جو جائز ہے لیکن سید شریف قدس سرہ دونوں کا رد فرماتے ہیں کہ ان مصدر یہ فعل کو مصدر کے معنی میں نہیں کرتا بلکہ فعل پر اسم کے لفظی احکام ہونے کو جائز کر دیتا ہے مثلاً اس پر حرف جر داخل ہو سکتا ہے لہذا اب تقدیر عبارت کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ ان تدل کا مل بلا تکلف جائز و روا ہے۔ واضح ہو کہ عطف اگر بذریعہ انا ہو تو معطوف علیہ پر انا کا دخول لقم ہوتا ہے اور یہاں بذریعہ اؤ ہے لہذا اس کا دخول لازم تو نہیں البتہ جائز و روا ہے اور یہ عطف کے لئے نہیں آتا بلکہ اس شک پر تنبیہ کے لئے جو شروع کلام میں واقع ہوتا ہے۔

قولہ کائن۔ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ متن میں فی نفسہا ظرف لغو ہے جو ان تدل کے ساتھ متعلق ہے حاصل ازالہ یہ کہ فی نفسہا اگر ظرف لغو ہو تو اس میں فی کا بمعنی بار ہونا لازم آئے گا کیونکہ دلالت کا صلی فی نہیں بلکہ بار یا علی آتا ہے اور فی کا بمعنی بار ہونا یعنی فی نفسہا سے مراد نفسہا ہونا مجاز غیر متعارف ہے جو تعریفات میں مجرور ہے اس لئے کہ تعریف سے مقصود شئی کی وضاحت ہے اور یہ اس سے مفقود ہے نیز

یہ اس وہم کا بھی ازالہ ہے کہ فی نفسہا ظرف مستقر ہے جو باعتبار متعلق معنی سے حال واقع ہے حاصل ازالہ یہ کہ تعریف سے مقصود عموم و شمول ہوتا ہے جو حال ہونے کی تقدیر پر مفقود ہے اس لئے کہ حال عامل ذوالحال کی قید ہوتا ہے اور ظاہر ہے قید عموم و شمول کا منافی ہے۔

قولہ والمراد بكون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں ان تدل علی معنی کا مطلب یہ کہ معنی کلمہ کا مدلول ہو اور یہی مطلب فی نفسہا کا بھی ہے کہ معنی کلمہ کا مدلول ہو لہذا عبارت میں حشو لازم آیا۔ جواب یہ کہ ان تدل علی معنی کا مطلب یہ ہے کہ معنی کلمہ کا مدلول ہو خواہ دوسرے کلمہ کو ملا کر ہو یا ملائے بغیر اور یہ فی نفسہا کا مطلب نہیں بلکہ خاص ہے اور وہ یہ کہ معنی کلمہ کا مدلول ہو دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر لہذا حشو لازم نہ آیا۔ بیانا اؤ۔ سوال متن اول میں لا حرف نفی ہے جس کا معنی یعنی تدل محذوف ہے لہذا حرف عطف باقی رہتے ہوئے معطوف محذوف ہوا جو ممنوع ہے۔ جواب حرف عطف باقی رہتے ہوئے پورا معطوف کا محذوف ہونا ممنوع ہے اور یہاں پورا معطوف محذوف نہیں بلکہ اس کے بعض متعلقات یعنی لا موجود ہے اور اس کے حذف پر سیاق کلام بھی دال ہے تحفہ خادمیہ میں ہے حذف المعطوف مع بقاء العاطف انا متبع عند عدم القرینۃ وبقا بعض متعلقاته واما عند وجود احد ہما اؤ کلیہا فجاز و نہینا و جملہ کلامہا۔

القسم الثانی وهو ما لا يدل علی معنی فی نفسہا الحرف بکن والی فانہما محتاجان فی الدلالة علی معنیہما ائنی الابتداء والانتہاء الی کلمۃ آخری کالبصرۃ والکوفۃ فی قولک سرت مرن البصرۃ الی الکوفۃ وائنا سیتی هذا القسم حروف لان الحرف فی اللغۃ الطرف وهو فی طرف ای جانب مقابل للإسیر والفعل حیث یقعان عمدۃ فی الکلام وهو لا یقع عمدۃ فیہ کما ستعرف

ترجمہ: — قسم (ثانی) جو معنی فی نفسہا پر دلالت نہیں کرتی (حرف ہے) جیسے من والی کہ وہ اپنے معنی یعنی ابتداء و انتہاء پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج ہیں جیسے آپ کے قول سرت مرن البصرۃ الی الکوفۃ میں کہ وہ بصرہ و کوفہ کا محتاج ہیں اور اس قسم کا نام حرف اس لئے رکھا گیا کہ حرف لغت میں طرف و جانب کو کہا جاتا ہے اور حرف اصطلاحی بھی اسم و فعل کے طرف یعنی جانب مقابل میں ہے کیونکہ

اسم و فعل کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اور حرف عمدہ واقع نہیں ہوتا جیسا کہ آپ عنقریب پہچانیں گے۔

تشویح: — قولہ القسم۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ دلیل حصر میں کلمہ کی دو قسمیں بیان کی گئیں ہیں ایک کلمہ وہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دل ہے دوسرا کلمہ وہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دل نہیں اس لئے یہاں الثانی الحرف کے بجائے الثانیۃ الحرف کہنا چاہئے تھا کیونکہ الثانیۃ کا موصوف الکلمۃ ہے جو مونث ہے اور ظاہر ہے صفت موصوف کے موافق ہوتی ہے۔ جواب یہ کہ ثانی سے یہاں قسم ثانی مراد ہے لہذا اصل عبارت یہ ہے القسم الثانی الحرف اور قسم مذکور ہے اگرچہ اس سے مراد کلمہ ہی ہے۔

قولہ کن والی۔ کن والی سے یہاں لفظ من والی مراد ہے اور وہ اسم ہے لہذا اس پر حرف جار کا دخول صحیح ہے اور من والی سے مراد جو لفظ ابتداء و انتہاء ہے مطلقاً نہیں کہ وہ اسم ہے بلکہ اس تقدیر پر کہ وہ کسی شے کی طرف منسوب ہو۔

قولہ (انما یجوز ہذا)۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حرف کو حرف کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ حرف لغت میں بمعنی طرف ہے اہل عرب بولتے ہیں فلان فی طرف الوادی یعنی طرف الوادی اور حرف بھی چونکہ کلام میں کنارے میں واقع ہوتا ہے اس لئے اس کو حرف کہا جاتا ہے۔

قولہ انی جانب مقابل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حرف کنارے میں نہیں بلکہ کبھی بیچ میں بھی ہوتا ہے اور اسم و فعل کنارے میں جیسے قرزید فی المدرۃ میں فی حرف جار بیچ میں واقع ہے۔ جواب یہ کہ کنارے میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حرف کلام میں اسم و فعل کی جانب مقابل میں ہونہ کہ ذکر میں کنارے میں ہو۔

قولہ حیث یقعان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حرف کلام میں اسم و فعل کے جانب مقابل میں ہونے کا مطلب کیا ہے؟ جواب یہ کہ جانب مقابل میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں عمدہ نہ ہو یعنی نہ مسند واقع ہو اور نہ مسند الیہ اور جانب موافق میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں عمدہ ہو یعنی مسند یا مسند الیہ ہو۔ سوال اسم و فعل مستقل میں اور حرف غیر مستقل غیر مستقل کا مقابل کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب مستقل و غیر مستقل میں بھی تقابل ظاہر ہے کہ دونوں کا اجتماع محال ہوتا ہے اور یہی معنی تقابل کا ہے۔

و القسم الاول وهو ما يدل على معنى في نفسها اما من صفتها ان يقترب ذلك المعنى المدلل عليه بنفسها في الفهم عنها بل احد الزمنية الثلاثة اعنى الماضي والحال والاستقبال اى حين يفهم ذلك المعنى عنها يفهم احد الزمنية الثلاثة ايضا مقارنا له او من صفتها ان لا يقترب ذلك المعنى في الفهم عنها مع احد الزمنية الثلاثة القسم الثاني وهو ما يدل على معنى في نفسها غير مقترب باحد الزمنية الثلاثة الاسم۔

ترجمہ: — اور قسم اول (جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے نفس میں ہے یعنی مستقل بالمعنی ہے (یا) اس کی صفت سے یہ ہے کہ وہ معنی جو نفس کلمہ میں مدلول علیہ ہے اس کلمہ سے سمجھے جانے میں (تینوں زمانہ) یعنی ماضی و حال و استقبال (سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہوگا) یعنی جس وقت وہ معنی کلمہ سے سمجھا جائے تو تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ اس معنی کے مقارن ہو کر سمجھا جائے (یا) اس کی صفت سے یہ ہے کہ وہ معنی کلمہ سے سمجھے جانے میں تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا (نہیں) ہوگا۔ قسم (ثانی) جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہے، جو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو (اسم ہے)

تشویح: — قولہ ذالک المعنى۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یقیناً کی ضمیر مرفوع کا مرجع الاول ہے پس ترجمہ ہوا کہ کلمہ زمانہ سے مقترن ہو حالانکہ زمانہ سے معنی مقترن ہوتا ہے جواب یہ کہ ضمیر مرفوع کا مرجع الاول نہیں بلکہ معنی فی نفسہا ہے جو الاول کے مفہوم میں مذکور ہے پس مرجع جس طرح صراحتہ مذکور ہوتا ہے اسی طرح ضمنا بھی جیسے اعدوا اقرب للتوئی میں لفظ جو کا مرجع عدل ہے جو اعدوا کے ضمن میں مذکور ہے۔

قولہ فی الفہم عنہا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مصدر کا معنی بھی زمانہ سے مقترن ہوتا ہے کیونکہ مصدر کے معنی کا وجہ کسی زمانہ ہی میں ہوتا ہے جیسے ضرب مصدر کا معنی زمانہ ماضی یا حال یا استقبال کسی میں ضرور پایا جائے گا۔ جس زمانہ میں بھی وہ پایا جائے گا ضرب مصدر کا معنی اس کے ساتھ مقترن ہوگا جواب یہ کہ زمانہ سے اقتران کبھی وجود میں ہوتا ہے اور کبھی فہم میں۔ وجود میں کا مطلب یہ کہ معنی کا وجود نہ ہو مگر زمانہ میں اور فہم میں کا مطلب یہ کہ معنی کے ساتھ اس کا زمانہ بھی فہم و سمجھ میں آئے اور یہاں زمانہ کے

اقتراں سے مراد یہی فہم میں ہے اور ضرب مصدر میں جو زمانہ کا اقتراں ہے وہ وجود میں ہے فہم میں نہیں اس لئے کہ ضرب کے معنی کے ساتھ اس کا کوئی زمانہ سمجھ میں نہیں آتا۔ سوال زید ضارب غدا میں ضارب کے معنی کے ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے لہذا وہ فعل ہو گیا حالانکہ وہ اسم ہے۔ جواب فعل میں یہ ضروری ہے کہ معنی اور زمانہ دونوں ایک ہی لفظ سے سمجھ میں آئیں اور مثال مذکور میں معنی ضارب سے سمجھ میں آتا ہے اور زمانہ غدا سے۔ سوال لفظ غدا سے ہی معنی اور زمانہ دونوں سمجھ میں آتا ہے اسی طرح لفظ اُس اور یوم سے بھی لہذا تینوں فعل ہو گئے حالانکہ وہ اسم ہیں۔ جواب فعل میں یہ ضروری ہے کہ باعتبار مادہ معنی پر دلالت کرے اور باعتبار ہیئت وصیغہ زمانہ پر اور لفظ غدا و اُس وغیرہ ایسے نہیں کیونکہ وہ معنی و زمانہ پر صرف باعتبار مادہ دلالت کرتے ہیں باعتبار ہیئت وصیغہ نہیں۔

قولہ اعنی الما حی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ صبح اسم ہے لیکن اس کے معنی کے ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے صبح کے وقت شراب پینا اسی طرح غوق بھی اسم ہے لیکن اس کے معنی کے ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ اُس کا معنی ہے رات کے وقت شراب پینا۔ جواب یہ کہ صبح و غوق کے معنی کے ساتھ اگرچہ زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے لیکن ماضی و حال و استقبال میں سے ایک ہی نہیں حالانکہ زمانہ سے یہاں ہی مراد ہے یعنی ان دونوں لفظوں سے نہ زمانہ ماضی سمجھ میں آتا ہے اور نہ حال و استقبال بلکہ مطلق صبح اور مطلق رات سمجھ میں آتی ہے گزشتہ ہوا موجودہ یا آئندہ۔ یہ جواب بھی ممکن ہے کہ فعل کے معنی کے ساتھ جو زمانہ سمجھ میں آتا ہے وہ صیغہ و ہیئت کے بدل جانے سے بدل جایا کرتا ہے اور صبح و غوق میں زمانہ نہیں بدلتا بلکہ وہ ہمیشہ ایک حال پر قائم رہتا ہے۔

قولہ ای جین یفہم۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ لفظ ماضی کا معنی ہے گزرا ہوا زمانہ اور حال کا معنی ہے موجودہ زمانہ اور استقبال کا معنی ہے آئندہ زمانہ لہذا یہ بھی فعل ہو گئے کہ ان کے معنی بھی فہم میں زمانہ ماضی و حال و استقبال سے مقرر ہے۔ جواب یہ کہ فعل سے دو چیزیں سمجھ میں آتی ہیں ایک معنی اور دوسرا زمانہ مثلاً ضرب فعل ہے جس سے ایک مارنا سمجھ میں آتا ہے اور دوسرا مارنے کا زمانہ گزشتہ بھی لیکن لفظ ماضی سے صرف ایک چیز اور وہ زمانہ سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اس کا معنی بعینہ زمانہ ہے یہی حال و استقبال میں ہے۔

وَهُوَ مَا خُوذُ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ الْعُلُوُّ لَا سِتْعْلَاءَ عَلَيْهِ عَلَى أَخَوَيْهِ حَيْثُ يَتَرَكِبُ مِنْهُ وَحْدَ الْكَلَامِ
دُونَ أَخَوَيْهِ وَقِيلَ مِنَ الْوَسْمِ وَهُوَ الْعَلَامَةُ لِأَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلَى مُسَمَّاهُ وَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ وَ
هُوَ مَا يَدُلُّ عَلَى مَعْنَى فِي نَفْسِهَا مَقْتَرِنٌ بِأَحَدِ الْأَرْبَعَةِ الثَّلَاثَةِ الْفِعْلُ سَمِعَ بِهِ لَتَضَمَّنْهُ
الْفِعْلُ الْغَوِيُّ وَهُوَ الْمَصْدَرُ

ترجمہ: — اور اسم ہوئے مشتق ہے اور سمو بلندی کو کہا جاتا ہے۔ اس قسم کو اسم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں بھائیوں یعنی فعل و حرف پر بلند ہوتا ہے کیونکہ اس سے کلام تنہا مرکب ہوتا ہے اس کے دونوں بھائیوں سے نہیں اور بعض نحو یوں نے کہا کہ اسم، وسم سے مشتق ہے اور وسم علامت کو کہا جاتا ہے۔ اس قسم کو اسم کہنے کی وجہ یہ کہ وہ اپنے مسمیٰ پر علامت ہوتا ہے اور قسم (اول) جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہے، جو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہو (فعل ہے) اس قسم کا نام فعل اس لئے رکھا گیا کہ وہ فعل لغوی کو متضمن ہے اور فعل لغوی مصدر ہے۔

قولہ ہو ما خوڈ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ اسم مشتق ہے یا جاد اگر مشتق ہے تو اس کا مشتق نہ کون ہے؟ جواب یہ کہ اسم مشتق ہے لیکن اس کے مشتق نہ میں اختلاف ہے بصریوں کے نزدیک اسم سمو بکسرین و سکون میم سے مشتق ہے آخر سے واؤ حذف کر کے اس کے عوض شروع میں ہمزہ وصل لایا گیا، اسم ہوا۔ سمو کا معنی لغت میں بلندی ہے اور اسم کو چونکہ فعل و حرف پر بلندی و برتری حاصل ہے اس لئے اس کو اسم کہا جاتا ہے اور کو فیوں کے نزدیک اسم، وسم، بفتح واؤ و سکون سین سے ماخوذ ہے۔

آخر سے واؤ حذف کر کے شروع میں اس کے عوض ہمزہ وصل لایا گیا۔ اور وسم کا معنی لغت میں علامت ہے اور اسم چونکہ اپنے مسمیٰ کی علامت ہوتا ہے اس لئے اس کو اسم کہا جاتا ہے بصریوں اپنے مدعی پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسم کی جمع اسماء اور اس کی تصغیر سُمی آتی ہے پس اگر اس کی اصل وسم آتی تو جمع اُوسام اور تصغیر وسم آتی چاہئے مگر حالانکہ نہ یہ تصغیر آتی ہے اور نہ جمع! اور کو فین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسم کی اصل اگر سمو ہو تو کثرت تعطیل لازم آئے گی اس لئے کہ پہلے آخر کے حرف کو گرایا جاتا ہے اور اس کے بعد سین کو مبنی علی السکون کیا جاتا ہے پھر شروع میں ہمزہ وصل لایا جاتا ہے برخلاف اگر اس کی اصل وسم ہو تو اس میں صرف واؤ کو ہمزہ سے بدلایا جاتا

شارح نے کو فیوں کے مسلک کو قیل کلمہ تریض سے بیان کر کے اُس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ کلام عرب میں کوئی لفظ بھی ایسا دیکھا نہیں گیا ہے کہ اس کے شروع سے کسی حرف کو گر کر اس کے عوض ہمزہ وصل کو لایا گیا ہو اور اس لئے بھی کہ اسم کی طرح فعل و حرف بھی اپنے معنی پر علامت ہوتے ہیں خیال رہے کہ آخون سے مراد فعل و حرف ہیں۔ ان کو آخون سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح دو بھائی کے درمیان مماثلت و مناسبت ہوتی ہے کہ وہ ایک باپ سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح فعل و حرف بھی ایک کلمہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

قوله حیث یرکب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسم سو سے ماخوذ نہیں کیونکہ بعض افعال اور بعض حروف کو بھی اسم پر بلندی حاصل ہے مثلاً من موصولہ پر استنصر اور لیت بلند ہیں۔ اس لئے کہ من موصولہ دو حرفی ہیں اور استنصر چھ حرفی اور لیت تین حرفی ہیں۔ جواب یہ کہ بلندی سے حروف کی کثرت مراد نہیں بلکہ یہ ہے کہ اسم سے کلام تنہا مرکب ہوتا ہے لیکن تنہا فعل اور تنہا حرف سے نہیں اور نہ فعل و حرف دونوں سے مرکب ہوتا ہے کیونکہ کلام کے لئے مسند و مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ اور فعل صرف مسند ہوتا ہے لیکن مسند الیہ نہیں اور اسم دونوں ہوتا ہے جیسے الشمس مشرق میں۔

قوله یحییٰ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ فعل کو فعل کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ فعل کا لغوی معنی حدث ہے یعنی محنی مصدری ہونا یا کرنا ہے اور حدث فعل اصطلاحی کا جز ہے پس جو نام جز کا تھا وہی مجازاً از قبیل تسمیۃ الكل باسم الجزر کل کو دے دیا گیا۔

وقد علم بن لک ائی بوجه حصہ الکلمۃ فی الاقسام الثلاثۃ حد کل واحد منها ائی من تلك الاقسام

ترجمہ: — (اور بیشک اس سے) یعنی کلمہ کا تین قسموں میں حصہ کی دلیل سے (اُن میں سے) یعنی اقسام ثلاثہ میں سے (ہر ایک کی تعریف معلوم ہوگئی)۔

تشریح: — بیانہ وقد علم۔ قد علم کہا گیا قد عرف اس لئے نہیں کہ معرفت جزئیات و بسائط کے ادراک کو کہا جاتا ہے اور علم کلیات و مرکبات کے ادراک کو کہا جاتا ہے اسی وجہ سے اولیاء اللہ کو عارف باللہ

کہا جاتا ہے عالم باللہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ذہن و خارج دونوں اعتبار سے بسیط ہے اسی طرح واللہ اعلم کہا جاتا ہے واللہ اعرف نہیں کہ اللہ تعالیٰ مد رک کلیات ہے اگرچہ مد رک جزئیات بھی ہے لیکن کلی کا جزئیات پر انطباق کی تقدیر پر۔ اور اقسام ثلاثہ چونکہ کلیات یونہی مرکبات بھی ہیں کہ ان کی ترکیب جنس و فصل سے ہوتی ہے اس لئے قد علم کہا گیا اور بلکہ میں بار بار اس استعانت کے لئے ہے جو علم کے ساتھ متعلق ہے جیسے کتبہ بالقلم۔

قوله ائی بوجه الحصر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ذلک کا مشار الیہ لا تھا اُن تدل الیہ نہ جلتے اور ذلک مفرد مذکر لہذا اسم اشارہ، مشار الیہ کا مطابق نہ ہوا جواب یہ کہ مشار الیہ لا تھا اُن تدل الیہ نہیں بلکہ وجہ حصر ہے جو اس سے مستفاد ہے ظاہر ہے وجہ حصر مفرد مذکر ہے۔

قوله ائی من تلك الاقسام۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں منہا کی ضمیر مجرور کا مرجع اقسام ثلاثہ یعنی اسم و فعل و حرف ہیں لفظ اول و ثانی و ثالث نہیں اور اس میں من تبعیضہ ہے جو وہ اپنے مجرور سے مل کر واحد کی صفت واقع ہے اور واحد کی طرف کل کی اضافت لامیہ ہے جس طرح کل کی طرف حد کی اضافت لامیہ ہے۔

وقد علم بن لک ائی بوجه الحصر ان الحروف کلمۃ لا تدل علی معنی فی نفسها بل تحتاج الی انضمام کلمۃ آخری والفعل کلمۃ تدل علی معنی فی نفسها لکن مقتدر باحد الازمنۃ الثلاثۃ والاسم کلمۃ تدل علی معنی فی نفسها غیر مقتدر باحد الازمنۃ الثلاثۃ فالكلمۃ مشترکہ بین الاقسام الثلاثۃ والحرف ممتاز عن احویه بعد الاستقلال فی الدلالۃ والفعل ممتاز عن الحروف بالاستقلال وعن الاسماء بالاقتران والاسم ممتاز عن الحروف بالاستقلال وعن الفعل بعد الاستقلال وعن الاسماء بالاقتران فکل واحد من هذه المعانی جامع لا یزاد ما فی عن دخول غیرها فیہ ولیس المراد بالحد ههنا الا المعروف الجامع المانع ولکن در المصنف حیث اشار الی حد و وجہا فی ضمن دلیل الحصر ثمرتہ علیہا بقولہ وقد علم بن لک ثم صرح بها فیما بعد بناء علی تفاوت مراتب الطبائع

ترجمہ: — اور یہ اس لئے کہ دلیل حصر سے یہ معلوم ہوا کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت نہیں

کرتا جو اس کی ذات میں ہے بلکہ وہ دوسرے کلمہ کے ملنے کا محتاج ہوتا ہے اور فعل وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات میں ہے لیکن وہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے مقترن ہوتا ہے اور اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات میں ہے جو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے بھی مقترن نہیں ہوتا پس کلمہ اقسام ثلاثہ میں مشترک ہوا اور حرف دلالت میں مستقل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے دونوں نظیر یعنی اسم و فعل سے جدا ہو گیا۔ اور فعل مستقل ہونے کی وجہ سے حرف سے اور مقترن ہونے کی وجہ سے اسم سے جدا ہو گیا۔ اور اسم مستقل ہونے کی وجہ سے حرف سے اور تینوں زمانوں میں سے کسی سے مقترن نہ ہونے کی وجہ سے فعل سے جدا ہو گیا۔ پس ان اقسام ثلاثہ میں سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہو گئی جو اپنے افراد کو جامع ادا اس میں غیر کے داخل ہونے سے مانع ہے۔ اور یہاں پر حد سے مراد جامع و مانع تعریف ہی ہے اور اللہ تعالیٰ مصنف علیہ الرحمۃ کو نیک جزا دے کہ انھوں نے دلیل حصر کے ضمن میں اقسام ثلاثہ کی تعریفوں کی طرف اشارہ فرمایا پھر الہامیک قد علم ہذا کہ اس سے ان تعریفوں پر تنبیہ فرمائی پھر بعد میں طلبہ کی طبیعتوں کے مراتب کے مختلف ہونے کی لحاظ تعریفات کو صراحت بیان فرمایا۔

تشوہیح: قولہ ذلک لاثنتی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دلیل حصر سے اقسام ثلاثہ میں سے ہر ایک کی تعریف کیسے معلوم ہوتی؟ جواب یہ کہ جب یہ کہا گیا کہ کلمہ معنی فی نفسہا پر دال ہے یا نہیں اگر دال نہیں تو حرف ہے تو اس سے حرف کی تعریف معلوم ہو گئی کہ حرف وہ کلمہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دلالت نہیں کرتا بلکہ دوسرے کلمہ کے ملنے کا محتاج ہوتا ہے جیسے من وانی، بصرہ و کوفہ کے ساتھ ملنے کا محتاج ہیں اسی طرح جب کہا گیا کہ کلمہ جو معنی فی نفسہا پر دال ہے اگر تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن ہے یا نہیں اگر مقترن ہے تو فعل ہے اور اگر مقترن نہیں تو اسم ہے۔ تو اس سے فعل کی تعریف بھی معلوم ہو گئی کہ فعل وہ کلمہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دلالت کرتا ہے اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن ہوتا ہے جیسے ضرب و قتل معنی فی نفسہا پر دلالت کے ساتھ زمانہ ماضی پر دال ہیں اور اسم کی تعریف بھی معلوم ہو گئی کہ اسم وہ کلمہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دلالت کرتا ہے اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن نہیں ہوتا ہے جیسے زید و بکر وغیرہ معنی فی نفسہا پر دال ہیں فہم معنی کے وقت زمانہ سمجھ میں نہیں آتا پس کلمہ اقسام ثلاثہ کے درمیان مشترک ہوا۔ اور غیر مستقل ہونا حرف کا خاصہ ہے۔ اسم و فعل خارج ہو گئے اور مستقل و زمانہ سے مقترن ہونا فعل کا خاصہ ہے اول سے حرف اور دوم

سے اسم خارج ہو گیا اور مستقل و زمانہ سے غیر مقترن ہونا اسم کا خاصہ ہے اول سے حرف اور دوم سے فعل خارج ہو گیا۔ قولہ و لیس المراد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کلمہ کی بعض قسم تعریف عدوی سے مرکب ہے جیسے حرف کی تعریف میں الکلمۃ لاتدل علی معنی فی نفسہا عدوی ہے اور فعل کی تعریف میں الکلمۃ لا یقترن معنایا بأحد الأزمنة الثلاثہ عدوی ہے اور شئی عدوی کسی کی ذاتی و جزئی نہیں ہوتی اس لئے جو تعریف۔ عدوی سے مرکب ہو وہ حد نہیں ہو سکتی کیونکہ حد صرف ذاتیات سے مرکب ہوتی ہے اور ذاتیات شئی کی جنس و فصل ہیں جو وجودی ہیں۔ پس اسم و فعل و حرف میں سے ہر ایک کی تعریف کو حد کہنا درست نہ ہوا۔ جواب یہ کہ حد مناطہ کے نزدیک صرف ذاتیات سے مرکب ہوتی ہے لیکن یہاں اس سے مراد جامع و مانع تعریف ہے جو تعریف عدوی اور وجودی دونوں کو شامل ہے۔

قولہ و لیس المراد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مصنف نے دلیل حصر میں اسم و فعل و حرف میں سے ہر ایک کی تعریف کی طرف اشارہ فرمایا پھر قد علم سے اس پر تنبیہ فرمائی اس کے بعد ہر ایک کی تعریف کو صراحت بیان فرمایا۔ اس انداز بیان میں آخر کیا راز ہے؟ جواب یہ کہ طلبہ کے ذہن چونکہ متفاوت ہوتے ہیں کوئی ذکی ہوتے ہیں کوئی غبی اور کوئی متوسط اس لئے مصنف کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے اس کا پورا پورا خیال فرمایا۔ ذکی طالب علم دلیل حصر ہی سے ہر ایک کی تعریف جان لے گا اور جو متوسط ہے اس کو قد علم ہذا کہ تنبیہ کرنے پر دلیل حصر سے ہر ایک کی تعریف جان لے گا اور جو غبی ہے وہ نہ دلیل حصر سے جانے گا اور نہ قد علم ہذا کی تنبیہ سے اس لئے ہر قسم کی تعریف جدا جدا بیان فرمایا۔

خیال رہے کہ در لغت میں بحنی دودھ ہے کذا فی الصباح اور اس سے چونکہ کافی بھلائی و خیر حاصل ہوتی ہے اس لئے اہل عرب اس سے مجازاً اخیر مراد لیتے ہیں۔ اس لئے مدح میں وہ لوگ لیسہ دودہ کہتے ہیں کیونکہ وہ جب کسی چیز کو عظیم جان لیتے ہیں تو اس کو مولیٰ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اسی طرح وہ لوگ لادودہ کا معنی لاکثر خیر بیان کرتے ہیں۔

الکلام فی اللغۃ ما یتکلم بہ قلیلاً کان أو کثیراً و فی اصطلاح النحاة ما تفسر فی لفظ تفسر کلین
حقیقۃً أو حکماً

ترجمہ: — (کلام) لغت میں وہ لفظ ہے جس سے تکلم کیا جائے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور نحویوں کی اصطلاح میں کلام (وہ لفظ ہے جو مشتمل ہو) یعنی جو لفظ (دو کلموں کو) مشتمل ہو حقیقہً ہو یا حکماً۔

تشریح: — بیانہ الکلام۔ کلمہ کی تعریف اور اس کے اقسام ثلاثہ کے انحصار سے فارغ ہونے کے بعد اب کلام کی تعریف بیان کی جاتی ہے جو علم نحو کا دوسرا موضوع ہے۔ کلام سے پہلے واو عاطفہ کو لانا چاہئے تھا تاکہ اس کا کلمہ کے ساتھ ربط پیدا ہو جائے اور یہ ظاہر بھی ہو جائے کہ کلام بھی کلمہ کی طرح علم نحو کا موضوع ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ وہم ہے کہ کلمہ علم نحو کا موضوع بالاصالت ہے کیونکہ وہ معطوف علیہ واقع ہے اور کلام موضوع بالتبعية کیونکہ وہ معطوف واقع ہے حالانکہ دونوں موضوع بالاصالت ہیں۔

قولہ فی اللغة ما یکلم کلمہ اور کلام کے اصطلاحی معنی مختلف ہیں لیکن لغوی معنی دونوں کے ایک ہیں کیونکہ لغت میں کلام ہر وہ لفظ ہے جس کا تکلم کیا جاسکے خواہ وہ قلیل ہو جیسے نبی و ولی وغیرہ یا کثیر ہو جیسے رسول "شفیع" و جبت شفاعتی پس کلام لغوی عام ہوا اور کلام اصطلاحی خاص اس لئے کہ (۱) پہل پر کلام لغوی صادق آتا ہے لیکن کلام اصطلاحی نہیں (۲) جو لفظ نسبت کو شامل نہ ہو مثلاً کریم، رحیم وغیرہ پر کلام لغوی صادق آتا ہے کلام اصطلاحی نہیں (۳) جو لفظ نسبت اضافیہ یا توصیفیہ کو شامل ہو مثلاً رسول اللہ اور اللہ الرحمن پر کلام لغوی صادق آتا ہے لیکن اصطلاحی نہیں۔ ہر ایک کی وجہ کلام کے اصطلاحی معنی میں غور کرنے سے عیاں ہے۔

قولہ فی اصطلاح النحاة۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ یہ تعریف کلام باری تعالیٰ پر صادق نہیں آتی کیونکہ کلام باری تعالیٰ مابین الدفتین کو کہتے ہیں جو قلیل و کثیر سب پر بولا جاتا ہے خواہ وہ دو کلموں کو متضمن ہو یا متضمن نہ ہو، اس میں اسناد ہو یا اسناد نہ ہو جواب یہ کہ کلام باری تعالیٰ نحویوں کی اصطلاح میں کلام ہی نہیں البتہ وہ کلام اہل شرع کے نزدیک ہے جس طرح کلمہ توحید و کلمہ شہادت و کلمہ استغفار اہل شرع کے نزدیک کلمہ ہیں لیکن نحویوں کے نزدیک کلام نہیں لہذا ایک اصطلاح کا دوسرے اصطلاح میں داخل ہونا کوئی لازم نہیں آتا۔

قولہ ائی لفظ متضمن۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں ما سے مراد کیا ہے؟ اگر لفظ ہے تو کلام کی تعریف نعم پر بھی صادق آئے گی جو اقام زید کے جواب میں بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی دو کلموں ایک قام اور دوسرا زید کو متضمن ہے جبکہ نعم کلمہ ہے کلام نہیں اور اگر مراد شئی ہے تو تعریف اس کا غلط ہے صادق آئے گی جس پر زید قائم نہ ہو کیونکہ وہ بھی دو کلموں کو متضمن ہے حالانکہ وہ کلام نہیں اور اگر مراد کلمہ ہے تو جزر کا حل کل

پر لازم آئے گا۔ اس لئے کہ ما متضمن الواحد ہے اور حد محدود پر محمول ہوتی ہے اور محدود یہاں پر کلام ہے پس معنی ہوا الکلام کلمۃ متضمن یعنی کلام وہ کلمہ ہے اور کلمہ جزر ہے اور کلام کل لہذا کل پر جزر کا حل لازم آیا جو صراحتہً باطل ہے اور اگر ما سے مراد کلام ہے تو اخذ محدود فی الحد لازم آئے گا اس لئے کہ محدود کلام ہے اور حد بھی اگر کلام ہو تو کلام کا کلام ہونا لازم آئے گا نیز دور بھی لازم آئے گا کیونکہ محدود کی معرفت حد کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے تو کلام کی معرفت کلام کی معرفت پر موقوف ہوتی ہی دور ہے۔ جواب یہ کہ ما سے لفظ ہی مراد ہے اس لئے کہ متضمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام کل ہوا زرد و لون کلمے جزر ہوں اور نعم جو زید اور قائم کو متضمن ہے وہ اس طور پر نہیں کیونکہ یہ دونوں کلمے اس کے جزر نہیں البتہ اس کی تاویل و تفسیر میں اور نعم ان دونوں کے قائم مقام قولہ حقیقۃً أو حکماً۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ تعریف زید ابوہ قائم جیسے کلام پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہ دو کلموں کو متضمن نہیں۔ زید کلمہ تو ہے لیکن ابوہ قائم کلمہ نہیں جملہ ہے۔ جواب یہ کہ تعریف میں دو کلموں سے مراد عام ہے کہ دونوں حقیقہً ہوں یا ایک حقیقہً ہو اور دوسرا حکماً اور مثال مذکور میں زید حقیقہً کلمہ ہے اور ابوہ قائم حکماً کلمہ کیونکہ وہ قائم الالب کی تاویل میں ہے۔

لے
اِیْ یَکُوْنُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهَا فِی ضَمِّنٍ، فَالْمُتَضَمِّنُ اسْمٌ فاعِلٌ هُوَ الْمَجْمُوعُ وَالْمُتَضَمِّنُ اسْمٌ مفعولٌ کُلُّ
وَاحِدٍ مِنْ کَلِمَتَیْنِ فَلَا یَلِیْزُ اِتِّحَادُهُمَا بِالْاِسْنَادِ اِیْ تَضَمُّنًا حَاصِلًا بِسَبَبِ اِسْنَادِ اِحْدٰی
الکَلِمَتَیْنِ اِلٰی الْاُخْرٰی

ترجمہ: — یعنی دونوں کلموں میں سے ہر ایک اس کے ضمن میں ہو تو متضمن صیغہ اسم فاعل وہ مجموعہ اور متضمن صیغہ اسم مفعول دونوں کلموں میں سے ہر ایک ہے لہذا متضمن و متضمن کے درمیان اتحاد لازم نہ آیا (اسناد کے سبب) یعنی ایسا متضمن جو دو کلموں میں سے ایک دوسرے کی طرف اسناد کے سبب حاصل ہو۔

تشریح: — قولہ ائی یكون کل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کلام جبکہ وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو متضمن ہے اس سے متضمن (اسم فاعل) اور متضمن (اسم مفعول) کا اتحاد لازم آتا ہے مثلاً محمد عربی متضمن ہے اور یہی متضمن بھی حالانکہ وہ دونوں دو متغایر شئی ہیں جواب یہ کہ متضمن (اسم فاعل) وہ دو کلمے ہیں جو ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ہوں اور

متضمن (اسم مفعول) وہ دو کلمے ہیں جو بطور انفرادی ہیئت اجتماعیہ کے بغیر ہوں پس مثال مذکور میں محمد عربی کا مجموعہ متضمن (اسم فاعل) ہوا اور محمد اور عربی میں سے ہر ایک متضمن (اسم مفعول) ہوا لہذا دونوں میں کوئی اتحاد لازم نہ آیا۔ خیال رہے کہ واحد منہا میں ضمیر تثنیہ کا مرجع کلمتیں ہے اور فی ضمنہ میں ضمیر واحد کا مرجع کلام ہے اور فلا یلزم اتحاد ہما میں ضمیر تثنیہ کے مرجع متضمن (اسم فاعل) اور متضمن (اسم مفعول) ہیں۔

قولہ ای تضمننا حاصل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ نحو یوں کے نزدیک متن میں بالاسناد تضمن کا مفعول مطلق ہے حالانکہ اس پر مفعول مطلق کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ مفعول مطلق فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے بالاسناد تضمن کا مفعول مطلق ہے وہ تنہا نہیں بلکہ تضمننا موصوف محذوف کے ساتھ اور بالاسناد جو صفت ہے وہ اپنے متعلق حاصل کے اعتبار سے۔

قولہ بسبب الاسناد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کلام جس طرح دو کلموں کو متضمن ہے اسی طرح اسناد کو بھی متضمن ہے لہذا کلمہ کی طرح اسناد بھی کلام کا جز ہوا اور اسناد مفہوم و معنی ہے اور کلمہ لفظ لہذا کلام لفظ و غیر لفظ سے مرکب ہوا جس سے اس کا غیر لفظ ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ کہ اسناد کو جو کلام متضمن ہے جز ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ سبب ہونے کی حیثیت سے اور ظاہر ہے سبب سبب سے خارج ہوتا ہے جس طرح وقت جو وجوب صلوٰۃ کا سبب ہے وجوب صلوٰۃ سے خارج ہے اس بیان سے اس کا بھی رد ہو گیا جو مافیہ الاسناد سے کلام کی تعریف بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ کہ اس تعریف سے اسناد کا جز کلام ہونا لازم آتا ہے جو ممنوع ہے۔ خیال رہے کہ شرح میں اسناد کی اضافت احدى الکلمتین کی طرف سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ متن میں اسناد پر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

والاسناد نسبت احدى الکلمتین حقيقة أو حکماً الى الاخری بحیث تفید مخاطب فائد تامہ

ترجمہ: — اور اسناد کہتے ہیں ایک کلمہ کی نسبت کو دوسرے کلمہ کی طرف حقیقتہً یا حکماً اس طرح کرنے کو جو مخاطب کو پورا پورا فائدہ دے۔

تشریح: — قولہ والاسناد لغت میں اسناد کا معنی راہ نمودن ہے اور اصطلاح میں ایک کلمہ کی

نسبت دوسرے کلمہ کی طرف حقیقتہً یا حکماً اس طرح کرنے کو کہتے ہیں جو مخاطب کو فائدہ تامہ دے۔ فائدہ تامہ سے مراد یہ ہے کہ متکلم اگر خاموش ہو جائے تو سامع کو کوئی خبر یا طلب معلوم ہو جیسے النبی معصوم ہے نبی کے معصوم ہونے کی خبر اور اقیما الصلوٰۃ سے نماز کے قائم کرنے کی طلب معلوم ہوتی ہے۔ اس بیان سے اسناد اور نسبت کے درمیان فرق بھی معلوم ہو گیا کہ اسناد خاص ہے کیونکہ اس میں فائدہ تامہ ضروری ہے اور نسبت عام ہے کہ اس میں فائدہ تامہ ضروری نہیں۔ متن میں اگر بالاسناد کے بجائے بالاخبار کہا جائے یعنی ماتضمن کلمتین بالاخبار تو تعریف کلام انشائی پر صادق نہ آئے گی کیونکہ بالاخبار کلام خبری کے ساتھ خاص ہے برخلاف بالاسناد کہ وہ دونوں کو شامل ہے۔ سوال نسبت کی اضافت کلمہ کی طرف درست نہیں اس لئے کہ نسبت ثبوت و نفی کو کہا جاتا ہے اور دونوں ہی مدلول کی صفیں ہیں کلمہ کی نہیں کہ وہ دال ہے۔ جواب نسبت یہاں بمعنی ضم ہے اور یہ کلمہ کی صفت ہے یا عبارت میں مضاف الیہ محذوف ہے اصل میں یہ ہے نسبت مدلولی احدى الکلمتین کذا علی حاشیۃ عبد الغفور کلمہ اولی جس طرح حقیقتہً یا حکماً کہ ساتھ عام ہے اسی طرح کلمہ آخری بھی لیکن کلمہ آخری کی تعین کے ذکر کو کلمہ اولی کے بیان پر اکتفا کرنے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔

قولہ فائدہ تامہ۔ یعنی سکوت صحیح ہو سکے اور کسی دوسرے امر کا انتظار نہ ہو۔ اور دوسرے امر سے مراد مسند و مسند الیہ ہیں لہذا اس سے اس سوال کا بھی رد ہو گیا کہ مثلاً زید قائم کلام نہیں کہ وہ دوسرے امر جیسے فی الدار اور علی السقف وغیرہ کا محتاج ہے حاصل رد یہ کہ زید قائم کلام ہے کیونکہ اس میں مسند و مسند الیہ دونوں موجود ہیں اور انتظار جو باقی ہے وہ ان دونوں کے علاوہ کا جس کا کلام کے تحقق میں کوئی دخل نہیں۔ سوال استمار فوقنا اور الارض تحتنا جیسے مرکبات میں اسناد موجود ہے لیکن مخاطب کو فائدہ تامہ نہیں ہوتا کیونکہ آسمان کے فوق اور زمین کے تحت ہونے کا علم مخاطب کو پہلے ہی سے حاصل ہے اسی طرح وہ کلام بھی جس کو مخاطب کبھی سنا ہی نہ ہو اسی طرح صلہ کے مضمون کو مخاطب پہلے ہی سے جانتا ہے مثلاً جب اکرمت الذی علیک کہا جائے تو مخاطب کو سکھانے والے کا علم پہلے ہی سے حاصل ہے۔ جواب مقصد یہ ہے کہ فائدہ دینے کی صلاحیت ہو یعنی مخاطب کو اس سے فائدہ تامہ حاصل ہو یا اس پر سکوت صحیح ہو اور مذکورہ بالا مثالیں بھی اسی طرح ہیں کہ خارج سے قطع نظر ان سے بھی مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہوتا ہے۔

فَقَوْلُهُ مَا يَتَنَوَّلُ الْمَهْلَاتِ وَالْمَفْرَدَاتِ وَالْمُرَكَّبَاتِ الْكَلَامِيَّةَ وَغَيْرَ الْكَلَامِيَّةِ وَيَقِيدُ تَضَمُّنَ كَلِمَتَيْنِ خَرَجَتْ الْمَهْلَاتُ وَالْمَفْرَدَاتُ وَيَقِيدُ الْإِسْنَادُ خَرَجَتْ الْمُرَكَّبَاتُ الْغَيْرُ الْكَلَامِيَّةِ مِثْلُ غَلَامُ زَيْدٍ وَرَجُلٌ فَاضِلٌ وَيَقِيدُ الْمُرَكَّبَاتِ الْكَلَامِيَّةَ سَوَاءً كَانَتْ خَبَرِيَّةً مِثْلُ ضَرْبِ زَيْدٍ وَضَرْبِ هِنْدٍ قَائِمٌ أَوْ انْشَائِيَّةً مِثْلُ إِصْطَبٌ وَلَا تَضْرِبُ فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ أَحَدُهُمَا مَلْفُوظَةٌ وَالْأُخْرَى مَنْوِيَّةٌ وَبَيْنَهُمَا إِسْنَادٌ يَقِيدُ لِلْمَخَاطَبِ فَائِدَةٌ تَامَةٌ

ترجمہ: — پس مصنف کا قول ما مہلات و مفردات و مرکبات کلامیہ و غیر کلامیہ کو شامل ہے اور تَضَمَّنَ کلمتین کی قید سے مہلات و مفردات نکل گئے اور اسناد کی قید سے غلام زید اور رجل فاضل جیسے مرکبات غیر کلامیہ نکل گئے۔ باقی رہ گئے مرکبات کلامیہ عام ہے کہ وہ خبریہ ہوں جیسے ضرب زید و ضربت ہند و زید قائم یا انشائیہ جیسے اصطب و لا تضرب کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دو کلموں کو تَضَمَّنَ ہے جن میں سے ایک ملفوظ ہے اور دوسرا منوی اور بن دونوں کے درمیان ایک اسناد ہے جو مخاطب کو پورا پورا فائدہ دیتی ہے۔

تشریح: — قَوْلُهُ مَا۔ اس عبارت سے کلام کی تعریف حدی کی طرف اشارہ ہے کہ تعریف میں ما جس سے مراد لفظ ہے وہ بمنزلہ فصل بعد ہے جس سے مہلات و مفردات اور مرکبات کلامیہ و غیر کلامیہ سب کو شامل ہے۔ اور تَضَمَّنَ کلمتین بمنزلہ فصل بعد ہے جس سے مہلات و مفردات نکل گئے لیکن مہلات اس لئے کہ وہ کلمہ نہیں اور مفردات اس لئے کہ وہ کلمتین نہیں کیونکہ مفرد کا جز لفظ جز معنی پر دلالت نہیں کرتا اور کلمتین کا جز لفظ جز معنی پر دلالت کرتا ہے اور اسناد بمنزلہ فصل قریب ہے جس سے مرکبات غیر کلامیہ نکل گئے جیسے دین محمد اور الدین المستقیم کے اندر نسبت تو ہے لیکن نسبت تام یعنی اسناد نہیں کیونکہ ان سے مخاطب کو پورا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور وہ مصدر جو قائل کی طرف منسوب ہو اور اسم فاعل و اسم مفعول جن سے پہلے نہ حرف نفی ہو اور نہ حرف استفہام ہو اور صفت مشبہ و اسم تفضیل بھی اسناد کی قید سے نکل گئے کیونکہ ان کے اندر اسناد مذکور نہیں ہوتا۔ باقی رہ گئے مرکبات کلامیہ خواہ خبریہ ہوں جیسے ضرب زید و ضربت ہند و زید قائم یا انشائیہ جیسے اصطب و لا تضرب۔

واضح ہو کہ مرکب کی چھ قسمیں ہیں (۱) اضافی جیسے غلام زید (۲) توصیفی جیسے الصراط المستقیم (۳) امتزاجی جیسے بعلبک (۴) تعدادی جیسے خمسہ عشر (۵) صوتی جیسے نطقیہ۔ سیویہ (۶) اسنادی جیسے زید قائم مذکور

بالا پہلی پانچوں قسم مرکب ناقص ہیں اور صرف آخری ایک قسم اسنادی مرکب تام ہے جو کلام ہے اس کی دو قسمیں ہیں خبری و انشائی کا متر شالہا۔

قَوْلُهُ فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا اصطب اور لا تضرب میں سے ہر ایک کلام ہے لیکن دونوں میں سے کوئی دو کلموں کو تَضَمَّنَ نہیں اس لئے کہ اس میں دو کلمے نہ حقیقتہً ہوتے ہیں اور نہ حکماً پس کلام کی تعریف جامع نہ رہی۔ جواب یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک دو کلموں کو تَضَمَّنَ ہے ایک فعل اور دوسرا فاعل کو جو ضمیر مستتر ہے اور ضمیر مستتر حقیقتہً کلمہ ہے۔

قَوْلُهُ بَيْنَهُمَا إِسْنَادٌ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ لا تضرب میں ایک کلمہ ملفوظ اور دوسرا منوی نہیں بلکہ دونوں ملفوظ ہیں اس لئے کہ اس میں ایک کلمہ لاس ہے اور دوسرا تضرب ہے۔ جواب یہ کہ تعریف میں کلمتین سے مراد وہ دو کلمے ہیں جن کے درمیان اسناد ہو اور لا اور تضرب کے درمیان اسناد نہیں کیونکہ اسناد کے لئے ضروری ہے ایک کلمہ مسند الیہ ہو اور دوسرا مسند اور تضرب مسند ہونے کی صلاحیت تو رکھتا ہے لیکن لا نہیں کہ وہ حرف ہے جو نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ برخلاف ضمیر مستتر کہ وہ فاعل ہونے کی وجہ سے مسند الیہ واقع ہے۔ خیال رہے کہ اسناد کے بعد فقید الخطاب فائدہ تامہ کی قید صفت کاشفہ ہے جیسے الجسم الطویل العریض العین میں صفت محترکہ نہیں کہ محذور لازم آئے اس لئے کہ ہر اسناد مخاطب کو پورا پورا فائدہ دیتا ہے۔

وَحَيْثُ كَانَتْ الْكَلِمَتَانِ أَعْمَرَيْنِ أَنْ تَكُونَا كَلِمَتَيْنِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا دَخَلَ فِي التَّعْرِيفِ مِثْلُ زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ أَوْ قَامًا أَبُوهُ فَإِنَّ الْإِخْبَارَ فِيهَا مَعَ أَنَّهَا مَرَكَّبَاتٌ لَكِنَّهَا فِي حُكْمِ الْكَلِمَةِ الْمَفْرُودَةِ أَعْنَى قَائِمٌ الْأَبُ وَدَخَلَ فِيهِ أَيْضًا مِثْلُ جَسَنٌ مُهْمَلٌ وَدِينٌ مُقْلُوبٌ زَيْدٌ مَعَ أَنَّ الْمُسْنَدَ إِلَيْهِ فِيهِمَا مُهْمَلٌ لَيْسَ بِكَلِمَةٍ فَإِنَّهُ فِي حُكْمِ هَذَا اللَّفْظِ

ترجمہ: — اور جبکہ دونوں کلمے اس سے عام ہوتے کہ حقیقتہً ہوں یا حکماً تو زید ابوہ قائم یا قَام ابوہ یا قائم ابوہ جیسے جملے کلام کی تعریف میں داخل ہو گئے اس لئے کہ ان جملوں میں اخبار باوجودیکہ مرکبات ہیں لیکن کلمہ مفردہ یعنی قائم الأب کے حکم میں ہیں نیز کلام کی تعریف میں جسق مہمل اور دین مقلوب زید جیسے جملے بھی داخل ہو گئے

باوجود کہ دونوں میں مسند الیہ مہل ہے کلمہ نہیں۔ وجہ داخل ہونے کی یہ ہے کہ وہ ہذا اللفظ کے حکم میں ہے۔
 تشریح: — قولہ حیث کانت۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کلام کی تعریف مثلاً زید ابوہ قائم اور زید قائم
 ابوہ اور زید قائم ابوہ پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان میں سے ہر ایک چار کلموں کو متضمن ہے دو کلموں کو نہیں۔
 جواب یہ کہ مذکورہ مثالوں کے اخبار ابوہ قائم اور قائم ابوہ اور قائم ابوہ اگرچہ مرکبات ہیں لیکن کلمہ مفردہ یعنی
 قائم الالب کے حکم میں ہیں اور یہ ابھی گزرا کہ تعریف میں کلمتین سے مراد عام ہے کہ دونوں کلمے حقیقہ ہوں یا ایک
 حقیقہ ہو اور دوسرا حکماً اور یہاں پر مبتدا کلمہ واحدہ حقیقہ ہے اور خبر کلمہ واحدہ حکماً ہے۔ دوسرا جواب یہ بھی
 ممکن ہے کہ تعریف میں دو کلموں کا ذکر اقل درجہ کو بیان کرنے کے لئے ہے یعنی اس امر کے لئے کہ تحقق کلام کیلئے
 کم از کم دو کلموں کا ہونا ضروری ہے اور اگر دو کلموں سے زائد ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اور تیسرا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ
 کلمتین سے مراد یہ ہے کہ جو ہذا اور ذاک سے تعبیر کیا جاسکے اور مذکورہ مثالوں کی خبریں بھی ایسے ہی ہیں کہ ہر ایک
 ذاک سے تعبیر کی جاتی ہے۔ خیال رہے کہ قائم الالب بھی اگرچہ مرکب ہے لیکن خبر مضاف ومضاف الیہ کا مجموعہ نہیں
 بلکہ صرف مضاف ہے اور وہ مفرد ہے۔ اور تین مثالیں جو بیان کی گئیں ان میں سے پہلی وہ ہے جس کی خبر جملہ
 اسیم ہے دوسری وہ ہے جس کی خبر جملہ فعلیہ ہے تیسری وہ ہے جس کی خبر شبہ جملہ ہے۔

قولہ دخل فیہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کلام کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ
 جسٹ مہل اور دیر مقلوب زید کلام ہیں لیکن اس پر تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ پہلی دوسری مثال کا پہلا جز مہل
 ہے اور مہل کلمہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ لفظ غیر موضوع کو کہتے ہیں۔ جواب یہ کہ جسٹ مہل موول ہے اس سے مراد ہذا
 اللفظ مہل ہے یونہی دیر مقلوب زید بھی موول ہے جس سے مراد ہذا اللفظ مقلوب زید ہے۔ سوال جسٹ اور دیر
 جب مہل ہیں تو ان پر تنوین کیوں آتی ہے اس لئے کہ تنوین اسم کے ساتھ خاص ہے اور اسم از قسم کلمہ ہوتا ہے مہل
 نہیں۔ جواب جسٹ اور دیر چونکہ ہذا اللفظ کی تاویل میں ہیں اس لئے وہ حکماً لفظ ہوئے اسی بنا پر ان پر تنوین آتی
 ہے۔ اور اس لئے بھی کہ دخول تنوین اسم کے خاصہ شاملہ سے ہے جو فعل اور حرف کی نسبت ہے یعنی تنوین فعل اور
 حرف پر داخل نہ ہوگی البتہ موضوع کے علاوہ مہل پر بھی داخل ہو سکتی ہے۔ سوال جسٹ اور دیر ہذا اللفظ کی تاویل
 میں کیوں کی جاتی ہیں۔ جواب لفظ کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ لفظ بولتے ہیں اور اس سے اس کے علاوہ کوئی
 دوسری چیز مراد لیتے ہیں جیسے العلم نور میں علم سے لفظ علم مراد نہیں بلکہ اس کا معنی مراد ہے دوسری یہ کہ لفظ سے

وہی لفظ مراد ہو۔ میں کوئی دوسری چیز نہیں جیسے العلم اسم میں علم سے اس کا معنی نہیں بلکہ خود وہ لفظ مراد لیتے
 ہیں کہ جس کا پہلا حرف عین مکسور ہے اور دوسرا حرف لام ساکن ہے اور تیسرا حرف میم ہے تیسری یہ کہ لفظ بول کر
 اس سے نہ وہ لفظ مراد لیتے ہیں اور نہ کوئی دوسری چیز جیسے الحجر جسٹ یا جسٹ حجر میں جسٹ سے نہ اس کا معنی مراد
 ہے اور نہ وہ لفظ کہ جس کا پہلا حرف جیم ہے اور دوسرا سین اور تیسرا قاف ہے۔ پہلی صورت میں علم سے اس کا معنی
 مراد ہے اس لئے وہ موول نہیں اور دوسری صورت میں علم سے اس کا معنی مراد نہیں بلکہ خود وہ لفظ مراد ہے اس لئے
 علم موول ہے اور مراد یہ ہے ہذا اللفظ اسم یعنی یہ لفظ اسم ہے کہ جس کا پہلا حرف عین مکسور ہے اور دوسرا حرف لام
 ساکن ہے اور تیسرا حرف میم ہے۔ لیکن تیسری صورت میں جسٹ سے کوئی چیز مراد نہیں ہے اور نہ وہ لفظ ہی مراد ہے
 اس لئے جسٹ موول نہیں ہے اور یہاں یہی دوسری صورت ہے کہ جب ہم جسٹ مہل بولتے ہیں تو جسٹ سے کوئی دوسری
 چیز مراد نہیں لیتے بلکہ وہی لفظ مراد لیتے ہیں کہ جس کا پہلا حرف جیم مفتوح ہے اور دوسرا حرف سین اور تیسرا حرف قاف
 ہے اسی طرح دیر مقلوب زید میں دیر سے وہی لفظ مراد لیتے ہیں کہ جس کا پہلا حرف دال مفتوح ہے اور دوسرا
 حرف یار ساکن اور تیسرا حرف زے ہے اس لئے جسٹ اور دیر کی تاویل ہذا اللفظ سے کی جاتی ہے۔

اعلم ان کلام المصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ ظاہر فی ان خصوصیت زید اقاباً بمجموعہ کلام مختلف
 کلام صاحب المفصل حیث قال الکلام هو المرکب من کلمتین اسندت احدھما الى الآخر فی فائدۃ
 صریح فی ان الکلام هو ضربت والمتعلقات خاصاً راجعۃ عنہ

ترجمہ: — معلوم کیجئے کہ مصنف علیہ الرحمہ کا کلام اس امر میں ظاہر ہے کہ ضربت زید قائماً کا مجموعہ
 کلام ہے۔ صاحب مفصل کا کلام اس کے برخلاف ہے کیونکہ انہوں نے کلام کی تعریف بیان کی ہے ان کلام ہو
 المرکب من کلمتین اسندت احدھما الى الآخر فی۔ اس لئے کہ یہ تعریف اس امر میں ظاہر ہے کہ کلام صرف
 ضربت ہے اور متعلقات اس سے خارج ہیں۔

تشریح: — قولہ اعلم ان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ضربت زید قائماً کلام ہے لیکن اس پر
 تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں چار کلمے ہیں۔ جواب یہ کہ مصنف نے جو کلام کی تعریف فرمایا ہے اس کی
 ظاہر عبارت سے ضربت زید قائماً کا مجموعہ کلام ہے کیونکہ انہوں نے تعریف میں فقط کی قید بیان کر کے یہ

نہیں کہا کہ کلام وہ لفظ ہے جو صرف دو کلموں کو متضمن ہو بخلاف صاحب مفصل کہ انہوں نے بھی اگرچہ فقط کی قید کو بیان نہیں کیا ہے لیکن تعریف کے الفاظ صراحتاً اس امر پر دلالت ہیں کہ کلام صرف ضربت ہے متعلقات اس سے خارج ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے تعریف معرف باللام سے بیان کیا ہے اس کے علاوہ ضمیر فصل بھی لایا ہے جس سے یہ مستفاد ہے کہ مستدالیہ کا حصر مند میں ہے یعنی کلام وہی لفظ ہے جو دو کلموں سے مرکب ہو۔

قولہ بخلاف کلام۔ صاحب مفصل اور مصنف کے درمیان اختلاف ظاہر عبارت کے اعتبار سے ہے لیکن اگر ظاہر عبارت سے قطع نظر کیا جائے تو کوئی اختلاف نہیں کیونکہ مصنف نے تعریف میں تضمن کو اسناد کیساتھ مقید کیا ہے اور جس تضمن کا سبب اسناد ہو وہ تضمن لامحالہ صرف دو کلموں کا ہوگا تین یا اس سے زائد کلموں کا نہیں چنانچہ ضربت زیادہ قائم ہو چار کلموں کو متضمن ہے سب کے متضمن ہونے کا سبب اسناد نہیں بلکہ دو کلموں کا اسناد ہے اور بقیہ کا نسبت ایقاعہ وغیرہ ہے یا یہ ممکن ہو کہ مصنف کی تعریف میں کلمتین کے بعد فقط ملحوظ ہے یا صاحب مفصل کی تعریف میں کلمتین سے مراد عام ہے کہ دونوں کلمے حقیقہ ہوں یا حکماً۔ لہذا دونوں کے تعریف کا مقتضی ایک ہوا جس سے کوئی اختلاف نہ رہا۔

ثُمَّ اعْلَمَ أَنَّ صَاحِبَ الْمُفَصَّلِ وَصَاحِبَ اللَّبَابِ ذَهَبَا إِلَى تَرَادُفِ الْكَلَامِ وَالْجُمْلَةِ وَكَلَامُ الْمُصَنِّفِ أَيْضًا يَنْظُرُ إِلَى ذَلِكَ فَإِنَّهُ قَدْ أَكْفَى فِي تَعْرِيفِ الْكَلَامِ بَذْكَرِ الْأَسْنَادِ مُطْلَقًا وَلَمْ يَقْتِدِ كَوْنُهُ مَقْصُودًا لِذَاتِهِ وَمَنْ جَعَلَ أَخْصَصَ مِنَ الْجُمْلَةِ قَيْدًا لَهُ فِي حَيْثُ يُصَدَّقُ مِنَ الْجُمْلَةِ عَلَى الْجُمْلَةِ الْخَبَرِيَّةِ الْوَاقِعَةِ أَخْبَارًا أَوْ مَصَافٍ بِخِلَافِ الْكَلَامِ وَفِي بَعْضِ الْحَوَاشِي أَنَّ لِلرَّادِّ بِالْأَسْنَادِ هُوَ الْأَسْنَادُ الْمَقْصُودُ لِذَاتِهِ وَحَيْثُ يَكُونُ الْكَلَامُ عِنْدَ الْمُصَنِّفِ أَيْضًا أَخْصَصَ مِنَ الْجُمْلَةِ

ترجمہ: — یہ معلوم کیجئے کہ صاحب مفصل اور صاحب لباب کلام و جملہ کے مترادف ہونے کی طرف گئے ہیں اور مصنف کا کلام بھی اس طرف ناظر ہے کیونکہ انہوں نے کلام کی تعریف میں مطلقاً اسناد کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور اسناد کو مقصود لذاتہ کیساتھ مقید نہیں فرمایا۔ اور جنہوں نے کلام کو جملہ کیساتھ خاص کیا ہے انہوں نے اسناد کو مقصود لذاتہ کیساتھ مقید کیا ہے پس اس وقت جملہ ان تمام جملے خبریہ پر صادق ہوگا جو اخبار و اوصاف واقع ہیں کلام کے بخلاف اور بعض حواشی میں ہے کہ اسناد سے مراد مقصود لذاتہ ہی ہے پس اس وقت کلام مصنف

کے نزدیک بھی جملہ سے خاص ہوگا۔

تشریح: — قولہ ثُمَّ اعْلَمَ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اگر مبنی رجل ابوہ عالم میں ابوہ عالم پر تعریف صادق آتی ہے حالانکہ وہ کلام نہیں بلکہ جملہ ہے جواب یہ کہ صاحب مفصل اور صاحب لباب کے نزدیک جملہ و کلام باہم مترادف ہیں اور مصنف کا کلام بھی اسی طرف ناظر ہے پس اس تقدیر پر مثال مذکور میں ابوہ عالم پر اگر کلام کی تعریف صادق آجائے تو کوئی حرج نہیں البتہ بعض نحوی مثلاً صاحب تسہیل کے نزدیک جملہ و کلام کے درمیان فرق ہے کلام خاص ہے اور جملہ عام کیونکہ انہوں نے کلام اس لفظ کو کہا ہے جو دو کلموں کو ایسے اسناد کیساتھ متضمن ہو جو مقصود لذاتہ ہو اور جملہ اس لفظ کو کہا ہے جو دو کلموں کو مطلق اسناد کے ساتھ متضمن ہو خواہ وہ اسناد مقصود لذاتہ ہو یا غیرہ پس اگر مبنی رجل بالاتفاق جملہ ہے اور کلام بھی لیکن ابوہ عالم جملہ سے کلام نہیں اس لئے کہ متکلم کا مقصود مرد کے اکرام کی خبر دینا ہے اس کے باپ کے عالم ہونے کی نہیں۔ اور ابوہ عالم سے مرد کا تعارف بیان کرنا ہے اس کی خبر دینا نہیں۔

خیال رہے کہ نحو یوں کے نزدیک کلام شرط و جزاء میں سے صرف جزا ہے شرط نہیں اور نہ ہی دونوں کا مجموعہ اس لئے کہ شرط، جزا کی قید ہے کیونکہ ان دخلت الدائر فانت طالق کا معنی انت طالق وقتے دخول الدائر ہے اور شرط و جزا کا مجموعہ اگر کلام ہو تو دونوں کے درمیان اسناد کا ہونا لازم ہوگا شرط مستدالیہ ہوگا اور جزا مستدالیہ ہے وہ یہاں درست نہیں۔

قولہ مقصود لذاتہ۔ اسناد مقصود لذاتہ وہ ہے جس سے اصل مقصود کی خبر دی جائے اور اسناد غیر مقصود لذاتہ وہ ہے جس سے کسی کا تعارف بیان کیا جائے جیسے جارئی رجل ابوہ قائم سے متکلم کا اصل مقصود مرد کے آنے کی خبر دینا ہے نہ کہ اُس کے باپ کے کھڑے ہونے کی۔ ابوہ قائم کا ذکر مرد کے تعارف کے لئے کیا گیا ہے تاکہ مخاطب کو یہ معلوم ہو جائے کہ آنیوالا مرد کون ہے۔ پس جارئی اسناد رجل کی طرف اسناد مقصود لذاتہ ہے اور قائم کی اسناد ابوہ کی طرف اسناد غیر مقصود لذاتہ ہے۔

قولہ الجمل الخبریۃ۔ جمل جمع ہے جملہ کی اور خبریہ اُسی جمل کی صفت ہے اور اخبار و اوصاف الواقعہ سے تیز واقع ہیں اور الواقعہ اپنی تیز سے ملکہ جمل کی صفت ثانیہ ہے پس معنی ہوا کہ جملہ ان تمام جملے خبریہ پر صادق آئے گا جو کسی اسم کی اخبار یا اوصاف واقع ہیں جیسے مثال مذکور میں ابوہ قائم رجل کی صفت ہے اور زید ابوہ قائم میں ابوہ قائم خبریہ زید کی اور خبریہ جمل کی صفت محترکہ ہے اس لئے جملہ النشانیہ خارج ہے کیونکہ کسی اسم کی خبر یا صفت بنفسہا نہیں بلکہ بتاویل ہوتا ہے جیسے زید اضر بک زید مقول فی حقہ امر بک

فی تاویل میں ہے۔

قولہ فی بعض الحواشی۔ بعض حواشی شرح ہندی کو کہتے ہیں اس میں کلام کی تعریف میں اسناد کو اسناد مقصود لذاتہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یہی مراد مصنف کے کلام میں بھی ممکن ہے کہ اسناد پر الف لام عہد فارسی کا ہے جس سے اسناد مقصود لذاتہ مراد ہے پس اس تقدیر پر کلام خاص ہوگا اور جملہ عام لیکن تحقیق اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس کتاب میں اقسام جملہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں اقسام کلام کے نہیں پس اگر دونوں مترادف ہوں تو اقسام کلام کے احوال تمامہ معلوم نہ ہو سکیں گے اور کلام کی طرح جملہ کی تعریف بھی بیان کرنا لازم ہوگا اس لئے تفسیر اول ہی زیادہ مناسب ہے۔ شرح ہندی کو بعض حواشی سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ نحو سے حضرات پہلے بیان کا فہم کے خاشیہ پر بکثرت شرح مذکور کی عبارت کو نکھا کرتے تھے۔

ولا یتأتی ای لا یحصل ذلك ای الکلام الا فی ضمن اسئین احدهما سند والاخر مسند الیه
اؤ فی ضمن اسم مسند الیه وفعل مسند وفی بعض النسخ اؤ فی فعل واسم

ترجمہ: (اور وہ) یعنی کلام (نہیں آئیگا) یعنی حاصل نہ ہوگا (مگر دو اسموں) کے ضمن (میں) جن میں سے ایک مسند ہوا اور دوسرا مسند الیہ (یا ایک اسم) مسند الیہ (اور ایک فعل) مسند کے ضمن (میں) کا فہم کے بعض نسخوں میں اؤ فی فعل واسم ہے۔

تشریح: — بیانہ لایتأتی۔ مضمین کا یہ دستور رہا ہے کہ شئی کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم بیان کرتے ہیں اس لئے یہاں بھی کلام کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم بیان کی جاتی ہے جس طرح کلمہ کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم بیان کی گئی ہے پھر دلیل حصر جس سے اقسام کے درمیان مصر معلوم ہوتا ہے یہاں تقسیم کو حصر کیساتھ بیان کیا ہے لیکن اس کے بعد دلیل حصر کو اس لئے بیان نہیں کیا کہ یہ دعویٰ بدیہی فطری ہے۔ کلام کے تصور کے لئے چونکہ اسناد کا تصور لازم ہے اس لئے اس سے یہ قیاس مرتب ہوتا ہے کہ کلام مضمین علی الاسناد وکل مضمین علی الاسناد مضمین فی القسین فکل لا یحصل فی القسین جس کا حاصل یہ کہ کلام صرف دو ہی اسم کے ضمن میں حاصل ہوگا جن میں سے ایک مسند ہوگا اور دوسرا مسند الیہ جیسے محمد کریم یا کلام صرف ایک اسم اور ایک فعل کے ضمن میں حاصل ہوگا جن میں سے اسم مسند الیہ ہوگا اور فعل مسند جیسے اللہ یدر فی لمن یشاء۔

قولہ ای لا یحصل۔ یہ جواب اس سوال کا کہ یتأتی فعل مضارع ہے جس کا مصدر تاتی بروزن

نہی وترجمی باب تفعیل کا مصدر ہے تاتی ماخوذ ہے اتیان سے اور اتیان کا معنی ہے آنا اور یہاں آئینی نسبت کلام کی طرف کی گئی ہے جو درست نہیں اس لئے کہ آنا ذی روح کیساتھ خاص ہے اور ظاہر ہے کلام غیر ذی روح ہے نیز آنے سے پہلے چونکہ آنوالے کا وجود جس طرح جانے سے پہلے جانوالے کا وجود ضروری ہوتا ہے اس لئے کلام کا وجود دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل میں آنے سے پہلے ضروری ہونا چاہیے حالانکہ مقسم کا وجود اقسام کے وجود کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جواب یہ کہ باب تفعیل کی ایک خاصیت ابتداء بھی ہے لہذا تاتی کا معنی آنا نہیں بلکہ حصول ہے اور لایتأتی کا معنی لا یحصل ہے۔

قولہ آئی الکلام۔ اس تقدیر عبارت سے یہ نتیجہ مقصود ہے کہ ذلک کا اشارہ الیہ کلام ہے اسناد

و تضمین نہیں اس لئے کہ عبارت میں سب سے زیادہ قریب اسناد ہے اور اس سے کچھ بعید تضمین ہے اور سب سے بعید تر کلام ہے اس لئے یہاں کلام کو اشارہ الیہ قرار دینا مقتضائے اسم اشارہ کے زیادہ موافق ہے کہ وہ اشارہ بعید کے لئے آتا ہے اور اس لئے بھی کہ کلمہ کی تعریف کے بعد جس طرح اس کی تقسیم بیان کی گئی اسی طرح کلام کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم بھی یہاں مقصود ہے۔ اشارہ الیہ اگر اسناد یا تضمین کو قرار دیا جائے جب بھی کلام کی تقسیم ہو جاتی ہے لیکن بالواسطہ اور یہاں اس کی تقسیم بلا واسطہ مقصود ہے۔ سوال لایتأتی کی ضمیر فاعل کا مرجع کلام ہے جس سے کلام کی تقسیم عیاں ہے اب اس کے بعد اسم اشارہ کا ذکر فضول ہے۔ جواب ضمیر کا مرجع اقرب ہوتا ہے اور یہاں اقرب اسناد ہے لہذا اس سے کلام کی تقسیم عیاں نہ ہوگی اس لئے اسم اشارہ سے اس کی تقسیم کو عیاں کیا گیا اور یہ وہم بھی زائل کیا گیا کہ کلمہ کی طرح کلام علم نحو کا مستقل موضوع نہیں کیونکہ کلام کا وجود کلمہ کے وجود سے ہوتا ہے وہ اس طرح زائل ہوتا ہے کہ ذلک اسم اشارہ بعید کے لئے ہے جو عظمت پر دلالت کرتا ہے کہ کلام بھی کلمہ کی طرح علم نحو کا مستقل موضوع ہے کما قالہ المولوی تعالیٰ ذلک الکتاب لا یرید فیہ۔

بیانہ الآئی۔ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے جس کا مستثنیٰ نہ فی احدث ترکیب ہے جو عبارت میں محذوف ہے معنی یہ ہے کہ کلام کسی ترکیب میں حاصل نہ ہوگا مگر ان ہی دونوں ترکیبوں میں یعنی دو اسموں میں یا ایک اسم اور ایک فعل میں لیکن یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس عبارت کے مطابق کلام مظهر و مفعول ہوا اور دو اسموں کا مجموعہ مظهر جو یہ بھی کلام ہے لہذا ظرف و مفعول میں اتحاد لازم آیا اسی طرح اسم و فعل کا مجموعہ بھی مظهر ہے جو یہ بھی کلام ہے اس کو ظرفیۃ الشئی لنفسہ کہتے ہیں جو محال ہے۔ جواب یہ کہ دو اسموں کا مجموعہ کلام نہیں بلکہ کلام کا

ایک فرد ہے اسی طرح ایک اسم اور ایک فعل کا مجموعہ کلام کا دوسرا فرد ہے لہذا کلام دو اسموں کے مجموعہ یا ایک اسم اور ایک فعل کے مجموعہ میں حاصل ہوگا تو ظرفیۃ الحبسۃ للکلی لازم آئیگی ظرفیۃ الحبسۃ لنفسہ نہیں اور وہ جائز ہے اس لئے کہ جزئی اور کلی دونوں ایک دوسرے متغائر ہیں۔

قوله احمد هما مسند - یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ کلام دو اسموں سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ و اسموں کو متضمن ہے لیکن کلام نہیں اسی طرح رزق بھی کلام نہیں حالانکہ وہ ایک اسم اور ایک فعل کو متضمن ہے۔ جواب یہ کہ دو اسم سے یہاں وہ مراد ہیں کہ جن میں سے ایک مسند ہو اور دوسرا مسند الیہ اسی طرح اسم و فعل سے وہ مراد ہیں کہ اسم مسند الیہ ہو اور فعل مسند یعنی فعل اسم کی طرف مسند ہو جیسے اللہ عز وجل واللہ یرزق من یشاء۔

قوله فی بعض النسخ - کلام کی دو قسمیں بیان کی گئیں ایک جملہ اسمیہ اور دوسرا جملہ فعلیہ۔ جملہ اسمیہ وہ ہے جس کا جز اول اسم ہو جیسے المثلک لأمصباح لیکن جملہ فعلیہ وہ ہے جس کا جز اول فعل ہو جیسے اذا جاء نصر اللہ اس لئے کافیہ کے بعض نسخوں میں اس قسم کے بیان میں فعل کو اسم پر مقدم کیا گیا کیونکہ مقام فعل کی تقدیم کو مقتضی ہے چنانچہ مشہور مقولہ ہے لكل مقام مقالہ ولكل مقالہ مقام یعنی ہر مقام کے لئے مخصوص گفتگو ہے اور ہر گفتگو کے لئے مخصوص مقام ہے اس لئے مقام حمد میں حمد کو اسم جلالہ پر مقدم کیا جاتا ہے حالانکہ اسم جلالہ ذات پر دال ہے اور ذات طبعاً مقدم ہوتی ہے لیکن کافیہ کے اکثر نسخوں میں یہ لحاظ نہ رکھ کر جز اشرف کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جملہ فعلیہ میں جز اشرف اسم ہے۔

فإن التركيب الثنائي العقلي بين الأقسام الثلاثة يرتقي إلى ستة أقسام ثلاثة منها من جنس واحد اسم واسم وفعل وفعل وحرف وحرف وثلاثة منها من جنسین اسم وفعل واسم وحرف وفعل وحرف ومن البين أن الكلام لا يحصل بحدوث الإسناد والاسناد لا بد له من مسند ومسند الیه وهما لا يتحققان إلا في اسمين أو اسم وفعل وأما الأقسام الأربعة الباقية ففي الحرف والحرف كلاهما مفقودان وفي الفعل والفعل وفي الفعل والحرف المسند الیه مفقود وفي الاسم والحرف أحد هما مفقود فإن الاسم إن كان مسنداً فالمسند الیه مفقود وإن كان مسنداً الیه فالمسند مفقود ونحو بيان زيد بتقدير ادعوا زيداً فلم يكن من تركيب الحرف والاسم بل من تركيب الفعل والاسم الذي

هو المنوي في ادعوا وهو أنا

ترجمہ: — کلام کے ان ہما دونوں قسموں میں انحصار کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب ثنائی عقلی جو اقسام ثلاثہ کے درمیان ہے چھ قسموں تک ترقی کرتی ہے۔ تین تو ان میں سے ایک جنس سے ہیں اسم و اسم فعل و فعل حرف و حرف اور تین ان میں سے دو جنس سے اسم و فعل، اسم و حرف، فعل و حرف اور ظاہر ہے کلام اسناد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اور اسناد کے لئے مسند و مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے اور مسند و مسند الیہ صرف دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل میں متحقق ہوتے ہیں لیکن باقی چار قسمیں تو حرف و حرف میں دونوں مفقود ہیں اور فعل و فعل اور فعل و حرف میں مسند الیہ مفقود ہے اور اسم و حرف میں ان میں سے ایک مفقود ہے کیونکہ اسم اگر مسند ہے تو مسند الیہ مفقود ہے اور اگر اسم مسند الیہ ہے تو مسند مفقود ہے اور یا زید کی مثل ادعوا زیداً کی تقدیر پر ہے پس وہ حرف و اسم کی ترکیب سے نہیں بلکہ فعل اور اس اسم کی ترکیب سے جو ادعوا میں ستر ضمیر آتا ہے۔

تشریح: — قوله فان التركيب - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کلام حرف ان ہی دو قسموں یعنی دو اسموں اور ایک اسم اور ایک فعل میں کیوں منحصر ہے؟ جواب یہ کہ کلام دو کلموں کو متضمن ہے اور ہر ایک کلمہ تین تین قسموں پر مشتمل ہے پس جب ان تین قسموں کو دو سے ضرب دیا جائے تو چھ قسمیں نکل آئیں گی تین تو متفق الحبس ہوں گی جیسے دو اسم یا دو فعل یا دو حرف اور تین مختلف الحبس ہوں گی جیسے ایک اسم اور ایک فعل یا ایک اسم اور ایک حرف یا ایک فعل اور ایک حرف ان چھ قسموں میں سے چار قسمیں ساقط ہو جائیں گی اور صرف دو ہی قسموں میں کلام پایا جائیگا اس لئے کہ کلام کے لئے اسناد ضروری ہے اور اسناد کے لئے مسند و مسند الیہ ضروری ہیں اور ایک ساتھ مسند و مسند الیہ صرف دو اسموں اور ایک اسم اور ایک فعل میں پائے جاتے ہیں اس لئے کہ حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ اور فعل مسند ہوتا ہے لیکن مسند الیہ نہیں پس ہر کلام کے لئے ایک اسم کا ہونا ضروری ہے جو مسند الیہ ہو سکے اس کے علاوہ ایک اسم یا ایک فعل کا ہونا بھی ضروری ہے جو مسند ہو سکے لہذا کلام دو حرفوں سے نہ بنے گا کیونکہ اس میں مسند و مسند الیہ دونوں مفقود ہیں اسی طرح دو فعل سے بھی نہ بنے گا کیونکہ اس میں مسند تو ہے لیکن مسند الیہ نہیں ہونہی ایک اسم اور ایک حرف یا ایک فعل اور ایک حرف سے بھی نہ بنے گا کیونکہ اوّل میں مسند الیہ تو ہے لیکن مسند نہیں اور دوم میں مسند تو ہے لیکن مسند الیہ نہیں۔

قوله مخو یا من یئد۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ کلام ایک اسم اور ایک حرف سے مرکب ہوتا ہے مثلاً یا زید یا غوث یا خواجہ کلام ہیں لیکن ایک اسم اور ایک حرف سے مرکب ہیں۔ جواب یہ کہ یا حرف ندا اور فعل کے قائم مقام ہے اور ادعویٰ ضمیر مستتر فاعل ہے لہذا یا تنہا کلام کے قائم مقام ہوا لیکن حرف ندا چونکہ منادی کے بغیر مستعمل نہیں ہوتا اس لئے اس کے بعد منادی لفظاً یا تقدیراً مذکور ہوتا ہے سوال یا زید جملہ انشائیہ ہے اور ادعویٰ جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ جملہ خبریہ کے قائم مقام نہیں ہوتا۔ جواب ادعویٰ جملہ خبریہ کو پہلے جملہ انشائیہ مان لیا گیا پھر یا زید کو اس کے قائم مقام مانا گیا ہے اور یہ ایسا جاتا ہے جیسے بعثت واشتریت کو مقام بیع و شرائین جملہ انشائیہ مانا جاتا ہے حالانکہ وہ جملہ خبریہ ہیں۔

الاسم ماذک ای کلمۃ دللت علی معنی کائن فی نفسہ ای فی نفس ماذک یعنی الکلمۃ

ترجمہ: — (اسم وہ ہے جو دلالت کرے) یعنی وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے (ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو) یعنی اس کی ذات میں جو دلالت کرے یعنی کلمہ کی ذات میں۔

تشریح: — بیا ن الالاسم۔ کلمہ اور کلام کی تعریف اور انکی تقیم سے فارغ ہونے کے بعد اب کلمہ کی ہر ایک قسم کو تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے اسم کو دوسرے اقسام یعنی فعل و حرف پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ اسم کلام عرب میں عمدہ ہے کیونکہ وہ مستند و مستدالیہ و دلائل ہوتا ہے لیکن فعل صرف مند ہوتا ہے مستدالیہ نہیں اور حرف نہ مستند ہوتا ہے اور نہ مستدالیہ اور اس لئے بھی کہ اسم اجمال یعنی تقیم کلمہ میں چونکہ فعل و حرف پر مقدم تھا اس لئے اس کو بطور تفصیل و تشریح میں بھی مقدم کیا گیا۔

قوله ای کلمۃ دللت۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مادل میں ماسے مراد شئی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی لفظ اور نہ کلمہ اور نہ اسم لیکن شئی اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اس تقدیر پر اسم کی تعریف میں دوائے اربعہ داخل ہو جاتے ہیں اور وہ زید بھی داخل ہو جاتا ہے جو دیوار پر منقوش ہے کیونکہ وہ بھی شئی ہے جو معنی پر دال ہے اور لفظ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس تقدیر پر تعریف میں مرکبات داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی لفظ ہیں حالانکہ وہ اسم نہیں کیونکہ اسم مفرد ہوتا ہے اور کلمہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ دوائے ضمیر مستتر مذکر ہے اور وہ اس کا مرجع نہیں ہو سکتا کیونکہ ضمیر و مرجع کے تذکر و تانیث میں مطابقت لازم ہے اور اسم اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس تقدیر پر دور لازم آئیگا اس لئے کہ محدود کی معرفت حد کے

معرفت پر موقوف ہوتی ہے تو اسم کی معرفت اسم کی معرفت پر موقوف ہو جائیگی جو منوع ہے۔ جواب یہ کہ ماسے یہاں مراد کلمہ ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ اسم کلمہ کی قسم ہے اور قسم مقسم میں ملحوظ ہوتی ہے اور ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت موجود ہے اس لئے کہ کلمہ اگرچہ مونث ہے لیکن ماضی مذکر ہے اور مرجع بھی ماضی ہے کلمہ نہیں اسی و سے شرح میں دلالت کیا گیا کیونکہ ضمیر مونث کا مرجع یہاں کلمہ ہے ماضی نہیں اور ماضی کی تفسیر کلمہ نکوہ سے یہ اشارہ ہے کہ ماضیہ نہیں بلکہ اسمیہ ہے کیونکہ وہ خبر واقع ہے جو مستند ہوتی ہے اور حرف مستند ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور وہ موصوفہ ہے موصوفہ نہیں کیونکہ خبر اصل میں نکوہ ہوتی ہے اور ما اگر ماصول ہو تو خبر کا معرف ہوتا لازم آئیگا لیکن بعض علماء نے ماصول کو نکوہ بھی لکھا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اسم موصول بھی لام تعریف کی طرح عہد ہونے کے لئے آتا ہے اور معہود ذہنی نکوہ ہوتا ہے پس ماصول کی تفسیر نکوہ سے صحیح ہو جائیگی پس اس تقدیر پر بعد میں ماضی تفسیر جہاں کلمہ معرفت کیساتھ اور تذکر الضمیر بناء علی لفظ الموصول اور نہ منع الی مالموصول النی ہی عبارت عن الکلمۃ کہا گیا ہے درست ہو جائیگا۔ خیال رہے کہ دل اگرچہ فعل ماضی ہے لیکن وہ زمانہ پر دال نہیں کیونکہ تعریفات میں جو افعال مذکور ہوتے ہیں وہ زمانہ سے مجرد ہو کر استمرار پر دلالت کرتے ہیں

قوله کائن۔ اس تقدیر عبارت کی وجہ کلمہ کی دلیل مصر میں گندھکی ہے کہ شن میں فی نفعہ نظر لغویہ اور نہ ظرف مستقر بلکہ اپنے متعلق کیساتھ معنی کی صفت ہے کیونکہ جار و مجرور جینک کسی فعل یا صفت فعل کا متعلق نہ ہو کسی کی صفت یا خبر نہیں بنتا۔

قوله آئی فی نفس ماذک۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ شن میں فی نفعہ کی ضمیر مجرور کا مرجع اسم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی معنی یا کلمہ ہو سکتا ہے لیکن اسم اس لئے نہیں کہ محدود کا استعمال حد میں لازم آتا ہے اور یہ دور کو مستلزم ہے اور معنی اس لئے نہیں ہو سکتا کہ دلیل مصر میں جو اسم کی تعریف جملہ مذکور ہے اس میں ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور یہاں اُس کا مرجع معنی ہونے سے دوائے میں تخالف لازم آئیگا اور کلمہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ضمیر مذکر ہے اور کلمہ مونث اور ضمیر و مرجع کے درمیان تذکر و تانیث میں مطابقت ضروری ہے۔ جواب یہ کہ فی نفعہ کی ضمیر مجرور کا مرجع ماضیہ ہے جس سے مراد کلمہ ہے اور کلمہ اگرچہ مونث ہے لیکن مرجع ماضیہ ہے اور وہ مذکر ہے لہذا ضمیر و مرجع کے درمیان مطابقت برقرار ہے۔

قوله یعنی الکلمۃ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مادل و لفظ میں ایک ماضی اور دوسرا دلالت لہذا اس کو فی نفعہ کی ضمیر مجرور کا مرجع قرار دینا درست نہیں کیونکہ ضمیر مجرور واحد ہے متثنی نہیں۔ جواب یہ کہ

ضمیر مجرور کا مرجع صرف ما اسمیہ ہے لیکن اس کے ساتھ دل کا ذکر یہ اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ ما موصولہ بغیر صلہ اور ما موصولہ بغیر صفت کے مذکور نہیں ہوتا حاصل یہ کہ مادال اگرچہ دو لفظ ہیں لیکن اس سے مراد صرف ایک لفظ کلمہ ہے۔

فتن کیرو الضمیر بناءً على لفظ الموصول قال المصنف في الايضاح شرح المفصل الضمير في مادك على معنى في نفسه يرجع الى معنى أى مادك على معنى باعتبار ما في نفسه وبالنظر اليه في نفسه لا باعتبار ما يخرج عنه كقولك الدار في نفسها حكما كذا لا باعتبار ما يخرج عنها ولذلك قيل الحرف مادك على معنى في غيره أى حاصل في غيره أى باعتبار ما متعلق لا باعتبار ما في نفسه انتهى كلامه

ترجمہ:۔۔۔ پس فی نفس کی ضمیر مجرور کا مذکور ہونا لفظ ما موصولہ کی بنا پر ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب الايضاح شرح مفصل میں فرمایا ہے کہ مادك على معنى في نفسه کی ضمیر مجرور معنی کی طرف لڑتی ہے یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو فی نفس معتبر اور منظور الیہ ہو کسی امر خارج کے اعتبار سے نہیں جیسا کہ آپ کا مقولہ ہے الدار فی نفسها حکما کذا یعنی گھر کی قیمت فلاں ہے اس کی ذات کے اعتبار سے کسی امر خارج کے اعتبار سے نہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے غیر میں ہے یعنی غیر میں حاصل ہے مطلب یہ کہ وہ اپنے متعلق کے اعتبار سے حاصل ہے اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں۔ مصنف کا کلام فہم ہوا۔

تشریح:۔۔۔ قولہ فتن کیرو الضمیر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فی نفس کی ضمیر مجرور کا مرجع اگر مادك میں ما موصولہ ہے تو ما موصولہ سے مراد کلمہ ہے اور کلمہ مونث ہے لہذا ضمیر تذکر و تانیث میں مرجع کے مطابق نہ ہوگی کیونکہ ضمیر مجرور مذکر ہے۔ جواب یہ کہ ما موصولہ میں ایک جہت لفظ ہے اور دوسری جہت معنی مراد جہت لفظ سے وہ مذکر ہے اور وہ اسی اعتبار سے ضمیر مجرور کا مرجع ہے اور جہت معنی و مراد سے وہ مونث ہے لیکن وہ اس اعتبار سے مرجع نہیں۔

قولہ قال المصنف۔ الايضاح مفصل کی شرح ہے اس کا مصنف بھی مصنف کا فہم علامہ ابنے حاجب علیہ الرحمہ ہیں۔ انہوں نے الايضاح میں اسم کی تعریف میں فی نفس کی ضمیر مجرور کا مرجع معنی کو قرار دیا ہے

جس سے ظرفیہ الشئ نفسہ لازم آتی ہے کیونکہ معنی کا حصول معنی میں یہ ایسا ہی ہے جیسے پانی کا حصول پانی میں اور جب مصنف نے اسم کی تعریف میں ضمیر مجرور کا مرجع معنی کو قرار دیا ہے تو ان کے نزدیک حرف کی تعریف میں بھی ضمیر مجرور کا مرجع ضرور معنی ہی ہے اور معنی کا حصول غیر معنی میں بالکل سہل و آسان ہے جواب یہ کہ الايضاح ہی میں مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اسم کی تعریف میں فی نفس سے پہلے اعتبار محذوف ہے جو فی حرف جار کا متعلق ہے لہذا معنی ہوا کہ اسم ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو فی نفس اعتبار کئے جانے سے پایا جائے۔ یہ بلاشبہ جائز ہے اسی طرح حرف کی تعریف میں فی غیرہ سے پہلے اعتبار محذوف ہے لہذا معنی ہوا کہ حرف ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اپنے متعلق میں اعتبار کئے جانے سے پایا جائے اور یہ صحیح ہے کہ حرف کا معنی اپنے متعلق میں اعتبار کئے جانے پر ہی پایا جاتا ہے۔

قولہ بالنظر اليه۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعتبار کا معنی قیاس ہے جیسے قرآن کریم فاعتبروا یا اولی الابصار میں اعتبار بمعنی قیاس ہے اور نفس معنی میں معنی کے قیاس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا لہذا حرف جار کا متعلق اعتبار نہیں۔ کوئی دوسرا ہے۔ جواب یہ کہ اعتبار کا معنی اگرچہ قیاس آتا ہے لیکن یہاں اُس کا معنی نظر ہے اسی طرح لحاظ و التفات بھی کہ سب کا مطلب ایک ہی ہے پونہی معتبر ملحوظ، منظور الیہ و ملتفت الیہ کا مطلب بھی ایک ہی ہے پس اسم کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ اسم ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جس کی طرف فی نفس نظر کئے جانے سے وہ پایا جائے یعنی جو معنی منظور الیہ فی نفس ہو اور حرف کی تعریف کا خلاصہ یہ کہ حرف ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جس کی طرف فی غیرہ نظر کئے جانے سے وہ پایا جائے

قولہ كقولك الدار۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فی کا متعلق اعتبار محذوف ہے اس پر کیا دلیل ہے؟ جواب یہ کہ جب کوئی چیز فی کے ذریعہ اپنے نفس یا غیر کی طرف منسوب ہو تو وہ اس اعتبار کا مقدر ماننا شائع و ذائع ہے جیسا کہ عرب کا یہ مقولہ ہے الدار فی نفسها حکما کذا یعنی الدار باعتبار ما ہا فی نفسها حکما کذا۔ مطلب یہ کہ جب کوئی گھر عمدہ بنا ہو اس کے قیمت اور دیوار اچھی طرح مزین ہو لیکن اس کے آس پاس جو اہم پیشہ لوگ بسے ہوئے ہوں جن سے جان و مال ہر طرح کا خطرہ لاحق ہو تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ گھر کے گھر ہونے کے اعتبار سے اس کی قیمت اتنی ہے قطع نظر اس کے جو اہم پیشہ لوگوں کے

و محصوٰله ما ذكره بعض المحققين حيث قال كما ان في الخارج موجوداً قابلاً لذاته وموجوداً قابلاً لغيره
في ذاته معقولاً فهو مدارك قصد ملحوظ في ذاته يصح أن يحكم عليه وبه ومعقول هو مدارك تبعاً لآثار
ملحوظة بغيره فلا يصح الشئ منها

ترجمہ : — اس کا محصول دی ہے جس کو بعض محققین نے ذکر کیا ہے جب کہ اس نے کہا کہ
جس طرح خارج میں ایک موجود قائم بذاتہ ہوتا ہے اور دوسرا موجود قائم بغیرہ ہوتا ہے اسی طرح ذہن
میں ایک معقول وہ ہوتا ہے جو قصد معلوم اور فی ذاتہ ملحوظ ہوتا ہے جو محکوم علیہ و محکوم بہ ہونے کے
صلاحیت رکھتا ہے اور دوسرا معقول وہ ہوتا ہے جو معلوم بالنتیجہ اور غیر کے لحاظ کا آلہ ہوتا ہے اس لئے
وہ محکوم علیہ و محکوم بہ میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تشریح : — قولہ محصوٰله ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم و حرف کو جو مکان کیساتھ
تشبیہ دی گئی ہے یہ تشبیہ معقول بالحموس ہے جو ممنوع ہے اس لئے کہ اسم و حرف معقول ہیں اور مکان
غیر معقول جواب یہ کہ مکان کو یہاں تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ تقریب ذہن کے لئے بیان کیا گیا ہے ہاں اسے
البتہ اس کی تشبیہ جیسا کہ بعض محققین نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ جس طرح موجود خارجی دو طرح کے ہیں ایک
قائم بذاتہ جس کو جوہر کہتے ہیں اور وہ وہ موجود خارجی ہے جو کسی کا ایسا وصف نہیں جو اپنے وجود میں غیر
کے وجود کا تابع ہو ۔ دوسرا قائم بغیرہ جس کو عرض کہتے ہیں اور وہ وہ موجود خارجی ہے جو کسی کا وصف ہو
اور اپنے وجود میں غیر کے وجود کا تابع ہو اس کا طرح موجود ذہنی بھی دو طرح کے ہیں ایک ملتفت الیہ بذاتہ
جس کو مستقل بالمفہومیت کہتے ہیں اور وہ وہ موجود ذہنی ہے جو قصداً مدرك ہوتا ہے یعنی غیر کے ادراک کا
تابع نہیں ہوتا دوسرا ملتفت الیہ بغیرہ ہوتا ہے جس کو غیر مستقل بالمفہومیت کہتے ہیں اور وہ وہ موجود ذہنی
ہے جو تبعاً مدرك ہوتا ہے یعنی مدرك ہونے میں غیر کے ادراک کا تابع ہوتا ہے البتہ موجود خارجی و موجود
ذہنی میں اتنا فرق ہے کہ کوئی موجود خارجی ایسا نہیں ہے جو ایک حیثیت سے قائم بذاتہ ہو اور دوسری حیثیت
سے قائم بغیرہ لیکن موجود ذہنی میں ایسا ہے کہ ایک حیثیت سے وہ ملتفت الیہ بذاتہ ہے اور دوسری حیثیت
سے ملتفت الیہ بغیرہ مثلاً آئینہ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو آئینہ اور چہرہ دونوں نظر آتے ہیں لیکن خبر یہ
نے کے وقت جو آئینہ کو دیکھتے ہیں تو آئینہ ملتفت الیہ بذاتہ ہوتا ہے اور چہرہ ملتفت الیہ بالعرض اور منہ دھو
کر جب آئینہ کو دیکھتے ہیں تو اس وقت چہرہ ملتفت الیہ بذاتہ ہوتا ہے اور آئینہ ملتفت الیہ بالعرض

اسی طرح بعض مفہوم مثلاً مفہوم ابتداء کا جب ادراک کیا جاتا ہے تو مفہوم ابتداء اور اس کے متعلق مثلاً
سیر و بصرہ کا ادراک ایک ساتھ ہوتا ہے لیکن بعض وقت مفہوم ابتداء کا ادراک مقصود ہوتا ہے
لیکن اس کے متعلق کا ادراک تبعاً و اجمالاً ہوتا ہے اور بعض وقت مفہوم ابتداء کا ادراک تبعاً و اجمالاً
ہوتا ہے لیکن اس کے متعلق کا ادراک مقصود ہوتا ہے پہلی صورت میں مفہوم ابتداء ملتفت الیہ بذاتہ
و ملحوظ بذاتہ ہے اور دوسری صورت میں مفہوم ابتداء ملتفت الیہ اور ملحوظ بالعرض ہے پس جو مفہوم
ملتفت الیہ بذاتہ اور منظور الیہ فی نفسہ اور ملحوظ فی ذاتہ یونہی معتبر فی نفسہ ہو وہ مستقل بالمفہومیت ہے
جو محکوم علیہ و محکوم بہ دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ یہی مراد ہے اس قول کی کہ اسم و فعل
کے ایسے معنی ہیں جو معنی کلمہ میں ہیں جن پر کلمہ دلالت کرتا ہے اور جو مفہوم ملتفت الیہ بغیرہ
اور ملحوظ بغیرہ منظور الیہ بغیرہ اور معتبر بغیرہ ہے وہ غیر مستقل بالمفہومیت ہے جو نہ محکوم علیہ
کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ محکوم بہ کی یہی مراد ہے اس قول کی کہ حرف کا معنی ایسا ہے جو نفس
کلمہ میں نہیں ۔

قولہ بعض المحققین ۔ بعض محققین سے مراد حضرت میر سید شریف جرجانی
ہیں جن کا یہ بیان شرح رضی اور شرح مطالع کے حاشیہ پر مرقوم ہے ۔ شارح نے ان کا نام غالباً ادا کیا
بیان نہیں فرمایا یہ تشبیہ کرنا مقصود ہے کہ سید حیر جانی محقق بھی تھے ۔ اور حاشیہ پر ان کا
یہ قول جو کچھ مجمل و مختصر تھا اس لئے یہاں اس کا محصل و خلاصہ بیان کیا گیا ۔ خیال رہے
کہ حاصل و محصل دونوں کا معنی ایک ہی ہے صراح میں ہے ۔ حاصل الشئ محصوٰله اور
قاموس میں ہے ۔ المحاصل من کل شئ ما بقی و ذہب ما سواک و المحصول
الحاصل ۔ محصل سے بعض محققین کی دلیل کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے اور حاصل سے شارح
اپنی دلیل کا خلاصہ بیان کئے ہیں یا محصل سے جو سوال پیدا ہوا حاصل سے اس کا جواب
دیا گیا ہے یا محصل سے دلیل اجمالی دی گئی ہے اور حاصل سے دلیل تفصیلی
دی گئی ہے ۔

فلا يبتدأ مثلاً إذا لاحظ العقل قصداً أو بالذات كان معني مستقلاً بالمفهومية ملحوظاً في ذاته
ولزمه تعلُّق متعلِّقه اجمالاً وتبعاً من غير حاجة إلى ذكره وهو بهذا الاعتبار مدلول لفظ الابتداء
فلا حاجة في الدلالة عليه إلى ضم كلمة أخرى إليه لتدل على متعلقه وهذا هو المأدب قولهم إنَّ للشيء
والفعل معني كائناً في نفس الكلمة الدالة عليه وإذا لاحظ العقل من حيث هو حالة بينة السير والبصرة
مثلاً وجعله الله لتعرف حالها كان معني غير مستقل بالمفهومية ولا يمكن أن يتعلَّق الابدان متعلقه
ولا أن يدلَّ عليه الابدان كلمة أخرى دالة على متعلقه

ترجمہ: — پس مثلاً ابتداء کو جب عقل قصداً وبالذات ہی ظاہر کرے تو اس کا معنی مستقل بالمفهومیت ملحوظاً فی ذاتہ ہوگا
اور اس کے متعلق کا تعلق اجمالی طور پر اور بالشیع لازم ہوگا یہ ضرورت نہ ہوگی کہ اس کے متعلق کو ذکر کیا جائے۔ اور وہ معنی مستقل
بالمفهومیت اس اعتبار سے کہ عقل اس کا قصداً وبالذات لحاظ کرے، صرف لفظ ابتداء کا مدلول ہے پس اس معنی پر دلالت
کرنے کے لئے کسی دوسرے کلمہ کو ملائی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ اپنے متعلق پر دلالت کرے اور یہی مراد نخیوں کے قول ان لا یلزم
والفعل معنی کائناً فی نفس الکلمۃ سے ہے۔ اور جب عقل اس لفظ ابتداء کا اس حیثیت سے ہی ظاہر کرے کہ وہ مثلاً سیر
و بصرہ کے درمیان کی حالت ہے اور اس کو دونوں کی حالت معلوم کر نیکاً الابدان سے تو مفہوم ابتداء ایک معنی غیر مستقل
بالمفهومیت ہوگا اور جب تک اس کے متعلق کا خصوص کیا نہ ذکر نہ کیا جائے اس کا تعلق ممکن نہ ہوگا اور نہ ہی اس مفہوم پر
دلالت کی جاسکتی ہے جب تک کہ اس کیساتھ کوئی دوسرا کلمہ نہ ملایا جائے جو اس مفہوم کے متعلق پر دلالت کرے۔

تشریح: — قولہ فلا یبتدأ امر جس فعل کو شروع کیا جائے وہ مبتدا ہے اور جہاں سے شروع کیا جائے
وہ مبتدا ہے جیسے ابتداء سیری من البصرة الى الكوفة میں سیر مبتدا ہے اور بصرہ مبتدا اور ابتداء ایک ایسی نسبت ہے جو
مبتدا اور مبتدا کے درمیان پائی جاتی ہے لہذا ابتداء جب بھی مقصود ہوگا اس کے ساتھ مبتدا اور مبتدا ضرور مقصود ہوں گے
پس اس تقدیر پر ابتداء مستقل بالمفهومیت نہ ہوگا لیکن جب وہ قصداً مدبر ہو تو ضرور مستقل بالمفهومیت ہوگا اگرچہ مبتدا
اور مبتدا کے ادراک کے بغیر اس کا ادراک محال ہے۔

قولہ لزمت تعلُّق — اس عبارت سے لفظ ابتداء اور لفظ من کے معنوں کے درمیان تین طرح سے
فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اول یہ کہ لفظ ابتداء کے معنی کے متعلقات یعنی مبتدا اور مبتدا کے ادراک اجمالاً کافی ہے
لیکن لفظ من کے معنی کے متعلقات یعنی مبتدا و مبتدا تفصیلاً شرط ہے دوم یہ کہ لفظ ابتداء کا معنی قصداً مدبر ہے لیکن
اس کے متعلقات یعنی مبتدا و مبتدا تفصیلاً مدبر ہیں اور لفظ من کے معنی کے مبتدا و مبتدا قصداً مدبر ہیں۔ سوم یہ کہ لفظ

لفظ ابتداء کے معنی کے ادراک کے لئے مبتدا اور مبتدا کا ادراک ضروری نہیں لیکن لفظ من کے معنی کے ادراک کے لئے
کسی خاص مبتدا و مبتدا کا ادراک ضروری ہے۔

قولہ والفعل معنی — سوال اس کے معنی کی طرح اگر فعل کا معنی بھی مستقل بالمفهومیت ہے تو جس طرف اس کا
علیہ و محکوم بدوئوں ہوتا ہے اسی طرف فعل کو بھی ہونا چاہیے حالانکہ وہ صرف محکوم نہ ہوتا ہے محکوم علیہ نہیں۔ جواب ہے۔
دوئوں کے مستقل بالمفهومیت ہونے میں فرق ہے اسم مستقل بالمفهومیت باعتبار معنی مطابقی ہے اور فعل باعتبار معنی تفسیسی اس لئے
اسم محکوم کے علاوہ محکوم علیہ بھی ہوتا ہے اور فعل صرف محکوم ہوتا ہے کیونکہ واضح نے نسبت فعل کو فاعل متا کی طرف لازماً
قرار دیا ہے کہ وہ فاعل کے بغیر وجود میں نہیں آسکے گا اس لئے وہ محکوم علیہ نہیں ہوتا۔

والحاصل ان لفظ الابتداء موضوع معنی کلی ونفطۃ من موضوعات کلی واحد من جزئیاتہ المخصوصۃ
المتعلقۃ من حیث انہا حالات متعلقۃ أو آلات لتعرف احوالها وذلك المعنی کلی یکن ان يتعلَّق قصداً أو بلا قصد
فی ذاتہ یستقل بالمفهومیت و یصلح ان یكون محکوماً علیہ و یلزمه و اما تلك الجزئیات فلا تستقل بالمفهومیت
ولا تصلح ان تكون محکوماً علیہا و یلزمه الابدان فی کل واحد منہا ان یكون ملحوظاً قصداً لیکن ان یعتبر النسبة
بینہ و بین غیرہ بل تلك الجزئیات لا تستقل الابدان فی کل واحد منہا لتكون آلات للاحظة احوالها و هذا
هو المأدب قولهم ان الحرف کلمۃ تدل على معنی فی غیرہا

ترجمہ: — حاصل و خلاصہ یہ کہ لفظ ابتداء معنی کلی کے لئے موضوع ہے اور لفظ من اس معنی کلی کی جزئیات مخصوصہ
متعلقہ میں سے ہر ایک کے لئے موضوع ہے اس حیثیت سے کہ وہ اپنے متعلقات کے حالات اور ان کے احوال کے
معرفت کے آلات ہیں اور وہ معنی کلی ممکن ہے قصداً تعلق اور فی ذاتہ ہی ظاہر کیا جائے پس وہ مستقل بالمفهومیت ہوگا اور
محکوم علیہ و محکوم بہ کی صلاحیت رکھے گا اور لیکن وہ جزئیات ہیں وہ مستقل بالمفهومیت نہیں ہوتیں اور نہ محکوم علیہ و محکوم بہ کی
صلاحیت رکھتی ہیں کیونکہ محکوم علیہ و محکوم بہ میں سے ہر ایک میں ضروری ہے کہ وہ قصداً ملحوظ ہوتا ہے اس کے اور اس کے
غیر کے درمیان نسبت کا اعتبار کرنا ممکن ہو بلکہ وہ جزئیات تصور نہیں ہوتے مگر اپنے متعلقات کے ذکر ہی سے تاکہ
وہ اپنے متعلقات کے احوال کے ہی ظاہر کے آئے ہوں پس وہ مراد ہے نخیوں کے قول ان الحرف کلمۃ تدل على معنی فی
غیرہ سے۔

تشریح: — قولہ والحاصل ہے اس سوال کا کہ ابتداء جب مستقل بالمفهومیت ہے اور وہ لفظ من

کا معنی ہے تو لفظ "مستقل" بالمفہومیت ہوا حالانکہ من صرف ہے جو غیر مستقل بالمفہومیت ہوتا ہے جواب یہ کہ ابتداء جو مستقل بالمفہومیت ہے اس کا معنی ابتداء شئی یا متلبا شئی ما ہے اور یہ لفظ من کا معنی نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے ابتداء شئی معین متلبا شئی معین یہ مستقل نہیں۔ لفظ ابتداء کا معنی کلی ہے اور لفظ من کا معنی اس کلی کے جزئیات مخصوصہ میں سے ہر وہ برسیل بدلیت ہے دونوں کے معنی ایک دوسرے کے متبادل ہیں۔

قولہ ذلک المعنی الکی۔ لفظ ابتداء اور لفظ من کے معنوں کے درمیان محصول میں تین فرقوں کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اور اب یہاں مزید دو فرقوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ایک یہ کہ لفظ ابتداء کا معنی کلی ہے لیکن لفظ من کا معنی اس کلی کا ہر ہر فرد برسیل بدلیت ہے دوسرا یہ کہ معنی کلی ہی محکوم علیہ و محکوم بہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس معنی کلی کا کوئی فرد محکوم علیہ و محکوم بہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

قولہ اذ لا بد۔ ہر جہ میں ایک نسبت ہوتی ہے اور وہ غیر مستقل ہے جو تبعاً مدرک ہوتی ہے اور محکوم علیہ و محکوم بہ کیساتھ پائی جاتی ہے اس لئے ضروری ہے محکوم علیہ و محکوم بہ مستقل اور تصدراً مدرک ہوں در غیر مستقل کا قیام مستقل کیساتھ لازم آسکے جو ممنوع ہے۔

قولہ بل تلک الجزئیات۔ یہ جزئیات چونکہ اپنے متعلقات کے احوال جانتے کے آئے ہوتی ہیں اس لئے ان جزئیات کا ادراک و تعقل ان کے متعلقات کے ذکر سے ہوتا ہے گویا وہ جزئیات جو لفظ من کے معنی ہیں دوسرے کلمہ میں ہیں۔ سوال فعل کا ادراک و تعقل بھی فاعل کے بغیر نہیں ہوتا لہذا وہ بھی غیر مستقل ہے حالانکہ وہ مستقل ہے۔ جواب فعل کا ادراک و تعقل فاعل تا یہ موقوف ہے اور یہ استقلال کے متبادل نہیں۔

وَإِذَا عَزَمْتَ هَذَا عَلَتْ أَنْ الْمُرَادُ بِكَيْفُونَةٍ الْمَعْنَى فِي نَفْسِهِ اسْتِقْلَالُهُ بِالْمَفْهُومِيَّةِ وَبَكَيْفُونَةٍ الْمَعْنَى فِي نَفْسِهِ الْكَلِمَةِ دَلَالَتُهَا عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ إِلَى ضَمِّ كَلِمَةٍ أُخْرَى إِلَيْهَا لِاسْتِقْلَالِهَا بِالْمَفْهُومِيَّةِ فَجَعَلَ كَيْفُونَتَهُ الْمَعْنَى فِي نَفْسِهِ وَكَيْفُونَتَهُ فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ إِلَى أَمْرٍ وَاحِدٍ وَهُوَ اسْتِقْلَالُهُ بِالْمَفْهُومِيَّةِ فَنَفِي هَذَا الْكِتَابِ الْفَيْضُ الْمَجْمُوعُ وَالَّذِي فِي نَفْسِهِ يَحْتَمِلُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى مَا الْوُضُوعِيَّةِ الَّتِي هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الْكَلِمَةِ وَهَذَا هُوَ الظَّاهِرُ لِيَكُونَ عَلَى طَبَقِ مَا سَبَقَ فِي وَجْهِهِ الْخَصَرِ مِنْ كَيْفُونَتِهِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْمَعْنَى وَلِذَا ذَكَرَ الْفَيْضُ تَبَيُّهَا عَلَى صَحَّةِ ارَادَةِ كَلَامِ الْعَيْنِ وَلَكِنْ عِبَارَةٌ الْمَقْصَلِ ظَاهِرٌ فِي الْمَعْنَى الْآخِرَةِ وَهُوَ ارْجَاعُ الْفَيْضِ إِلَى الْمَعْنَى لَعَدَمِ مَسْبُوقِيَّتِهَا بِمَا يَدُلُّ عَلَى اعْتِبَارِ كَيْفُونَتِهِ الْمَعْنَى فِي نَفْسِ الْكَلِمَةِ وَلِهَذَا أَجْزَأُ الْمُصَنِّفُ بِرَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى هُنَا لَمْ يَرْجِعْ إِلَى الْمَعْنَى

تذکرہ: — اور جب آپ یہ پہچان چکے تو معلوم کر چکے ہونگے کہ معنی کا فی نفسہ ہونے سے مراد مستقل بالمفہومیت ہے اور معنی کا نفس کلمہ میں ہونے سے مراد کلمہ کا معنی پر کسی دوسرے کلمہ کے ضم کی طرف احتیاج کے بغیر دلالت کرنا ہے اس لئے کہ وہ مستقل بالمفہومیت ہے پس معنی کا نفس معنی اور نفس کلمہ میں ہونے کا مرجع ایک امر ہے اور وہ معنی کا مستقل بالمفہومیت ہونا ہے پس اس کتاب کا فیہ میں ضمیر مجسود و جوفی نفس میں ہے اس امر کا تحمل ہے کہ وہ ماموصولہ کی طرف راجع ہے جو کلمہ سے عبارت ہے اور یہی ظاہر ہے تاکہ وہ اس کے مطابق ہو جائے جو دلیل حصہ میں معنی کا نفس کلمہ میں ہونا گذر چکا ہے اور ضمیر مجسود و اس امر کا تحمل ہے کہ وہ معنی کی طرف راجع ہے اس لئے مصنف نے دونوں معنی کے مراد کے مجمع ہونے پر تنبیہ کے لئے ضمیر کو مذکر لایا لیکن مفصل کی عبارت معنی اخیر میں ظاہر ہے اور ضمیر کو معنی کی طرف لٹانا ہے کیونکہ مفصل کی اس عبارت سے پہلے کوئی ایسی چیز نہیں گذری ہے جو معنی کے نفس کلمہ میں معتبر ہونے پر دلالت کرے اسی وجہ سے مصنف نے وہاں یعنی ایضاً میں ضمیر کو معنی کی طرف لٹانا لازم قرار دیا ہے

تشریح: — قولہ وَإِذَا عَزَمْتَ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مصنف نے ایضاً میں فی نفسہ کی ضمیر مجسود و کا مرجع معنی قرار دیا ہے اور یہاں شارح نے اس کا مرجع ماسمیت قرار دیا ہے ایسا کیوں جب کہ شارح کو مصنف کی اتباع لازم ہے۔ جواب یہ کہ ضمیر کا مرجع معنی ہو یا ماسمیت دونوں کا مال ایک ہے یعنی مستقل بالمفہومیت ہونا ہے کیونکہ بتقدیر اول مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اسم کا معنی فی نفس المعنی ہو اور بتقدیر دوم مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اسم کا معنی فی نفس الکلمہ ہو اور اسم کا معنی فی نفس المعنی ہونے کا مطلب معنی کا مستقل بالمفہومیت ہونا ہے اور معنی کا فی نفس الکلمہ ہونے کا مطلب معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج نہ ہونا ہے اول یعنی مستقل بالمفہومیت ہونا علت ہے اور دوم یعنی معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج نہ ہونا۔ معلول ہے اور علت، معلول کو لازم ہوتی ہے لہذا اسم کا معنی فی نفس المعنی ہونا اسم کا معنی فی نفس الکلمہ ہونے کو لازم ہوا جن دونوں میں سے ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر کو مستغنی ہے کیونکہ اس کا برعکس یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اسم کا معنی مستقل بالمفہومیت ہے اس لئے کہ وہ معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج نہیں اور وہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کا محتاج اس لئے نہیں کہ وہ مستقل بالمفہومیت ہے۔

قولہ نفی هذا الكتاب۔ اس کتاب یعنی کافیہ میں فی نفسہ کی ضمیر کا مرجع ماموصولہ بھی ہو سکتا ہے جس سے مراد کلمہ ہے اور معنی بھی لیکن ماموصولہ ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ اس تقدیر پر بتعریف مجمل کا تعریف مفصل کیساتھ مطابقت برقرار رہتی ہے تقدیر اول پر نہیں اسی وجہ سے ضمیر کو یہاں پر مذکر لایا گیا ہے تاکہ دونوں ہی صحیح ہو جائیں بر خلاف مفصل کہ اس میں بھی فی نفسہ کا مرجع اگر یہ ماموصولہ بھی ہو سکتا ہے اور معنی بھی لیکن معنی ہونا

ظاہر ہے اس لئے کہ اس میں اسم کی تعریف صرف مفصل ہے مجمل نہیں اور قاعدہ ہے کہ جب دو چیزیں مرجع بننے کی صلاحیت رکھتی ہوں جن میں سے ایک قریب ہو اور دوسرا بعید اور بعید کو مرجع ملنے کا مرجع موجود ہو تو بعید کو اور اگر موجود نہ ہو تو قریب کو مرجع ماننا ظاہر ہے اس لئے اس کا مرجع معنی ہونا ہی ظاہر ہے اسکی وجہ سے مصنف کا یہ فیہ فیض شرح مفصل میں صرف معنی ہی کو مرجع قرار دیا ہے ماموصولہ کو نہیں اور کافیہ میں بعید کو مرجع ماننے کا مرجع تعریف مجمل یعنی دلیل محض غیر مؤنت ہے جس کا مرجع کلمہ ہے لہذا تعریف مفصل میں فی نفسہ کا مرجع معنی قرار دینے سے دو قول میں مخالفت لازم آتی ہے اس لئے اس سے احتراز کے لئے ماموصولہ کو مرجع مانا جائے۔

وَمَا سَبَقَ مِنَ التَّحْقِيقِ ظَهَرَ أَنَّ لَا يَخْتَلُ حَدُّ الْأَسْمَاءِ جَمْعًا وَلَا حَدُّ الْحَرْفِ مُعْنًا بِالْأَسْمَاءِ اللَّازِمَةِ الْإِضَافَةِ مَثَلُ ذُو وَفَوْقَ وَتَحْتَ وَقَدْ أَهَمَّ وَخَلْفَ الْإِلَى غَيْرُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ مَعَانِيهَا مَفْهُومَاتٌ كَلِمَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ بِالْمَفْهُومِ مَبْنِيَةٌ عَلَى وَطْءٍ نَحْوِ حَدِّ ذَاتِهَا لَزِمَتْهَا تَعْقُلُ مُتَعَلِّقَاتُهَا أَجْمَالًا وَتَبَعًا مِنْ غَيْرِ خَاجَةٍ إِلَى ذِكْرِهَا لَكِنَّ لِمَا جَرَتْ الْعِلَا بِأَسْمَاءِهَا فِي مَفْهُومَاتِهَا مُضَافَةٌ إِلَى مُتَعَلِّقَاتٍ مَخْصُوصَةٍ لَا نَهْضُ الْغَرْضُ مِنْ وَضْعِهَا لَزِمَ ذِكْرُهَا لِمَنْ هَذَا الْخُصُوصِيَّاتِ لَا لِأَجْلِ فِهْمِ أَصْلِهِ الْمَعْنَى فَمَعْنَى دَالَّةٌ عَلَى مَعْنَاهَا مُتَعَبِّرَةٌ فِي حَدِّ أَنْفُسِهَا لَا فِي غَيْرِهَا فَمَعْنَى دَاخِلَةٌ فِي حَدِّ الْأَسْمَاءِ لَا فِي الْحَرْفِ

ترجمہ :- اور اس تحقیق سے جو گذر چکی یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ اسم کی تعریف جامع اور حرف کی تعریف مانع ہونے میں ذو و فوق و تحت و قد اہم و خلف وغیرہ جیسے اسماء لازمہ الاضافہ سے خلل واقع نہ ہوگا اس لئے کہ انکے معانی مفہومات کلیہ مستقل بالمفہومیت ملحقہ ذاتی حد ذاتہ ہیں۔ ان اسماء کو ان کے متعلقات کا تعلق اجمالاً اور بالتابع لازم ہوگا بغیر یہ کہ ان متعلقات کے ذکر کی حاجت ہو۔ لیکن جب کہ ان اسماء کو متعلقات مخصوصہ کی طرف مضاف کر کے انکے مفہومات میں مستقل ہونے کی طرف اہل عسرب کی عادت جاری ہو چکی ہے کیونکہ ان اسماء کی وضع سے مقصود مضاف ہونا ہے پس ان کے متعلقات مخصوصہ کا ذکر لازم ہو گیا ان خصوصیات کو سمجھنے کے لئے۔ اصل معنی کو سمجھنے کے لئے نہیں تو وہ اسماء اپنے معانی پر دلالت کرنے والے ہوئے اور فی حد ذاتہ متعبر ہوئے نہ کہ فی غیر ہا پس اسماء لازمہ الاضافہ اسم کی تعریف میں داخل ہو گئے حرف کی تعریف میں نہیں۔

تشریح :- قولہ بما سبق۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم کی تعریف اپنے افراد کو جامع اور حرف کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اسماء لازمہ الاضافہ یعنی وہ اسماء جو اضافت کو لازم ہیں مثلاً ذو و فوق و تحت و قد اہم

خلف وغیرہ اسم کی تعریف سے خارج اور حرف کی تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے معانی مضاف الیہ مثلاً مال و دار وغیرہ کو ذکر کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے اسی وجہ سے انکے ساتھ مضاف الیہ کا ذکر لازم و ضروری ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ جس طرح لفظ ابتداء اسم ہے کیونکہ اس کا معنی کلی ہے جس کا ادراک متعلق خاص کے ادراک کو لازم نہیں کرتا ہاں البتہ مطلق متعلق کے ادراک کو لازم کرتا ہے لیکن یہ اس کے اسم اور کلی ہونے کے بنانی نہیں اسی طرح اسماء مذکورہ کے معانی بھی کلی ہیں جس کے مضاف الیہ خاص کا ادراک ضروری نہیں بلکہ مطلق مضاف الیہ کا ادراک بھی کافی ہے مثلاً ذو کا معنی معلوم کرنے کے لئے اس کے مضاف الیہ خاص مثلاً مال و فرس و حمار وغیرہ کا ادراک کافی نہیں بلکہ مطلق مضاف الیہ مثلاً شی ما کا ادراک کافی ہے جس طرح لفظ ابتداء کے معنی کے متعلق کا ادراک اجمالاً و تبعاً کافی اور اس کے متعلق کے ذکر کی حاجت نہیں اسی طرح ان اسماء کے معانی کے مضاف الیہ کا ادراک بھی اجمالاً و تبعاً کافی اور ان کے معانی کے مضاف الیہ کے ذکر کی حاجت نہیں۔

قولہ لکن لما جرت۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء لازمہ الاضافہ کو ابتداء کیساتھ قیاس کرنا درست نہیں اس لئے کہ ابتداء کا معنی اگرچہ متعلق خاص کے ذکر کا محتاج نہیں لیکن ان اسماء کے معانی مضاف الیہ خاص کے ذکر کا محتاج ہیں کیونکہ انکے ذکر کو لازم ہے۔ جواب یہ کہ اسماء مذکورہ کے معانی مفہومات کلیہ ہیں ان کے ساتھ مضاف کا ذکر خصوصیت پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے ان کے معانی سمجھنے کے لئے نہیں جس طرح غلام کیساتھ مضاف الیہ کا ذکر خصوصیت پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے اس کے معنی کو سمجھنے کے لئے نہیں کیونکہ اس کا معنی مفہوم کلی ہے جو مستقل بالمفہومیت ہے اور اسماء مذکورہ کیساتھ مضاف الیہ کا ذکر اہل عسرب کے دستور و عادت کی وجہ سے ہے کہ وہ جب بھی ان کا استعمال کرتے ہیں ان کے ساتھ مضاف الیہ کا بھی ذکر ضرور کرتے ہیں۔

قولہ لا نھما الغرض۔ اہل عسرب غلام کے استعمال کے وقت اگر خصوصیت کا ارادہ رکھتے تو اس کے ساتھ مضاف الیہ کو بھی بیان کرتے ہیں اور اگر خصوصیت کا ارادہ نہیں رکھتے تو مضاف الیہ کو ذکر نہیں کرتے لیکن اسماء مذکورہ کا استعمال جب بھی کرتے ہیں تو یہی دستور رہا ہے کہ وہ ہمیشہ خصوصیت کا ارادہ رکھتے اور انکے ساتھ مضاف کو ذکر کرتے ہیں اس کی وجہ یہ کہ اسماء مذکورہ کو واضح کرنے چونکہ مفہومات کلیہ کے لئے اس غرض سے وضع کیا ہے کہ ان کو مضاف کے ہی استعمال کیا جائے اس لئے اہل عسرب جب بھی ان کا استعمال کرتے ہیں تو مضاف الیہ کے ساتھ ہی کرتے ہیں برخلاف غلام کہ واضح کرنے انکو بھی اگرچہ مفہوم کلی کے لئے وضع کیا ہے لیکن اس غرض سے نہیں کہ وہ جب بھی استعمال کیا جائے تو مضاف الیہ کیساتھ ہی کیا جائے بلکہ کبھی مضاف الیہ کو ذکر کر سکتے ہیں اور کبھی نہیں

دلما كان الفعل دالاً على معنى في نفسه باعتبار معناه التضمني أعني الحدث وكان ذلك المعنى

مفتراً مع أحد الأزمنة الثلاثة في الفهم من لفظ الفعل أخرجه بقوله غير معتد به بأحد الأزمنة الثلاثة أي غير معتد به مع أحد الأزمنة الثلاثة في الفهم من لفظه الدال عليه

ترجمہ :- اور جب فعل معنی فی نفع پر اپنے معنی تفسی یعنی حدث کے اعتبار سے دال تھا اور وہ معنی لفظ فعل سے ہم میں تینوں زمانوں میں سے کسی ایک ساتھ مقرر تھا تو مصنف نے فعل کو اپنے قول غیر مقرر باحد الأزمنة الثلاثة سے نکال دیا یعنی وہ معنی جو لفظ فعل ہے جو اس پر دال ہے ہم میں تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کیساتھ مقرر نہ ہو۔

تشریح :- قولہ لما كانت۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم کی تعریف میں معنی فی نفع سے مراد معنی مطابق ہے یا معنی تفسی یا معنی التزامی اگر معنی مطابق ہے تو اس سے حرف کے علاوہ فعل بھی نکل جائیگا کیونکہ حذف کا معنی مستقل نہیں اور فعل کا معنی مستقل ہے تو معنی تفسی کے اعتبار سے، معنی مطابق کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ فعل کا معنی تین چیزوں سے مرکب ہے حدث۔ زمانہ۔ نسبت اور نسبت جب کہ غیر مستقل ہے اور مستقل وغیر مستقل کا مجموعہ غیر مستقل ہوتا ہے تو فعل باعتبار معنی مطابق غیر مستقل ہوا اس لئے فعل میں معنی تفسی یعنی حدث اور وہ معنی مصدر کی کا اعتبار ہوتا ہے کہ وہ مستقل ہے پس جب فی نفع کی قید دیا ہے اسم کا حرف دونوں نکل گئے تو اب غیر مقرر باحد الأزمنة الثلاثة کی قید فضول ہوئی کیونکہ تعریف کے جامع و مانع ہونے میں اس کا کوئی دخل نہ رہا اور اگر مراد معنی تفسی ہے تو اسم کی تعریف جامع نہ ہوگی کیونکہ اس سے اسماء بسیط مثلاً نقط اور ضرب و نقل وغیرہ جیسے مصادر نکل جائیں گے کیونکہ معنی تفسی ہر ایک کا ہوتا ہے اور یہ بسیط ہیں اور اگر معنی التزامی مراد سے تو تعریف سے وہ اسماء نکل جائیں گے جن کا کوئی معنی التزامی نہیں پس تعریف جامع نہ ہوگی۔ جواب یہ کہ تعریف مذکور میں معنی فی نفع سے مراد مطلق معنی ہے جو اسم کے معنی میں معنی مطابق کے ضمن میں پایا جاتا ہے اور فعل کے معنی میں معنی تفسی کے ضمن میں پایا جاتا ہے پس جب فعل فی نفع کی قید سے خارج نہ ہوا تو غیر مقرر کی قید لگا کر اس کو خارج کر دیا گیا۔

قولہ فی الفہم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم کی تعریف اپنے انفراد کو جامع نہیں اس لئے کہ اس سے مصدر و مشتق خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے معانی تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کیساتھ ضرور مقرر ہوتے ہیں کہ ان کا وقوع کسی ایک زمانہ میں ضرور ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ تعریف میں اقتران سے مراد ہم میں اقتران ہے تحقق و وقوع میں نہیں اور ظاہر ہے مصدر و مشتق کے اطلاق کے وقت ان کے معانی زمانہ کیساتھ ہم میں مقرر نہیں ہوتے ہاں البتہ اس کا تحقق اقتران و وقوع میں ہوتا ہے

قولہ عن لفظ الفعل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثلاً زید ضارب الآن میں ضارب پر اسم کی تعریف

صادق نہیں آتی کیونکہ اس کا معنی نہیں کسی ایک زمانہ کے ساتھ مقرر ہے۔ جواب یہ کہ ضارب کا معنی جو ہم میں سے کسی ایک زمانہ کیساتھ مقرر ہے وہ اس کے لفظ سے نہیں کیونکہ اس کے لفظ سے صرف معنی تصور ہوتا ہے اور زمانہ تو لفظ آن سے تصور ہوتا ہے حالانکہ فعل وہ ہوتا ہے جو اس کے لفظ ہی سے معنی اور زمانہ دونوں تصور ہوتے ہیں۔

قولہ أي غیر مقرر مع۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ باحد الأزمنة الثلاثة میں بار بار جارہ مصاببت کے لئے آیا ہے سبب کے لئے نہیں کیونکہ اقتران کا صدمع آتا ہے یا بار جو ہمیں مع آتا ہے

فہو صفة بعد صفة للمعنى في الصفة الأولى خرج الحرف عن حد الاسم وبالثنائية الفعل

ترجمہ :- پس وہ قول صفت ہے معنی کی صفت کے بعد تو پہلی صفت سے حرف اسم کی تعریف سے نکل گیا اور دوسری صفت سے فعل نکل گیا۔

تشریح :- قولہ فہو۔ ثابت بیان ہے بعض نسخے میں داؤد کے ساتھ بھی آیا ہے تن میں لفظ غیر مجرور ہے جو معنی کی دوسری صفت ہے پہلی صفت فی نفع ہے جس سے حرف نکل گیا کیونکہ وہ معنی فی نفع پر دلالت نہیں کرتا اور دوسری صفت سے فعل نکل گیا چونکہ وہ زمانہ کیساتھ مقرر ہے۔ لفظ غیر منصوب بھی ہو سکتا ہے اور مرفوع بھی لیکن منصوب اس لئے کہ وہ معنی سے حال واقع ہے اور مرفوع اس لئے کہ وہ ہو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ انب مجرور ہی ہے لیکن منصوب اس لئے نہیں کہ وہ تکلف پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ معنی کو مفعول بھی ٹھہرانا ہوگا اور یہ بھی کہ حال اکثر ذوالحال کے لئے ثابت ہوتا ہے اور کبھی جدا بھی ہوتا ہے مثلاً جار زید باکبا میں رکوب زید کے لئے ثابت ہے اور جدا بھی ہذا حال مانتے سے یہ وہم ہوگا کہ ذوالحال کے لئے عدم اقتران ثابت ہے اور اس سے عدم اقتران جدا بھی حالانکہ یہ باطل ہے اس لئے کہ جس کے لئے عدم اقتران ثابت ہو اس سے عدم اقتران کا جدا ہونا محال ہے اسی وجہ سے ملا عبد الغفور نے اس احتمال کو بعید فرمایا ہے اور مرفوع اس لئے نہیں کہ وہ از کتاب حذف کو لازم ہے جو بلا ضرورت قبیح شمار کیا جاتا ہے

والمراد بعدم الاقتران ان يكون بحسب الوضع الاول قد خلت فيه اسماء الافعال لان جميعها إما منقولة عن المصادر الأصلية سواء كان النقل فيها صريحاً نعوذ وید فإِنَّه قد يستعمل مصدرًا أيضًا أو غير صريح نحو هبته فإِنَّه وإن كد يستعمل مصدرًا إلا أَنه على ذنب قوفاً مصدر قوفاً أو عن المصادر التي كانت في الأصل

أَفْعَالُهُ أَوْ مِنْ الظَّرْفِ أَوْ الْجَارِ وَالْجَوَارِ زَيْدٌ أَوْ عَلِيٌّ زَيْدٌ أَوْ فُلٌ شَيْءٌ مِنْهَا الدَّالَّةُ عَلَى
احِدِ الْأَزْمَنَةِ الثَّلَاثَةِ بِحَسَبِ الْوَضْعِ الْأَوَّلِ

ترجمہ :- اور عدم اقتران سے مراد یہ ہے کہ وہ وضع اول کے اعتبار سے ہو پس اس تعریف میں اسماء افعال داخل ہو جائے
گے اس لئے کہ تمام اسماء افعال یا مصادر اصل سے منقول ہیں عام ہے کہ اس میں نقل صریح ہے جیسے زید میں کہ وہ
کبھی مصدر بھی مستعمل ہوتا ہے یا نقل غیر صریح ہے جیسے بہات میں کہ وہ اگرچہ مصدر مستعمل نہیں ہوتا لیکن قوقات کے
وزن پر ہے جو قوقی کا مصدر ہے یا وہ ان مصادر سے منقول ہیں جو دراصل اصوات تھے جیسے صد یا ظرف سے منقول
ہیں یا جاد و مجرور سے جیسے امام زید و علیہ زید پس ان مصادر و ظرف و جاد و مجرور میں کسی کی دلالت تین زمانوں
میں سے کسی ایک پر بھی وضع اول کے اعتبار سے نہیں ہے

تشریح :- قولہ واللّٰہ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء افعال اسم کی تعریف سے خارج ہیں کیونکہ اسماء
افعال کے معانی زمانہ ماضی و زمانہ مستقبل کے ساتھ مقرر ہیں۔ جواب یہ کہ اسم کی تعریف میں عدم اقتران سے مراد
وضع اول میں مقرر نہ ہونا ہے اور اسماء افعال کے معانی وضع اول کے اعتبار سے زمانہ سے مقرر نہیں اس لئے کہ
بعض افعال وضع اول میں مصدر ہیں اور بعض ظروف ہیں اور بعض چار و مجرور اور بعض اسم صوت ہیں پھر وضع ثانی
میں کوئی ماضی کے معنی میں ہو گیا اور کوئی امر کے معنی میں شلاً بہات وضع اول میں مصدر یعنی دور ہونے کے معنی میں
تھا اور وضع ثانی میں فعل ماضی یعنی بعد کے معنی میں کر دیا گیا اسی طرح زید وضع اول میں مصدر ہے لیکن وضع
ثانی میں امر کے معنی میں کر دیا گیا اور ضم وضع اول میں اسم صوت بلا معنی ہے پھر وضع ثانی میں وہ مصدر یعنی چپ
رہنے کے معنی میں ہو گیا پھر وضع ثانی میں امر یعنی اسکت سکونامہ کے معنی میں ہو گیا یونہی امامت وضع اول میں
ظرف تھا لیکن وضع ثانی میں امر یعنی قدم کے معنی میں کر دیا گیا اسی طرح علیہ وضع اول میں جار و مجرور تھا
لیکن وضع ثانی میں امر یعنی الزم کے معنی میں کر دیا گیا اسی وجہ سے ان کو اسماء کے ساتھ افعال بھی کہا جاتا ہے کہ
وہ وضع اول کے اعتبار سے اسماء ہیں اور وضع ثانی کے اعتبار سے افعال ہیں حالانکہ اعتبار وضع اول ہی کا ہوتا ہے
اس لئے اس کو اسماء میں شمار کیا جاتا ہے۔

قولہ صریحاً - ایک نقل صریح ہے اور دوسرا نقل غیر صریح، نقل صریح وہ ہے جو لفظ کبھی اپنے معنی
اصلی یعنی مصدر میں مستعمل ہو مثلاً رب کریم کے قول اٰمٰلہم زویدا میں زوید اپنے معنی مصدری امہال کے معنی میں
مستعمل ہے اور نقل غیر صریح وہ ہے جو لفظ کبھی اپنے معنی اصلی میں مستعمل تو نہ ہو لیکن کسی مصدر کے وزن پر ہو

جیسے بہات کہ وہ اگرچہ اپنے معنی مصدری میں مستعمل نہیں لیکن قوقات مصدر قوقی کے وزن پر ہے۔ خیال رہے کہ
قوقات کہتے ہیں مرغی کی اس آواز کو جو ادا دیتے وقت نکالتی ہے۔ قوقات دراصل قوقیہ بر وزن و حسرتہ تھا
بار کے ماقبل چونکہ مقنوع تھا اس بار کو الف سے بدل دیا گیا قوقات ہوا۔ اور زوید بر وزن زجیل رطل کی تصغیر

ترجمہ :- وخرج عنہ الافعال المنسلخۃ عن الزمانۃ نحو عسی وکاذ لا اقتران معانیہا بل بحسب اصل
الوضع وخرج عنہ المضارع ایضاً فائدۃ علی تقدیر اشتراکہ بین الحال والاستقبال یدلّ علی
زمانین معینین من الأزمنة الثلاثۃ فیدلّ علی واحدٍ معین ایضاً فی ضمنہما اذ لا یقلح فی الدالۃ
علی احدٍ معین الدالۃ علی ما سواہ نعم یقلح فی ارادۃ المعین ارادۃ ما سواہ وایضاً الدالۃ من الارادۃ

ترجمہ :- اور اسم کی تعریف سے وہ افعال نکل گئے جو زمانہ سے خالی ہیں جیسے عسی وکاذ کیونکہ ان کے
معانی وضع اول کے اعتبار سے کسی ایک زمانہ کیساتھ مقرر ہیں اور اسم کی تعریف سے فعل مضارع بھی نکل
گیا کیونکہ وہ حال و استقبال کے درمیان اشتراک کی تقدیر پر تینوں زمانوں میں سے دو معین زمانے پر دلالت کرتا
ہے تو وہ ان دو کے ضمن میں ایک معین زمانہ پر بھی دلالت کرے گا اس لئے کہ ایک معین زمانہ پر دلالت کرنے میں
اس کے ما سواہ پر دلالت کرنا کوئی مانع نہیں ہوتا ہاں البتہ ایک معین معنی کے ارادہ کرنے میں اس کے ما سوا
کا ارادہ کرنا مانع ہے اور دلالت و ارادہ میں کافی فرق ہے

تشریح :- قولہ خرج عنہ الافعال - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ افعال مدح و ذم اسم کی تعریف میں داخل
ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی زمانہ پر دلالت نہیں کرتے اسی طرح افعال مقار بہ بھی کہ وہ بھی زمانہ پر دلالت نہیں
کرتے ہیں۔ جواب یہ کہ ابھی گذرا کہ اسم کی تعریف میں عدم اقتران سے مراد وضع اول میں مقرر نہ ہونا افعال
مدح و ذم اور افعال مقار بہ وضع اول میں زمانہ سے مقرر ہیں اگرچہ وضع ثانی میں مقرر نہیں لہذا وہ اسم کی تعریف
سے خارج ہیں۔ سوال شمر و ضرب دونوں علم ہیں لیکن وضع اول کے اعتبار سے زمانہ سے مقرر نہیں۔ جواب
تعریف میں عدم اقتران سے مراد معنی حالی کا وضع اول کے اعتبار سے زمانہ سے مقرر نہ ہونا ہے اور مذکورہ بالا
دونوں اسموں کا معنی حالی جو معنی علی ہے وضع اول کے اعتبار سے زمانہ سے مقرر نہیں۔

قولہ خرج عنہ المضارع - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسم کی تعریف فعل مضارع پر بھی صادق
آتی ہے کیونکہ وہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے نہیں بلکہ دو زمانہ سے مقرر ہے۔ جواب یہ کہ وہ دو زمانے

سے مقرر نہیں۔ بلکہ ایک زمانہ سے مقرر ہے کیونکہ ممکن ہے وہ حال میں حقیقت ہو اور استقبال میں مجاز یا اس کا برعکس ہو یا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ دونوں زمانے میں مشترک ہے تو یہ کہا جائیگا کہ جب مضارع دو زمانوں پر دلالت کرے گا تو وہ زمانوں کے ضمن میں ایک زمانہ پر بھی مزور دلالت کرے گا۔ خیال رہے کہ مضارع میں تین مذہب ہیں ایک یہ کہ وہ حال و استقبال میں مشترک لفظی ہے اور دوسرا یہ کہ حال میں حقیقت ہے اور استقبال میں مجاز اور تیسرا یہ کہ استقبال میں حقیقت ہے اور حال میں مجاز!

قولہ اذلا یقبح۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ ذہن امر بیضی ہے جس وقت فعل مضارع ذہن میں ایک زمانہ پر دلالت کرے گا تو وہ اس وقت دو مشترک زمانہ پر کس طرح دلالت کرے گا؟ جواب یہ کہ ایک معین معنی پر دلالت کرنے میں اس کے ماسوا پر دلالت کرنا کوئی مانع نہیں اس لئے کہ لفظ مشترک استعمال کے وقت اپنے تمام معانی پر دلالت کرتا ہے البتہ تمام معانی متکلم کی مراد نہیں ہوتے بلکہ کوئی ایک ہی معنی مراد ہوتا ہے جس کے معلوم کرنے کے لئے تفسیر کی ضرورت پیش آتی ہے۔

قولہ این الدلالة۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ایک معین معنی پر دلالت کے وقت جب اُس کے ماسوا پر دلالت ممکن ہے تو ایک معین معنی کے مراد کے وقت اس کے ماسوا کا مراد لینا بھی ممکن ہوگا۔ جواب یہ کہ لفظ مشترک جس کے متعدد معانی ہوتے ہیں اطلاق کے وقت ہر ایک پر اس کی دلالت ہوتی ہے لیکن متکلم کی مراد ان میں سے صرف ایک ہی معنی ہوتا ہے۔ دلالت کے لئے وضع اور اس کا علم کافی ہے لیکن مراد کے لئے تفسیر ضروری ہے۔ دلالت لفظ کی صفت ہے جو کثیرین پر بھی دلالت کرتا ہے اور مراد ذہن کی صفت ہے کیونکہ قصد و ارادہ ذہن سے ہوتا ہے اور ذہن بسیط ہے جو بیک وقت متعدد کا اقتضا نہیں کرتا۔

ولما فرغ من بیان حلا الاسمی أراد ان یذکر بعض خواصہ لیسید من زیادہ معرفتہ بہم فقال
ومن خواصہ منہا بصیغۃ جمع الکثرة علی کثر تہا ومن التبصیغۃ علی انہ ما ذکر بعض منہا

ترجمہ:۔ اور جب مصنف علیہ الرحمہ اسم کی تعریف سے فارغ ہو چکے تو ارادہ فرمایا کہ اس کے بعض خواص کو ذکر کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ اسم کی زائد معرفت کا فائدہ ہو جائے تو فرمایا ارادہ اسم کے خواص میں سے جمع کثرت کے صیغہ خواص اسم کی کثرت پر اور من تبصیغۃ سے اس امر پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ مصنف نے جن خواص کو ذکر فرمایا ان میں سے بعض ہیں۔

تشریح:۔ قولہ لما فرغ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مصنف کا طریقہ ہے کہ وہ تعریف کے بعد تقسیم کو بیان کرتے ہیں یہاں اس کے بعد خواص کو کیوں بیان کیا گیا؟ یا یہ کہ مقصود یہاں چونکہ مرفوعات و منصوبات و خبرورات کو بیان کرنا ہے اس لئے اسم کی تعریف کو بیان کرنا نہیں چاہئے تھا لیکن اس کو اس لئے بیان کیا گیا کہ کسی شئی سے بحث اس کی معرفت کے بعد ہی ہوتی ہے لیکن تعریف کے بعد اس کے خواص کو بیان کرنا چاہئے اور وہ ہے ۹ جواب یہ کہ اسم کے دو وجود ہیں ایک ذہنی اور دوسرا خارجی وجود ذہنی تعریف سے معلوم ہوتا ہے اور وجود خارجی خواص سے اس لئے تعریف کے بعد اُس کے خواص کو بھی بیان کیا گیا تاکہ اس کی مکمل معرفت حاصل ہو جائے یا یہ کہا جائے کہ اسم کا معنی کلی ہے اور کلی کا وجود ذہنی ہی ہے اور خارج میں کلی کے افراد پائے جاتے ہیں جن کے ضمن میں کلی خارج میں پائی جاتی ہے۔ تعریف سے اس کا مفہوم کلی حاصل ہوتا ہے اور خواص سے اُس کے افراد جاتے ہیں۔

قولہ اراد ان یذکر۔ اس مقام پر کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ تفسیر یہاں شرط ہے اور اراد اس کی جزا حالانکہ شرط جب فرغ ہو تو جہور اس کی جزا شرط بیان کرتے ہیں۔ جواب یہ کہ جزا ہمیشہ شرط کا لازم ہوتی ہے جیسے ان کانت الشمس طالعة فالنہار موجود میں وجود نہار طلوع شمس کا لازم ہے اور ظاہر ہے تعریف اسم سے فراغت کے ساتھ خواص کا شروع کرنا لازم نہیں البتہ ارادہ کرنا لازم ہے اس لئے کہ خواص تتمہ تعریف سے ہے اور ہر متکلم اپنے کلام کے تام کا ارادہ کرتا ہے۔

بیانہ ومن خواصہ۔ من خواصہ خبر مقدم ہے اور دخول لام وغیرہ مبتدا مؤخر۔ خبر کی تقدیم سے پتہ چلتا ہے کہ دخول لام وغیرہ کا ذکر باعتبار خواص ہے باعتبار ذات نہیں نیز یہ کہ یہاں بعض ہی خواص کو بیان کیا گیا ہے سب کو نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ من خواصہ مبتدا ہو اور دخول لام وغیرہ اس کی خبر لیکن اس تقدیر پر من بمعنی بعض ہوگا جیسا کہ قول باری تعالیٰ ومن الناس من یقول آمنا باللہ میں من الناس کو تفسیر کشف میں من بمعنی بعض مان کر مبتدا قرار دیا گیا ہے۔

قولہ منہا بصیغۃ۔ اس عبارت سے یہ بعد دیگرے دو سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ خواص جمع کثرت ہے جس کا اطلاق دس سے زائد پر ہوتا ہے اور یہاں صرف پانچ ہی خواص کو بیان کیا گیا ہے جن پر ان کی جمع قلت خاصات کا اطلاق ہوتا ہے لہذا یہاں پر جمع کثرت کا اطلاق فضول و عبث ہے۔ جواب یہ کہ جمع کثرت کے صیغہ سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اسم کی خاصیتیں بھی پانچ نہیں بلکہ ان کے علاوہ اکیس ہیں اور وہ یہ ہیں ۱۵، تار تانیت متحرکہ ۲۵، یا نسبت لفظی ۳۵، مضمر ہونا ۴۲، فاعل ہونا ۵۵، مقول ہونا

(۱۱) موصوف ہونا (۱۲) ذوالحال ہونا (۱۳) تیسرہ ہونا (۱۴) شئی ہونا (۱۵) جمع ہونا (۱۶) متادی ہونا (۱۷) مکبر ہونا (۱۸) منسوب ہونا (۱۹) مستثنیٰ ہونا (۲۰) مستثنیٰ منہ ہونا (۲۱) منصرف ہونا (۲۲) غیر منصرف ہونا (۲۳) نکرہ ہونا (۲۴) معرکہ ہونا (۲۵) مذکر ہونا (۲۶) مؤنث ہونا (۲۷) بلکہ بعض نپوں نے تینس تک گنائے ہیں۔

دوسرا سوال یہ کہ جمع کثرت کے صیغہ سے جب پانچ سے زائد خاصیتوں کی طرف تہہ کرنا مقصود ہے تو اس میں تبیضہ کو کیوں داخل کیا گیا ہے جواب یہ کہ اس سے یہ تہہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں جو خاصیتیں بیان کی جائیں گی وہ سب نہیں بلکہ بعض ہی ہوں گی جو کثیر الوقوع ہیں اور اس کی بعضیت کا علم اگرچہ من تبیضہ کے علاوہ بھی حاصل ہے کہ متن میں جو خاصیتیں بیان کی جائیں گی وہ بعض ہی ہیں لیکن اس کا علم ان خاصیتوں کے بیان کرنے کے بعد ہی حاصل ہوگا اور من تبیضہ سے شروع ہی سے حاصل ہو جائیگا اس لئے من تبیضہ کو بیان کیا گیا۔

قولہ من التبیضیۃ۔ سوال خواصہ پر من تبیضہ ہے بیانہ کیوں نہیں اگر تبیضہ ہے تو اس پر کیا تفسیر ہے؟ جواب من تبیضہ کا مدخل جمع ہوتا ہے من بیانہ کا نہیں اور یہاں مدخل خواصہ جمع ہے جو من تبیضہ ہونے پر تفسیر ہے اسی وجہ سے زید من الناس میں من کو تبیضہ مانا جاتا ہے کہ ناس کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے اور زید من الانسان میں من کو بیانہ مانا جاتا ہے کہ زید طبیعت انسانہ کا بعض نہیں بلکہ اس کا فرد و جزئی ہے۔

وہی جمع خاصۃ و خاصۃ الشیء ما یختص بہ ولا یوجد فی غیرہ

ترجمہ۔ اور خواص جمع ہے خاصہ کی اور خاصہ شئی کا وہ ہے جو شئی کے ساتھ خاص ہو اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے۔

تشریح۔ قولہ وہی جمع۔ یعنی خواص جمع ہے خاصہ کی جس کی تعریف اہل لغت اس طرح کرتے ہیں خاصۃ الشیء ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ یعنی شئی کا خاصہ وہ ہے جو اس میں پایا جائے اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے عام اذی کہہ اس سے خارج اور محمول عمل موافات ہو جیسے الانسان کاتب میں کاتب ہونا انسان سے خارج اور اس پر محمول بمثل موافات ہے یا اس سے خارج ہو لیکن محمول بمثل موافات نہ ہو جیسے زید مدعی میں یا اس میں داخل اور محمول بمثل موافات ہو جیسے الانسان ناطق میں۔ خیال رہے کہ خواص کی تعریف بیان نہ کی بلکہ اس کا واحد

خاصہ نکالا پھر اس کی تعریف بیان کی جس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ تعریف صرف واحد کی ہوتی ہے جمع کی نہیں اور خاصہ کی تائید کے لئے ہے کیونکہ خاصہ شئی کی اس حالت کو کہتے ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہو قولہ ولا یوجد۔ اس مقام پر کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ تعریف کے اس دوسرے جز کو پہلا جز شامل ہے کیونکہ ما یختص بہ وہی ہے جو شئی میں پایا جائے اس کے غیر میں نہیں لہذا یہ تکرار کیسی ہے؟ جواب یہ کہ دوسرے جز کو اگرچہ پہلا جز شامل ہے لیکن ضمناً ہے اس لئے اس کو دوبارہ صراحتاً بیان کیا گیا یا یہ کہ یختص یہاں بمعنی یوجد ہے اور یوجد چونکہ لا یوجد کے معنی کو شامل نہیں اس لئے اس کے دوسرے جز کو بیان کیا گیا۔ سوال خاصہ کی یہ تفسیر دور کو لازم ہے اس لئے خاصہ کی معرفت ما یختص بہ کی معرفت پر موقوف ہے اور ما یختص بہ کی معرفت خاصہ کی معرفت پر موقوف ہے کیونکہ ما یختص بہ مزید ہے اور خاصہ مجرد اور ظاہر ہے مجرد کی معرفت پر مسنہ کی معرفت موقوف ہوتی ہے لہذا شئی کی معرفت اس چیز سے لازم آئی جس پر اس کی معرفت موقوف ہے اس کو دور کہتے ہیں۔ جواب دور میں موقوف و موقوف علیہ دونوں ایک ہوتے ہیں اور یہاں ایک نہیں کیونکہ معرفت خاصہ اصطلاحی ہے اور تعریف (ما یختص بہ) جس خاصہ پر موقوف ہے وہ خاصہ لغوی ہے دونوں میں کافی فرق ہے۔

وہی اما شاملۃ لجمیع افراد ماہی خاصۃ لہ کالکاتب بالقوۃ للانسانۃ او غیر شاملۃ کالکاتب بالفعل لہ

ترجمہ۔ اور خاصہ آیا اس شئی کے تمام افراد کو شامل ہے جس کا وہ خاصہ ہے جیسے کاتب بالقوۃ انسان کے لئے یا تمام افراد کو شامل نہیں جیسے کاتب بالفعل انسان کے لئے۔

تشریح۔ قولہ وہی اما شاملۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دخول لام اسم کا خاصہ نہیں ہے کیونکہ لام اسم اشارہ داسم موصولہ وغیرہ پر داخل نہیں ہوتا۔ جواب یہ کہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں ایک شاملہ دوسری غیر شاملہ شاملہ وہ ہے جو شئی کے ان تمام افراد کو شامل ہو جن کے ساتھ وہ خاصہ ہے جیسے کاتب بالفعل انسان کے تمام افراد کو شامل نہیں۔

قولہ کالکاتب بالقوۃ۔ سوال کاتب بالقوۃ خاصہ شاملہ کی مثال ہے اور کاتب بالفعل خاصہ غیر شاملہ کی جو دونوں آپس میں ایک دوسرے کے قیاب ہیں اور قیاب میں سے ایک کا صدق دوسرے پر نہیں ہوتا

حالات کا تب بالقوة کا تب بالفعل پر صادق آتا ہے۔ اس لئے کہ بالقوة سے مراد بالامکان ہے اور بالامکان وہ ہے جس کے فرض عدم وقوع سے محال لازم نہ آئے اور ظاہر ہے یہ بالفعل کو بھی شامل ہے۔ جواب بالقوة عام ہے اور بالفعل خاص اور عام کو جب خاص کے مقابل میں استعمال کیا جائے تو اس سے اس خاص کا غیر مراد ہوتی ہے مثلاً حیوان کو جب انسان کے مقابل میں لاکر هذا انسانی او حیوان کہا جائے تو حیوان سے انسان کا غیر یعنی فرس، حمار وغیرہ مراد ہوں گے اسی طرح یہاں بھی بالقوة سے بالفعل کا غیر مراد ہے۔

فہم خواص الاسماء دخول اللام ائی لام التعریف

ترجمہ :- پس اسم کے خواص میں سے ردخول لام پہلے لام تعریف ہے
تشریح :- بیان اللہ دخول اللام۔ سوال خواص کی ترتیب بیان میں دخول لام کو دخول جبر پر اور دخول جبر کو دخول تنوین پر اور دخول تنوین کو اسناد و اضافت پر کیوں مقدم کیا گیا یہ جواب خواص کے متعلق دلیل صحت میں جو ترتیب مذکور ہے بعینہ وہی ترتیب یہاں بھی ملحوظ ہے وہ دلیل حصر یہ ہے کہ خاصہ اسم یا لفظی ہے یا معنوی اگر لفظی ہے تو اس کا محل ورود اسم کا شروع ہے یا آخر اگر شروع ہے تو لام ہے اور اگر آخر ہے تو وہ نفس حرکت ہے یا اس کا تابع اگر نفس حرکت ہے تو جبر ہے اور اگر تابع ہے تو تنوین ہے اور اگر معنوی ہے تو وہ مرکب تام کے ضمن میں ہے یا غیر تام کے ضمن میں اگر مرکب تام کے ضمن میں ہے تو اسناد الیہ ہے اور اگر غیر تام کے ضمن میں ہے تو اضافت ہے۔ سوال دخول لام کو یہاں خاصہ لفظی میں شمار کیا گیا ہے جب کہ وہ خاصہ معنوی میں داخل ہے اس لئے کہ خاصہ اصل میں دخول لام نہیں کیونکہ دخول مضاف ہے اور لام مضاف الیہ اور مضاف الیہ حکم مضاف سے خارج ہوتا ہے اور دخول مصدر ہے اور ظاہر ہے مصدر امر معنوی ہوتا ہے۔ جواب دخول لام یہاں از قبیل اضافۃ الصفۃ الی الموصوف ہے یعنی اللام الداخلة کے معنی میں جس طرح حصول الصورتۃ الماحصلۃ کے معنی میں ہے حاصل کلام یہ کہ خاصہ اسم حقیقہ لام ہے دخول نہیں لیکن لام بحیث دخول ہے لہذا کہ نہیں کیونکہ لہذا کہ نہیں کہتے ہیں شئی کے آخر میں ضم ہونے کو اور دخول کہتے ہیں شروع میں ضم ہونے کو اور کبھی ہر ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے ہیں دخول الجبر والتنوین میں دخول بمعنی لہذا کہ نہیں کیونکہ جبر و تنوین اخیر کلمہ میں ضم ہوتے ہیں اور لہذا کہ نہیں بمعنی دخول ہے کیونکہ حرف تنوین شروع کلمہ میں ضم ہوتا ہے۔

قولہ ائی لام التعریف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دخول لام اسم ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ فعل میں بھی پایا جاتا ہے جیسے یفعل امر غائب ویضرب فعل مضارع میں ہے جواب یہ کہ لام سے بیان لام تعریف ہے اور فعل میں نہیں پایا جاتا کیونکہ یفعل میں جو لام ہے وہ لام امر ہے اور یضرب میں لام ابتداء ہے لام تعریف نہیں اسکا وجہ دخول اللام میں لام پر الف لام کو مضاف الیہ کے عوض یا عہد خارجی کے لئے مانا گیا ہے

ولو قال دخول حرف التعریف لكان شاملًا للیم فی مثل قولہ علیہ السلام یس من امیرامصیام فی امصر لکنہ لم یتعرض لہ لعدہم شہرتہ

ترجمہ :- اور اگر مصنف دخول حرف تعریف کہتے تو یم تعریف کو بھی شامل ہو جاتا جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے یس من امیرامصیام فی امصر جیسے قول میں ہے یعنی سفر میں روزے نیکی سے نہیں ہیں۔ لیکن مصنف نے حرف تعریف کو اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ یم تعریف مشہور نہیں۔
تشریح :- قولہ ولو قال۔ شارح نے اس عبارت سے سوال کو نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے سوال یہ کہ تعریف کے لئے جس طرح لام آتا ہے اسی طرح یم بھی جیسا کہ نبی کریم کے ارشاد یس من امیرامصیام فی امصر میں یم تعریف کے لئے آتی ہے اس لئے مصنف کو چاہیے کہ دخول اللام کے بجائے دخول حرف التعریف کہتے تاکہ لام کے علاوہ یم کو بھی شامل ہو جائے۔ جواب یہ کہ یم بھی اگرچہ تعریف کے لئے آتی ہے لیکن وہ چونکہ مشہور نہیں اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا یہ بھی ممکن ہے کہ دخول لام سے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو غلیل و مبرد و سیبویہ کے درمیان واقع ہے اور یہ حرف تعریف سے حاصل نہیں، نیز یہ کہ یہاں چونکہ حرف ان ہی خاصیتوں کو بیان کرنا مقصود ہے جو کلام فصیح میں مستعمل ہو اور یم کلام فصیح میں مستعمل نہیں اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا۔ سوال یم اگر کلام فصیح میں مستعمل نہیں ہوتی تو سرکار نے اس کو کیوں استعمال فرمایا یہ حالات کلام نبی انصیح کلام عرب ہوتا ہے۔ جواب سائل نے چونکہ سرکار سے یم ہی سے سوال کیا تھا اس لئے آپ نے یم ہی سے اس کو جواب دیا۔ قبیلہ حمیر کا ایک شخص جب کہ رمضان شریف کے ایام میں سفر کو جا رہا تھا تو آپ سے دریافت کیا کہ آمین امیرامصیام فی امصر یعنی روزے سفر میں کیا نیکی سے ہیں یا تو آپ نے اس کا جواب دیا کہ یس من امیرامصیام فی امصر یعنی روزے سفر میں نیکی سے نہیں ہیں۔

قولہ لعدہم شہرتہ۔ سوال یم تعریف جب مشہور نہیں تو اس کو کثرت سے بیان کرنا چاہیے

تاکہ وہ مشہور ہو جائے۔ جواب یہ کہ کافیہ چونکہ مبتدیوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے اس میں صرف ان ہی حاصل کو بیان کیا گیا ہے جو مشہور و کثیر الوقوع ہیں اور جو قلیل الوقوع ہیں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے یا یہ کہ مشہور نہ ہونے سے یہاں مراد نادار الاستعمال ہے اور ظاہر ہے میم بہ نسبت لام کے نادر الاستعمال ہے

وَفِي اخْتِيَارِ اللَّامِ اِشَارَةٌ اِلَى اَنَّ الْمُخْتَارَ عِنْدَ مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ سُبُوْبُهُ مِنْ اَنَّ اِذَا التَّعْرِيفِ
هِيَ اللَّامُ وَحَدَّثَ هَازِيدٌ عَنْ عَلِيٍّ هَمَزُهُ الْوَصْلُ لَتَعْدَّ بِرِ الْاِبْتِدَاءِ بِرِ الْاَتَاكِينِ وَامَّا الْخَلِيلُ فَقَدْ ذَهَبَ
اِلَى اَنَّهَا اَلْ كَهْلُ وَاللُّبْدُ اِلَى اَنَّهَا الْهَمَزَةُ الْمَفْتُوحَةُ وَحَدَّثَ هَازِيدٌ أَنَّ اللَّامَ لِلْفَرْقِ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ هَمَزِهِ
الْاِسْتِفْهَامِ

ترجمہ :- اور مصنف کلام کے اختیار کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے نزدیک وہی مختار ہے جو سبب بہ کاملک ہے کہ ادات تعریف صرف لام ہے اس پر ہمزہ وصل زیادہ کیا گیا ہے کیونکہ ابدال یا تاشاکن محال ہے لیکن خلیل کا مذہب یہ ہے کہ ادات تعریف ال حل کی مثل ہے اور مزہد کا مذہب یہ ہے کہ ادات تعریف صرف ہمزہ مفتوحہ ہے۔ لام کو ہمزہ مفتوحہ و ہمزہ استفہام کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے زیادہ کیا گیا ہے۔

تشریح :- قولہ فی اختیار اللام - یہ جواب ہے اس سوال کا اسم کا خاصہ صرف لام نہیں بلکہ الف و لام دونوں میں لہذا مضف کو یوں کہنا چاہئے دخول اللام و الألف - جواب یہ کہ نخویوں کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ حرف تعریف الف و لام دونوں کا مجموعہ ہے یا صرف الف ہے یا صرف لام - سیبویہ کے نزدیک حرف تعریف صرف لام ہے اور ابتداء بالسکون چونکہ محال ہے اس لئے لام کے شروع میں ہمزة وصل لایا جاتا ہے خلیل کے نزدیک حرف تعریف ال بروزن هل دونوں کا مجموعہ ہے اور میرد حریف صرف ہمزة کو کہتے ہیں لیکن اس کے بعد لام کا اضافہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہمزة تعریف اور ہمزة وصل کے درمیان فرق پیدا ہو جائے - اور ان تین مذہبوں میں سے سیبویہ کا مذہب چونکہ مضف کے نزدیک مختار تھا اس لئے انہوں نے سیبویہ کے مسلک پر دخول اللام فرمایا دخول الألف و اللام نہیں۔

قولہ سیبویہ - یہ ارباب نحو و لغت کے ایک امام کا لقب ہے اُن کا اصل نام عسکری بن عثمان ہے جو ملک شیراز کے باشندہ تھے۔ سیبویہ اسم (سیب) اور صوت (ویہ) سے مرکب ہے اسم مثنیٰ بر فتح ہے اور صوفی

برکر۔ یہی حال عمر دیہ و معدویہ و نقطویہ وغیرہ کا ہے۔ سیبویہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ وہ چونکہ سیب پھل کو بکثرت کھایا کرتے تھے یا ان کا رخسار رنگ و گداز وغیرہ میں سیب کی مانند تھا اس لئے ان کو سیبویہ کہا جاتا تھا۔

قولہ ذیلیات علیہا ہنزة۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ سیبویہ کے نزدیک جب حرف تعریف صرف لام ہے تو اس کے شروع میں ہنزة وصل کا اضافہ کیوں کیا جاتا ہے جواب یہ کہ ابتداء بالکون چونکہ محال ہے اس لئے اس کے شروع میں ہنزة وصل کا اضافہ کیا جاتا ہے کیونکہ لام ساکن ہے اور وہ اس لئے کہ وہ متوین کے مقابل میں آیا ہے یا اس لئے کہ لام کو اگر فتح دیا جائے تو اس کا لام ابتداء کے ساتھ التیاس لازم آئیگا کیونکہ لام ابتداء بھی مفتوح ہوتا ہے اور اگر کسرہ دیا جائے تو لام جارہ کے ساتھ التیاس لازم آئے گا کیونکہ لام جارہ بھی مکسور ہوتا ہے اور اگر ضمہ دیا جائے تو ایسے امر میں ثقل لازم آئے گا جس کے استعمال کی بکثرت حاجت ہوتی ہے۔ لام کے شروع میں ہنزة ہی کا اضافہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ شروع میں شکلم قوی ہوتا ہے اور ہنزة بھی حرف قوی ہے یا یہ کہ اکثر مقام میں ہنزة ہی شروع میں زیادہ کیا جاتا ہے اور ہنزة کو فتح اس لئے دیا جاتا ہے کہ کثرت استعمال کی وجہ سے اس میں خفت مطلوب ہے

تولیدہ و اما التحلیل۔ یعنی خلیل نحوی ال کو ہل کی مانند مانتے ہیں یعنی حرف تعریف ہمزہ و لام کے مجموعہ کو کہتے ہیں کیونکہ اگر صرف لام ہو اور ہمزہ نہ ہو تو اگر کوئی ہمزہ لام پر داخل ہو جائے تو اس کو ہمیشہ مکسور ہونا چاہیے کیونکہ اس تقدیر پر وہ ہمزہ وصل ہوگا جو ہمیشہ مکسور ہوتا ہے حالانکہ وہ مکسور نہیں ہوتا اور حرف تعریف کا مقیس علیہ صرف استفہام یعنی ہل کو اس لئے قرار دیا کہ دونوں کو تعین تعریف میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت حاصل ہے کیونکہ ہل طلب شئی کے لئے آتا ہے جس کے مدخول میں تین پیدا ہوتا ہے۔ یہی حال حرف تعریف کے مدخول سے بھی ہوتا ہے پس جب ہل مرکب ہے تو حرف تعریف بھی مرکب ہوا۔

قولہ زید تے اللہم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبرد کے نزدیک حرف تعریف جب صرف ہمزہ مقصور ہے تو اس کے بعد لام کیوں زیادہ کیا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ لام کو اس لئے زیادہ کیا جاتا ہے کہ حرف تعریف اور ہمزہ استفہام کے درمیان فرق پیدا ہو جائے

وَالْأَخَصُّ دَخُولُ حَرْفِ التَّعْرِيفِ بِالْإِسْمِ لِأَنَّهُ لِيَتَعَيَّنَ مَعْنَى مُسْتَقِلٍّ بِالْمَقْهُومِيَّةِ يَدُكُ عَلَيْهِ اللفظُ
مطابقته والحرف لا يَدُكُ عَلَى الْمَعْنَى الْمُسْتَقِلِّ وَالْفِعْلُ يَدُكُ عَلَيْهِ تَضَمُّنًا لِمُطَابَقَتِهِ وَهَذِهِ الْخَاصَّةُ

لَيْسَتْ شَامِلَةً لِجَمِيعِ أَفْرَادِ الْإِسْمِ فَإِنَّ حَرْفَ التَّعْرِيفِ لَا يَدْخُلُ الصَّمَاتُ وَالْأَسْمَاءُ الْإِشَارَةُ وَغَيْرُهَا
كَالْمَوْصُولَاتِ وَكَذَلِكَ سَائِرُ الْخَوَاصِّ الْخُصِّ الْمَذْكُورَةِ فِي هَذَا

ترجمہ :- اور دخول حرف تعریف کو اسم کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ وہ معنی مستقل یا مفہومیہ کو متعین کرتا ہے جس پر لفظ بطور مطابقت دلالت کرتا ہے اور حرف معنی مستقل پر دلالت نہیں کرتا اور فعل دلالت کرتا ہے بطور تعین بطور مطابقت نہیں۔ اور یہ خاصہ تمام افراد اسم کو شامل نہیں ہے اس لئے کہ حرف تعریف ضمائر و اسماء اشارہ اور ان کے علاوہ مثلاً موصولات پر داخل نہیں ہوتا اور یہی حال باقی ان پانچ خاصوں کا ہے جو یہاں مذکور ہیں۔
تشریح :- قولہ أَمَّا اخْتَصَّ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ دخول لام تعریف اسم کے ساتھ خاص کیوں نہیں ہے؟
فعل و حرف کیساتھ کیوں نہیں ہے؟ جواب یہ کہ لام تعریف کو واضح نے معنی مستقل کے تعین کے لئے وضع کیا ہے جو مدلول مطابقی ہو اور حرف کا معنی مستقل ہی نہیں اور فعل کا معنی مستقل تو ہے لیکن مدلول مطابقی نہیں کیونکہ اس کا معنی مستقل حدت ہے جو مدلول تعین ہے اس لئے لام تعریف حرف اسم کے ساتھ خاص ہے۔

قولہ هَذَا بِالنَّحْوِ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ لام تعریف اسم کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ وہ اسم ضمیر و اسم اشارہ و اسم موصولہ پر داخل نہیں ہوتا اس لئے کہ لام تعریف سے اسم معرفہ ہو جاتا ہے اور مذکورہ بالا اسماء چونکہ پہلے ہی سے معرف ہیں اس لئے ان پر لام تعریف داخل نہیں ہوتا جواب یہ کہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ گذرا ایک شاملہ اور دوسری غیر شاملہ اور یہاں خاصہ سے مراد غیر شاملہ ہے جو اس کے ان تمام افراد کو شامل نہیں جن کے ساتھ یہ خاص ہے یہی حال بقیہ پانچوں آنے والے خاصوں کا ہے کہ ان سے بھی مراد خاصہ غیر شاملہ ہے۔

وَمِمَّا دَخَلَ الْجَرَّ أَمَّا اخْتَصَّ دَخُولُ الْجَرِّ بِالْإِسْمِ لِأَنَّهُ ادْخُلَ حَرْفُ الْجَرِّ فِي الْمَجْرُورِ بِهِ لَفْظًا أَوْ فِي الْمَجْرُورِ بِهِ تَقْدِيرًا كَمَا فِي الْأَصْنَافِ الْمَعْنَوِيَّةِ وَدَخُولُ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا يَخْتَصُّ بِالْإِسْمِ لِأَنَّهُ مَوْضِعُ الْأَنْضَاءِ مَعْنَى الْفِعْلِ أَيْ الْإِسْمِ فَيَنْبَغِي أَنْ يَدْخُلَ الْأَسْمَاءُ لِيَقْتَضِيَ مَعْنَى الْفِعْلِ إِلَيْهِ

ترجمہ :- (اور خواص اسم سے دخول (جر) ہے دخول جو کہ اسم کیساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ حرف جر کا اثر اسم مجرور پر لفظی یا اسم مجبور پر ہے تقدیراً ہے جیسا کہ اصناف معنویہ میں ہے اور حرف جر کا دخول لفظی

یا تقدیراً اسم کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ وہ موضوع ہے معنی فعل کو اسم تک پہنچانے کے لئے پس مناسب ہے کہ وہ اسم میں داخل ہو جائے تاکہ معنی فعل کو اسم تک پہنچائے۔

تشریح :- قولہ دَخَلَ۔ لفظ دخول کی تقدیر سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ تن میں الجر مجرور ہے جس کا معطوف علیہ دخول اللام میں اللام ہے لیکن اس تقدیر پر جس سے اس کا اصطلاحی معنی مراد ہوگا اور اگر لغوی معنی یعنی شئی کا مجرور ہونا مراد ہو تو اس کا عطف اللام پر صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس تقدیر پر معنی ہوگا مجبور ہونے کا داخل ہونا جو بدائشہ باطل ہے پس اس صورت میں الجر مرفوع ہوگا جس کا معطوف علیہ دخول اللام میں دخول ہوگا تقدیر اول معنی ہوگا جس کا داخل ہونا جو بلاشبہ درست ہے لیکن یہاں دخول سے مراد حق ہوگا جیسا کہ گذرا کیونکہ دخول اول کلمہ میں ضم ہونے کو کہتے ہیں اور یہاں آخر کلمہ میں ضم ہوتا ہے۔ اسی طرح القنویں بھی مرفوع اور مجرور ہوگی

قولہ أَمَّا اخْتَصَّ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ جس اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے؟ جواب یہ کہ حرف جر کا اثر ہے اور حرف جر عام از میں کہ محفوظ ہو جیسے مرتب بزید میں یا مقدر ہو جیسے غلام زید میں اور ظاہر ہے حرف جر نہ فعل پر داخل ہوتا ہے اور نہ حرف پر بلکہ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے اس لئے کہ اسم کے ساتھ خاص ہے ورنہ اثر کا وجود مؤثر کے وجود کے بغیر لازم آئے گا جو باطل ہے۔ اور جو اسم کے ساتھ خاص اس لئے بھی ہے کہ وہ منصرف و غیر منصرف کے درمیان فرق کے لئے آتا ہے کہ منصرف پر حرف جر داخل ہوتا ہے اور غیر منصرف پر نہیں اور منصرف و غیر منصرف ہونا دونوں اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ لہذا جس بھی اسم کے ساتھ خاص ہوا خیال رہے کہ مجرور پر میں جو ضمیر مجرور ہے اس کا مرجع حرف جر ہے جس کی تید لفظاً و تقدیراً ہے

قولہ دَخُولُ حَرْفِ الْجَرِّ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ یہ مانا کہ جر حرف جر کا اثر ہے لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اسم کے ساتھ خاص بھی ہے۔ جواب یہ کہ اسم کیساتھ خاص ہے کیونکہ وہ فعل کے معنی کو اسم تک پہنچاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ اسم پر داخل ہو اور اگر فعل یا حرف پر داخل ہو تو فعل کے معنی کو فعل یا حرف تک پہنچانا لازم آئے گا جو مقصود وضع کے خلاف ہے پس جب جر حرف جر کا اثر ہے اور وہ اسم کے ساتھ خاص ہے تو جر بھی اسم کے ساتھ خاص ہوا

وَأَمَّا الْأَصْنَافُ اللَّفْظِيَّةُ فَهِيَ فَرْعٌ لِّلْمَعْنَوِيَّةِ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَخَالَفَ الْأَصْلَ بَأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِمَا يَخَالَفُ مَا يَخْتَصُّ بِهِ الْأَصْلُ أَعْنَى الْفِعْلِ أَوْ يَزِيدُ عَلَيْهِ بَأَنَّهُ يَعْنِي الْأَسْمَاءَ وَالْفِعْلَ

توجہ: — اور لیکن اضافت لفظیہ تو وہ اضافت معنویہ کی فرع ہے پس مناسب ہے کہ فرع اصل کے مخالف نہ ہو
بائیں طور کہ فرع خاص ہو اس کے ساتھ یعنی فعل کیساتھ جو اس کا مخالف ہے کہ جس کے ساتھ اصل خاص ہے یا فرع
اصل پر بائیں طور زائد ہو کہ وہ اسم و فعل دونوں کو عام ہو جائے۔

تشریح: — قولہ اما الاضافۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تقریباً نام نہیں کیونکہ دلیل دعویٰ کے خلاف ہے
اس لئے کہ دعویٰ ہے ہر جہاں اسم کیساتھ خاص ہے اور دلیل سے معلوم ہوا کہ وہ جہاں جو صرف جہاں اثر ہے وہ اسم کے
ساتھ خاص ہے لیکن جو صرف جہاں اثر نہیں اس کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ وہ اسم کیساتھ خاص ہے یا نہیں اس
لئے کہ اضافت لفظیہ میں مضاف الیہ سے پہلے حرف جر نہ ملفوظ ہوتا ہے نہ مقدر پس اضافت لفظیہ کے مضاف الیہ
کا جہاں کسی حرف جہاں اثر نہ ہوا۔ جواب یہ کہ اضافت معنویہ اصل ہے اور اضافت لفظیہ فرع اور فرع اپنی اصل کا مخالف
نہیں لہذا جب اضافت معنویہ اسم کے ساتھ خاص ہے تو اضافت لفظیہ بھی اسم کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ یہ جواب جمہور
کے مسلک پر دیا گیا لیکن مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جس طرح اضافت معنویہ کے مضاف الیہ سے پہلے حرف
جر مقدر ہوتا ہے اسی طرح اضافت لفظیہ کے مضاف الیہ سے پہلے بھی حرف جر مقدر ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے بحث مجرد
میں مضاف الیہ کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ وہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف شئی بواسطہ حرف جر منسوب ہو اور حرف جر عام ہے
کبھی ملفوظ ہوتا ہے جیسے مرتب برید میں اور کبھی مقدر جیسے غلام زید میں اور وہ اضافت جس کے مضاف الیہ میں حرف
جر مقدر ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک اضافت معنویہ دوسری اضافت لفظیہ جس سے معلوم ہوا کہ اضافت لفظیہ میں
بھی صرف جر مقدر ہوتا ہے۔

قولہ بالتخصیص۔ یہ منفی یعنی مخالف کی تہا اور اس کا بیان ہے اور بنی میں لفظ ماسے مراد فعل
ہے اور مخالف میں ضمیر مرفوع کا مرجع وہی لفظ ماسے ہے اور ما یختص میں لفظ ماسے مراد اسم ہے پس قرینہ ہوا کہ فرع
اصل کے بائیں طور مخالف نہ ہو کہ فرع فصوص ہو اس سے یعنی فعل سے جو اس کا یعنی اسم کا مخالف ہے کہ جس کیساتھ
اصل یعنی اضافت معنویہ خاص ہے یا فرع اصل پر اس طرح زائد ہو کہ اسم و فعل دونوں کو عام ہو جائے

وَمِنْهَا دُخُولُ التَّنْوِينِ بِأَقْسَامِهِ الْآتِيَةِ فِي آخِرِ الْكِتَابِ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى تَعْلِيلُ
رَبَائِعِ أَقْسَامِهِ عَلَى دَرَجَةٍ يَظْهَرُ جِهَةٌ اخْتِصَاصٍ بِأَعْدَادِ تَنْوِينِ التَّرْتِيبِ بِهِ وَجِهَةٌ عَدَمِ اخْتِصَاصٍ
تَنْوِينِ التَّرْتِيبِ بِهِ

توجہ: — (اور) خواص اسم سے دخول (تنوین) ہے۔ تنوین، تنوین ترنم کے علاوہ اپنی تمام اقسام کیساتھ خواص
اسم سے ہے اگر خداوند قدوس نے چاہا تو عنقریب آخر کتاب میں تنوین کی تعریف اور اس کے اقسام کا بیان اس
طریق پر آئیگا کہ تنوین ترنم کے علاوہ کا اسم کیساتھ خاص ہونے اور تنوین ترنم کا اسم کیساتھ خاص نہ ہونے کی وجہ
ظاہر ہو جائیگی۔

تشریح: — بیانہ التَّنْوِين۔ بوجہ مذکور التَّنْوِين پر رفع و نصب دونوں ممکن ہیں۔ تنوین پانچ قسم پر ہے، تنوین
مکمل جو کلمہ کے منصرف ہونے پر دال ہے جیسے زید میں، تنوین تکیر جو اسم فعل مکملہ پر داخل ہوتی ہے جیسے صلی
بمعنی اُسکت سکوتا میں کہ وہ اسم فعل مکملہ ہے اور صلی اسم فعل معروض ہے کیونکہ اس کا معنی ہے اُسکت سکوتا
آن۔ علامہ رضی کا خیال ہے کہ تنوین تکیر وہ ہے جو اسم مکملہ پر آئے عام ازلیں کہ وہ اسم مبنی ہو جیسے صلی یا عرب
ہو جیسے رجل، تنوین عوض جو مضاف الیہ کے عوض آتی ہے جیسے یومئذ میں جو اصل میں یوم اذاکان کذا تھا
(۴) تنوین مقابلہ جو جمع مؤنث سالم کے آخر میں نون جمع مذکر سالم کے مقابل میں آتی ہے جیسے سلمات میں (۵)
تنوین ترنم جو بیات کے آخر میں آتی ہے جیسے اَقْبَلِ اللّٰهُ عَاذِلُ الْعَنَابِ۔ وقولِي اِنَّ اَصْبَحْتُ لَقَدْ اَصَابْتُ
میں لفظ العناب اور اَصَابْتُ میں تنوین ترنم ہے کیونکہ الْعَنَابِ اصل میں العناب تھا اور اَصَابْتُ اصل میں اَصَاب
تھا۔ تنوین ترنم چونکہ اسم کے علاوہ فعل و حرف پر بھی داخل ہوتی ہے اس لئے وہ اسم کا خاص نہیں ہو سکتی
برخلاف بقیہ چاروں اقسام کہ وہ صرف اسم میں داخل ہوتی ہیں اس لئے وہ اسم کے خاص ہیں اور تنوین میں تنوین کو
جو اسم کا خاص قرار دیا گیا ہے وہ ان ہی چاروں اقسام کے اعتبار سے کیونکہ ہر ایک کا محل اسم ہوتا ہے جیسا کہ گذرا
اول کا محل اسم منصرف ہے اور دوم کا اسم مکملہ اور سوم کا اسم مضاف اور چہارم کا جمع مؤنث سالم ہے۔ خیال رہے
کہ لغت میں تنوین کا معنی ہے کسی فہمی کو نون والی بنا دیا اور اصطلاح میں وہ نون ساکن ہے جو کلمہ کی آخری حرکت
کے تابع اور غیر تاکید کے لئے ہو۔

وَمِنْهَا الْاِسْتِثْنَاءُ الَّذِي لَا عَلَى مَدْخُولِهِ لَآتِ الْمَتَادُ مِنْ الدُّخُولِ الذِّكْرُ
فِي الْاَوَّلِ اَوْ الْاٰخِرِ وَكِلَاهُمَا مُشْتَقَّانِ مِنَ الْاِسْتِثْنَاءِ وَكِلَا فِي الْاِضَافَةِ وَالْمُرَادُ بِهِ كَوْنُ الشَّيْءِ مُسْتَدًّا اِلَيْهِ
وَاِنَّمَا اخْتَصَّ هَذَا الْمَعْنَى بِالْاِسْمِ لِأَنَّ الْفِعْلَ قَدْ وُضِعَ لِأَنَّهُ يَكُونُ اَبَدًا مُسْتَدًّا اِنْقَطَعَتْ فُلُوحُ جَعْلٍ مُسْتَدًّا اِلَيْهِ
يَلْزَمُ خِلَافُ وَضْعِهِ

ترجمہ۔۔۔ (اور خواص اسم سے مستند الیہ ہوتا) ہے الاستاذ الیہ وال کے رفع کیساتھ معطف ہے دخول پر اس کے مدخول یعنی لام پر نہیں کیونکہ دخول سے متناظر حقیقہ اول کلمہ میں ذکر کرنا ہے یا مجازاً آخر کلمہ میں لام مع ہونا ہے اور دونوں ہی اسناد میں متفق ہیں یہی حال اضافت میں ہے اور اسناد الیہ سے مراد شئی کا مستند الیہ ہونا ہے اور اس معنی کو اسم کیساتھ اس نے خاص کیا گیا کہ فعل وضع کیا گیا ہے تاکہ وہ ہمیشہ صرف مستند ہو پس اگر اس کو مستند الیہ بھی کر دیا جائے تو وضع کے خلاف لازم آئیگا۔

تشریح:۔۔۔ قولہ ہو بالرفع۔ یعنی تن میں الاستاذ مرفوع ہے جو دخول اللام میں دخول پر معطف ہے اس کے مدخول پر نہیں کیونکہ اگر مدخول پر معطف ہو تو معنی ہوگا اسناد کا داخل ہونا اور ظاہر ہے یہ معنی ناسد ہے اس لئے کہ دخول حقیقہ ذکر فی الاول اور مجازاً لحوق فی الآخر کو کہتے ہیں اور اسناد میں دونوں ہی مفقود ہیں کیونکہ اسناد ایک نسبت ہے جو مستند و مستند الیہ کے درمیان پائی جاتی ہے یہی حال اضافت کا بھی ہے کہ وہ بھی ایک نسبت ہے جو مضاف و مضاف الیہ کے درمیان پائی جاتی ہے جو ذکر فی الاول یا لحوق فی الآخر کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

قولہ والمراد الیہ۔۔۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسناد جیسا کہ گذرا وہ ایک نسبت ہے جو مستند و مستند الیہ کے درمیان پائی جاتی ہے پس جب وہ خواص اسم ہے تو مستند و مستند الیہ دونوں کے ساتھ خاص ہوگا اور دونوں کا اسم ہونا لازم آئے گا حالانکہ اسم صرف مستند الیہ ہوتا ہے مستند نہیں کیونکہ وہ کبھی اسم بھی ہوتا ہے اور فعل بھی جیسے اللہ یؤتٰ لمن یشاء میں۔ جواب یہ کہ خواص اسم سے اسناد نہیں بلکہ اسناد الیہ ہے جس سے مراد مستند الیہ ہونا ہے اور ظاہر ہے یہ معنی مستند الیہ کے ساتھ خاص ہے مستند کیساتھ نہیں۔

قولہ انما اختص۔۔۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مستند الیہ ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے تو کس طرف بہ جواب یہ کہ مستند الیہ معنی مستقل ہوتا ہے اور حرف کا معنی مستقل ہی نہیں اور فعل کا معنی تفسیعی اگرچہ مستقل ہوتا ہے لیکن واقعے میں اس کو صرف مستند کے لئے وضع کیا ہے کہ وہ ہمیشہ مستند ہی متقبل ہو پس اگر وہ مستند الیہ بھی متقبل ہو جائے تو وضع کے خلاف لازم آئے گا اور اس لئے بھی کہ اسم کا معنی مطابق مستند الیہ ہوتا ہے اور فعل کا معنی تفسیعی بھی اگر مستند الیہ ہو جائے تو دونوں میں مساوات لازم آئیگا جو منوع ہے۔ سوال مستند الیہ فعل و حرف بھی ہوتے ہیں جیسے ضرب فعل ماضی میں ضرب اور من الاجتدار میں من مستند الیہ واقع ہیں حالانکہ پہلا فعل ہے اور دوسرا حرف۔ جواب مذکورہ شالوں میں ضرب سے فعل اور من سے حرف مراد نہیں بلکہ لفظ ضرب اور لفظ من مراد ہے جو دونوں اسم ہیں۔ فعل و حرف باعتبار معنی ہوتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔

ومنها الاضافة انی کون الشئ مضافاً بتقدیر حرف الجر لا بذكره لفظاً ووجه اختصاصها بالاسم اختصاصاً بواجبها من التعریف والتخصیص والتخفیف به وانما فترنا الاضافة بكون الشئ مضافاً لان الفعل أو الجملة قد يقع مضافاً الیہ کافی یوم نفع الصادقین صدقہم وقد یقالے هذا بتاویل المصدر انی یوم نفع الصادقین فالامانة بتقدیر حرف الجر مطلقاً یختص بالاسم وانما قیلنا لا بقولنا بتقدیر حرف الجر لئلا یتقضى بقولنا مدرک بزیل فان مدرک مضافاً الی زید بواسطہ حرف الجر لفظاً

ترجمہ:۔۔۔ (اور خواص اسم سے اضافت) ہے یعنی شئی کا مضاف ہونا ہے بتقدیر حرف جر اس حرف جر کو لفظاً ذکر کر کے نہیں اور اضافت کا اسم کیساتھ خاص ہونے کی وجہ اس کے لازم یعنی تعریف و تخصیص و تخفیف کا اسم کے ساتھ خاص ہونا ہے اور ہم نے اضافت کی تفسیر کسی شئی کے مضاف ہونے کے ساتھ اس لئے کیا ہے کہ فعل یا جملہ کبھی مضاف الیہ واقع ہوتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ یوم نفع الصادقین صدقہم میں اور بعض کا قول ہے کہ نفع الصادقین مصدر کی تاویل میں ہے یعنی یوم نفع الصادقین پس اضافت بتقدیر حرف جر مطلقاً اسم کے ساتھ خاص ہے اور ہم نے کون الشئ مضافاً کو اپنے قول بتقدیر حرف جر کیساتھ اس لئے خاص کیا ہے کہ وہ ہمارے قول مدرک بزیل سے منقوض نہ ہو کیونکہ مدرک بواسطہ حرف جر لفظاً زید کی طرف مضاف ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ انی کون الشئ۔۔۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اضافت ایک نسبت کا نام ہے جو مضاف و مضاف الیہ کے درمیان پائی جاتی ہے اور جب یہ اسم کے ساتھ خاص ہے تو مضاف و مضاف الیہ دونوں اسم کے ساتھ خاص ہوں گے اور دونوں کا اسم ہونا لازم ہوگا حالانکہ اسم صرف مضاف ہوتا ہے مضاف الیہ نہیں کہ وہ کبھی فعل بھی ہوتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ یوم نفع الصادقین صدقہم میں نفع فعل مضارع ہے جواب یہ کہ اضافت سے یہاں مراد نسبت نہیں بلکہ مضاف ہونا ہے اور یہ مضاف کیساتھ خاص ہے ظاہر ہے یہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے قولہ بتقدیر حرف الجر۔۔۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مضاف ہونا اسم کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ فعل بھی مضاف ہوتا ہے جیسے مدرک بزیل میں مدرک زید کی طرف مضاف ہے جواب یہ کہ مضاف سے یہاں مراد وہ ہے جس کے مضاف الیہ سے پہلے حرف جر مقدر ہو جیسے غلام زید میں زید سے پہلے لام حرف جر

مقدر ہے۔ قولہ اختصاصاً۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ مضاف ہونا اسم کے ساتھ خاص ہے جواب یہ کہ مضاف کے لوازم چونکہ تعریف و تخصیص و تحقیق ہیں جو اسم کے ساتھ خاص ہیں اس لئے مضاف ہونا اسم کے ساتھ خاص ہوا کیونکہ لازم کا وجود بدون وجود ملزوم محال ہے۔ سوال اسم کی طرح فعل میں بھی تخصیص پائی جاتی ہے کیونکہ تخصیص، تفسیر کہنے میں اور وہ فعل میں بھی پائی جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے ضربتہ فی السوق۔ یعنی میں نے اس کو بازار میں مارا یہاں ضرب فعل کو سوق کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جواب تخصیص سے یہاں تفسیر مراد نہیں بلکہ قلت اشتراک افراد ہے اور فعل کے افراد ہی نہیں ہوتے کہ اس میں قلت ہو۔ کیونکہ وہ ایک ایسی طبیعت یعنی مفہوم میں جیتا ہو مفہوم کا نام ہے جس کے ساتھ افراد ملحوظ نہیں ہوتے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی واللہ لا اکلہ کہے یعنی خدا کی قسم نہیں کھاؤ گا تو اس سے کوئی خاص کھانا مراد نہ ہوگا بلکہ مطلق کھانا مراد ہوگا۔

قولہ وانما قرناً۔ اضافت کی تفسیر جو کون اشیاء مضاف سے کی گئی اس عبارت سے اس کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر کسی کا مضاف ہونا مراد نہ ہو بلکہ عام ہو کہ مضاف ہو یا مضاف الیہ تو اسم کیساتھ خاص نہ رہے گا کیونکہ مضاف الیہ کبھی فعل بھی واقع ہوتا ہے جیسے قول باری تعالیٰ یوم یفزع الصادقین صدقہم میں مضاف الیہ یفزع فعل مضارع واقع ہے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اضافت سے مضاف و مضاف الیہ دونوں ہمے سراد ہیں لیکن آیت مذکورہ میں مضاف الیہ فعل مضارع نہیں بلکہ وہ بناوہل مصدر مضاف الیہ ہے یعنی یوم یفزع الصادقین صدقہم ہے کیونکہ یوم ظرف ہے اور ظرف جب جملہ کی طرف مضاف ہو تو وہ حقیقہً اس جملہ کے مضمون کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسا کہ بحث ظرف میں آئے گا اور یفزع الصادقین کا مضمون جملہ یفزع الصادقین ہے یا یہ کہ یفزع سے پہلے اُن مقدر ہے جس طرح کہ سمع بالمعیدی خیر من ان تردا میں اُن مقدر ہے۔ جواب دوم میں چونکہ تاویل ہے اور تاویل خلاف اصل ہے اس لئے اس کو قد یقالے کلمہ تمسیر سے بیان کیا گیا اور لان الفعل أو الجملة سے شارح نے اختلاف قولین کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف الیہ فعل ہے یا جملہ۔ مصنف اول کے قائل ہیں اس لئے اس کو ذکر میں پہلے بیان کیا اور یہ اختلاف صرف بحسب لفظ ہے لیکن بحسب معنی مضاف الیہ صرف مصدر ہوگا کذا قال الملا عبد الغفور والشیخ الرضی۔

قولہ انما قیدنا۔ کون اشیاء مضاف کے ساتھ بتقدیر حرف الجہر کی تید جو بیان کی گئی اس

عبارت سے اس کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ مضاف اسم ہوتا ہے اور کبھی فعل بھی۔ فعل وہ مضاف ہونا ہے جس کے مضاف سے پہلے حرف جر ملحوظ ہو جیسے مرتبہ بزیلہ میں مرتبہ مضاف ہے جو اس کے مضاف الیہ بزیلہ سے پہلے با حرف جر ملحوظ ہے اور اسم وہ مضاف ہوتا ہے جس کے مضاف الیہ سے پہلے حرف جر مقدر ہو جیسے غلام بزیلہ میں غلام مضاف ہے جو اس کے مضاف الیہ بزیلہ سے پہلے لام حرف جر مقدر ہے اور یہاں پہلی دوسری قسم مراد ہے اس لئے اس کو بتقدیر حرف الجہر کی تید کو بیان کر کے واضح کیا گیا۔

وهو أى الاسم قسماً معرباً وبنی لا تلتھ لا یخلو ما آتے یکون مرکباً مع غیرہ اولاً والاولیٰ امّا ان یشبہ مبنی الاصلیٰ اولاً وھذا المعنی المركب الذی لہم یشبہ مبنی الاصلیٰ هو المعرب وما عداه اعنی غیر المركب والمركب الذی یشبہ مبنی الاصلیٰ مبنی

ترجمہ:۔ (اور وہ) یعنی اسم دو قسم پر ہے (معرب اور مبنی) اس لئے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں آیا اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا مرکب نہ ہوگا اور اول آیا مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا مشابہ نہ ہوگا اور یہ یعنی وہ مرکب جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں وہ معرب ہے اور اس کے ماسوا یعنی مرکب کے علاوہ اور وہ مرکب جو مبنی اصل کے مشابہ ہے مبنی ہیں

تشریح:۔ بیانہ وھو۔ اسم کی تعریف اور اس کے خواص سے جب مصنف فارغ ہو چکے تو اب اس کی تقسیم بیان فرماتے ہیں کیونکہ تقسیم سے بھی معترف واضح ہو جاتا ہے جس طرح تعریف اور خواص سے معرب واضح ہو جاتا ہے نیز ہر اسم کے احوال یکساں نہیں ہوتے اس لئے تقسیم بیان کیا تاکہ ہر ایک کے احوال جدا جدا معلوم ہو جائیں۔

قولہ أى الاسم قسماً۔ ھو کی تفسیر اُلا اسم سے یہ اشارہ ہے کہ یہ تقسیم اسم کی ہے اضافت یا اسناد وغیرہ کی نہیں اور قسماً سے اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں ہو جس کا مرجع اسم ہے وہ عام ہے جو معرب و مبنی دونوں کو شامل ہے اور معرب اس کی خبر خاص ہے جو محمول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اسناد اسم میں سے معرب ہونا لازم آتا ہے جو ممنوع ہے حالانکہ بعض اسناد اسم مبنی بھی ہے اسی وجہ سے الجیوان الشان کہنا جائز نہیں جواب یہ کہ ھو کی خبر معرب نہیں بلکہ قسماً ہے جو عبارت میں محذوف ہے البتہ اس سے صورت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قسماً تشبیہ ہے اور ھو مبتدا مفرد ہے جس پر تشبیہ کا حمل جائز نہیں

جیسے زید رجلان نہیں کہہ سکتے اس کا جواب یہ کہ مفرد اگر عام یا کل ہو تو اس پر تثنیہ یا اجزاء کا محل جائز ہے جیسے کتاب بخاری جلد اول و ثانیہ وغیرہ جائز ہے کیونکہ کتاب بخاری اور شرح وقایہ میں سے ہر ایک دو جلدوں کو شامل ہے۔ یہی حال ہوتا ہے کہ عام ہے جو معرب و مثنیہ دونوں قسموں کو شامل ہے اور مثال مذکور زید رجلان میں زید عام نہیں ہے اس لئے اس پر رجلان کا محل درست نہیں یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہوتا ہے کہ معرب الیہ نہیں ہے جو بوجہ اختصار و مخدوف ہو گیا ہے اور اس کے متعلق قسمیں کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ قسمان ہو گیا ہے۔ خیال رہے کہ تقسیم کی دو قسمیں ہیں ایک تقسیم اعلیٰ الیٰ الجزئیات دوسری تقسیم اعلیٰ الیٰ الاجزاء یہاں پہلی تقسیم ہے کیونکہ اسم کلی ہے جو کثیرین پر صادق آتا ہے۔ قولہ لا ینخلو۔ ہو معرب و مثنیہ کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ پیدا ہوا کہ اس کی صرف دو قسمیں ہیں ایک معرب اور دوسری مثنیہ اس لئے اس عبارت سے اس کی دلیل بیان کی جاتی ہے کہ اسم غیر کے ساتھ مرکب ہے یا مرکب نہیں اگر مرکب ہے تو مثنیہ اصل کے مشابہ ہے یا مشابہ نہیں اگر مشابہ نہیں تو معرب ہے اور اگر مثنیہ تو مثنیہ ہے لہذا اسم وہی قسموں پر منحصر ہوا ایک معرب جو مرکب ہے اور مثنیہ اصل کے مشابہ نہیں جیسے جاء رسول میں رسول۔ دوسری قسم مثنیہ جو مرکب نہیں جیسے اسماء معدودہ مثلاً زید عمر وغیرہ یا مرکب ہے اور مثنیہ اصل کے مشابہ بھی جیسے قام ہولاء میں ہولاء پس اسم ایک صورت میں معرب ہوا اور دو صورتوں میں بھی۔

فالمعرب الذی ہو قسم من الاسماء مرکبہ ائی الاسماء الذی مرکبہ مع غیرہ ترکیباً یتحقق معہ عاملاً قبل خل فیہ زید قائم و ہولاء فی قولہ زید قائم و قائم ہولاء مجلانی مائیس بدر کیے اصلاً من الاسماء المعدودہ بخلاف با تازید و عمر و بکر و بخلاف ما ہو مرکب مع غیرہ لکن لا ترکیباً یتحقق معہ عاملاً کغلام فی غلام زید قائم جمیع ذلک من قبیل المثنیات عند المصنف

ترجمہ: — پس معرب جو اسم کی ایک قسم ہے وہ مرکب ہی یعنی وہ اسم ہے جو اپنے غیر کے ساتھ ایسی ترکیب سے مرکب ہو کہ اس کے ساتھ اس کا عامل متحقق ہے پس تعریف میں زید قائم اور ہولاء داخل ہو جائیں گے جو آپ کے قول زید قائم و قام ہولاء میں ہیں بخلاف وہ جو قطعاً مرکب نہ ہو مثلاً اسماء معدودہ جیسے الف با تازید و عمر و بکر اور بخلاف وہ اسم جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہے لیکن اس کی ترکیب ایسی

نہیں جس کے ساتھ اس کا عامل متحقق ہے جیسے غلام جو غلام زید میں ہے کیونکہ مصنف کے نزدیک وہ نام از قبیل مثنیات ہیں۔

تشریح: — بیانہ فالمعرب۔ معرب کو مثنیہ پر چند وجہوں سے مقدم کیا گیا ہے ایک یہ کہ معرب کا مفہوم وجودی ہے اور مثنیہ کا مفہوم عدی اور وجودی تصویر میں عدی سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ عدم مفید وجود پر جاری ہوتا ہے دوسری یہ کہ معرب سے معانی معنورہ یعنی فاعلیت و مفعولیت و اضافت کے معانی واضح ہوتے ہیں مثنیہ سے نہیں کیونکہ معرب پر لفظی و تقدیری دونوں اعراب آتے ہیں اور مثنیہ پر اعراب محلی آتا ہے تیسری وجہ یہ کہ معرب کی ابحاث مثنیہ کی ابحاث کی بہ نسبت کثیر ہیں اور سرکار کی حدیث پاک ہے والعزۃ للکافر جو تھی یہ کہ معرب اپنی حقیقت اسمیت پر باقی ہے کیونکہ وہ فعل و حرف کی مشابہ نہیں ہوتا اور مثنیہ مشابہ ہوتا ہے۔ سوال بحث معرب کو بحث مثنیہ پر مقدم کر نیکی وجہ تو معلوم ہو گئی لیکن معرب کو اعراب پر مقدم کر نیکی کیا وجہ ہے جب کہ معرب مشتق ہے اور اعراب اس کا مشتق منہ اور مشتق منہ چونکہ طبعاً مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کرنا چاہئے۔ جواب معرب محل ہے اور اعراب اس کا حال و صفت اور ظاہر ہے محل حال و صفت پر طبعاً مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تاکہ ذکر طبع کے موافق ہو جائے۔

قولہ الذی ہو قسم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ معرب کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ وہ فعل مضارع پر صادق نہیں آتی جواب یہ کہ یہ تعریف مطلق معرب کی نہیں بلکہ اس کی ہے جو اسم کی قسم ہے کیونکہ یہ بحث اسم ہے جو اس کے احوال کے متعلق گفتگو جاری ہے۔

قولہ ائی الاسماء۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ وہ فعل ماضی پر بھی صادق آتی ہے مثلاً ضرب زید میں ضرب فاعل کے ساتھ مرکب ہے اور مثنیہ اصل کے ساتھ مشابہ نہیں بلکہ وہ خود مثنیہ اصل ہے جواب یہ کہ تعریف میں مرکب سے مراد اسم مرکب ہے اور ضرب فعل مرکب ہے۔

قولہ الذی مرکب مع غیرہ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ مرکب میں الف لام اسم وصول کا ہے جو بمعنی الذی ہوتا ہے اور مرکب اسم مفعول بمعنی فعل مجہول ہے نیز یہ اس سوال کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اسم از قلم کلمہ ہے اور کلمہ لفظ مفرد کو کہتے ہیں لہذا اسم معرب مفرد ہوا پس اس کی تعریف اسم مرکب سے درست نہ ہوتی کہ مرکب مفرد کا مثنیہ ہے اور تعریف مثنیہ سے نہیں ہوتی۔ جواب یہ کہ ایک شئی کو

جب دوسری شئی کے ساتھ ملائی جائے تو مجموعہ کو مرکب کہتے ہیں اور اس کے ہر ایک جز کو بھی اول کو مجموع المصنوع کہتے ہیں جیسے الکلام مرکب من اسماء واسماء فعل اور دوم کو مضموم مع الغیر کہتے ہیں جس کا صلہ مع آتا ہے جیسے البنی مرکب مع صادق فی مثل البنی صادق۔ منفرد کے منافی پہلی قسم ہے اور یہاں دوسری قسم مراد ہے

قولہ ترکیباً یحقق معہ عاملہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ معرب کی تعریف مانع نہیں کیوں غلام زید میں غلام پر تعریف صادق آتی ہے حالانکہ مصنف کے نزدیک وہ مبنی ہے جواب یہ کہ ترکیب سے یہاں وہ ترکیب مراد ہے جس کے مرکب کیساتھ اس کا عامل بھی متحقق ہو خواہ عامل لفظی ہو یا معنوی اور غلام کے ساتھ دونوں میں سے کوئی نہیں لہذا وہ مبنی ہے ہاں البتہ اگر جاء غلام زید کہا جائے تو غلام معرب ہو گا کہ وہ عامل کے ساتھ مرکب ہے اور زید بہر دو تقدیر معرب ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس کا عامل مضاف یا حوٹ مقدر متحقق ہے۔

قولہ بخلاف ما۔ تعریف میں جو قیود مذکور ہیں اس عبادت سے ان ہی قیود کے فوائد کو بیان کیا گیا کہ مرکب کی قید سے اسماء معدودہ مثلاً با۔ تا۔ ثا۔ جیم یونہی زید۔ جو نکل گئے اور اسم کی قید سے فعل ماضی نکل گیا اور معرب کیساتھ تحقق عامل کی قید سے غلام زید میں غلام نکل گیا

الذی لم یثبہ ائیم نیاسبہ مناسبتہ مؤثرۃ فی منع الاعراب مبنی الاصل ای المبنی الذی ہو الاصل فی البناء فالاضافۃ بیانیۃ وھما ماضی والامر بغير اللام والحقۃ وجمھل القید فرج مثل ھولاء فی مثل قائم ھولاء لكونہ متابعاً لمبنی الاصل كما سیجی فی بابہ انشاء اللہ تعالیٰ

ترجمہ :- دو مشابہتوں یعنی ایسی مناسبت نہ ہو جو غیر منصرف میں مؤثر ہو و مبنی اصل کے یعنی اس مبنی کے جو بنا میں اصل ہو پس مبنی الاصل میں اضافت بیانیہ ہے اور وہ ماضی اور امر حاضر بغير لام اور صرف ہیں اور مبنی الاصل کی قید سے قائم ہولاء جیسی ترکیب میں ہولاء کی مثل خارج ہو گئی کیونکہ وہ مبنی اصل کے مشابہ جیسا کہ اگر خداوند قدوس نے چاہا تو غریب مبنی کے باب میں آئے گا۔

تشریح :- بیانہ لم یثبہ۔ یہ بروزن لم یکرھم باب افعال کا فعل مضارع معروف ہے جس کا ماضی ہے مشابہ نہ ہو حالانکہ یہ مبنی باب مفاعلت کا ہے اس کی وجہ یہ کہ افعال و مفاعلت کبھی ہم معنی ہوتے ہیں یعنی لم یثبہ کبھی لم یثابہ ہوتا ہے۔

قولہ ائیم نیاسبہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں این جو این زید میں ہے داخل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غیر کے ساتھ مرکب ہونے کے علاوہ اس کے ساتھ اس کا عامل معنوی بھی ہے اور مبنی اصل کے مشابہ بھی نہیں اس لئے کہ مشابہت کہتے ہیں کسی وصف لازم میں شریک ہونے کو جیسے مرد شجاع اپنی شجاعت میں شیر کے مشابہ ہے اور ظاہر ہے این مبنی اصل کے کسی وصف میں شریک نہیں اسی طرح اسم فعل بھی تعریف میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ بھی مبنی اصل کے کسی وصف میں شریک نہیں۔ جواب یہ کہ مشابہت سے یہاں مناسبت مراد ہے مشابہت خاص ہے اور مناسبت خاص۔ خاص سے مجازاً عام مراد لیا گیا ہے مناسبت کہتے ہیں کسی وصف یا ماہیت یا جنس یا شکل میں شریک ہونے کو مثلاً مرد شجاع اپنی شجاعت میں شیر کے شریک ہے۔ زید اپنی ماہیت میں بکر کے شریک ہے۔ عمر اپنی جنس میں فرس کے شریک ہے ایک بھائی شکل میں دوسرے بھائی کے شریک ہے اسی طرح این معنی میں ہنزہ استفہام کا شریک ہے اور اسم فعل بھی فعل ماضی یا امر حاضر کے شریک ہے لہذا دونوں ہی معنی اصل کے شریک ہوئے۔ خیال رہے کہ مشابہت سے جو مجازاً مناسبت مراد ہے اس پر تفسیر مبنی کی تعریف مانع مبنی الاصل ہے یہ معرب کا قسم ہے جس میں مناسبت مذکور ہے ظاہر ہے کہ اس کے قسم میں جو اس کا مقابل ہے اس میں عدم مناسبت ملحوظ ہو گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب دو چیزوں کا تقابل ہو اور ان دونوں میں سے کسی ایک میں قید ایجابی مذکور ہو تو اس کے مقابل میں اس کا عدم ملحوظ ہوتا ہے۔

قولہ مناسبتہ مؤثرۃ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مشابہت سے جب مناسبت مراد ہو گا تو کوئی اسم معرب نہ رہے گا کیونکہ ہر اسم کلمہ میں مبنی اصل کے ضرور شریک ہو گا لہذا ہر اسم مبنی ہو جائے گا جواب یہ کہ مناسبت سے یہاں مطلق مناسبت مراد نہیں بلکہ وہ مناسبت ہے جو مؤثر ہو۔

قولہ فی منع الاعراب۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم فاعل اپنے حروف اعلیہ اور حدث پر دلالت کرنے میں فعل ماضی کے شریک ہیں اور مناسبت مؤثرہ بھی موجود ہے کہ اسم فاعل اپنے فعل سے معروف کا عمل کرتا ہے۔ جواب یہ کہ مناسبت مؤثرہ سے یہاں مراد وہ مناسبت ہے جو اعراب کے روکنے میں مؤثر ہو نہ کہ عمل کے روکنے میں۔

مناسبت مؤثرہ جو اعراب کو روکتے ہیں آٹھ ہیں جن میں سے پہلی چھ صورتوں کو شارح خود ہی مشابہ مبنی میں بیان فرمائیں گے اور وہ کل یہ ہیں اسم مبنی اصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این ہنزہ

استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور لا راجل صرف جر کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ وہ دراصل لا راجل میں راجل ہے (۲) اسم تعین مراد میں دوسرے کا محتاج ہو جیسے اسماء اشارہ کہ وہ اشاریہ کے محتاج ہیں اور موصولات صلا کے محتاج ہیں پس وہ صرف کے مشابہ ہو گئے۔ (۳) وہ اسم بنی اصل کی جگہ بولاجائے جیسے نزال کے انزل کی جگہ اور سیات بعد کی جگہ بولاجاتا ہے (۴) وہ اسم بنی اصل کی جگہ بولے جانے والے اسم کے وزن پر ہو اور معدول ہونے میں شریک ہو جیسے نزال جو انزل کی جگہ بولاجاتا ہے اس کے وزن پر نیاز ہے جو معدول ہے نزال کی طرح (۵) مشابہ بنی اصل کی جگہ بولاجائے جیسے یازید میں زید کاف ضمیر کی جگہ بولاجاتا ہے جو اذ عوث میں ہے اور وہ کاف خطاب کے مشابہ ہے جو ذلق میں ہے (۶) جملہ کی طرف مضاف ہو جیسے یومئذ الذین کفرو میں یوم بواسطہ اذ جملہ کی طرف مضاف ہے جو کہ بنی اصل ہے (۷) وسط کلمہ مانا گیا ہو جیسے مرکب بنائی کا پہلا جز (۸) تین حروف سے کم حروف اصلی ہوں جیسے کم خبریہ اور ما موصوذا اور ماتام جو بمعنی شئی یا الشئی ہے۔

قولہ المبنی الذی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لفظ بنی اسم مفعول ہے جو اصل میں مبنوی تھا جو مرئی کے قاعدہ سے مبنی ہو گیا ہے اور اسم مفعول جب اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو تو اضافت لفظیہ ہوتی ہے لہذا مبنی الاصل کا معنی ہوا المبنی اصل کا معنی صرف پر صادق نہیں آتا کیونکہ صرف کی کوئی اصل نہیں اور امر حاضر پر بھی صادق نہیں آتا کیونکہ اس کی اصل فعل مضارع ہے جو مبنی نہیں ہو سکتی فعل ماضی پر بھی صادق نہیں آتا کہ اس کی اصل مصدر ہے لیکن وہ مبنی نہیں۔ جواب یہ کہ مبنی اسم مفعول ضرور ہے بلکہ وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہے اس لئے وہ اضافت لفظیہ نہیں بلکہ اضافت معنویہ کی ایک قسم بیان یہ ہے لہذا اس کا معنی یہ ہے المبنی الذی ہوا الاصل فی البناء یعنی وہ مبنی جو بناء میں اصل ہوا اور ظاہر ہے حرف و امر حاضر و فعل ماضی بناء میں اصل ہیں۔

قولہ وھو الماضی۔ مبنی اصل سے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ کتنے ہیں اور کون کون ہیں ؟ تو جواب دیا گیا کہ وہ تین ہیں ایک فعل ماضی ہے دوسرا امر حاضر ہے تیسرا صرف ہیں۔ علامہ زختری نے جو کو بھی مبنی اصل میں شمار کیا ہے جس کو عنقریب بحث مبنی میں بیان کیا جائے گا۔ سوال شارح نے امر کو بغیر لام کیساتھ مقید کیا ہے حالانکہ نحو یوں کے نزدیک امر حقیقہ ہی ہوتا ہے جو بغیر لام ہو اس لئے اس کو مطلقاً امر حاکم کہا جاتا ہے کیونکہ جو لام کے ساتھ ہوتا ہے وہ امر نہیں بلکہ مضارع مجزوم ہے۔ جواب نحو یوں کے نزدیک امر اگرچہ بغیر لام ہی ہوتا ہے لیکن چونکہ مرنیوں کے نزدیک امر باللام اور بغیر لام دونوں

ہوتا ہے اس لئے مبتدیوں کی خاطر اس قید کا اضافہ کیا گیا جو علم صرف سے فارغ ہونے ہی علم نحو کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اعلم ان صاحب الکشاف جعل الاسماء المعددة العارضة عن المشاهدة المذکورة معربة وليس النزاع فی المعرب الذی ہوا اسم مفعول من قولہ اعربت فان ذلك لا یحصل الا باجراء الاعراب علی آخر الکلمة بعد التركيب بل فی المعرب اصطلاحاً فاعبر العلامة مجداً لصلاحية لاستحقاق الاعراب بعد التركيب وهو الظاهر من كلام الامام عبد القاهر

ترجمہ:۔ معلوم کیجئے کہ صاحب کشف علامہ زختری نے ان اسماء معدودہ کو جو مشابہت مذکورہ سے خالی ہیں معرب قرار دیا ہے اور اختلاف اس معرب میں نہیں جو آپ کے قول اعربت سے اسم مفعول ہے اس لئے کہ وہ آخر کلمہ پر ترکیب کے بعد اعراب کو جاری کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے بلکہ اختلاف معرب اصطلاحی میں ہے پس علامہ زختری نے ترکیب کے بعد استحقاق اعراب محض صلاحیت کا اعتبار کیا ہے اور یہی امام عبد القاهر جرجانی کے کلام سے ظاہر ہے۔

تشریح:۔ قولہ اعلم ان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علامہ ابن جالب نے معرب کی تعریف میں مرکب کی قید کو بیان کیا ہے علامہ زختری نے انہیں آخر اس اختلاف کا نتیجہ کیا ہے ؟ جواب یہ کہ اسماء معدودہ جو مشابہت مذکورہ سے عاری ہیں مثلاً با۔ تا۔ زید۔ بکرو غیرہ علامہ زختری کے نزدیک معرب ہیں اس لئے انہوں نے تعریف میں مرکب کی قید کو بیان نہیں کیا اور علامہ ابن جالب کے نزدیک وہ مبنی ہیں اس لئے انہوں نے بیان کیا ہے۔ خیال رہے کہ صاحب کشف و صاحب مفصل دونوں زختری کے القاب ہیں اور شرح میں علامہ سے یہی مراد ہیں۔

قولہ وليس النزاع۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسماء معدودہ پر جب داخل نہ ہوگا تو اسے معرب کیسے قرار دیا جائیگا ؟ حالانکہ اعراب عامل ہی سے پیدا ہوتا ہے جواب یہ کہ معرب کے دو معنی ہیں ایک لغوی جو مبنی اعراب دیا ہوا ہے دوسرا اصطلاحی جو تعریف میں گذرا اسماء معدودہ بالاتفاق معرب لغوی نہیں لیکن معرب اصطلاحی تو علامہ زختری اس کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک معرب اصطلاحی وہ ہے جو ترکیب کے بعد محض صلاحیت اعراب کا مستحق ہو سکے اور وہ اسماء معدودہ میں موجود ہے کہ اس میں حصول استحقاق اگرچہ بالفعل نہیں کیونکہ

وہ ترکیب کے بعد مستحق ہوتا ہے لیکن محض صلاحیت اعراب کا استحقاق موجود ہے یہی عبدالقادر جرجانی کے کلام سے بھی ظاہر ہے۔ علامہ ابن حاجب اسرار معدودہ کو مبنی قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک معرب اصطلاحی وہ ہے جو صلاحیت اعراب کیساتھ حصول استحقاق بالفعل بھی ہو وہ اسم ترکیب کے بعد اعراب کا بالفعل مستحق بھی ہو مثلاً جاء زید میں زید سکون وال کے ساتھ بالفعل اس امر کا مستحق ہے کہ اس پر اعراب دیا جائے پس اگر اعراب دیا گیا تو وہ معرب اصطلاحی کے ساتھ معرب لغوی بھی ہو جائیگا اور یہ اسرار معدودہ نہیں ہوتے کیونکہ بالفعل حصول استحقاق ترکیب کے بعد ہی ہوتا ہے اور ترکیب عامل سے ہوتی ہے اور اسرار معدودہ کے لئے عامل ہی نہیں ہوتا

واعتبر المصنف مع الصلاحية حصول الاستحقاق بالفعل ولهذا أخذ التركيب في تعريفه واما وجود الاعراب بالفعل في كون الاسم معرباً فلم يبتدأ احداً ولذلك يقال له تعريب الكلمة وهي معربة

ترجمہ: — اور مصنف کا فیہ نے صلاحیت کے ساتھ حصول استحقاق بالفعل کا بھی اعتبار کیا ہے اس لئے اُفقوں نے معرب کی تعریف میں ترکیب کو بیان فرمایا ہے اور لیکن اسم کے معرب ہونے میں اعراب کا بالفعل موجود ہونا تو اس کا کسی نے اعتبار نہیں کیا ہے اسی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ کلمہ کو تم نے اعراب کیوں نہیں دیا حالانکہ وہ معرب ہے۔ تشریح: — قولہ مع الصلاحية۔ سوال استحقاق بالفعل صلاحیت کو لازم ہے لہذا استحقاق بالفعل کے ساتھ صلاحیت کا ذکر فضول ہے۔ جواب معرب مبنی کا بالمقابل ہے اور مبنی میں استحقاق بالفعل کے ساتھ صلاحیت کا بھی ذکر ہے اور وہ یہ ہے مالا یكون فیہ صلاحية کا مبنی الاصل ولا استحقاق بالفعل کلا سماعاً و المعدوداً۔ یعنی مبنی وہ ہے جس میں صلاحیت اعراب نہ ہو جیسے مبنی اصل اور نہ استحقاق بالفعل ہو جیسے اسرار معدودہ اس لئے معرب میں بھی دونوں کا ذکر کیا گیا تاکہ وزن کا تعلق نہ رہے۔

قولہ واما وجود۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مصنف کے نزدیک جب معرب میں صلاحیت اعراب کے ساتھ استحقاق بالفعل ضروری ہے تو کیا اعراب کا بالفعل ہونا بھی ضروری ہے؟ جواب یہ کہ معرب کے لئے بالفعل اعراب کا ہونا مصنف ہی نہیں بلکہ کسی نے بھی اس کا اعتبار نہیں کیا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ تعريب الكلمة وهي معربة یعنی اسم جب کسی دوسرے لفظ سے مرکب ہو اور اس کے ساتھ اس کا عامل بھی ہو

اور اس پر اعراب نہ دیا گیا ہو تو یہ مقولہ بولاجاتا ہے کہ اسم کو تم نے اعراب کیوں نہیں دیا حالانکہ وہ معرب ہے مطلب یہ کہ وہ باتفاق معرب اصطلاحی ہے لیکن اس پر اعراب بالفعل نہیں دیا گیا ہے۔

والنبا عدل المصنف عما هو المشهور عند الجمهور من ان المعرب ما اختلف آخره باختلاف العوامل لان الغرض من تدوين النحو ان يعرف به احوال ادخال الكلمة في التركيب من لم يتبع لغة العرب ولم يعرف احكامها بالسمع منهم فان العارف باحكامها كذلك مستغن عن النحو ولا فائدة متدا ابها في معرفة اصطلاحاتهم فالمقصود من معرفة المعرب مثلاً ان يعرف انما يختلف آخره في كلامهم ليجمع آخره مختلفاً نيطابن كلامهم معرفته متقدمه على معرفته انما مما يختلف آخره فلو كانت معرفته المتقدمه حاصلة لمعرفة هذا الاختلاف وتعرفته به وجب ان يعرف اولاً بان ما يختلف آخره يعرف انما مما يختلف آخره فيلزم تقدم الشيء على نفسه فينبغي ان يعرف اولاً بتغير ما عرفته به الجمهور ويجعل ما عرفه به من جملة احكامه كما فعله المصنف

ترجمہ: — اور مصنف نے اس تعریف سے جو مشہور عند الجمهور ہے کہ معرب وہ ہے جس کے آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف ہو اس لئے عدول فرمایا کہ علم نحو کی تدوین سے مقصود یہ ہے کہ جس سے ترکیب میں ادخال کلمہ کے احوال کو کو وہ جانے جو لغت عرب کی تلاش نہ کرتا ہو اور نہ ہی ان کے احکام کو ان لوگوں سے سن کر معلوم کیا ہو اس لئے کہ ادخال کلمہ کے احوال کو جاننے والا نحو سے اسی طرح مستغنی ہوتا ہے اور ان لوگوں کے اصطلاحات کی معرفت کا ان کو کوئی فائدہ مقدمہ حاصل نہیں ہوتا پس معرب کی معرفت سے مقصود مثلاً یہ ہے کہ یہ جانا جائے کہ معرب اس میں سے ہے کہ جس کے آخر اہل عرب کے کلام میں مختلف ہوتا ہے تاکہ اس کے آخر کو مختلف کیا جائے پس کلام عرب کے مطابق ہو جائے لہذا معرب کی معرفت اس امر کی معرفت پر مقدم ہے کہ معرب اس میں سے ہے کہ جس کے آخر مختلف ہوتا ہے پس اگر اس کی معرفت مقدم اس اختلاف کی معرفت سے حاصل ہو اور اس کی تعریف اس سے حاصل ہو تو ضروری ہے پہلے معرب کی تعریف اس طرح سے کی جائے کہ معرب اس میں سے ہے کہ جس کا آخر مختلف ہو تاکہ یہ جانا جائے کہ معرب اس میں سے ہے کہ جس کا آخر مختلف ہوتا ہے پس تقدم الشيء على نفسه لازم آتیگا اس لئے مناسب ہے پہلے معرب کی تعریف اس تعریف کے غیر سے کی جائے جس کو جمهور نے بیان کیا ہے اور جس تعریف کو جمهور نے بیان کیا ہے اس کو جملہ احکام سے کر دیا جائے جیسا کہ اس کو مصنف علیہ الرحمہ نے کیا ہے

أَيُّ الْحَرْفِ الَّذِي هُوَ آخِرُ الْمَعْرَبِ ذَاتًا بَانَ يَتَبَدَّلُ حَرْفٌ بِحَرْفٍ آخَرَ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا إِذَا كَانَ إِعْرَابُهُ بِالْحَرْفِ أَوْ صِفَةً بَانَ يَتَبَدَّلُ صِفَةً بِصِفَةٍ آخَرَى حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا إِذَا كَانَ إِعْرَابُهُ بِالْحَرْفِ

ترجمہ: — (اور معرب کا حکم) یعنی معرب کے جملہ احکام اور اس کے اس آثار میں سے جو معرب پر معرب ہونے کی حیثیت سے مرتب ہوتے ہیں وہ ہیکہ اس کا آخر مختلف ہو یعنی وہ حرف جو معرب کے آخر ہے ذات کے اعتبار سے بایں طور مختلف ہو کہ ایک حرف دوسرے حرف سے حقیقہ یا حکماً بدل جائے جب کہ معرب کا اعراب بالحرک ہو یا وصف کے اعتبار سے بایں طور مختلف ہو کہ ایک صفت دوسری صفت سے حقیقہ یا حکماً بدل جائے جب کہ معرب کا اعراب بالحرک ہو۔

تشریح: — بیانہ حکمہ، معرب کی تعریف کے بعد اب اس کے حکم کو بیان کیا جاتا ہے کیونکہ تعریف کی طرح حکم بھی موجب اختلاف ہوتا ہے۔

قولہ آئی من جملہ: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ہم نہیں مانتے کہ معرب کا حکم اختلاف آخر ہے اس لئے کہ بعض اسماء معدودہ جو اپنے عامل کیساتھ ابتداء مرکب ہے اس کا حکم حدوث اعراب ہے اختلاف اعراب نہیں جواب یہ کہ حکم ان مختلف تفسیر مہملہ ہے جو بمنزلہ تفسیر جسر تہ ہوتا ہے جس کا مطلب یہ کہ اختلاف آخر معرب کا بعض حکم ہے کل نہیں یعنی معرب کا حکم اختلاف آخر کے علاوہ شلاً حدوث اعراب بھی ہے لیکن اختلاف اعراب کو اس لئے بیان کیا گیا تاکہ معرب کی تعریف جمہور سے سبب عدول کی طرف اشارہ ہو جائے۔

قولہ آثاراً: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حکم اسناد کو کہتے ہیں جو دو کلموں کے درمیان ہوتی ہے لہذا حکم مرکب میں ہوگا اور معرب مفرد ہے کیونکہ وہ از قسم اسم ہے اور اسم مفرد ہوتا ہے لہذا حکم کی اضافت مفرد کی طرف درست نہ ہوتی جواب یہ کہ حکم کا اطلاق چار معنوں پر ہوتا ہے (۱) اس اثر پر جو شئی پر مرتب ہو (۲) خطاب باری تعالیٰ پر جو افعال تکلیف کے ساتھ متعلق ہے (۳) اسناد یعنی نسبت تاء پر جو دو کلموں کے درمیان ہوتی ہے (۴) اذعان پر جو نسبت حکم کیساتھ متعلق ہے اور یہاں حکم سے پہلا معنی اثر مرتب مراد ہے۔

قولہ المر تبہ علیہ: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اب بھی حکم کی اضافت معرب کی طرف درست نہیں ہے اس لئے کہ اثر مؤثر کا ہونا ہے اور اختلاف آخر عامل کا اثر ہے معرب کا نہیں۔ جواب یہ کہ اثر مؤثر اسی کا ہوتا ہے اور معرب چونکہ اس اثر کا محمل ہے جس پر وہ مرتب ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف اضافت کر دی گئی ہے لہذا یہ برائے علاقہ محلیت ہے علاقہ علیت نہیں جس طرح صوم رمضان میں صوم کی اضافت رمضان کی

طرف کر دی گئی ہے حالانکہ رمضان صائم نہیں۔

قولہ من حیث ہو: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ معرب پر اختلاف اعراب کے علاوہ دوسرے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں مثلاً مفعول ہوتا ہے اور منصوب و مجرور اور منون وغیرہ تو یہ تمام اثرات معرب کے حکم ہیں یا صرف پہلا؟ جواب معرب ہونے کی حیثیت سے صرف پہلا اثر معرب کا حکم ہے دوسرا نہیں کیونکہ معرب مفعول ہوتا ہے لیکن مفعول ہونے کی حیثیت سے اور منصوب ہوتا ہے مفعول ہونے کی حیثیت سے اور مجرور ہوتا ہے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے اسی طرح منون ہوتا ہے منصوب ہونے کی حیثیت سے اور غیر منون ہوتا ہے غیر منصرف ہونے کی حیثیت سے معرب ہونے کی حیثیت سے نہیں۔

قولہ آئی الحرف الذی: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جاء فی زید و رایت زیداً و مررت بزید میں زید معرب ہے لیکن اس کے آخر مختلف نہیں کیونکہ دال تینوں حالتوں میں باقی ہے۔ جواب یہ کہ آخر کا اختلاف عام ہے کہ اختلاف ذاتی ہو یا اختلاف صفتی اختلاف ذاتی یہ ہے کہ معرب کا آخری حرف بدل جائے جیسے جاری ابولث و رایت ابالک و مررت بایک جب کہ معرب بالحرک ہو اور اختلاف صفتی یہ ہے کہ معرب کی آخری حرکت بدل جائے جیسے جاری زید و رایت زیداً و مررت بزید جب کہ معرب بالحرک ہو۔ سوال حرکت کو آخر کلمہ کی صفت قرار دیا گیا ہے حالانکہ صفت وہ ہوتی ہے جو موصوف کیساتھ قائم ہو اور حرکت در حقیقت آخر کلمہ کے ساتھ نہیں بلکہ متکلم کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ صفت موصوف پر محمول محمول موافات ہوتی ہے جیسے عالم زید پر اور ظاہر ہے حرکت آخر کلمہ پر محمول محمول موافات نہیں ہوتی۔ جواب صفت سے مراد یہاں وہ ہے جو تلفظ میں حرف کے تابع ہو اور یہاں ہے حرکت تلفظ میں حرکت کے تابع ہے کہ اس کے بغیر حرکت کا تلفظ نہیں ہوتا۔ سوال زید کے آخر میں نون ساکن تینوں حالت میں ہے پس اس میں نہ اختلاف ذاتی ہے اور نہ اختلاف صفتی۔ جواب زید کا آخری حرف دال ہے جس پر اعراب رفع و نصب و جر تینوں لاحق ہونے ہیں نون ساکن جس کو تینوں کہا جاتا ہے وہ ایک الگ کلمہ ہے جو حرف ہونے کی وجہ سے مبنی واقع ہے۔

قولہ حقیقۃً و حکماً: اختلاف ذاتی کی تعلیم اور اختلاف صفتی کی تعلیم سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ تشبیہ و جمع مذکور سالم میں اعراب بالحرک ہے لیکن اس کے آخر میں بحالت نصب و جر اختلاف ذاتی نہیں ہوتا جیسے رایت سلمین و مررت بسمین اسی طرح غیر منصرف میں اعراب بالحرک ہوتا ہے لیکن بحالت نصب و جر اختلاف صفتی نہیں ہوتا جیسے رایت احمد و مررت باحمد جواب یہ کہ اختلاف ذاتی سے مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور تشبیہ و جمع میں اگرچہ اختلاف ذاتی حقیقی نہیں لیکن حکمی ضرور ہے اس لئے کہ یا ناصب کے داخل ہونے کے بعد حکماً

نصب بن جاتی ہے جس طرح جار کے داخل ہونے کے بعد حقیقۂ علامت جبر بن جاتی ہے اسی طرح اختلاف صفتی ہے بھی مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور غیر منفرد میں بھی اگرچہ اختلاف حقیقی نہیں ہے لیکن حکمی ضرور ہے کیونکہ فتوح جار کے داخل ہونے کے بعد حکم علامت جبر بن جاتا ہے جس طرح ناصب کے داخل ہونے کے حقیقۂ علامت نصب بن جاتا ہے۔

بأختلاف العوامل أي بسبب اختلاف العوامل الداخلية عليه في العمل بآلية يعمل بعض منها خلافاً لما يعمل البعض الآخر وإنما خصصنا اختلافها بكونه في العمل لئلا يتفرض مثل قولنا إن زيدا مضروباً واني ضربت زيدا أو اني ضارب زيدا أأن العامل في زيد أي هذا في الصور مختلف بالاسمية والفعلية والحرفية مع أن آخر المعرب لم يختلف باختلافها

ترجمہ:۔۔۔ عوامل کے اختلاف کے سبب (یعنی اسم معرب پر داخل ہونے والے عوامل کے اس طرح اختلاف فی العمل کے سبب کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کے خلاف عمل کرے اور ہم نے عوامل کے اختلاف کو عمل میں ہونے کے ساتھ اس لئے خاص کیا ہے کہ ہمارے قول ان زيدا مضروباً اور اني ضربت زيدا اور اني ضارب زيدا جیسے جملوں سے نہ ٹوٹ جائے کیونکہ ان صورتوں میں زيدا میں عامل اسمیت و فعلیت و حریت کے اعتبار سے مختلف ہے اس کے باوجود معرب کا آخر عامل کے اختلاف کے سبب مختلف نہیں۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ العوامل۔۔۔ سوال عوامل جمع ہے عامل کی حالت کو عامل صیغہ صفت ہے جس کی جمع فاعل کے وزن پر نہیں آتی۔ جواب عامل اگرچہ صیغہ صفت ہے لیکن نحووں کے نزدیک ماہ تیقوم المعنی المقتضی للاعراب کا اسم ہوگا ہے اور فاعل کے وزن پر اگر اسم جاء ہو تو اس کی جمع فاعل کے وزن پر آتی ہے جیسے کاهل جو بمعنی شاة ہے اس کی جمع کواہل آتی ہے۔ سوال عوامل جمع کا اطلاق کم از کم تین عامل پر ہوگا لہذا معرب کم از کم تین عامل کے دخول سے ہی مختلف ہوگا حالانکہ دو عامل کے دخول سے بھی وہ مختلف ہو جاتا ہے۔ جواب جمع یہاں مافوق الواحد یعنی ایک سے زائد مراد ہے ایسا ہی فن کی تمام تعریفات و احکام میں جمع سے مافوق الواحد مراد ہے یا یہ کہ عوامل جمع مکرر ہے جس پر الف جنسی داخل ہوتا ہے تو اسکی جمعیت باطل ہو جاتی ہے اس لئے یہاں جنس عامل مراد ہے۔

قولہ انی بسبب اختلاف۔۔۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ باکھی استعانت کے لئے آتا ہے اور کبھی مصابحت کے لئے اور کبھی سبب کے لئے اور باختلاف العوامل میں بالان تینوں میں سے کس کے لئے آیا ہے؟ جواب یہ کہ با

سبب کے لئے آیا ہے کہ معرب کے آخر ان ہی عوامل کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے
قولہ الداخلية عليه۔۔۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کبھی بنی کے آخر بھی مختلف ہوتا ہے مثلاً منه بلم نید میں ضمیر غائب میں اختلاف ہے لہذا اختلاف آخر معرب کا حکم یہ ہوا کہ وہ جس کا حکم ہوتا ہے اس کیساتھ خاص ہوتا ہے اور یہ غیر میں بھی پایا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ اختلاف آخر معرب کا حکم ہے مطلق نہیں بلکہ وہ ہے جس کا سبب اختلاف عامل ہو اور ظاہر ہے یہاں ضمیر غائب کے اختلاف کا سبب اختلاف عامل نہیں کیونکہ اس پر کوئی عامل داخل نہیں ہے سوال کبھی من استغفامہ کے آخر میں بھی اختلاف ہوتا ہے مثلاً جب کوئی جار زید کہتا ہے تو سوال ہوتا ہے منو یعنی کون مر دیا اور جب کوئی راست زید کہتا ہے تو سوال ہوتا ہے منا یعنی تم نے کس مر د کو دیکھا اور جب کوئی مر د بزرگ کہتا ہے تو سوال ہوتا ہے منی یعنی تو کس مر د کے پاس سے گذرا۔ من استغفامہ بنی ہے جس کے آخر میں اختلاف ہوتا ہے حال اختلاف آخر معرب کیساتھ خاص ہے۔ جواب من استغفامہ کے عوامل مقدار ہیں لیکن اس کے آخر میں اختلاف عوامل کی وجہ سے نہیں بلکہ رجل کے عوامل کے مختلف ہونے کی وجہ سے رجل کے آخر میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہی اعراب حکائی من استغفامہ پر ہے۔

قولہ التباخصصنا۔۔۔ یہ جواب اس سوال کا کہ ان زيدا مضروباً واني ضربت زيدا اور اني ضارب زيدا میں عامل کا اختلاف ہے کہ پہلا حرف ہے دوسرا فعل تیسرا اسم بھی زید کے آخر میں اختلاف نہیں کیونکہ تینوں صورتوں میں سے منصوب ہے۔ جواب یہ کہ اختلاف عوامل سے مراد یہ ہے کہ عمل میں اختلاف ہو اور یہاں عمل میں نہیں بلکہ حرف و فعل داسم ہونے میں اختلاف ہے

لفظاً أو تقدیراً نصب علی تمیز کا ای بختلف لفظاً آخری أو تقدیراً أو علی المصدر یقول ای یختلف اختلاف لفظاً أو تقدیراً یا بختلف لفظاً کما فی قولہ جاء فی زیداً وراکت زیداً أو مررت بزیداً و تقدیراً کما کما فی قولہ جاء فی فتی وراکت فتی و مررت بفتی فانی اصله فتی و فتیاً یعنی انقلب الیاء التانصاں الالعرب تقدیراً

ترجمہ:۔۔۔ ولفظاً یا تقدیراً، نصب بر بنائے تمیز ہے یعنی معرب کے آخر کا لفظ یا آخر کی تقدیر مختلف ہو یا نصب بر بنائے مصدریت ہے یعنی معرب کا آخر لفظ یا تقدیر کے اختلاف سے مختلف ہو جائے اور اختلاف لفظی جیسے کہ آپ کے قول جاء فی زیداً وراکت زیداً و مررت بزیداً میں ہے اور اختلاف تقدیری جیسے کہ آپ کے قول جاء فی فتی وراکت فتی اور

مررت بفتی ہے کیونکہ اس کی اصل نسی اور نسیا اور بفتی ہے یا الف سے بدل گئی پس اعراب تقدیری ہو گیا

تشریح: — قولہ نصب علی التیذ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں لفظاً او تقدیراً کو نصب کی وجہ کیا ہے؟
جواب یہ کہ نسبت سے تیز واقع ہے یا مفعول مطلق ہے اور جو تیز نسبت سے واقع ہوتی ہے وہ کبھی فاعل ہوتی ہے یا
طاب زید لفظاً بمعنی طاب نفس زید ہے اور کبھی مفعول ہوتی ہے فخرنا الارض عیوناً بمعنی فخرنا عیون الارض اور یہاں
بمختلف چونکہ فعل لازم ہے اس لئے تیز فاعل واقع ہوگی یعنی مختلف آخرہ لفظاً او تقدیراً بمعنی مختلف لفظاً آخرہ او
تقدیراً ہے

قولہ اعلیٰ المصدریۃ۔ یعنی لفظاً او تقدیراً کو نصب بر بناء مصدریت یعنی مفعول مطلق کی بنا پر ہے
لیکن اس صورت میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مفعول مطلق فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے اور یہاں مختلف اور لفظاً او
تقدیراً کا معنی الگ الگ ہے تو اس کا جواب یہ کہ مفعول مطلق در حقیقت اختلاف مصدر ہے جو مضاف محذوف ہے جس
کا مضاف الیہ لفظاً او تقدیراً ہے اصل عبارت یہ ہے مختلف اختلاف لفظاً او تقدیراً مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ
کو مجازاً محذوف کے طور پر اس کے قائم مقام کر دیا گیا اور جو اعراب مضاف کا تعلق مضاف الیہ کو دے دیا گیا بعض کا خیال
ہے کہ مفعول مطلق اختلاف مصدر ہے جو موصوف محذوف ہے جس کی صفت لفظاً او تقدیراً ہے مفعول مطلق کو حذف کر کے
اس کی صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا لیکن اس صورت میں چونکہ لفظاً او تقدیراً اختلاف کی حقیقت صفت نہ ہو سکے گا اس
لئے لفظاً او تقدیراً مراد لیا جائیگا اسی تکلف کی بنا پر شارح علیہ الرحمۃ نے اس احتمال کو چھوڑ دیا۔ کچھ شارحین نے لفظاً او
تقدیراً کو مختلف کے فاعل آخر سے حال قرار دیا ہے لیکن اس صورت میں مجاز لغوی کے طور پر لفظاً بمعنی ملفوظ اور تقدیر بمعنی
مقدر ہوگا کیونکہ حال ذوالحال پر محمول ہوتا ہے اور لفظ و تقدیر مصدر ہیں جو محمول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا اصل
عبارت یہ ہوگی مختلف آخرہ ملفوظاً او مقدراً

واضح ہو کہ مجاز کی تین صورتیں ہیں (۱) مجاز لغوی (۲) مجاز فی الحذف (۳) مجاز فی النسبۃ۔ مجاز لغوی کہتے ہیں
کلمہ کو غیر موضوع لایں استعمال کرنا جیسے خلق کو بمعنی مخلوق اور لفظ کو بمعنی ملفوظ اور قتل کو بمعنی مقول استعمال کرنا اس کا دوسرا
نام مجاز فی الطرف بھی ہے۔ مجاز فی الحذف کہتے ہیں ایک کلمہ کو حذف کر کے دوسرے کلمہ کو اس کے قائم مقام کرنا جیسے واسل
القصرۃ در اصل واسن اہل القصرۃ تھا اہل کو حذف کر کے قریب کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اس کا دوسرا نام مجاز
فی الاعراب بھی ہے۔ مجاز فی النسبۃ کہتے ہیں فعل یا معنی فعل کی نسبت کو اس شئی کی طرف کرنا کہ جس طرف وہ حقیقتہً
ہو جیسے تھر چار میں جار کی نسبت۔ اس کا دوسرا نام مجاز عقلی بھی ہے۔

قولہ والاختلاف لفظاً۔ اس عبارت سے اختلاف لفظی و تقدیری کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں

اختلاف لفظی کی مثال یہ ہے جیسے جارنی زید و رائت زید اور مررت زید یہ معرب بالمرکب میں ہے لیکن معرب بالرف میں
یہ ہے جارنی بول و رائت ابان و مررت بابلیہ اور اختلاف تقدیری مثال یہ ہے جیسے جارنی فتی و رائت فتی
و مررت بفتی کیونکہ اس کی اصل یہ ہے فتی و نسیا بفتی یہ معرب بالمرکب میں ہے لیکن معرب بالرف میں یہ ہے ہی عصا
واخذت عصا و ضربت بعصا۔ ہی عصا میں عصا دراصل عضو و مضموم ماقبل مفتوح تھا اس لئے اس واو کو الف سے
بدل دیا گیا عصا ہوا اور عصا میں الف ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اس لئے اس پر اعراب لفظی نہیں آتا بلکہ اس کا
اعراب تقدیری ہوتا ہے

والاختلاف اللفظی والتقدیری اعم من ان يكون حقيقة او حكما كما اشرنا اليه لئلا ينتقص بمثل
قولنا رائت احمد و مررت باحمد قولنا رائت مسلمين و مررت مسلمين مثلي او مجموعاً فانك قد اختلفت
العوامل فيه ولا اختلاف في آخر احمد حقيقة بل حکما فانك فتح احمد بعد التاصب علامته التاصب
وبعد الجار علامته الجار وكذلك الحال في التنبيه والجمع فآخر المعرب في هذا الصور يختلف باختلاف
العوامل حكماً لا حقيقة

ترجمہ: — اور اختلاف لفظی و اختلاف تقدیری اس امر سے عام ہیں کہ حقیقتہً ہوں یا حکماً جیسا کہ ہم نے اشارہ
کیا ہے تاکہ ہمارے قول رائت احمد اور مررت باحمد ہمارے قول رائت مسلمین اور مررت مسلمین بمثل تنبیہ و جمع
کی مثل سے زٹوٹ جائے اس لئے کہ اس میں عوامل مختلف ہیں اور احمد کے آخر میں حقیقتہً کوئی اختلاف نہیں بلکہ حکماً اختلاف
ہے کیونکہ احمد کا فتح تاصب کے داخل ہونے کے بعد علامت تاصب ہے اور جار کے داخل ہونے کے بعد علامت جار
اور ہی حال تنبیہ و جمع کا ہے پس معرب کا آخر ان صورتوں میں عوامل کے اختلاف سے حکماً مختلف ہے حقیقتہً
نہیں۔

تشریح: — قولہ والاختلاف اللفظی۔ اس عبارت سے اختلاف لفظی و اختلاف تقدیری کے اقسام اور ان کی مثالیں
بیان کی جاتی ہیں کہ اختلاف لفظی کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی اسی طرح اختلاف تقدیری بھی کبھی حقیقی ہوتا ہے
اور کبھی حکمی اس طرح کل چار قسمیں ہو جائیں گی۔ پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ذاتی اور صفتی پس کل آٹھ قسمیں ہو جائیں
گی جن کی مثالیں یہ ہیں (۱) اختلاف لفظی ذاتی حقیقی جیسے جارنی بول و رائت ابان و مررت بابلیہ (۲) اختلاف
لفظی ذاتی حکمی جیسے رائت مسلمین و مررت مسلمین (۳) اختلاف تقدیری ذاتی حکمی جیسے جارنی ابوالقوم و رائت ابوالقوم

ومرث بابی القوم (۴) اختلاف تقدیری ذاتی حکمی جیسے رائیث مسلکی القوم ومرث مسلکی القوم (۵) اختلاف لفظی صفتی حقیقی جیسے جائز زید ورائیث زید و مرث زید (۶) اختلاف لفظی صفتی حکمی جیسے رائیث عمر و مرث عمر (۷) اختلاف تقدیری صفتی حقیقی جیسے جائز فنی ورائیث فنی و مرث فنی (۸) اختلاف تقدیری صفتی حکمی جیسے رائیث مٹی و مرث مٹی غیر منصرف ہونے کی وجہ سے جس کی حالت میں بھی اس پر فنی تقدیری ہوتا ہے جو جملہ صفت ہے

قولہ لا یتقصر۔ یعنی جب اختلاف لفظی اور اختلاف تقدیری عام ہو گئے کہ حقیقی ہوں یا حکمی تو اس سے اس سوال کا بھی جواب ہو گیا کہ رائیث احمد و مرث باجمہ میں عوامل کا اختلاف ہے لیکن احمد میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح رائیث مسلمین و مرث مسلمین میں بھی عوامل کا اختلاف ہے لیکن مسلمین میں کوئی اختلاف نہیں حالانکہ دونوں معرب ہیں۔

جواب یہ کہ ایک اختلاف لفظی ہے دوسرا تقدیری پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں حقیقی و حکمی جیسا کہ گذرا اور مثال اول میں احمد کے اندر اگرچہ اختلاف لفظی حقیقی نہیں لیکن حکمی ہر دو ہے کیونکہ احمد کا فتمہ ناصب کے داخل ہونے کے بعد حقیقۃً علامت نصب ہے جس طرح جار کے داخل ہونے کے بعد حکمۃً علامت جر ہے یہی حال دوسری مثال میں مسلمین کا ہے کہ یا ناصب کے داخل ہونے کے بعد حکمۃً علامت نصب ہے جس طرح جار کے داخل ہونے کے بعد حقیقۃً علامت جر ہے۔

فَبَايَ تَلْت لَا تَحْقُقُ الْاِخْتِلَافُ لَا فِي آخِرِ الْمَعْرَبِ وَلَا فِي الْعَوَامِلِ اِذَا مُرِكَبَ بَعْضُ الْاَسْمَاءِ الْمَعْدُودَةِ الْغَيْرِ الْمَشَابَهَةِ لِغَيْرِ الْاَصْلِ مَعَ عَامِلِهِ اِذْ لَا يَتَرْتَبُ عَلَيْهِ اِخْتِلَافُ الْاَعْرَابِ بَلْ هُنَاكَ حَدُوثُ الْاَعْرَابِ بِدُخُولِ الْعَامِلِ قُلْتُ هَذَا حُكْمٌ اُخْرٌ مِنَ الْاَحْكَامِ الْمَعْرَبِ وَالْاِخْتِلَافُ حُكْمٌ اُخْرٌ فَلَوْلَ مَعْدِدُ خَلِّ لِحَدِّ الْحُكْمَيْنِ فِي الْاَخْبَرِ اَمَّا ذِيهِ نَافٍ لِلْمَعْرَبِ اَحْكَامًا كَثِيرَةً لَمْ تَذْكُرْ هُنَا فَلْيَكُنْ هَذَا الْحُكْمُ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ غَايَةُ الْاَمْرِ اَنَّ هَذَا الْحُكْمَ لَا يَكُونُ مِنْ خَوَاصِّهِ الشَّامِلَةِ

ترجمہ:۔ پس اگر آپ سوال کریں کہ اختلاف نہ معرب کے آخر میں متحقق ہے اور نہ عوامل میں جب کہ بعض اسماء معدودہ جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں اپنے عامل کیساتھ مرکب ہو۔ اس لئے کہ معرب پر اختلاف اعراب مرتب نہیں ہے بلکہ یہاں حدوث اعراب ہے دخول عامل کی وجہ سے تو میں جواب دوں گا کہ حدوث اعراب یہ دوسرا حکم ہے احکام معرب میں ہے اور اختلاف اعراب دوسرا حکم ہے پس اگر دو حکموں میں سے ایک دوسرے میں داخل نہ ہو تو اس میں کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ معرب کے بہت سے احکام ہیں جو یہاں مذکور نہیں پس چاہئے کہ یہ حکم حدوث اعراب بھی اسی قبیل سے ہو البتہ یہ کہ یہ حکم حدوث اعراب خواص شامل سے نہ ہو گا۔

تشریح:۔ قولہ فان قلت۔ شارح نے جس سوال کا جواب حکم کی تفسیر آی من جملة الاحکام سے اجمالاً بیان کیا ہے اور یہاں اسی جواب کو اس کے ساتھ سوال کو بھی تفصیلاً بیان کرتے ہیں وہ سوال یہ کہ بعض اسماء معدودہ جو مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو وہ جب ابتداءً عامل کیساتھ مرکب ہو تو وہاں کوئی اختلاف نہیں نہ اس اسم کے آخر میں اور نہ ہی عوامل میں حالانکہ وہ معرب ہے جیسے جائز زید میں جواب یہ کہ معرب کے بہت سے احکام ہیں جن میں سے ایک اختلاف اعراب ہے جس کو متن میں بیان کر دیا گیا ہے اور دوسرا حکم حدوث اعراب ہے جو مثال مذکور ہے کہ عامل کے ابتداءً دخول سے معرب پر اعراب پیدا ہو گیا ہے اختلاف اعراب دوسرے عامل کے دخول سے ہو گا ہر ایک حکم الگ الگ ہے ایک حکم کا دوسرے میں داخل ہونا کوئی ضروری نہیں۔ صرف ایک حکم کو اس لئے بیان فرمایا کہ حکم موجب انکشاف ہوتا ہے جس کے لئے صرف ایک کافی ہے۔ اختلاف اعراب ہی کو اس لئے بیان فرمایا کہ اس سے معرب کو مبنی سے کامل امتیاز حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ معرب میں تفریق پیدا ہوتا ہے جس کو اختلاف کا معنی زیادہ شامل ہے حدوث کا نہیں۔

قولہ غایۃ الامر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حدوث اعراب بھی جب کہ احکام معرب سے ہے تو وہ معرب کے تمام افراد کو شامل کیوں نہیں اس لئے کہ اس معرب میں جبکہ اختلاف اعراب ہو تو حدوث اعراب پایا نہیں جاتا۔ جواب یہ کہ عامہ کی جیسا کہ گذرا دو قسمیں ہیں ایک شاملہ دوسری غیر شاملہ اور حدوث اعراب خاصہ غیر شاملہ ہے جس طرح اختلاف اعراب بھی غیر شاملہ ہے۔

اَلْاَعْرَابُ مَا اُیْ حَرِکَۃٌ اَوْ حَرْفٌ اِخْتَلَفَ اٰخِرُکَ اٰیْ اَخْرَجُ الْمَعْرَبُ مِنْ حِثِّ هُوَ مَعْرَبٌ ذَاتًا اَوْ صِفَةً بَلْ اٰیْ یَتَلَفَّ الْحَرِکَۃُ اَوْ الْحَرْفُ

ترجمہ:۔ (اعراب وہ) یعنی حرکت یا حرف رہے کہ معرب کے آخر مختلف ہو یعنی معرب کے آخر اس میں ثابت سے کہ وہ معرب باعتبار ذات یا صفت مختلف ہو (اس کی وجہ سے) یعنی اس حرکت یا حرف کی وجہ سے

تشریح:۔ بیانہ اَلْاَعْرَابُ۔ معرب کی تعریف اور اس کے حکم کے بعد اعراب کو اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ معرب شق ہے اور شق کی معرفت مبداء کی معرفت ہی سے مکمل ہوتی ہے اور ظاہر ہے معرب کا مبداء اعراب ہے اور اس لئے بھی کہ معرب محل ہے اور اعراب حال اور حال کو محل سے قُرب حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ ماقبل میں حکم کے تحت آخر معرب کے اختلاف کا ذکر تھا اس لئے اس کے بعد مابہ اختلاف کو بیان کیا گیا اور مابہ الاختلاف اعراب ہے کیونکہ اس کی وجہ سے معرب کے آخر میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ سوال اعراب سبب ہے اور اختلاف آخر سبب

اور سبب طبعا سبب پر مقدم ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ اعراب مبدا ہے اور معرب مشتق اور مبدا طبعا مشتق سے پہلے ہوتا ہے اس لئے اعراب کو معرب سے پہلے بیان کرنا چاہئے تھا۔ جواب معرب ذات ہے اور اعراب وصف اور وصف طبعا ذات کے بعد ہی ہوتا ہے اس لئے اس کو معرب کے بعد ہی بیان کیا گیا۔

قولہ ائی حرکتہ او حرف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ اس میں عامل یعنی مقفی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان دونوں کی وجہ سے بھی معرب کے آخر مختلف ہوتا ہے جواب یہ کہ تعریف میں لفظ ما سے مراد حرکت ہے یا حرف اور عامل یعنی مقفی نہ حرف ہیں اور نہ حرکت۔ عامل کے حرف یا حرکت ہونے پر قرینہ مصنف کا آئیوا قول فالغرض المنصرف ہے جو اعراب اسم کے حرف یا حرکت کے انحصار پر وال ہے اور حرکت جیسے زید میں ضم اور حرف جیسے رجلان میں الف اور مسلمون میں واو دونوں آخر کلمہ ہیں نون آخر کلمہ نہیں کہ وہ زید کی نون کی مانند الگ کلمہ ہے لہذا یہاں حرف سے مراد حرف مبانی ہو جو ترکیب کلمات کے لئے موضوع ہوتا ہے جیسے ا۔ ب۔ ت۔ وغیرہ جس کو حرف ہجا بھی کہتے ہیں، حرف معانی نہیں جو معنی کے لئے موضوع ہوتا ہے جیسے حرف شبہ وغیرہ۔

قولہ ائی آخر المعرب۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ متن میں آخرہ کی ضمیر مجبورہ کا مرجع اعراب ہے لہذا ترجمہ یہ ہوا کہ اعراب وہ حرف یا حرکت ہے جس کی وجہ سے اس حرف یا حرکت کے آخر مختلف ہو۔ اس سے سببہ الشیء منقسم لازم آتی ہے یعنی یہ کہ اعراب کی وجہ سے اعراب کے آخر مختلف ہو جو بدلتہ باطل ہے۔ حاصل ازالہ یہ کہ ضمیر مجبورہ کا مرجع اعراب نہیں بلکہ معرب ہے پس اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اعراب وہ حرف یا حرکت ہے جس کا وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو۔ بلاشبہ درست ہے۔

قولہ من حیث ھو معروف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ رائیث غلامی میں غلام کے کسرہ پر اعراب کے تعریف صادق آتی ہے کہ پہلے اس پر نصب تھا پھر کسرہ داخل ہوا۔ حالانکہ اس کے کسرہ کو اعراب نہیں کہا جاتا۔ جواب یہ کہ اعراب کی تعریف میں یہ مراد ہے کہ معرب کے آخر میں اختلاف ہو معرب ہونیکی حیثیت سے اور رائیث غلامی میں غلام میں اختلاف معرب ہونیکی حیثیت سے نہیں بلکہ یاہ متکلم کی حیثیت سے ہے کیونکہ یاہ متکلم اپنے ماقبل کسرہ کو مقفی ہوتی ہے۔

قولہ ذاتا او صفۃ۔ یہ تیز ہے متن میں اختلاف آخرہ کی نسبت سے پس معنی ہوا کہ اعراب وہ ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر باعتبار ذات یا صفت مختلف ہو۔ باعتبار ذات اعراب یا حرف میں مختلف ہوتا ہے اور باعتبار صفت اعراب یا حرکت میں مختلف ہوتا ہے۔ سوال اعراب یا حرف کی صورت میں اختلاف الشیء بنفہ لازم آتا ہے کیونکہ

اس تقدیر پر جو اعراب ہے بعینہ وہی آخر معرب ہے مثلاً جاتی البولش میں ابو معرب ہے اور اس کے آخر میں واو بعینہ ہی اعراب ہے۔ جواب اعراب و آخر معرب اگرچہ دونوں بالذات ایک ہیں لیکن بالاعتبار الگ الگ ہیں اس لئے کہ آخر معرب ملحوظ بوجہ کلی ہے اور اعراب ملحوظ بوجہ جزئی یعنی واو کیا و الف کے لحاظ کیا تھا۔

قولہ ائی تملک الح کہ او الحرف۔ اس عبارت سے متن میں بلہ کی ضمیر مجبورہ کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کا مرجع لفظ ما ہے جس سے مراد حرف ہے یا حرکت اور اس کو معرفہ کیا تھا اس لئے تعبیر کیا گیا تھا کہ اشارہ ہو کہ ما جس طرح موصوفہ ہے موصول بھی ہو سکتا ہے ماقبل میں اس کے موصوفہ کی طرف اس لئے اشارہ فرمایا کہ وہ خبر واقع ہے جو اصل میں نکرہ ہوتی ہے اور الحرف کے اوپر تملک کے اضافہ سے یہ اشارہ ہے کہ اشارہ کیا تھا ضمیر کا رجوع ذہن میں آو قع ہوتا ہے۔

و حین یؤاد بما الموصولۃ الح کہ او الحرف لا یرد النقص بالعامل والمعنی المقفی ولوا بقیت علی عسویھا خراجا بالسیبۃ المفھومیۃ من قولہ یم فان المتبادر من السبب ھو السبب القریب والعامل والمعنی المقفی من الاسباب البعیدۃ

ترجمہ :- اور ما موصول سے جب حرکت یا حرف مراد ہو تو عامل و معنی مقفی سے کوئی نقص وارد نہ ہوگا اور اگر ما موصول کو عموم پر بانی رکھا جائے تو عامل و معنی مقفی اس سیبیت سے نکل جائیں گے جو مصنف کے قول پر سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ سبب سے متبادر سبب قریب ہے اور عامل و معنی مقفی اسباب بعیدہ سے ہیں۔

تشریح :- قولہ و حین یؤاد۔ ماقبل میں جس سوال کا جواب ائی حرکتہ او حرف سے اجمالاً دیا گیا تھا یہاں سے اسی جواب کو تفصیلاً دیا جاتا ہے وہ سوال یہ کہ اعراب کی تعریف میں عامل و معنی مقفی بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے بھی معرب کے آخر میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ ایک جواب یہ کہ تعریف میں ما سے مراد حرف یا حرکت ہے اور ظاہر ہے عامل و معنی مقفی دونوں میں سے ایک بھی نہیں لہذا وہ تعریف سے خارج ہیں دوسرا جواب یہ کہ تعریف میں لفظ بہ کا بابرائے سبب ہے اور سبب سے متبادر سبب قریب ہے اور ظاہر ہے آخر معرب کے اختلاف کا سبب قریب اعراب ہی ہے عامل و معنی مقفی نہیں کیونکہ مثلاً رائیث زید میں پہلے رائیث کا دخول ہوتا ہے پھر معنی مقفییت پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اعراب داخل ہو کر اختلاف رونما ہوتا ہے تو اختلاف کا سبب قریب اعراب ہی ہوا اور معنی مقفی سبب بعید اور عامل سبب البعد ہوا۔

قوله والعامل والمعنى - عامل اور معنی مقتضی جو فاعلیت و مفعولیت و اضافت کے معنی ہیں وہ اسباب
بعیدہ سے اس لئے ہیں کہ آخر معرب کے اختلاف کے اسباب بالواسطہ ہیں کیونکہ عامل دو واسطوں سے سبب اختلاف
ہے ایک معنی مقتضی دوسرا اعراب اور معنی مقتضی ایک واسطہ سے اور وہ اعراب کے سبب اختلاف ہے لیکن اعراب
بالواسطہ سبب اختلاف ہے۔ اسی وجہ سے اس کو سبب قریب کہا جاتا ہے۔

قوله الحیتیۃ خرج حركه نحو غلامی لانه معرب علی ۲ ختیار المصنف لکن اختلاف هذه الحاکمة
علی آخر المعرب لیس من حیث انہ معرب بل من حیث انہ ما قبل یاء المتکلم

ترجمہ: — اور حیثیت کی قید سے غلامی کے جیسے کی حرکت نکل گئی کیونکہ وہ مصنف کے اختیار پر معرب ہے لیکن
اس حرکت کا اختلاف آخر معرب پر معرب ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ یاء متکلم کا
قبل ہے۔

تشریح: — قوله یقید الحیتیۃ - اس عبارت سے اس سوال کا جواب تفصیلاً ہے جو ما قبل میں رہے
حیث ہو معرب سے اجمالاً دیا جا چکا ہے وہ سوال یہ کہ رائیۃ غلامی میں غلام کے کسرہ پر اعراب کی تعریف صادق
آتی ہے کہ پہلے اس پر نصب تھا بعد میں کسرہ ہو گیا حالانکہ اس کا کسرہ اعراب نہیں ہے جواب یہ کہ تعریف میں سبب
کے آخر مختلف ہونے سے مراد معرب ہونا ہے اور غلام میں جو اختلاف ہے معرب ہونے کی حیثیت سے
نہیں بلکہ یاء متکلم کی حیثیت سے جو اپنے ما قبل کسرہ کو مقتضی ہے کیونکہ اگر معرب ہونے کی حیثیت سے اس پر کسرہ
ہوتا تو عامل نہ بنے پر کسرہ باقی نہ رہتا کیونکہ عامل نہ ہو تو اسم معرب نہیں بلکہ مثنی ہو جاتا ہے لیکن غلامی کے ساتھ
عامل ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں غلام پر کسرہ ہی آتا ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے اختلاف کا سبب معرب ہونا
نہیں بلکہ یاء متکلم کا داخل ہونا ہے۔ خیال رہے کہ نحو غلامی سے مراد ہر وہ اسم ہے جو معرب بالحرکت ہو اور یاء متکلم
کی طرف مضاف ہو جیسے سلامی، کلامی وغیرہ۔

قوله لانه معرب - یعنی وہ اسم مصنف کے نزدیک معرب ہے جو مضاف بیا متکلم ہو اور وہ
عامل کیساتھ ہو ورنہ مثنی ہو گا دوسرے نجات مطلقاً اس کو مثنی قرار دیتے ہیں خواہ عامل کیساتھ ہو یا نہ ہو انہی
دلیل پر کہ غلام یاء متکلم کیساتھ مرکب ہے جو شدت اشتراح کی وجہ سے کلمہ واحد ہو گیا ہے کیونکہ مضاف و مضاف الیہ
کے مابین کافی اتصال ہوتا ہے لہذا غلام کا حرف آخر وسط کلمہ میں واقع ہوا اور وسط کلمہ مثنی ہے۔ مصنف یہ دلیل

دیتے ہیں کہ غلام مضاف ہے اور مضاف ہونا معرب کے خواص میں سے اہم خاصہ ہے

قوله القدر وتعد الحد الاعراب جمعاً ومعنا لکن المصنف أراد ان یثبت علی فائدۃ اختلاف وضع
الاعراب فقصر الیہ قولہ لیدل علی المعانی المعنویۃ علیہ فکانہ أراد ہذا المعنی حیث قال
لیس ہذا من تمام الحد لانه خارج عن الحد واللام فی قولہ لیدل متعلق بامر خارج عن
الحد یعنی فی وضع الاعراب المفہوم من نحوی الکلام فائدۃ بعید عن الفہم غایۃ البعد فاللام فی
متعلق بقولہ اختلف آخر کا

ترجمہ: — اور اتنی ہی مقدار سے معرب کی تعریف جامع و مانع ہونے کے اعتبار سے تام ہو گئی لیکن مصنف نے
ازادہ فرمایا کہ وضع اعراب کے اختلاف کے فائدے پر تنبیہ کریں تو انہوں نے تعریف مذکور کی جانب اپنے قول لیدل
علی المعانی المعنویۃ علیہ کو ضم کر دیا گو یا مصنف نے اسی معنی تنبیہ کا ارادہ فرمایا جب کہ انہوں نے اس کتاب کی شرح لکھی
میں فرمایا کہ یہ معنی لیدل تمام تعریف سے نہیں نہ یہ کہ وہ تعریف سے خارج ہے اور لام مصنف کے قول لیدل میں اس
امر کیساتھ متعلق ہے جو تعریف سے خارج ہے یعنی وضع الاعراب کیساتھ جو مضمون کلام سے مستفاد ہے کیونکہ لام کا امر
خارج کیساتھ متعلق ہونا ہم سے کافی بعید ہے پس لام لیدل میں مصنف کے قول اختلاف آخرہ کے ساتھ متعلق
ہے۔

تشریح: — قوله وتعد الحد الاعراب جمعاً ومعنا لکن المصنف أراد ان یثبت علی فائدۃ اختلاف وضع
الاعراب فقصر الیہ قولہ لیدل علی المعانی المعنویۃ علیہ فکانہ أراد ہذا المعنی حیث قال
لیس ہذا من تمام الحد لانه خارج عن الحد واللام فی قولہ لیدل متعلق بامر خارج عن
الحد یعنی فی وضع الاعراب المفہوم من نحوی الکلام فائدۃ بعید عن الفہم غایۃ البعد فاللام فی
متعلق بقولہ اختلف آخر کا

قوله فکانہ یاس سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے کاف کی شرح امالی میں خود ہی تحریر فرمایا ہے کہ یہ قید
تمام تعریف سے نہیں یعنی اس کا جز نہیں لہذا اس کو جز ماننا تو چوبہ قول بجا لایر ضی بہ القائل ہے جو ممنوع ہے

جواب یہ کہ مصنف کا مدعی یہی ہے کہ اس قید کو تعریف کے تمام ہونے میں دخل نہیں یعنی تعریف تمام ہو چکی ہے اس کو دوسرے نائدہ کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

قولہ لائنہ: اس عبارت سے فاضل ہندی کے اس سوال کا رد ہے کہ جب یہ قید تمام تعریف سے ہمیں تو اس سے خارج ہوئی پھر اس کو تعریف میں بیان کیا گیا جواب یہ کہ تمام تعریف سے ہونے سے مراد یہ کہ اس کو تعریف کے تمام ہونے میں یعنی جامع و مانع ہونے میں کوئی دخل نہیں اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ تعریف سے خارج ہے۔

قولہ واللام۔ یہ معطوف ہے جس کا معطوف علیہ ائذ کی ضمیر منصوب ہے جس کا مرجع لفظ لیدل ہے لہذا یہ جملہ بھی تحت نفی داخل ہوا جس کا حاصل یہ کہ لیدل اگر تعریف سے خارج ہو تو اس کے لام کا متعلق بھی خارج یعنی دفع الاعراب ہو گا جو مضمون کلام سے مستفاد ہے اور اگر تعریف میں داخل ہے تو لام کا متعلق اختلاف آخرہ میں اختلاف ہو گا۔ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ پہلا ہم سے کافی بعید ہے۔ بعید اس لئے کہ وضع اعراب کی طرف وضع و طبع کا بھی اعتبار سے ذہن کا متبادر نہیں ہوتا اور کافی اس لئے کہ اختلاف آخرہ کی طرف ذہن کا متبادر ہوتا ہے کیونکہ اختلاف آخرہ ہے اور وضع محدود ہے۔ ظاہر ہے مذکور کی طرف ذہن زیادہ سبقت کرتا ہے نیز بلا ضرورت حذف ماننا بھی لازم نہیں آتا۔

یعنی اختلف آخرہ لیدل الاختلاف اوما بہ الاختلاف علی المعانی یعنی القاعلیۃ والمفعولیۃ والاضافۃ المعنویۃ علی صیغۃ اسم الفاعل علیہ ائی علی المعرب متعلق بمفعولہ علی تفسیر مثل معنی الورد وادو الاستیلاء و یقال اعتوروا الشی وتعاوروا اذا تد او لولا ائی اخذ کجامعۃ واحد بعد جماعۃ علی سبیل انابۃ والبدلیۃ لا علی سبیل الاجتماع

ترجمہ: یعنی آخر معرب مختلف ہو (ناکہ دلالت کرے) اختلاف یا وہ جس کی وجہ سے اختلاف ہو رہا ہے معانی یعنی فاعلیت و مفعولیت و اضافت (پر جو یکے بعد دیگرے وارد ہوتے ہیں) معنورہ صیغۃ اسم فاعل پر ہے و اس پر یعنی معرب پر لفظ علیہ متعلق ہے معنورہ کی ساتھ معنی ورد و استیلاء کی تفسیر کی تقدیر پر کہا جاتا ہے اعتوروا الشی و تعاوروا وہ جب کہ کسی شئی کو ایک جماعت دوسری جماعت کے بعد لے۔ یوزیت بنویت اور بدلیت کے طور پر اجتماع کے طور پر نہیں۔

تشریح: قولہ الاختلاف۔ علامہ رضی کے نزدیک اعراب چونکہ صرف اختلاف کا نام ہے اور جہور اعراب مایہ الاختلاف کو کہتے ہیں اس لئے اس عبارت سے دونوں مسکوں کی طرف اشارہ کیا گیا کہ معانی معنورہ پر دلالت کرنا اختلاف ہے یا مایہ الاختلاف اول چونکہ جز ہے اور جز ربطاً مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا۔ دونوں جگہ اختلاف پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اصل عبارت یہ ہے اختلاف آخر المعرب سوال ضمیر غائب کا مرجع مایہ الاختلاف ماننا صحیح ہے لیکن اختلاف آخر نہیں کیونکہ معنورہ پر مایہ الاختلاف دلالت کرتا ہے جس کو اعراب کہتے ہیں اختلاف آخر نہیں کہ وہ اختلاف معانی معنورہ پر دلالت کرتا ہے۔ جواب اختلاف آخر جرب اختلاف معانی پر دلالت کرتا ہے تو معانی پر لا محالہ دلالت کرے گا الیہ پہلی دلالت مطابقی ہے دوسری انحرافی اور یہاں دلالت سے مراد عام ہے یا یک معانی معنورہ پر مایہ الاختلاف یعنی اعراب دلالت کرتا ہے لیکن معانی معنورہ کے اختلاف پر اختلاف آخری دلالت کرتا ہے البتہ دوسری تقدیر پر حذف عبارت لازم آئیگی یعنی لیدل الاختلاف علی اختلاف المعانی المعنورہ

قولہ یعنی القاعلیۃ: معانی کا اطلاق چونکہ امور پر کیا جاتا ہے اس لئے یہاں اس کی تفسیر فاعلیت مفعولیت و اضافت سے بیان کی گئی اور ان کو معانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ معانی جمع ہے معنی کی اور معنی ما قام بالشیء یعنی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی شئی کے ساتھ قائم ہو اور فاعلیت بھی مثلاً جارنی زید میں زید کے ساتھ قائم ہے اور مفعولیت بھی مثلاً مرت زید میں زید کی ساتھ قائم ہے اور اضافت بھی مثلاً مرت زید میں زید کی ساتھ قائم ہے

قولہ علی صیغۃ اسم الفاعل۔ اس عبارت سے شارح ہندی کے اس قول کا رد ہے کہ معنورہ کا مصدر اعتور ہے اور اعتور و تعاور متعدی بنفس ہے کیونکہ وہ بمعنی اخذ ہے جو متعدی بنفس ہے کہا جاتا ہے اعتوروا الشی و تعاوروا جبکہ باری باری لوگ شئی کو پس یا جب کہ یکے بعد دیگرے لوگ اس شئی کو پس پس لفظ علی کے ذریعہ متعدی نہ ہو گا اس لئے معنورہ یہاں صیغۃ اسم مفعول ہے جس کا مفعول اول ضمیر ہے جو اس میں مستز ہے اور راجع بسوئے معانی ہے مفعول دوم کی طرف علی کے ذریعہ متعدی ہے حاصل رد یہ کہ معنورہ صیغۃ اسم فاعل ہے جس میں واردۃ یا مستولیہ کے معنی کی تفسیر ہے اور ورد و استیلاء کے مفعول پر علی داخل ہوتا ہے اور تفسیر لغت میں نام ہے چیز کے در بخل گرفتن کا اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے کسی فعل یا شے فعل کے ساتھ کسی مصدری معنی کو اس طرح لحاظ کرنا کہ اس مصدری معنی کا مشتق حال یا صفت ہو پس اصل عبارت یہ ہوئی علی المعانی المعنورہ واردۃ او مستولیۃ علی المعانی المعنورہ الواردة او المستولیۃ علیہ۔

قولہ تعاوروا۔ یہ اس سوال کا جواب کی طرف اشارہ ہے کہ مقل کا قاعدہ ہے کہ واو اگر متحرک ہو اور اس کے ماقبل مفتوح ہو تو اس واو کو الف سے بدلا جاتا ہے اور یہ قاعدہ معنورہ پر جاری ہے لہذا اس کے

واذکوالف سے کیوں بدل نہیں گیا ؟ جواب یہ کہ قاعدہ مذکورہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ باب افتعال یعنی باب
تفاعل نہ ہو اور معثورہ چونکہ معنی متعادل ہے اس لئے واذکوالف سے بدل نہیں گیا۔

فإذا أتت المعاني المقتضية للعراب العرب متعاقبة متناوبة غير مجمعة لتضادها فينتج ان
تكون علاماتاً ايضاً كذلك فوقع بسببها اختلاف في آخر المعرب فوضع اصل الاعراب للبدل لا لغيره
على تلك المعاني و وضع بحيث يختلف به آخر المعرب لا اختلاف تلك المعاني

ترجمہ :۔ پس جب وہ معانی جو اعراب کو مقتضی ہیں معرب پر یکے بعد دیگرے تو بت بتر جمع ہو کر وارد ہوتے
ہیں کیونکہ وہ آپس میں متضاد ہیں تو مناسب ہو کہ انکی علامتیں بھی ایسی ہی ہوں پس ان علامتوں کی وجہ سے معرب
کے آخر میں اختلاف واقع ہوگا لہذا اصل اعراب کو اس لئے وضع کیا گیا ہے تاکہ ان معانی پر دلالت کرے اور اس
حیثیت سے وضع کیا گیا ہے کہ اس اصل اعراب کے ذریعہ معرب کے آخر میں اختلاف ہو کیونکہ وہ معانی مختلف ہیں
تشریح :۔ قولہ فإذا أتت اولت :۔ معرب پر بیک وقت ایک ہی عامل داخل ہوتا ہے اس لئے اس پر صرف
ایک ہی معنی معانی ثلاثہ میں سے وارد ہوگا دویا اس سے زائد نہیں۔ اس لئے بھی کہ مثلاً معنی فاعلیت ضد ہے معنی
مفعولیت کی اور دو ضد ایک جگہ جمع نہیں آتی تو جب معانی ایک ساتھ جمع نہیں آسکتے تو اس کی علامتیں جو رنج، نصب
جر ہیں وہ بھی ایک ساتھ جمع نہیں آئیں بلکہ بدلیت کے طور پر آئیں گی اور اختلاف آخر کا سبب بنیں گی۔

قولہ فوقع بسببها :۔ سوال اس سے مصنف اور شارح کے کلام کے درمیان تعارض لازم آتا ہے اس
کہ مصنف کے کلام میں بدل علی المعانی المعثورہ سے مراحۃ اختلاف اعراب سبب ہے معانی پر اعراب کی دلالت کا اور
شارح کے کلام فوقع بسببها سے مراحۃ معانی سبب ہیں اختلاف اعراب کے۔ جواب اختلاف اعراب سبب حقیقی ہے
معانی پر اعراب کی دلالت کا اور اختلاف معانی علت غائیہ ہے اختلاف اعراب کی، سبب حقیقی نہیں کہ تعارض
لازم آئے۔

وأما جعل الأعراب في آخر الأسماء المعرب لأن نفس الاسم يدل على المسمى والأعراب على صفة
لاشك أن الصفة متأخرة عن الموصوف فالأصل أن يكون الدال عليها أيضاً متأخراً عن الدال
عليه وهو ما أخذ من أعرابه إذا اوضحنا أن الأعراب يوضع المعاني المقتضية أو من عربت معدة

إذا ضدت على أن يكون الهمزة للسلب فيكون معناها إزالة الفساد وسمى به لأنه يزيل فساد التباس
بعض المعاني ببعض

ترجمہ :۔ اور اسم معرب کے آخر میں اعراب کو اس لئے کیا گیا کہ نفس اسم معرب ذات معنی پر دلالت کرتا ہے
اور اعراب صفت پر اور کوئی شک نہیں کہ صفت موصوف سے مؤخر ہوتی ہے پس النسب یہ کہ جو صفت پر وال ہو وہ وال
علی الموصوف سے بھی مؤخر ہو اور اعراب آخر بدل سے مشتق ہے جب کہ اُسے کوئی واضح کرے کیونکہ اعراب معانی مقتضیہ
کو واضح کرتا ہے یا وہ عربت معدہ سے مشتق ہے جب کہ معدہ فاسد ہو جائے اس تقدیر پر کہ اعراب کا ہمزہ سلب کے
لئے ہو پس اعراب کا معنی ازالہ فساد ہوا۔ اور اس کو اس نام کیساتھ اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہ بعض معانی کا بعض کے
ساتھ التباس کے فساد کو زائل کرتا ہے۔

تشریح :۔ قولہ وأما جعل :۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب کو معرب کے آخر ہی کیوں دیا جاتا ہے ؟
حالانکہ شروع پر قسریہ موجود ہے اس لئے کہ اعراب عامل کا اثر ہے اور عامل کا دخول شروع میں ہوتا ہے اس لئے اعراب
بھی شروع ہی میں ہونا چاہئے تاکہ اثر مؤثر کے موافق ہو جائے اور وسط پر قسریہ قیاساً علی الفعل موجود ہے یعنی اسم معرب
کے وسط میں فعل پر قیاس کر کے اعراب ہونا چاہئے کیونکہ افعال میں امتیاز عین کھڑکی حرکت کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے
کہا جاتا ہے کہ ماضی جب مفتوح العین ہو تو مضارع مکسور العین ہوگا۔ جواب یہ کہ اسم معرب معنی بہ یعنی ذات پر دال ہے
اور اعراب صفت پر اور ظاہر ہے مرتبہ صفت مرتبہ ذات کے بعد ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے جو صفت پر دال
ہو وہ ذات پر دلالت کرنے والے سے مؤخر ہو اس لئے اعراب کو معرب کے آخر ہی دیا جاتا ہے۔ سوال اعراب اگر
بالحرکہ ہو تو معرب کے آخر میں ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ حرکت حرف کی بہ نسبت بمنزلة صفت ہوتی ہے لیکن اگر اعراب
بالحرف ہو تو معرب کے آخر میں ہونا ظاہر نہیں کیونکہ اس تقدیر پر اعراب عین آخر معرب ہوتا ہے جواب اعراب بالحرکہ
اعراب بالحرک کی بہ نسبت کثیر الوقوع ہے اور اعراب بالحرکہ میں چونکہ تاخیر ہوتی ہے اس لئے لاکثر حکم النکل کے
تحت مطلقاً تاخیر کا حکم دے دیا گیا۔

قولہ وهو ما أخذ :۔ اعراب کے لغوی واصطلاحی معنی کے درمیان اس عبارت سے مناسبت اور اس
کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے جس کا حاصل کہ اعراب آخر بدل، بمعنی أو ضمہ سے مشتق ہے لہذا اس کا معنی ایضاً ہو اس
معنی اصطلاحی کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ بھی معانی مقتضیہ کو واضح کرتا ہے یعنی اسم معرب کے فاعل ہونے یا
مفعول ہونے یا مضاف الیہ ہونے کو بیان کرتا ہے مثلاً جب جاء زید بسکون دال کہہ جائے تو زید کا فاعل ہونا حقیقی

رہتا ہے لیکن جب اس پر اعراب داخل کر کے جائزید کہا جائے تو فاعل ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اس سے معرب کا معنی بھی ظاہر ہو گیا کہ اس کا معنی اظہار کی جگہ ہے اور معرب پر چونکہ اس کے اوصاف فاعلیت، مفعولیت، اضافیت ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اس کا نام معرب رکھا گیا یہ جب کہ اسم ظرف ہو لیکن معرب کو اسم مفعول بھی مانا جاسکتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے مظہر اوصاف یعنی اس کے اوصاف ظاہر کئے ہوئے ہیں

قولہ **أَوْ مِّنْ عَرَبٍ** معدتہ۔ اس عبارت سے بھی اعراب کے لغوی واصطلاحی معنی کے درمیان مناسبت اور اس کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے کہ عربیت معدتہ بمعنی فسدت معدتہ مشتق ہے پس اس کا معنی آزار نساہوا اور اعراب سے چونکہ فساد التباس کا ازالہ ہوتا ہے اس لئے اس کا نام اعراب رکھا جاتا ہے مثلاً جب اعراب کے بغیر قتل شاتم غلام خالد بولا جائے تو فاعلیت، مفعولیت، اضافیت کا التباس ہو جائیگا کہ ان میں سے کون فاعل ہے کون مفعول اور کون مضاف الیہ ہے لیکن جب اعراب کیساتھ قتل شاتم غلام خالد۔ شاتم کو رفع غلام کو نصب خالد کو جر تو معلوم ہو جائیگا کہ ان میں سے کون فاعل ہے اور کون مفعول اور کون مضاف الیہ اسی سے معرب کا معنی بھی ظاہر ہو گیا کہ اس کا معنی ازالہ فساد کی جگہ ہے اور معرب چونکہ فساد التباس کے ازالہ کا محل ہے اس لئے اس کا نام معرب رکھا جاتا ہے یہ جب کہ معرب اسم ظرف ہو لیکن اس کو اسم مفعول بھی مانا جاسکتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے مزال فساد یعنی اس کا فساد دور کیا ہوا۔

قولہ **عَلَىٰ أَنْ يَكُونَ**۔ یعنی باب افعال کی خاصیتوں میں سے ایک سلب ماخذ بھی ہے لہذا عربت معدتہ کا معنی فساد ہوتا ہے اور اعراب کا معنی فساد دور کرنا ہے جس طرح خشکی کا معنی شکایت کرنا ہے اور اشکی کا معنی شکایت دور کرنا ہے۔

وَأَوَّلُهُ أَمَّا انواع اعراب الاسم ثلاثہ رفع ونصب وجر ہذا الاسماء الثلاثہ مختلفۃ بالحركات والحروف الاعرابیۃ ولا تطلق علی الحركات البناکیۃ اصلاً بخلاف الصفۃ والفتحۃ والکسرۃ فیما تہامستہ فی الحركات البناکیۃ غالباً و فی الحركات الاعرابیۃ علی قلۃ

توجہ۔ اور اس کے اقسام، یعنی اعراب اسم کے اقسام تین ہیں (رفع اور نصب اور جر ہیں) یہ تینوں نام حرکات و حروف اعرابیہ کیساتھ خاص ہیں اور حرکات بنائیہ پر قطعاً اطلاق نہیں کئے جاتے برخلاف ضم و فتح و کسرہ کہ وہ اکثر حرکات بنائیہ میں مستعمل ہوتے ہیں اور حرکات اعرابیہ پر بطور قلیل۔

تشریح:۔ **بِأَنَّهُ أَوَّلُهُ**۔ اعراب کی تعریف کے بعد اب اس کے اقسام پھر اقسام کی تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ تعریف کی طرح اقسام کا بیان بھی موجب الاختلاف ہوتا ہے۔ اقسام و نحوہ و دول مترادف المعنی ہیں اسی طرح انواع بھی لیکن اس کا اطلاق صرف کلیات پر ہوتا ہے اور اقسام و انحرار کا کلیات و جزئیات دونوں پر۔

قولہ **أَمَّا**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب کو تین پر منحصر کرنا درست نہیں بلکہ چوتھی قسم جزم بھی اعراب کی ایک قسم ہے۔ جواب یہ کہ جزم مطلق اعراب کی قسم ہے (کہ وہ فعل کا اعراب ہے) اور یہاں مطلق اعراب کی قسم کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اعراب اسم کی قسم کو بیان کرنا ہے جو صرف تین پر منحصر ہے جیسا کہ اس پر قرینہ بحث اسم کا ہونا دال ہے۔ سوال اعراب اسم صرف تین پر کیوں منحصر ہے؟ جواب اعراب کو معانی معنورہ پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اور معانی معنورہ چونکہ فاعلیت، مفعولیت، اضافیت میں ہیں اس لئے اعراب کو بھی تین پر منحصر کیا گیا تاکہ دال و مدلول کی تعداد برابر ہو جائے۔

قولہ **ثَلَاثَةٌ**۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ کتنی میں انواع مبتدئہ ہے اور رفع اس کی خبر تو مطلب ہو کہ رفع اعراب کی ایک نوع نہیں بلکہ انواع ہے جو صراحۃً باطل ہے۔ جواب یہ کہ خبر صرف رفع نہیں بلکہ رفع و نصب و جر کا مجموعہ ہے یعنی عطف مقدم ہے ربط پر اور ظاہر ہے رفع و نصب و جر اعراب کے انواع ہیں۔

بیانۃ رفع۔ رفع کو رفع اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ رفع یعنی کھڑے ہو جاتے ہیں اور جر کو جر اس لئے کہ اس کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ اپنی کی طرف کھینچ جاتے ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ فعل کے معنی کو اسم کی طرف پہنچاتا ہے۔

قولہ **هَذِهِ الاسماء الثلاثہ**۔ اس عبارت سے دو سوالوں کا جواب دیا گیا ہے جن میں سے ایک یہ کہ رفع و نصب و جر صرف حرکات اعرابیہ کو کہتے ہیں لہذا حروف اعرابیہ یعنی واو۔ الف۔ یا کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟ دوسرا سوال یہ کہ رفع و نصب و جر سے زیادہ ضم و فتح و کسرہ مشہور ہیں لہذا جو زیادہ مشہور ہو اس کو بیان کرنا چاہئے تھا۔ جواب سوال اول کا یہ کہ رفع و نصب و جر کا اطلاق جس طرح حرکات اعرابیہ پر ہوتا ہے اسی طرح حروف اعرابیہ پر بھی لہذا الگ سے حروف اعرابیہ کو بیان کرنا فضول ہے جواب سوال دوم کا یہ کہ یہ مقام چونکہ اسم معرب کے بیان کا ہے اس لئے یہاں اسی اعراب کو بیان کیا گیا۔ ہے جس کا اطلاق صرف اسم معرب کے حرکات و حروف پر ہوا اور وہ رفع و نصب و جر ہیں جو صرف اسم معرب کے حرکات و حروف کیساتھ خاص ہیں جس طرح ضم و فتح و کسرہ صرف اسم معنی کے حرکات کیساتھ خاص ہیں برخلاف ضم و فتح و کسرہ کہ اس کا اطلاق جس طرح معرب کے حرکات پر ہوتا ہے اسی طرح معنی کے حرکات پر بھی بلکہ معنی کے حرکات پر بکثرت ہوتا ہے جیسا کہ بصر میں کا خیال ہے اس لئے کہ کو نہیں کہتے ہیں کہ رفع۔ نصب۔ جر۔

کا اطلاق حرکات بنائیہ پر بھی ہوتا ہے

بتقدیر اول رفع نصب جر اور ضم فتح کسرہ میں عموم و خصوص من وجه کی نسبت ہے کیونکہ جاری جعفر وراثت جعفر اور مراثت جعفر میں را کی حرکتوں پر رفع نصب جر اور ضم فتح کسرہ صادق آتے ہیں لیکن جیم عین فا کی حرکتوں پر ضم فتح کسرہ صادق آتے ہیں اور رفع نصب جر صادق نہیں آتے اسی طرح جاری فی الوجود وراثت ابائت و مراثت ابائت میں داؤ الف یا پر رفع نصب جر صادق آتے ہیں اور ضم فتح کسرہ صادق نہیں آتے اور رفع نصب جر اور ضم فتح کسرہ میں تباہی کی نسبت ہے کیونکہ اول اعراب یہ ہیں اور دوم بنائیت اور ضم فتح کسرہ اور ضم فتح کسرہ میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے ضم فتح کسرہ عام مطلق ہیں اور ضم فتح کسرہ خاص مطلق کیونکہ حرکات بنائیت پر ضم فتح کسرہ اور ضم فتح کسرہ صادق آتے ہیں لیکن حرکات اعراب پر ضم فتح کسرہ صادق آتے ہیں اور ضم فتح کسرہ صادق نہیں آتے

قولہ لا تطلق علی الحركات۔ یہ اس نفی کی تاکید ہے جو مختصہ بالحرکات سے مستفاد ہے اور ہذا الاسماء میں اسما سے مراد اسماء اصطلاحیہ نہیں بلکہ لغویہ یعنی نام ہیں جو فعل وحرف کو بھی شامل ہے اور لغویہ اس لئے مراد ہے کہ اسم یہاں رفع نصب جر کو کہا جاتا ہے جو اعراب ہیں اور اعراب کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ وہ لفظ ہے یا غیر لفظ پس جس نے لفظ کا قول کیا ہے اس کے نزدیک رفع نصب جر کو اسماء کہنا درست ہے اور جو غیر لفظ کا قول کیا ہے اس کے نزدیک درست نہیں۔

فالرفع حركة كان أو حر فاعلم الفاعلية أي علامة كون الشيء فاعلاً حقيقة أو حكماً يشمل الملحقات بالفاعل أيضاً كالمبتدأ والخبر وغيرهما

ترجمہ:۔۔۔ (پس رفع حرکت ہو یا حرف و فاعل ہونے کی علامت ہے) یعنی شئی کے حقیقہ یا حکماً فاعل ہونے کی علامت ہے تاکہ وہ ان مرفوعات کو بھی شامل ہو جائے جو فاعل کے ساتھ ملتی ہیں جیسے مبتدا و خبر وغیرہ۔

تشریح:۔۔۔ قولہ حرکت۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ رفع صرف اعراب بالحرکہ کو کہا جاتا ہے پس اصل عبارت یہ ہوتی فالاعراب بالحرکہ علم الفاعلية یعنی اعراب بالحرکہ فاعلیت کی علامت ہے حالانکہ اعراب بالرفع بھی فاعلیت کی علامت ہے لہذا اس کو یہاں کیوں چھوڑ دیا گیا؟ جواب یہ کہ رفع کا اطلاق جس طرح اعراب بالحرکہ پر ہوتا ہے اسی طرح اعراب بالرفع پر بھی لہذا الگ سے اس کو بیان کرنا فضول ہے کذا الحال فی النصب وجر۔

قولہ أي علامة۔ اس عبارت سے دو سوالوں کا جواب دیا گیا ہے ایک سوال یہ کہ رفع اگر فاعلیت کا علم ہو تو علم جو شئی پر محمول ہوتا ہے لہذا اس کو فاعلیت پر محمول ہونا چاہئے حالانکہ ظاہر ہے وہ محمول نہیں ہوتا دوسرا سوال یہ کہ علم کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے (۱) اسم پر (۲) علامت پر (۳) جمل پر پہاڑ پر جیسے قرآن کریم و کائنات الجوار والمنشئت فی البحر کالاعلام میں اعلام بمعنی جبال ہیں تو یہاں پر علم کا اطلاق کو نسا معنی پر کیا گیا ہے جواب یہ کہ علم کا اطلاق یہاں پر علامت پر کیا گیا ہے کیونکہ علامت یہاں معنی فاعلیت کو کہا جاتا ہے اور معنی فاعلیت جس طرح غیر مستقل ہے اسی طرح علامت بھی اور علامت شئی ظاہر ہے شئی پر محمول نہیں ہوتی جیسے علامت اسم مثلاً دخول اللام والجر اسم مثلاً زید پر محمول نہیں ہوتی اور یہ کہا نہیں جاتا زید دخول اللام والجر۔

قولہ كون الشيء۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فاعلیت کا معنی ہے فاعل والا تو علم الفاعلية کا معنی ہوا فاعل والے کی علامت اور فاعل والا جو کہ فعل ہوتا ہے اس لئے رفع فعل کی علامت ہوا حالانکہ وہ فعل نہیں بلکہ اسم کے علامت ہے۔ جواب یہ کہ فاعلیت اسم منسوب نہیں بلکہ مصدر جعلی ہے جس کا معنی ہے فاعل ہونا اور ظاہر ہے وہ اسم میں پایا جاتا ہے پس رفع اسم کی علامت ہوا۔ واضح ہو کہ مصدر جعلی وہ ہے جو اسم کے آخر میں یا مثنیہ و اور تاء مدورہ کے برعکس سے بنتا ہے جیسے اسم سے اسمیہ اور فاعل سے فاعلیہ اور مفعول سے مفعولیہ اسی وجہ سے اس مصدر کا نام مصدر جعلی رکھا جاتا ہے کہ وہ مشتق نہ نہیں بلکہ مشتق یعنی بنایا جاتا ہے

قولہ حقيقة أو حكماً۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ رفع کو فاعلیت کی علامت قرار دینا درست نہیں اس لئے کہ رفع جس طرح فاعل میں ہوتا ہے اسی طرح مبتدا و خبر وغیرہ میں بھی۔ جواب یہ کہ فاعل سے یہاں مراد عام ہے کہ فاعل حقیقی ہو یا فاعل حکمی۔ مبتدا وغیرہ فاعل حکمی ہیں کیونکہ فاعل حکمی سے وہ مرفوع مراد ہے جو فاعل کی طرح منفردیہ ہو یا جملہ کا جبرہ ثانی ہو۔ مبتدا منفردیہ ہے اور خبر جملہ کا جبرہ ثانی۔

والنصب حركة كان أو حر فاعلم المفعولية أي علامة كون الشيء مفعولاً حقيقة أو حكماً يشمل الملحقات به والجر حركة كان أو حر فاعلم الاضافية أي علامة كون الشيء مضافاً إليه وإذا كانت الاضافة بنفسها مصدر لم تحج إلى الحاق المصدريه اليها كما في الفاعلية والمفعولية

ترجمہ:۔۔۔ (اور نصب حرکت ہو یا حرف و مفعول ہونے کی علامت ہے) یعنی شئی کے حقیقہ یا حکماً مفعول ہونے کی علامت ہے تاکہ وہ ان منصوبات کو شامل ہو جائے جو مفعول کے ساتھ ملتی ہیں (اور جر حرکت ہو یا

حرف مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے، یعنی شئی کے مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے اور لفظ اضافت جب کہ خود مصدر ہے تو اس کی طرف یا مصدری کو لاحق کر نیکی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ لفظ فاعلیت و مفعولیت میں لاحق کہہ گئی ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ حرکت کان۔ یہاں بھی بینہ وہی سوال و جواب میں جو ماقبل میں حرکت کان اَوْ حَرْفَا کے تحت گزر چکے ہیں اور اسی طرح اُمی علامۃ کون الشیء مفعولاً میں بھی بینہ وہی سوال و جواب میں جو اُمی علامۃ کون الشیء فاعلاً کے تحت گزر چکے ہیں وہیں علیہ العبارۃ الآتیۃ والجر حرکت کان اَوْ حَرْفَا فاعلاً الاضافۃ اُمی علامۃ۔

قولہ حقیقۃ اَوْ حکماً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ نصب کو مفعولیت کی علامت قرار دینا کہاں تک درست ہوگا جب کہ وہ مفعول کی طرح حال و تمیز وغیرہ کو بھی ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ مفعول سے یہاں مراد عام ہے کہ مفعول حقیقی ہو یا مفعول حکمی۔ حال و تمیز وغیرہ مفعول حکمی ہیں کیونکہ مفعول حکمی سے وہ منصوب مراد ہے جو مفعول کے طرح فضلہ ہو یعنی رکن کلام نہ ہو یا اس کے بغیر اس کا نائب تعقل میں تام نہ ہو جس طرح کہ مفعول کے بغیر اس کا نائب تعقل میں تام نہیں ہوتا ہے پس حال و تمیز رکن کلام نہیں بلکہ فضلہ ہیں اور حروف شبہ کا اسم رکن کلام تو ہے لیکن اس کے بغیر اس کا نائب تعقل میں تام نہیں۔

قولہ کون الشیء مضافاً الیہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جو ہونا مضاف کو لازم نہیں ہے تو مضاف ہونے کی علامت جس کیسے ہو سکتی ہے؟ جواب یہ کہ اضافت سے یہاں مضاف الیہ ہونا مراد ہے مضاف ہونا نہیں اس لئے کہ مضاف الیہ کو جس ہونا لازم ہے اور اس پر یہ قرینہ بھی ہے کہ اضافت کو یہاں فاعلیت و مفعولیت کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے اور دو متقابل چونکہ ایک جگہ جمع نہیں آتے اس لئے اضافت بھی فاعلیت و مفعولیت کے ساتھ جمع نہ آئے گی پس اگر اضافت سے مضاف ہونا مراد ہو تو جمع ہونا لازم آئے گا کیونکہ مضاف کبھی فاعل ہوتا ہے جیسے جاء فی غلام زید میں غلام اور کبھی مفعول ہوتا ہے جیسے راٰ بنی عبد اللہ میں عبد اللہ اور یہ مضاف الیہ مراد لینے کی صورت میں لازم نہیں آتا ہے کیونکہ وہ فاعل ہوتا ہے اور نہ مفعول۔

قولہ اذا کانت الاضافۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں علم الاضافۃ کہا گیا علم الاضافۃ نہیں جس طرح علم الفاعلیۃ و علم المفعولیۃ کہا گیا ہے ایسا کیوں؟ جواب یہ کہ فاعل و مفعول چونکہ مصدر نہیں اس لئے ان دونوں میں یا ر و تاء لاحق کر کے مصدر بنایا جاتا ہے اور اضافت خود ہی مصدر ہے اسی لئے اس کو مصدر بنانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ سوال لم تحتج الی الخاق الباء المصدریۃ کی عبارت سے یہ تصور ہوتا ہے کہ اضافت میں اگر یا ر و تاء لاحق کیا جائے تو درست ہے لیکن اس کی حاجت نہیں ہے حالانکہ وہ قطعاً صحیح نہیں ہے

جواب عدم احتیاج سے مراد یہاں عدم صحت ہے یعنی اضافت میں یا ر و تاء لاحق کرنا درست نہیں۔

واللہ اختص الرفع بالفاعل والنصب بالمفعول والجر بالمضاف الیہ لانه الرفع ثقیل والرفع ثقیل لانہ لاتہ واحد لانہ عطی الثقیل القلیل والنصب خفیف والمفاعیل کثیر لانہا خمسۃ فاعطى الخفیف کثیر ولما لم یبق للمضاف الیہ علامۃ غیر الجر جعل علامۃ لہ

ترجمہ:۔۔۔ اور رفع کو فاعل کیساتھ اور نصب کو مفعول کے ساتھ اور جر کو مضاف الیہ کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل کیونکہ فاعل ایک ہے لہذا تحلیل کو ثقیل دیا گیا اور نصب خفیف ہے اور مفاعیل کثیر کیونکہ مفاعیل پانچ ہیں لہذا خفیف کثیر کو دیا گیا اور جب مضاف الیہ کے لئے جر کے علاوہ کوئی علامت باقی نہ رہی تو اس کو مضاف الیہ کی علامت قرار دیا گیا۔

تشریح:۔۔۔ قولہ واللہ اختص۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ رفع کو علامت فاعلیت اور نصب کو علامت مفعولیت اور جر کو علامت اضافت کیوں قرار دیا گیا اس کا برعکس کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ فاعل ثقیل ہے کیونکہ اس کی صرف ایک قسم ہے باقی ملحقات ہیں اور مفعول کثیر ہیں اس لئے کہ اس کی پانچ قسمیں ہیں اور باقی ملحقات ہیں اور رفع ثقیل ہے اور نصب خفیف ہے لہذا فاعل کو نصب اور مفعول کو رفع دینے سے شکم کی زبان پر بوجھ زیادہ ہوتا اور فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دینے سے شکم کی زبان پر بوجھ کم ہو جاتا ہے اس لئے فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیا گیا اور مضاف الیہ کے لئے جر کے علاوہ کوئی اعراب باقی نہ رہا تو مضاف الیہ کو جر دے دیا گیا۔

والعامل لفظاً کان اَوْ معنویاً ما بہ یعوم اُمی محصل المعنی المقضی اُمی معنی من المعانی المعنویۃ علی المعرب المقضیۃ لا اعراب ففی جاء زید عامل اذ بہ حصل معنی الفاعلیۃ فی زید فجعل الرفع علامۃ لہ و فی راٰ بنی عبد اللہ عامل اذ بہ حصل معنی المفعولیۃ فی زید فجعل النصب علامۃ لہا و فی مدرت زید الباء عامل اذ بہ حصل معنی الاضافۃ فی زید فجعل الجر علامۃ لہا

ترجمہ:۔۔۔ عامل، لفظی ہو یا معنوی ر وہ ہے جس کے سبب سے وہ معنی حاصل ہو جو مقضی ہے یعنی معرب پر یکے بعد دیگرے وارد ہونے والے ان معانی میں سے کوئی ایک معنی ہو جو اعراب کا مقضی ہیں تو جائزہ دینا میں

جارِ عامل ہے جس کی وجہ سے زید میں فاعلیت کا معنی پیدا ہوا پس رفع کو فاعلیت کی علامت قرار دیا گیا اور رائیث زید آئیں رائیث عامل ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے زید میں مفعولیت کا معنی پیدا ہوا تو نصب کو مفعولیت کی علامت قرار دیا گیا اور مررت زید میں بارِ عامل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے زید میں اضافت کا معنی پیدا ہوا پس جر کو اضافت کی علامت قرار دیا گیا۔

تشریح: — **بیانہ والعامل**۔ اعراب اور اس کے اقسام کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب اس کے عامل کو بیان کیا جاتا ہے۔ مناسبت ظاہر ہے کہ عامل سبب ہے اور اعراب سبب اس لئے سبب کو سبب کے بعد بیان کیا گیا۔ سوال سبب سبب پر مقدم ہوتا ہے لہذا عامل کو اعراب سے پہلے بیان کرنا چاہئے۔ جواب معرب کے آخر میں اختلاف کا سبب اعراب بھی ہے اور عامل بھی لیکن اعراب سبب قریب ہے اور عامل سبب بعید ہے اس لئے معرب کے ذکر کے بعد پہلے اعراب کو پھر عامل کو بیان کیا گیا۔

قولہ **لفظاً کان**۔ اس عبارت سے اس دہم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ عامل سے متبادر چونکہ عامل لفظی ہوتا ہے کہ وہ عمل میں قوی ہے اس لئے عامل سے یہاں مراد عامل لفظی ہے حالانکہ یہ تعریف عامل لفظی کے علاوہ عامل معنوی کو بھی شامل ہے حاصل ازالہ کہ عامل سے اگرچہ عامل لفظی متبادر ہوتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد عام ہے کہ عامل لفظی ہو یا عامل معنوی۔

بیانہ ما یقوم۔ سوال یہ طرف ہے جس کا متعلق بقوم فعل ہے اور یہ اس کا عامل بھی کیوں کہ طرف کا عامل وہی متعلق ہوتا ہے اور عامل میں اصل یہ ہے کہ وہ معمول سے پہلے ہو لہذا بقوم کو بہم سے پہلے بیان کرنا چاہئے یعنی اس طرح **العامل ما یقوم بہ** المعنی المقتضی للاعراب۔ جواب بہم کی غیر مبرور کا مرجع لفظاً ہے اور مرجع میں اصل یہ ہے کہ وہ ضمیر سے متصل ہو لہذا اگر بہم کو مقدم نہ کیا جائے تو اتصال مفقود ہو جائیگا اور اس لئے بھی کہ لفظ ما سے مراد عامل ہے اور یہاں اسی عامل کی شان کو ظاہر کرنے کے لئے بہم کو مقدم کیا گیا ہے کیوں کہ تقدیم کبھی اہتمام شان کیلئے بھی ہوتی ہے۔

قولہ **آئی یحصل**۔ اس عبارت سے دو سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ بہم میں یا بئامے الصاق ہے جو یقوم کا صلہ ہے اور یقوم کا صلہ جابا، ہو تو عرف میں قیام بالغیر کے معنی میں آتا ہے پس معنی ہوا کہ عامل وہ ہے جس کے ساتھ معنی مقتضی قائم ہوا اور ظاہر ہے معنی مقتضی عامل کے ساتھ نہیں بلکہ معرب کے ساتھ قائم ہوتا ہے دو مر اسوال یہ کہ یقوم، قیام سے مشتق ہے اور قیام کا معنی استواء ہے اور استواء ذوی الارواح کیساتھ خاص ہے اور ظاہر ہے عامل از قبیل ذوی الارواح نہیں۔ جواب یہ کہ بہم میں یا بئامے سببیت

برائے الصاق نہیں اور یقوم مشتق ہے قیام بمعنی حصول سے اور حصول ذوی الارواح وغیر ذوی الارواح دونوں کو شامل ہے اور کوئی شک نہیں کہ معنی مقتضی عامل کو حاصل ہے معرب کو نہیں۔ اور حصول و قیام میں مناسبت ظاہر ہے اس لئے کہ حصول، قیام کا لازم ہے پس یہاں ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔

قولہ **آئی معنی من المعانی**۔ معنی کی تفسیر نکرہ سے کرنے میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ متن میں معنی کے اوپر الف لام عہد ذہنی کا ہے جو بمنزلہ نکرہ ہوتا ہے عہد ذہنی پر قرینہ یہ ہے کہ یہاں کوئی معین معنی مراد نہیں بلکہ تینوں معنوں میں سے کوئی ایک معنی مراد ہے۔

قولہ **رائیث عامل**۔ یہ برسک کو فین ہے جو فعل و فاعل دونوں کے مجموعہ کو عامل قرار دیتے ہیں لیکن بصر میں عامل صرف فعل کو قرار دیتے ہیں لہذا ان کے نزدیک رائیث میں صرف رائی عامل ہے۔

قولہ **ألباء عامل**۔ لفظ زید میں عامل با ہے لیکن اس کے محل میں فعل ہے اس لئے کہ وہ مررت کا مفعول ہے پس زید محلاً منصوب ہے جب کہ حرف جر مذکور ہو اور اگر مقدر ہو جیسے غلام زید میں تو اس کے عامل کے متعلق علماء کا اختلاف ہے بعض نے اس کا عامل مضاف الیہ میں حرف جر مقدر کو مانا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ عامل مضاف ہے کیونکہ حرف جر یہاں نیامنیاً ہے اسی بناء پر مضاف، مضاف الیہ سے تعریف و تخصیص کا کسب کرتا ہے اور علامہ رضی نے اسی کو ہوا لاؤنی سے ترجیح دیا ہے

فالمفرد المنصرف أى الاسم المفرد الذى لم یکن متنی ولا مجموعاً ولا غیر منصرف کزید ورجل وکذا الجمع الکسر المنصرف أى الذى لم یکن بناءً الواحد فیه سالمًا ولم یکن غیر منصرف کرجال وطلبیۃ

ترجمہ: — **رہیں مفرد منصرف** یعنی وہ اسم مفرد جو نہ متنی ہو اور نہ جمع اور نہ غیر منصرف جیسے زید اور رجل (اور) نہ جمع مکر منصرف یعنی وہ جمع جس میں واحد کا وزن سالم نہ ہو اور نہ غیر منصرف ہو جیسے رجال اور طلبیۃ

تشریح: — **بیانہ فالفرد المنصرف**۔ الزاع اعراب کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب ان الزاع کی اقسام اور اقسام کے محلوں کو بیان کیا جاتا ہے لیکن اقسام کو اس طریقہ سے کہ رفع کی تین قسمیں ہیں (۱) ضمہ (۲) واو (۳) الف اور نصب کی چار قسمیں ہیں (۱) فتح (۲) کسر (۳) الف (۴) یا اور جر کی تین قسمیں ہیں (۱) کسرہ (۲) فتحة (۳) ہاء ایک محلوں کا بیان عنقریب آگے آئے گا۔ فالفرد میں فانی معنی ہے جو شرط محذوف پر وال ہوتی ہے تفصیل نہیں اس لئے کہ اس سے پہلے اجمال کا ہونا ضروری ہے اور یہاں اس سے پہلے کوئی اجمال نہیں اور **المفرد المنصرف**

جزائے محذوف کی تفصیل اور اس کا قائم مقام اصل عبارت یہ ہے (۱) اَصْلُ النَّوعِ الْأَعْرَابِ فَيَا عِلَّةَ اَسْمَاءُ۔

قَوْلُهُ اَيُّ الْأَسْمَاءِ الْمَفْرُودِ۔ مفرد سے پہلے اَلْاِسْمُ کی تقدیر سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ مفرد کے اعراب اگر مفرد فتح و کسر ہیں تو مثلاً ضرب مفرد ہے لیکن اس کا اعراب ان میں سے ایک بھی نہیں جواب یہ کہ مفرد سے یہاں اسم مفرد مراد ہے اور ضرب فعل مفرد ہے۔

قَوْلُهُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ مَشْنُو۔ الَّذِي اس قاعدہ کی وجہ سے اضافہ کیا گیا ہے کہ الف لام جب اسم فاعل واسم مفعول پر داخل ہو تو بمعنی الَّذِي ہوتا ہے اور اسم فاعل واسم مفعول بمعنی فعل ماضی پس مفرد بھی یہاں اسم مفعول ہے اور منصرف اسم فاعل اس لئے ان کے الف لام کو بمعنی الَّذِي بیان کیا گیا لیکن ان کو بمعنی فعل ماضی یعنی اَفْرَدَ والفرق اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ مفرد کا اطلاق چونکہ چار معنوں پر ہوتا ہے اور یہاں اس کا اطلاق جس معنی پر کیا گیا ہے وہ معنی الَّذِي کے بعد بیان کر دیا گیا تاکہ عبارت طویل نہ ہو جائے اسی وجہ سے منصرف کے بجائے ولا غیر منصرف کہا گیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ قید احراز می ہے اتفاقاً نہیں۔ واضح ہو کہ مفرد کا اطلاق جو چار معنوں پر ہوتا ہے وہ یہ ہیں (۱) وہ معنی جو مرکب کے مقابل میں آتا ہے جیسے بحث کلمہ میں آیا ہے (۲) وہ معنی جو مضاف و مضاف کے مقابل میں آتا ہے جیسے بحث منادی میں آیا ہے (۳) وہ معنی جو جملہ کے مقابل میں آتا ہے جیسے بحث تیز میں آیا ہے (۴) وہ معنی جو تشبہ و جمع کے مقابل میں آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ ایک مثال معرفہ کی اور دوسری نکرہ کی اس لئے بیان کیا گیا تاکہ یہ اشارہ ہو کہ مفرد منصرف ماضی ہے کہ وہ معرفہ بھی ہوتا ہے اور نکرہ بھی۔

قَوْلُهُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ مَشْنُو۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مکرر جمع کی صفت نہیں بلکہ واحد کی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مشتق جب کلمی مشنی کے ساتھ متصف ہو تو اس کے ساتھ اس کا مبتدا بھی متصف ہوتا ہے نہ جمع کیساتھ جب مکرر متصف ہے تو وہ کسر کے ساتھ بھی متصف ہوگا حالانکہ کسر کیساتھ واحد متصف ہوتا ہے کیونکہ ٹوٹا ہوا واحد ہوتا ہے جمع نہیں۔ جواب یہ کہ صفت دو طرح کی ہوتی ہے ایک صفت بحال نفسہ اور دوسری صفت بحال متعلقہ۔ اول وہ ہے جو موصوف میں موجود ہو جیسے زَيْدُ الْعَالَمِ اور دوم وہ ہے جو موصوف کے متعلق میں موجود ہو جیسے رَأَيْتُ رَجُلًا الَّذِي ابُوهُ قَاتِمٌ اور یہاں جمع کی صفت جو مکرر ہے وہ صفت بمشغلہ ہے جس کا معنی ہے وہ جمع جس کے واحد کا کسر کیا گیا ہو یعنی جس کے واحد کا وزن سالم نہ ہو۔ جو بلاشبہ درست ہے۔ سوال سنون جمع سننہ اور ضربات جمع ضربتہ جمع مکرر نہیں لیکن اس پر جمع مکرر کی تعریف صادر کی گئی ہے

کیونکہ ان کے واحد کا وزن بھی سالم نہیں اس لئے کہ جمع میں تار باقی نہیں ہے۔ جواب جمع مکرر سے مراد وہ جمع ہے جس کے واحد کے آخر میں واو اور نون بالفتح و تاء نہ ہوں اور یہ سنون ضربات میں موجود ہیں اس لئے وہ جمع مکرر نہیں سوال مفرد و جمع مکرر جب کہ دونوں منصرف ہیں تو دونوں کو ایک ساتھ ملا کر یہ کیوں نہیں کہا گیا۔ نالْمَفْرُودُ وَالْجَمْعُ الْمَكْسَرُ الْمُنْصَرِفَانِ حالانکہ یہ بھی مقصود پر دلالت ہے اور مختصر بھی۔ جواب دونوں کو چونکہ الگ الگ لقب سے پکارا جاتا ہے اس لئے ہر ایک کو الگ الگ بیان کیا گیا۔ خیال رہے کہ جمع مکرر سے عام مراد ہے کہ وہ جمع مذکر ہو جیسے رجال جمع رجل یا جمع مؤنث ہو جیسے حضرة جمع حضراء۔ اسی وجہ سے جمع سالم کے ساتھ مؤنث کی قید کا اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ جمع سالم مذکر بھی ہوتا ہے۔ جس کا اعراب جمع مؤنث سالم کے اعراب کا غیر ہے۔ اس لئے دونوں کو علیحدہ کرنے کے لئے مذکر و مؤنث کی قید کو بیان کیا گیا اور یہاں مذکر و مؤنث دونوں کا اعراب ایک یعنی اعراب بالحرکت ہے اس لئے اس قید کو بیان نہیں کیا گیا۔

قَوْلُهُ كَرَجَالٍ۔ دو مثال سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جمع مکرر سے مراد عام ہے کہ اس کے واحد کا وزن کبھی کسی حرف کے زائد ہونے سے سالم نہیں رہتا جیسے رجال جمع رجل اور کبھی کسی حرف کے کم ہو جانے سے واحد کا وزن سالم نہیں رہتا جیسے طلبہ جمع طالب اس میں تار برائے مبالغہ ہے جس طرح نكرة میں ہے

فَالْأَعْرَابُ فِي هَذِهِ الْقِسْمَيْنِ مِنَ الْأَسْمَاءِ عَلَى الْأَصْلِ مِنْ وَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَعْرَابِ أَنْ يَكُونَ بِالْحَرْكَِةِ وَالْإِعْرَابُ فِيهِمَا بِالْحَرْكَِةِ وَفَانِهُمَا أَنَّهُ إِذَا كَانَ الْأَعْرَابُ بِالْحَرْكَِةِ فَلَا أَصْلَ أَنْ يَكُونَ بِالْحَرْكَِةِ الثَّلَاثُ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثُ وَالْأَعْرَابُ فِيهِمَا بِالْحَرْكَِةِ الثَّلَاثُ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثُ

ترجمہ:۔ اسم کی ان دونوں قسموں کا اعراب بدو طریقہ اصل پر ہے ان میں سے ایک طریقہ یہ کہ اعراب میں اصل یہ ہے کہ حرکت کیساتھ ہو اور مفرد منصرف اور جمع مکرر منصرف میں اعراب حرکت کیساتھ ہوتا ہے اور ان میں سے دوسرا طریقہ یہ کہ جب اعراب بالحرکت ہو تو اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں میں تین حرکتوں کے ساتھ ہو۔ اور اعراب ان دونوں قسموں میں تینوں حالتوں میں تین حرکتوں کے ساتھ ہے۔

تشریح:۔ قَوْلُهُ فَاَلْأَعْرَابُ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب کی اس قسم کو مفرد منصرف اور جمع مکرر منصرف کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے جواب یہ کہ مفرد منصرف بدو اعتبار اصل پر ہے (۱) مفرد ہے اور وہ بہ نسبت تشبہ و جمع اصل پر ہے کیونکہ دونوں مفرد سے بنائے جاتے ہیں (۲) منصرف ہے اور وہ بہ نسبت غیر منصرف اصل پر ہے

کیونکہ اسم میں انصراف اصلی ہے اور عدم انصراف عارضی یونہی جمع مکرر منصرف بھی بہ نسبت جمع مکرر غیر منصرف جیسے مساجد اصل پر ہے اور عسراب کی یہ قسم بھی بد اعتبار اصل پر ہے (۱) اعراب بالحوکہ ہے اور وہ بہ نسبت اعراب بالرف اصل پر ہے کیونکہ اعراب بالحوکہ خفیف ہے اور اعراب بالرف ثقیل پس اعراب بالحوکہ میں اصل یہ ہے کہ تین حالتوں میں تین حرکات ہوں اس لئے کہ تین حرکات سے تین معانی مقتضیہ میں امتیاز تام ہوتا ہے اور جب کہ اعراب بالحوکہ اصل ہے اور اس میں بھی اصل یہ ہے کہ تین حالتوں میں تین حرکات ہوں تو بر بنا تناسب اصل کو اصل دیا گیا۔ سوال مفرد کے بعد جمع کو بیان کیا گیا جبکہ اس کے بعد تثنیہ کا مقام ہے اور اگر جمع ہی کو بیان کیا جائے تو جمع سالم کو بیان کرنا چاہئے تھا کہ وہ اصل پر ہے جمع مکرر کو نہیں۔ جواب مفرد کے بعد تثنیہ کو اس لئے بیان نہیں کیا کہ تثنیہ کا اعراب بالحوکہ ہے اور مفرد کا اعراب بالحوکہ اور جمع سالم جب کہ مؤنث ہو اس کا اعراب اگرچہ بالحوکہ ہے لیکن تین حالتوں میں تین حرکات کے ساتھ نہیں بلکہ دو حرکات کیساتھ ہے برخلاف جمع مکرر کہ اس کا اعراب بالحوکہ ہے اور تینوں حالتوں میں تین حرکتوں کے ساتھ اس لئے مفرد کے بعد اس کو بیان کیا گیا۔

فَالْأَعْرَابُ فِيهَا بِالضَّمَّةِ رَفْعًا أَوْ بِالضَّمَّةِ نَصْبًا أَوْ بِالضَّمَّةِ كَسْرًا أَوْ بِأَيِّ حَالَةٍ
الْجَمْعِ نَصْبًا قَوْلُهُ رَفْعًا نَصْبًا وَجَرًّا عَلَى الظَّرْفِيَّةِ بِتَقْدِيرِ مَضَافٍ وَيَحْتَمِلُ النَّصْبُ عَلَى الْحَالِيَّةِ أَوْ الْمَصْدَرِ
فَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ مَثَلُ جَاءَ فِي رَجُلٍ وَرَأَيْتُ رَجُلًا وَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ وَالْقِسْمُ الثَّانِي مَثَلُ جَاءَ فِي الْمَبْنِيِّ
وَرَأَيْتُ طَلِبَةً وَمَرَرْتُ بِطَلِبَةٍ

ترجمہ:۔ ان دونوں قسموں میں اعراب (ضم کیساتھ ہے رفع میں) یعنی حالت رفع میں (۱) اور فتح کے ساتھ ہے نصب میں) یعنی حالت نصب میں (۲) اور کسرہ کیساتھ ہے جر میں) یعنی حالت جر میں مصنف کے قول رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا کا نصب بتقدیر مضاف ظرفیت پر ہے اور وہ نصب کا احتمال حال یا مصدر ہونے کی بنا پر بھی رکھتا ہے پس قسم اول جیسے جَاءَ فِي رَجُلٍ وَرَأَيْتُ رَجُلًا وَمَرَرْتُ بِرَجُلٍ اور قسم دوم جیسے جَاءَ فِي طَلِبَةٍ وَرَأَيْتُ طَلِبَةً وَمَرَرْتُ بِطَلِبَةٍ۔

تشریح:۔ "قوله فالأعراب فيها" اس عبارت سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ متن میں بالضمہ کا متعلق محذوف ہے بھویں کے نزدیک وہ متعلق یمر بان ہے اور کوئین کے نزدیک یمر بان ہے
بیانہ بالضمہ رَفْعًا۔ حرکت بنائے کے وہم سے احتراز کے لئے بالضمہ کے بعد رَفْعًا کو بیان کیا گیا

کیونکہ ضمہ کا اطلاق جس طرح حرکت اعراب پر ہوتا ہے اسی طرح حرکت بنائے پر بھی حالانکہ مقصود یہاں صرف حرکت اعراب کو بیان کرنا ہے اور صرف رَفْعًا پر اس لئے اکتفا نہیں کیا گیا کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ان دونوں قسموں کا اعراب بالحوکہ ہے اعراب بالرف نہیں کیونکہ رفع کا اطلاق جس طرح اعراب بالحوکہ پر ہوتا ہے اسی طرح اعراب بالرف پر بھی۔ خیال رہے کہ متن کی یہ ترکیب عاملین مختلفین کے دو معمول پر عطف کے قبیل سے ہے اس لئے کہ الفتحہ کا عطف الضمہ پر ہے اور الضمہ کا عامل حرف با ہے اور نصبا کا عطف رَفْعًا پر ہے اس کا عامل فعل مقدم ہے اسی طرح الکسرة کا عطف الضمہ پر ہے اور جر کا عطف رَفْعًا پر ہے اور اس میں مجرد مقدم بھی ہے جیسا کہ مشہور مثال ہے فی الدار زید والحجر عمرو۔

قوله أَيْ حَالَةٍ الرَّفْعِ۔ یہ اُس سوال کا جواب ہے کہ رَفْعًا اور اس کے ہر دو معطوف کا نصب مفعول ہونے کی بنا پر ہے یا مفعول مطلق یا حال ہونے کی بنا پر تینوں احتمال باطل ہیں اول اس لئے کہ مفعول فیہ و ماں ہوتا ہے یا مکان اور رَفْعًا وغیرہ دونوں میں سے کوئی نہیں دوم اس لئے کہ مفعول مطلق کو فعل ملحق اس طرح مشتمل ہوتا ہے جیسے کل جز کو اور یہاں فعل سابق رَفْعًا وغیرہ کو مشتمل نہیں۔ سوم اس لئے کہ حال ذوالحال پر محمول ہوتا ہے۔ اور رَفْعًا وغیرہ مصدر ہیں جو حمل کی صلاحیت نہیں رکھتے جب یک تینوں احتمال درست ہیں لیکن اول بتقدیر مضاف یعنی حالت رفع و حالت نصب و حالت جر اور دوم بتقدیر موصوف اور رَفْعًا وغیرہ اسم منسوب یعنی یمر بان اعرابا رَفْعًا وَنَصْبًا وَجَرًّا یا موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ سوم رَفْعًا وغیرہ بمعنی مفعول ہیں یعنی حال کو نہ ہا صر مفعولین و منصوبین مجب و رین۔ اخیر دونوں صورتوں کو احتمال سے تعبیر کرنے میں ان کی صفت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ پہلی صورت کی بہ نسبت اخیر دونوں صورتوں میں زیادہ حذف لازم آتا ہے کیونکہ پہلی صورت میں صرف ایک حذف یعنی حذف مضاف لازم آتا ہے اور دوسری صورت میں بھی دو حذف لازم آتے ہیں ایک حذف موصوف اور دوسرا حذف یا نسبتی اور تیسری صورت میں بھی دو حذف لازم آتے ہیں ایک حذف مفعول اور دوسرا حذف ادوات تثنیہ

جمع المونث السالم وهو ما يكون بالالف والتاء واحترض فيه عن المكر فانك قد علمت بالضممة رَفْعًا
والکسرة نَصْبًا وَجَرًّا فَإِنَّ النَّصْبَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْجَمْعِ الْجَوَاءِ لِلْفَرْعِ عَلَى تَبْدِيلِ الْأَصْلِ الَّذِي هُوَ جَمْعُ الْمَذْكَرِ
السَّالِمِ فَإِنَّ النَّصْبَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْجَمْعِ كَمَا سَبَقَ ذِكْرُهُ مَثَلُ جَاءَ فِي مَسَلَاتٍ وَرَأَيْتُ مَسَلَاتٍ وَمَرَرْتُ بِمَسَلَاتٍ

ترجمہ: — جمع مؤنث سالم کا اور وہ جمع ہے جو الف و تار کے ساتھ ہو اس قبل سے اس کا جمع مکسر ہے احزان ہو گیا کیونکہ جمع مکسر کا حال معلوم ہے (ضمہ کے ساتھ ہے) حالت رفع میں (اور کسرہ کے ساتھ ہے) حالت نصب و جر میں اس لئے کہ جمع مؤنث سالم میں نصب، جر کے تابع ہے فسرع کو اصل کے طریقہ پر جاری کرتے ہوئے جو کہ وہ جمع مذکر سالم ہے کیونکہ جمع مذکر سالم میں نصب، جر کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ اس کا ذکر مغربی آئے گا جیسے جاءتی مسلمات و رویت مسلمات و مرث مسلمات۔

تشریح: — بیان جمع المؤنث۔ سوال جمع مؤنث سالم کو غیر منصرف پر کیوں مقدم کیا گیا ہے جب کہ غیر منصرف منصرف بھی ہوتا ہے اور مفرد سختی تقدیم ہے۔ جواب تقدیم کی ایک وجہ یہ کہ جمع مؤنث سالم میں اصل کی مخالفت نہیں اور غیر منصرف میں اصل کی مخالفت کثیر ہے کیونکہ غیر منصرف میں ایک حرکت متروک ہوتی ہے اور تنوین بھی نہیں آتی اور جمع مؤنث سالم میں ایک حرکت متروک ہوتی ہے لیکن تنوین متروک نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ یہ کہ غیر منصرف کا مفہوم سببی ہے اور جمع مؤنث سالم کا مفہوم وجودی اور وجودی کو عدی پر شرافت حاصل ہے خیال رہے کہ سالم مرفوع ہے جو صفت ہے جمع کی المؤنث کی نہیں اگرچہ وہ لغۃ المؤنث ہی کی صفت ہے کیونکہ سالم و کسر واحد ہوتا ہے جمع نہیں کیا لیکن یہاں اس کا یہ اصطلاحی معنی مراد ہے کہ جمع مؤنث سالم وہ جمع ہے جس کے واحد کے آخر میں الف و تار کا اضافہ کیا گیا ہو پس اس صورت میں اس کا معنی ہوا مؤنث کی جمع سالم نہ کہ مؤنث سالم کی جمع اور جمع چونکہ مضاف ہے معرف باللام کی طرف اس لئے وہ بھی السالم صفت کی طرح معرف ہے۔

ترجمہ: — قولہ و هو ما یکون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ اعراب جمع مؤنث سالم کیسا تھ خاص نہیں کیونکہ یہ مرفوعات جمع مرفوعات و منصوبات جمع منصوبات و مجردات جمع مجردات میں بھی پایا جاتا ہے حالانکہ جمع مذکر سالم نہیں۔ جواب یہ کہ مرفوعات و غیرہ جمع مؤنث سالم ہیں جمع مذکر سالم نہیں کیونکہ جمع مؤنث سالم اصطلاح میں وہ جمع ہے جس کے واحد کے آخر میں الف و تار کا اضافہ کیا گیا ہو عام ازیں کہ اس کا واحد مؤنث ہو جیسے مسلمات جمع مسلمة یا مذکر ہو جیسے مرفوعات جمع مرفوعہ وغیرہ۔

ترجمہ: — قولہ مفعلاً۔ اس کے اور نصبا و جر کی تقدیر سے اس دہم کا ازالہ مقصود ہے کہ جمع مؤنث سالم اگر ضمہ و کسرہ کیساتھ ہو تو ایک حالت میں حرف واحد پر دو حرکتوں کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے حاصل اذالیہ کہ جمع مؤنث سالم پر ضمہ و کسرہ ایک حالت میں نہیں بلکہ دو حالتوں میں آتے ہیں حالت رفع میں ضمہ آتا ہے اور حالت نصب و جر میں کسرہ سوال رفعاً و نصباً و جرّاً کو شارح نے بیان فرمایا مصنف نے کیوں نہیں کہا جواب

استیذان متعلم کے لئے یا وجہ اختصار یا مابین پر اکتفا کر نیکی وجہ سے مصنف نے ان کو بیان نہیں فرمایا۔

ترجمہ: — قولہ فان النصب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جمع مؤنث سالم میں نصب کو جر کے تابع کیوں کیا جاتا ہے جبکہ نصب، جر کی نسبت اصل ہے۔ جواب یہ کہ جمع مؤنث سالم مرفوع ہے اور جمع مذکر سالم اس کی اصل اور اصل میں چونکہ نصب، جر کے تابع ہے کماسیاتی اس لئے فرع میں بھی نصب کو جر کے تابع کیا گیا ہے تاکہ فرع اصل کے مخالف نہ ہو۔ جمع مذکر سالم اصل اور جمع مؤنث سالم فرع اس لئے ہے کہ جمع مذکر سالم کا واحد اکثر مذکر ہوتا ہے اور جمع مؤنث سالم کا واحد اکثر مؤنث ہوتا ہے۔ سوال جمع مذکر سالم جب کہ اصل ہے اور جمع مؤنث سالم فرع تو جمع مذکر سالم کی طرح جمع مؤنث سالم کا اعراب بھی حروف سے ہی ہونا چاہئے نہ کہ ضمہ و کسرہ سے۔ جواب جمع مؤنث سالم کے آخر میں کوئی ایسا حرف نہیں جس میں اعراب بننے کی صلاحیت رکھ سکے اس لئے جمع مؤنث سالم کا اعراب بالمدح نہیں ہوا اور اسی وجہ سے اس کو جمع مذکر سالم سے پہلے بیان کیا گیا کیونکہ جمع مذکر سالم کا اعراب بالمدح ہوتا ہے اور جمع مؤنث سالم کا اعراب بالمدح نہیں اور اعراب بالمدح اصل ہے اور اعراب بالمدح فرع۔

ترجمہ: — غیر المنصب بالضمہ و دفعا۔ الفتحة نصبا و جرّاً فالجاء فیہ تابع للنصب کما سئل کراً نحو جاء فی احمد و ما یثیت احمد و صرنا با احمد۔

ترجمہ: — و غیر منصرف ضمہ کیساتھ ہے) حالت رفع میں (اور فتح کیساتھ ہے) حالت نصب و جر میں۔ پس اس میں جر، نصب کے تابع ہے اس بناء پر جو ہم اس کو مغرب بیان کریں گے جیسے جاری احمد و ایت احمد و مرث احمد۔

تشریح: — بیان غیر المنصرف۔ سوال غیر منصرف پر حالت جر میں فتح کیوں آتا ہے کسرہ کیوں نہیں ہے؟ جواب وہ فعل کے مشابہ ہے اور فعل پر کسرہ و تنوین نہیں آتی اس لئے اس پر بھی کسرہ و تنوین نہ آئیگی کماسیاتی سوال جمع مؤنث سالم یا جمع مذکر سالم یا تنیہ کو اگر کسی مؤنث کا علم بنا دیا جائے تو تانیث معنوی اور علیت کے سبب وہ غیر منصرف ہوں گے لیکن کسی پر بھی غیر منصرف کی طرح اعراب نہیں آتا کہ غیر منصرف کا رفع ضمہ سے ہوا اور نصب و جر فتح سے۔ جواب ضمہ سے مراد عام ہے کہ وہ حقیقہ ہو یا حکماً اسی طرح فتح سے بھی مراد عام ہے کہ وہ حقیقہ ہو یا حکماً پس جب تنیہ کو کسی مؤنث کا علم بنا دیا جائے تو رفع کی حالت میں الف حکماً ضمہ ہوگا اور نصب و جر کی حالت میں یا ما قبل مفتوح حکماً فتح ہوگا اسی طرح جمع مذکر سالم مثلاً مسلمون کو کسی مؤنث کا علم بنا دیا جائے تو رفع کی حالت

یہ دو مائل مضمون حکماً ضرر ہوگا اور نصب جس کی حالت میں یا ماقبل مکسور فتح ہوگا یونہی جمع مونث سالم مثلاً
مسلمات کو جب کسی مونث کا علم بنا دیا جائے تو رفع کی حالت میں ضم حقیقہ ہوگا اور نصب و جس کی حالت میں کسر
حکماً فتح ہوگا۔ سوال بغیر صرف پر جس کی حالت میں فتح کیوں آتا ہے اگر اس پر ضم مان لیا جائے تو کیا ضرر ہے؟
جواب رفع علامت علامہ ہے اور جر علامت نصب اس لئے جر کو رفع کے تابع کر کے جر کی حالت میں رفع دینا درست
نہیں ہاں البتہ جر کو نصب کے تابع کر کے جر کی حالت میں فتح دینا درست ہے کیونکہ جر کی طرح نصب بھی علامت
فضلہ ہے۔

اخوٰی و ابوی و حمول و بکرا لکاف لان الحکم قریب المراتب من جانب ذوجھا فلا یضاف الّا
الیھا وھول و الھن الشئ المنکر الذی یجوز ذکرہ کالعورۃ الغلیظۃ والصفات الذمیۃ والافعال
القیحیۃ وھذا فی الاسماء البعۃ منقوصات واولیہ

ترجمہ: — اخوٰی و ابوی و حمول و بکرا لکاف کے کسرہ کیساتھ اس لئے کہ ہم شوہر کی جانب عورت کے رشتہ دار
کو کہتے ہیں پس ہم کی اضافت عورت ہی کی جانب ہوگی اور ہول و الھن وہ شئی منکر ہے جس کا ذکر تسبیح سمجھا جاتا
ہو جیسے عورت غلیظہ یعنی شرم گاہ اور بری عادتیں اور برے کام اور یہ چاروں اسماء منقوصات واوی ہیں

تشریح: — بیان اللہ اخوٰی و ابوی۔ اعراب بالحوکہ کے محلول کو بیان کرنے کے بعد اب اعراب بالحوف کے محلول
کو بیان کیا جاتا ہے لیکن ان میں سب سے پہلے اسماء مستمکبہ کو اس لئے بیان کیا کہ ان کا اعراب بالحواف تین حائول
میں تین حروف کیساتھ آتا ہے بقیہ دوسرے اسماء اس طرح نہیں اور اسماء مستمکبہ میں سے اخ کی تقسیم اب پر آیت کریمہ
یوم یفتقر المورء من اخیلہ دامہ وایمہ و صاحبہ و ینہ کی وجہ سے ہے کہ اس میں بھی اخ کو اب پر مقدم کیا
گیا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہے کہ اب کے بعد ہی اخ کا وجود ہوتا ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرابت کا ذکر ہے
جس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کو بتایا گیا ہے اور ظاہر ہے اخ ادنیٰ ہے اور اب اعلیٰ۔ سوال اخوٰی و ابوی وغیرہ
اسماء مستمکبہ کے امثال ہیں جن کو یہاں بیان کرنا اسلوب سابق کے خلاف کے علاوہ اس ضابطہ کے بھی خلاف ہے
کہ فن میں مقصود مطلق شئی کے احکام کا بیان ہوتا ہے جیسے سابق میں مفرد و منصرف و جمع مکسر و منصرف وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے
اور اگر اس کے امثال محدود ہوں تو امثال ہی کو بیان کیا جاتا ہے اور یہاں بھی اسماء مستمکبہ کے امثال محدود ہیں اس لئے

امثال ہی کو بیان کیا گیا تاکہ مثل لہ پھر اس کے بعد امثال کا بیان موجب طوالت نہ ہو جائے
قولہ لان الحکم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جس طرح اب و اخ کو ضمیر مذکر کی طرف مضاف کیا گیا
اسی طرح ہم کو بھی ضمیر مذکر کی طرف مضاف کیوں نہیں کیا گیا؟ جواب یہ کہ ہم عورت کے اس رشتہ دار کو کہتے ہیں جو شوہر
کی طرف سے ہو جیسے عورت کا سرور و پورا اس کی ساس و سند سوتیلی بیٹی وغیرہ لہذا وہ ضمیر مونث کی طرف مضاف ہوگا
خلاف اب و اخ کہ وہ عام ہے اس لئے احتیاز کے لئے اس کو ضمیر مذکر کی طرف مضاف کیا گیا۔

قولہ و الھن الشئ منکر من کی صفت کاشفہ ہے یعنی ہن اس شئی منکر کہ کہتے ہیں جس کا ذکر تسبیح ہو
مثلاً شرم گاہ کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا ذکر طویل ہے یا ٹیڑھا ہے یا اس کا دُور وسیع ہے اور مثلاً برے صفات کے متعلق
یہ کہنا کہ اس کی ناک چھوٹی ہے اور چپٹی ہے اور اس کا پیر بڑا ہے اور مثلاً برے فعل کے متعلق یہ کہنا کہ وہ چور ہے یا ذاتی وغیرہ
قولہ وھذا فی الاسماء۔ اب و اخ و حم۔ ہن منقوصات واوی ہیں جو دراصل اب و اخ و حم ہوتے
بروزن نعل بفتح اول و سکون دوم تھے انکی اصل پر قرینہ یہ ہے کہ ان کی تشبیہ البوان و اخوان و حوان و ہوان ہیں واد
کی حرکت کو نقل کر کے ماقبل کو دیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے واد گر گئی یہی وجہ ہے کہ بوقت اضافت واد لوٹ
آتی ہے اس لئے کہ وہاں اجتماع ساکنین لازم نہیں آتا کیونکہ اضافت مانع تنوین ہوتی ہے۔ منقوص واوی کو اجوف
واوی اور لقیفہ پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ منقوص واوی کثیر ہیں اور کثیر کثرت حاصل ہے لان العزۃ لکثرتھا
اور اس لئے بھی کہ منقوص میں خلاف قیاس کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے اور اجوف و لقیفہ میں خلاف قیاس ایک ایک طرف
حذف ہوا ہے اس لئے جو قیاس کے مطابق ہے وہ پہلے بیان کیا گیا۔

و فوک وھو اجوف وادوی لانہ ہاء اذہ اصلہ فوک و ذومال وھو لقیفہ مقرون بالواوین اذ
اصلہ ذور و انما اُصیف ذوالی الاسماء الظاہرہ ذونہ الکافی لانہ لا یضاف الّا الی اسماء
الاجناس

ترجمہ: — و فوک وھو اجوف وادوی جس کا لام کلمہ بار ہے اس لئے کہ اس کی اصل فوک ہے
(اور ذومال) اور وہ دو واؤ کی وجہ سے لقیفہ مقرون ہے اس لئے کہ اس کی اصل ذور و ہے اور ذور کی اضافت
اسم ظاہر کی طرف کی گئی کاف کی طرف نہیں اس لئے کہ وہ اسماء اجناس ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے۔
تشریح: — قولہ وھو اجوف۔ یعنی فوک وادوی ہے جو دراصل فوک تھا اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کی ج

انواہ آتی ہے اور فہ سے با کا حذف خلاف قیاس ہے لیکن وہ اسم جب مضاف ہو تو واؤ کو ہم سے وجوہاً بدل کر
 تم کہتے ہیں اور جب وہ اسم مضاف ہو تو واؤ کو ہم سے بدلنا اور نہ بدلنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔ واؤ کو اگر ہم سے بدلا
 جائے تو فار کو فتح انصاع ہے جب کہ ضم و کسر بھی جائز ہے اور اگر واؤ کو نہ بدلا جائے تو حرکت بناء حرکت اعراب کے تابع
 ہوگی یعنی رفع کی حالت میں فار کو ضم اور نصب کی حالت میں فتح اور جر کی حالت میں کسر ہوگا پس نوک فاک نیک
 کہا جائیگا۔

قولہ وهو لقیف مقرون۔ یعنی ذو لقیف مقرون ہے جو دراصل ذو و تھا خلاف قیاس تحقیق کے لئے
 ایک واؤ کو حذف کر دیا گیا۔ اس میں بھی حرکت فال حرکت اعراب کے تابع ہوتی ہے پس ذو و مال و ذوال مال و ذی
 مال کہا جائیگا۔ مذکور ہے اس کی مؤنث ذات ہے جو دراصل ذوات تھانثیہ ذوات ہے اور جمع مذکر سالم ذو و ن اور
 ذوین ہے۔

قولہ وانما اضعیف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ذو کو ضمیر کی طرف مضاف کیوں نہیں کیا گیا؟ جب کہ
 باقی پانچوں اسموں کو مضاف کیا گیا ہے۔ جواب یہ کہ ذو ہمیشہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے اس لئے اس کو
 مال کی طرف مضاف کر کے یہ تیسرہ کی گئی کہ وہ ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا برخلاف باقی پانچوں اسم کہ وہ اسم جنس
 کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور ضمیر کی طرف بھی اس لئے یہاں ضمیر کی طرف مضاف کر کے دونوں میں امتیاز کر دیا
 گیا۔

نَا عَرَابٌ هَذِهِ الْأَسْمَاءُ الثَّانِيَةِ بِالْوَاوِ رَفْعًا وَالْأَلِفِ نَصْبًا وَالْيَاءِ جَرًّا وَلَكِنْ لَا مُطْلَقًا بَلْ هَالِ
 كُوهَا مُكَبَّرَةٌ إِذْ مُصْغَرَاتُهَا مُعْرَبَةٌ بِالْحِ كَا تِ نَحْوُ جَاءَ فِي أَخِيكَ وَرَأَيْتُ أَخِيكَ وَمُورَتْ
 بِالْأَخِيَّ وَمُوحَّدَةٌ إِذَا مُشْتَرِكٌ وَالْجَمْعُ مِنْهَا مُعْرَبٌ بِالْعَرَابِ الثَّانِيَةِ وَالْجَمْعُ

ترجمہ:۔ پس ان پچھڑے اسموں کا اعراب (واؤ کیساتھ ہے) رفع میں (اور الف کیساتھ ہے) حالت
 نصب میں (اور یاء کیساتھ ہے) حالت جر میں لیکن مطلقاً نہیں بلکہ اس حال میں کہ وہ مکبرہ ہوں کیونکہ ان کے
 مصغرات حرکات کیساتھ معرب ہیں جیسے جار فی اخیک وراثت ایک و مررت باخیک اور موحده ہوں اس لئے
 کہ انکی تثنیہ و جمع اعراب تثنیہ و جمع کے ساتھ معرب ہیں۔

تشریح:۔ قولہ نَا عَرَابٌ هَذِهِ۔ یہ اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ متن میں بالواو والالف والیاء

کا ذکر نفیوں ہے اس لئے کہ اخوک والوک وغیرہ میں واؤ موجود ہے بجز رفع کی حالت میں واؤ اور نصب کی حالت میں
 الف اور جر کی حالت میں یاء کہنے کی ضرورت کیا؟ جواب یہ کہ اخوک والوک وغیرہ میں واؤ وغیرہ اگرچہ مذکور ہے لیکن
 ضمناً اس لئے اس کو صراحتاً بیان کیا گیا یعنی اسماء مذکورہ بخصوصاً مراد نہیں بلکہ ان کی الواو مراد ہیں جن کو اسماء سے
 سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قولہ لکن لا مطلقاً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جب اسماء سے مصغره وثنی وجمع ہوں تو ان پر یہ اعراب
 نہیں آتے کیونکہ اگر مصغر ہوں تو ان پر مفرد مصرف کا اعراب ہوگا یعنی تینوں حالتوں میں اعراب بحرکات ثلاثہ لفظی
 آتا ہے جیسے جار فی ایک وراثت ایک و مررت با ایک اور اگر وہ ثنی ہوں تو ان پر ثنی کا اعراب ہوگا یعنی حالت
 رفع میں الف اور حالت نصب وجر میں یاء ماقبل مفتوح ہونگے جیسے جار فی الوک وراثت الوک و مررت بالوک
 اور اگر جمع مکسر ہیں تو ان پر جمع مکسر کا اعراب ہوگا یعنی تینوں حالتوں میں اعراب بحرکات ثلاثہ لفظی ہوگا جیسے جار فی
 ابوک وراثت ابوک و مررت با ابوک اور اگر جمع مذکر سالم ہیں تو جمع مذکر سالم کا اعراب ہوگا یعنی حالت رفع میں
 واؤ ماقبل مضموم اور حالت نصب وجر میں یاء ماقبل مکسور ہوں گے جیسے جار فی ابوک وراثت ابوک و مررت با ابوک
 جواب یہ کہ اسماء سے پر جو اعراب مذکور آئے ہیں مطلقاً نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ وہ مکبرہ و موحده ہوں پس مکبرہ
 کی قید سے وہ اسماء نکل گئے جو مصغرہ ہیں اور موحده کی قید سے ثنی وجمع نکل گئے۔ خیال رہے کہ عبارت میں
 مصغرات سے مراد بعض مصغرات ہیں اس لئے کہ بعض اسماء سے یعنی ذو کی تصغیر نہیں آتی۔

لَا نَا عَرَابٌ هَذِهِ الْأَسْمَاءُ الثَّانِيَةِ بِالْوَاوِ رَفْعًا وَالْأَلِفِ نَصْبًا وَالْيَاءِ جَرًّا وَلَكِنْ لَا مُطْلَقًا بَلْ هَالِ
 كُوهَا مُكَبَّرَةٌ إِذْ مُصْغَرَاتُهَا مُعْرَبَةٌ بِالْحِ كَا تِ نَحْوُ جَاءَ فِي أَخِيكَ وَرَأَيْتُ أَخِيكَ وَمُورَتْ
 بِالْأَخِيَّ وَمُوحَّدَةٌ إِذَا مُشْتَرِكٌ وَالْجَمْعُ مِنْهَا مُعْرَبٌ بِالْعَرَابِ الثَّانِيَةِ وَالْجَمْعُ

ترجمہ:۔ اور ان دونوں قیدوں کی مثالوں پر اکتفا کر لے کی وجہ سے صراحتاً بیان نہیں کیا گیا مضاف ہونے
 کی حالت میں اس لئے کہ وہ جب مکبرہ و موحده ہوں وہ قطعاً مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب حرکات کے ساتھ ہوگا
 جیسے جار فی اخ وراثت اخ و مررت باخ پس مناسب ہے وہ مضاف ہو سکیں یا متکلم کے علاوہ کی طرف اس لئے کہ
 وہ جب یا متکلم کی طرف مضاف ہونگے تو ان کا حال باقی ان اسماء کی طرح ہوگا جو یا متکلم کی طرف مضاف

ہوتے ہیں اور اس شرط میں مثال پر اکتفا اس لئے نہیں کیا گیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ان اسماء کا کافی طرف مضاف ہونا شرط ہے۔

تشریح: قولہ وانما لہم یخرج: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جب اسماء مستہ میں مکبرہ و موحده کی قید کا لحاظ ہے تو ماتن نے ان کو مراۃ کیوں نہیں بیان کیا؟ جواب یہ کہ ان قیدوں کو مثالوں پر اکتفا کرنے کی وجہ سے صراحت بیان نہیں کیا۔

قولہ لانہا اذا کان: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء مستہ میں مضاف کی قید کا لحاظ کیوں ہے؟ جواب یہ کہ وہ اگر مکبرہ و موحده ہوں لیکن مضاف نہ ہوں تو ان پر مفرد منصرف کا اعراب ہوگا جیسے جاء فی الخ و لیست الخ و مررت بالخ۔

قولہ لانہا اذا کان: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسماء مستہ میں غیر یار متکلم کی طرف مضاف ہونے کی قید کا لحاظ کیوں ہے؟ جواب یہ کہ اسماء مستہ اگر مکبرہ و موحده ہوں لیکن یار متکلم کی طرف مضاف ہوں تو غلطی کی طرح ان کا رفع ضمہ تقدیر کے سے اور نصب فتح تقدیر کے سے ہوگا جیسے جاء فی الخ و لیست الخ و مررت بالخ خیال رہے کہ غیر یار متکلم سے مراد عام ہے کہ وہ اسم ظاہر ہو یا ضمیر غائب یا ضمیر متکلم بہر حال وہی اعراب ہوگا جو متن میں مذکور ہے۔

قولہ ولکہ ینتف: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء مستہ میں جب ماتن نے مکبرہ و موحده کی شرط کو مثال پر اکتفا نہ فرمایا تو مضاف اور غیر یار متکلم کی طرف مضاف ہونے کی شرط کو بھی مثال پر کیوں نہیں اکتفا کیا؟ جواب یہ کہ ان دونوں شرطوں کو بھی مثال پر اکتفا کرنے سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اسماء مستہ کو اعراب مذکور صرف اس صورت میں ہے جب کہ وہ ضمیر کی طرف مضاف ہوں اور ذوال مال کی طرف مضاف ہو حالانکہ ان کو ضمیر کے علاوہ اسم ظاہر کی طرف اور ذوال مال کے علاوہ کسی بھی اسم ظاہر کی طرف مضاف ہونے سے بھی اعراب دیا جاتا ہے اور یہ دونوں شرط خارج کے نزدیک چونکہ ایک شرط ہے اس لئے انہوں نے ہذا الشرط لفظ واحد سے تعبیر فرمایا یا یہ کہ شرط کے اوپر الف لام عہد خارجی کا ہے جس کے معہود دونوں ہیں۔

وانما جعلت اعراب هذا الاسماء بالحروف لانهم لما جعلوا اعراب المثني وجميع المذكور السالم بالحروف ارادوا ان يجعلوا اعراب بعض الاحاد ايضا كذلك لئلا يكون بينهما وبين الاحاد وحشة ومنافرة تامّة

ترجمہ: اور ان اسموں کا اعراب حروف کیساتھ اس لئے کیا گیا کہ نحو یوں نے جب تشبیہ و جمع مذکور سالم کا اعراب حروف کے ساتھ کیا تو یہ ارادہ کیا کہ کچھ احاد کا اعراب بھی اسی طرح کر دیا جائے تاکہ تشبیہ و جمع اور احاد کے درمیان اجنبیت اور منافرت تامہ نہ رہے۔

تشریح: قولہ وانما جعل: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسماء مستہ مفرد ہیں اور مفرد میں اصل اعراب بالحرکہ ہوتا ہے لہذا اسماء مستہ کو اعراب بالحدوف کیوں دیا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ مفرد کا اعراب چونکہ اعراب بالحرکہ ہوتا ہے اور تشبیہ و جمع کا اعراب بالحدوف ہوتا ہے اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ بعض مفرد کا اعراب بھی اعراب بالحدوف ہوتا کہ مفرد تشبیہ و جمع کے درمیان جو منافرت و دوری ہے فہم ہو جائے یہ بھی جواب ممکن ہے کہ باب اعراب میں اعراب بالحدوف اگرچہ اعراب بالحرکات کی فرع ہے کیونکہ حرکات خفیف ہوتی ہیں اور حروف ثقیل لیکن حروف حرکات کی نسبت اصل ہیں اس لئے کہ ہر حرف بمنزلہ دو حرکت ہوتا ہے یا اس سے زائد اس لئے کہ حرکت کے اشتباہ سے حرف پیدا ہوتا ہے کیونکہ اشتباہ اگر ایک حرکت کی مقدار ہے تو حرف بمنزلہ دو حرکت ہوتا ہے اور اگر اشتباہ دو حرکت کی مقدار ہے تو حرف بمنزلہ دو حرکت ہوتا ہے یہ غیر مناسب ہے کہ شنی و مجموع کو اعراب قوی کے ساتھ خاص کیا جائے کہ اصل پر نرسر کی زیادتی لازم آئیگی کیونکہ دونوں مفرد کی فرع ہیں اس لئے کہ مفرد ہی سے وہ مشتق ہوتے ہیں اسی وجہ سے بعض مفردات کو بھی اعراب بالحدوف دیا گیا۔

وانما اختاروا اسماء مستہ لان اعراب کل من المثني والمجموع ثلاثه فجعلوا في مقابلته كل اعراب اسماء الاختاروا هذه الاسماء الستة لمشاقتها للمثنى والمجموع في كون معانيها منبثه عن تعدد ولوجود حرف صالح للاعراب في اواخر حین الاعراب سماعا بخلاف سائر الاسماء المحذوفه الا انها كيد وديم لانه لم يسمع فيها من العرب اعداد الحروف المحذوفه عند الاعراب

ترجمہ: اور نحو یوں نے چھ ہی اسموں کو اس لئے اختیار کیا کہ تشبیہ و جمع میں سے ہر ایک کا اعراب تین اسماء میں انہوں نے ہر اعراب کے مقابل میں ایک اسم کو کر دیا اور انہوں نے ان ہی چھ اسموں کو اس لئے اختیار کیا کہ وہ تشبیہ و جمع کے مشابہ ان کے معانی کا تعدد کی خبر دینے میں ہے اور اس لئے کہ ان کے آخر میں ایک ایسا حرف موجود ہے جو بوقت اعراب سماعا اعراب کی صلاحیت رکھتا ہے برخلاف باقی اسماء محذوفہ الایجاز جیسے ید و دم کہ اس میں بوقت اعراب حروف محذوفہ کا اعادہ عرب سے مسوع نہیں۔

تشریح۔۔۔ قولہ وانما اختاروا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعراب یا الحروف کو چھ ہی اسموں کیساتھ کیوں خاص کیا گیا جواب یہ کہ تنقیہ و جمع کے احوال و دفع و نصب جہ میں تین تشبہ کے اور تین جمع کے اسلئے ہر حال کے مقابل میں ایک ایک اسم کو رکھا گیا تو کل چھ ہو گئے

قولہ واما اختاروا یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب بالحروف کو ان ہی چھ اسموں کیساتھ کیوں خاص کیا گیا۔ بہ دوسرے کیساتھ کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ ان چھ اسموں کے اندر تثنیہ و جمع کے ساتھ لفظی و معنی دونوں مشابہت موجود ہے معنوی مشابہت یہ کہ تثنیہ و جمع کی طرح ان کے معنی سے بھی تعدد متصور ہے اس لئے کہ اب مستلزم ہے ابن کو اور اخ مستلزم ہے ابن و اب کو اور ہم مستلزم ہے عورت کو کیونکہ ہم ثوبہ کی جانب عورت کے رشتہ دار کو کہتے ہیں اور بن مستلزم ہے منکر (اسم فاعل) کو اس لئے کہ شی منکر (اسم مفعول) مستلزم موتا ہے منکر کو اور ہم مستلزم ہے ذوم کو اور ذو مستلزم ہے مصاحبین کو جیسے ذومال وغیرہ اور لفظی مشابہت یہ کہ تثنیہ و جمع کی طرح ان کے آخر میں بھی ایسا حرف موجود ہے جس کو اعراب قرار دیا جائے۔

نولہ بخلان سائر۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسماء محذوفہ الاعجاز شکلائیہ و دوم وغیرہ میں بھی مشابہت لفظی و معنوی دونوں موجود ہیں لیکن مشابہت لفظی اس لئے کہ یہ دو دراصل یکہ اور دوم دراصل دو ہیں آخر میں بھی ایک الیا حرف موجود ہے جو اعراب کی صلاحیت رکھتا ہے اور مشابہت معنوی اس لئے کہ یہ دو یکہ کو مقتضی ہے اور دوم دوم کو مقتضی ہے پس یہ دو دم کے اعراب کو بھی اسماء ستہ کے اعراب کی طرح ہونا چاہئے حالانکہ الیا نہیں جواب یہ کہ اسماء ستہ میں چونکہ حرف محذوف ہوتا ہے اعراب واپس آتے ہیں اور یہ دو دم کے محذوف نہیں اس لئے ان کا اعراب اسماء ستہ کے اعراب کی طرح نہ ہوگا۔

والله اعلم بما يقوله وهو لا وكذا اكلنا ولم يذكرا لكونهم فرع كلام مضاف الى اى حال كون كلا وكلتا مضافا الى مضمر

توجہ: — دشمنی، اور جو اس کے ساتھ لاحق ہے (اور) وہ (کلام) اور یونہی کلتا اور مصنف نے کلتا کو اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ وہ کلام کی فسرع ہے (مب کہ مضاف ہو) یعنی کلام کلتا کے مضاف ہونے کے وقت

وضعیہ کی طرف

تشریح۔ قولہ وما ملحق بہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شنی کے بعد کلاؤ کلتا اور اثنان و اثنان کا ذکر فضول ہے کیونکہ شنی کے افراد ہیں اور افراد شئی کو شنی شامل ہوتی ہے۔ جواب یہ کہ یہ شنی کے افراد سے نہیں کیونکہ شنی کے افراد سے وہ ہوتا ہے۔ جس کے لئے اس لفظ کا مفرد ہو جیسے رجلاں کا مفرد رجل ہے اور کلاؤ کلتا ایسا نہیں۔ ہاں البتہ وہ شنی کے ساتھ ملتی ہیں کیونکہ ملحق وہ ہوتا ہے جس کی صورت شنی جیسی ہو لیکن اس کے

لفظ کا مفرد نہ ہوا اور کلاکتا وغیرہ بھی ایسے ہی ہیں کہ انکی صورت شنی جیسی تو ہے لیکن ان کے لفظ کا مفرد نہیں
 قول ^۱ولم یذکرہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے کلا کے بعد کلتا کو کیوں نہیں بیان کیا جب
 کہ کلتا بھی ملحقات شنی سے ہے جواب یہ کہ کلتا، کلا کی فسرع ہے اور اصل کا ذکر فسرع کے ذکر کو کافی ہوتا ہے
 سوال اگر البیاب ہے تو پھر اثنان کے بعد اثنان کو کیوں بیان کیا گیا؟ جب کہ اثنان بھی اثنان کی فسرع ہے۔ جواب
 اثنان و اثنان چونکہ اعداد ہیں اور اعداد تکمیر و تانیث میں خلاف قیاس ہوتے ہیں کہ مذکر کے لئے تار کے
 ساتھ آتے ہیں اور مؤنث کے لئے بغیر تار جیسے ثلاثہ مذکر کے لئے آتا ہے اور ثلاث مؤنث کے لئے اس لئے
 اثنان کے بعد اثنان کو بیان کر کے اس امر کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ دونوں اگرچہ اعداد سے ہیں لیکن قیاس
 کے موافق ہیں کہ اثنان مذکر کے لئے ہے اور اثنان مؤنث کے لئے۔

تو لے آئی حال کون۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ متن میں مضامناً منصوب ہے جس کی بارہ
تہیں ہیں اور یہ ان میں سے کون سی قسم ہے ہا جواب یہ کہ یہ ترکیب میں حال واقع ہے جس کے ذوالحالی کلام کلکتا
دو لڑاں ہیں تقدیر عبارت یہ ہے بعرب کلام کلکتا حال کو نہا مضامناً۔

والناقصة بذلك لأن كلا باعتبار لفظه مفرد وباعتبار معناه متثنى فلفظه يقتضي الاعراب بالحركات ومعناه يقتضي الاعراب بالحروف فدوئي فيه كلا الاعتبارين فإذا أُضيف إلى المظهر الذي هو الأصل روعي جانب لفظه الذي هو الأصل وأُعرِبَ بالحركات التي هي الأصل لكن تكون حركاتها تقديرية لأن آخره ألف تسقط بالتقاء الساكنين نوجاء في كلا الرجلين ورايتُ كلا الرجلين وهدرتُ بكلا الرجلين وإذا أُضيف إلى المضمر الذي هو الفرع روعي جانب معناه الذي هو الفرع وأُعرِبَ بالحروف التي هي الفرع نوجاء في كلاهما ورايتُ كليهما وهدرتُ بكليهما فلهذا تيسر كونُ اعرابه بالحروف بكونه مضافاً إلى مضمر

ترجمہ: — اور مصنف علیہ الرحمہ نے کلا کو مضاف ہونیکے ساتھ اس لئے مقید فرمایا کہ کلا باعتبار لفظ مفرد ہے اور باعتبار معنی شئی تو اس کا لفظ اسرار بالحرکات کا مقتضی ہے اور اس کا معنی اسرار بالحدوف کا مقتضی ہے اس لئے کلا میں دو نون اعتبار کی رعایت کی گئی کہ وہ جب منظر کی طرف مضاف ہو جو کہ وہ اصل ہے تو اس کی جہت لفظ کی رعایت کی جائیگی جو کہ وہ اصل ہے اور اسرار بالحرکات دیا جائیگا جو کہ وہ اصل ہے لیکن انکی

حکمتیں تقدیری ہوں گی اس لئے کہ کلا کے آخر میں الف ہے جو التقار ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے جار فی کلا الرجلین ولایت کلا الرجلین ومرت یکل الرجلین اور جب وہ ضمیر کی طرف مضاف ہو جو کہ وہ فسر ہے تو اس کی جہت معنی کی رعایت کی جائیگی جو کہ وہ فسر ہے اور اعراب بالحدوف دیا جائے گا جو کہ وہ فرع ہے جیسے جار فی کلا ہما ولایت کلہما ومرت یکلہما اس لئے اعراب بالحدوف ہونے کے لئے کلا کو ضمیر کی طرف مضاف ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے

تشریح: — قولہ ^۱ وَاِنَّهَا قَيْدٌ لِلَّهِ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعراب مذکور کے لئے کلا کو ضمیر کی طرف مضاف ہونے کیساتھ کیوں مقید کیا گیا؟ جواب یہ کہ کلا میں دو حیثیتیں ہیں ایک باعتبار لفظ اور دوسرا باعتبار معنی باعتبار لفظ وہ مفرد ہے اس لئے کہ کل اس کا مفرد نہیں اور ظاہر ہے مفرد اعراب بالحرکات کا مقتضی ہوتا ہے اور کلا باعتبار معنی شئی ہے کیونکہ وہ شئی کی تاکید واقع ہوتا ہے جیسے جار فی الرجلان کلا ہما اور شئی اعراب بالحدوف کا مقتضی ہوتا ہے پس اس میں دونوں حیثیتوں کی رعایت کی گئی کہ وہ جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اعراب بالحرکات دیا جائیگا اس لئے کہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہونا اصل ہے اور اعراب بالحرکات بھی اصل اسی وجہ سے اصل کو اصل اعراب دیا گیا لیکن اس صورت میں اس کا اعراب تقدیری ہو گا کیونکہ اس کا آخر الف ہے جو التقار ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے جار فی کلا الرجلین ولایت کلا الرجلین ومرت یکل الرجلین اور جب وہ ضمیر کی طرف مضاف ہو تو اعراب بالحدوف دیا جائے گا کیونکہ ضمیر کی طرف مضاف ہونا خلاف اصل ہے اور اعراب بالحدوف بھی خلاف اصل پس خلاف اصل کو خلاف اصل اعراب دیا جائے گا جیسے جار فی کلا ہما ولایت کلہما ومرت یکلہما۔

قولہ ^۲ لکن تکون حرکاتہ۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ کلا وکلنا جب باعتبار لفظ مفرد ہیں اور مفرد کا اعراب بالحرکات ہوتا ہے اور اعراب بالحرکات لفظی بھی ہوتا ہے اور تقدیری بھی جس میں سے لفظی اصل ہے لہذا کلا وکلنا کا اعراب بالحرکات کو لفظی ہونا چاہئے حالانکہ تقدیری ہوتا ہے حاصل ازالہ یہ کہ ان کا اعراب لفظی نہیں تقدیری ہو گا کیونکہ ان کا آخر الف ہوتا ہے اور الف حرکت کو قبول نہیں کرتا کہ وہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے۔

وَاِنَّ اَشْثَانَ وَثَنَانٍ فَإِنَّ هَذَا بِالْإِلْفِ لَفْظٌ وَثَنَانٍ كَأَنَّ مَفْرُودَةً لِّكُنْ صَوْرَتَهَا صَوْرَةُ الثَّنِيَّةِ وَمَعْنَاهَا مَعْنَى الثَّنِيَّةِ فَالْحَقُّ بَهَا بِالْإِلْفِ رَفْعًا وَالْيَاءُ الْمَفْتُوحُ مَا قَبْلَهَا نَصْبًا وَجَاءَ أَكْبَاهُ سِجِّ

ترجمہ: — (اور اثنان اور) یونہی رانثان، اور ثننان کو بہ الفاظ اگرچہ مفرد ہیں لیکن ان کی صورت ثنیہ جیسی ہے اور ان کا معنی ثنیہ جیسا معنی ہے اس لئے ان کو ثنیہ کیساتھ لاحق کیا گیا رانف کے ساتھ ہوں گے، حالت رفع میں رانف اس دپار کے ساتھ کہ اس کے ماقبل مفتوح ہو حالت نصب وجر میں جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

تشریح: — قولہ ^۱ وَكَذَا۔ اس سے یہ اشارہ ہے کہ اثنان کا عطف اثنان پر عطف مساوی بر مساوی کے نہیں سے نہیں بلکہ عطف مشبہ پر مشبہ کے قبیل سے ہے خیال رہے کہ اثنان وثنان دونوں مؤنث ہیں جن کا مذکر اثنان ہے۔ تاہم اس میں تانیث کی نہیں کیونکہ تانیث آخر کلمہ میں ہوتی ہے یہ وسط کلمہ میں ہے کذافی حاشیہ ملاعبوا لغفور۔

قولہ ^۲ فَإِنَّ هَذَا بِالْإِلْفِ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اثنان و اثنان تمام مفردات ہیں کیونکہ اگر وہ شئی ہوتے تو ان کا مفرد ان ہی میں سے ہونا چاہئے حالانکہ نہیں ہوتا اور اثنی و اثنی نہیں کیا جاتا پس ان کو شئی کے ساتھ لاحق کرنا درست نہ ہوا۔ جواب یہ کہ یہ اگرچہ باعتبار لفظ مفردات ہیں لیکن چونکہ ان کی صورت ثنیہ جیسی ہے اور ان کا معنی شئی کی مثل ہے اس لئے ان کو شئی کیساتھ لاحق کیا جاتا ہے۔

قولہ ^۳ الْمَفْتُوحُ مَا قَبْلَهَا۔ اس قید کو شئی و جمع کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے کیونکہ شئی میں یہ حالت نصب وجر یا قبل مفتوح ہوتی ہے اور جمع مذکر سالم میں یا ماقبل مکسور ہوتی ہے کما یاتی وجہاً

جَمْعُ الْمَذْكَرِ السَّالِمِ وَالْمَرَادُ بِهِ مَا سُمِّيَ بِهِ اصطلاحاً وَهُوَ الْجَمْعُ بِالْوَاوِ وَالنُّونِ قَيْدٌ خَلْفَهُ نَحْوُ سِنِينَ وَ أَرْصِينَ مَمَّالْمَ لَکِنَ وَاحِدَةً مَذْکَرًا لَّکِنَ یَجْمَعُ بِالْوَاوِ وَالنُّونِ وَمَا أُجْتِیَ بِهِ وَهُوَ ذُو جَمْعٍ ذُو لَامٍ لَفْظٌ

ترجمہ: — (جمع مذکر سالم) اور اس سے مراد وہ جمع ہے جو اصطلاح میں جس کے ساتھ موسوم ہوتا ہے اور وہ جمع ہے جو واؤ اور نون کے ساتھ ہوتا ہے پس اس میں سنون وارضون جیسی جموع کہ جن کا واحد مذکر نہ تھا لیکن ان کی جمع واؤ اور نون کیساتھ آتی ہے، داخل ہو جائیں گی اور جو جمع مذکر سالم کے ساتھ لاحق کیا جائے رادوں وہ (رادوں) ہے جو ذو کی جمع بغیر لفظ ہے۔

تشریح: — قولہ ^۱ وَالْمَرَادُ بِهِ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جمع مذکر سالم سے مراد آیا حقیقی ہے یعنی وہ ہے جس کا مفرد بغیر تار ہو یا مجازی ہے یعنی وہ ہے جس کا مفرد تار کیساتھ ہو دونوں باطل ہیں لیکن اول اس لئے کہ اس تقدیر پر مسنون و مشرکون وغیرہ اگرچہ جمع مذکر سالم میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مفرد بغیر تار آتا ہے

لیکن سنون وارضون وغیرہ خارج ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مفرد یغیر تار نہیں آتا حالانکہ ان کا بھی اعراب ہی آتا ہے اور لیکن دوسرا اس لئے کہ اس تقدیر پر سنون وارضون وغیرہ اگرچہ جمع مذکر سالم میں داخل ہوتے ہیں لیکن سنون و مشرکون وغیرہ خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کا بھی اعراب ہی آتا ہے۔ جواب یہ کہ جمع مذکر سالم کا معنی لغوی یہ کہ اس کا مفرد مذکر ہو عام ہے حقیقی ہو یا مجازی وہ یہاں مراد نہیں بلکہ مراد معنی اصطلاحی ہے اور وہ یہ کہ اس کے آخر واؤ ماقبل مضموم اور نون مفتوح ہو یا یا ماقبل مکسور اور نون مفتوح ہو عام ہے اس کا مفرد مذکر ہو جیسے مسلمون و مشرکون جمع مسلم و مشرک یا مؤنث ہو جیسے سنون جمع سنہ اور وارضون جمع ارض میں تاء مفردہ ہے کیونکہ یہ مؤنث سماعی ہے سوال اصطلاحی معنی جس طرح جمع مذکر سالم میں مراد ہے اسی طرح جمع مؤنث سالم میں بھی تو اس کو صرف جمع مذکر سالم میں کیوں بیان کیا گیا یہ جمع مؤنث سالم میں کیوں نہیں؟ جواب قید سابق کو قید لاحق پر اکتفا کرنے کی وجہ سے جمع مؤنث سالم میں معنی اصطلاح کو بیان نہیں کیا گیا۔

قوله وما الحی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جمع مذکر سالم کے بعد اول و عشر و نون کا ذکر نفی ہے کیونکہ یہ دونوں بھی جمع ہیں۔ اولو جمع ہے ذوقی اور عشر و نون جمع ہے عشرہ کی۔ جواب یہ کہ یہ دونوں جمع نہیں البتہ اس کے ساتھ ملحق ہیں کیونکہ جمع وہ ہے جس کے مفرد کے آخر میں علامت جمع بڑھائی گئی ہو جیسے مومنون میں مومن اور ان دونوں نفی کا مفرد نہیں پس یہ جمع بھی نہیں ہاں انکی صورت جمع کی طرح ہے اس لئے یہ جمع کے ساتھ ملحق ہیں۔

قوله جمع ذوالعن۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اولو جب جمع ہے ذوقی تو وہ جمع مذکر سالم کے انسداد سے ہوا ملحقات سے نہیں۔ جواب یہ کہ اولو اگرچہ جمع ہے ذوقی لیکن اس کے لفظ سے نہیں اور جمع مذکر سالم وہ ہے جس کا مفرد اس کے لفظ سے ہو۔

وعشرون واخواتها أى نظائرهما السبع وھی ثلثون إلى تسعين وليس عشرون جمع عشر ولا ثلثون جمع ثلثة ولا تصح اطلاق عشرون على ثلثين لانه ثلاثه مقادير العشره واطلاق ثلثين على التسعة لانها ثلاثه مقادير الثلاثه وعلى هذا القياس البواقي وايضا هذه الالفاظ تدل على معان معينه ولا تعين في الجموع بالواو مرئعا والياء المكسورة ما قبلها نعتا وجزا

ترجمہ:۔۔۔ اور عشرون اور اس کے اخوات یعنی اس کے نظائر سات ہیں۔ اور وہ ثلاثون سے تسعون تک ہیں اور عشرون، عشرہ کی جمع نہیں اور نہ ہی ثلاثون، ثلاثہ کی جمع ہے ورنہ عشرون کا اطلاق ثلاثون پر صحیح ہو جاتا کیونکہ وہ عشرہ کی تین مقدار ہیں اور ثلاثون کا اطلاق تسعہ پر صحیح ہو جاتا کیونکہ تسعہ ثلاثہ کی تین مقدار ہیں اسی قیاس پر بوائی ہیں اور نیز یہ الفاظ معانی معینہ پر وال ہیں اور جمیعوں میں تعین نہیں ہوتا رواؤ کے ساتھ ہیں حالت رفع میں زادوا اس رباع کے ساتھ جس کے ماقبل مکسور ہو حالت نصب و جبر میں۔

تشیع:۔۔۔ قوله أى نظائرہا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اخوات جمع ہے اخوت کی اور اخوت کا اطلاق ذوقی روح پر ہوتا ہے اور ثلاثون وغیرہ ذوقی روح نہیں لہذا یہاں اخوات کا اطلاق درست نہیں ہے جواب یہ کہ اخوات سے یہاں اشتباہ و نظائر مراد ہیں اور تیس سات ہیں (۱) ثلاثون (۲) اربعون (۳) خمسون (۴) ستون (۵) سبعون (۶) ثمانون (۷) تسعون

قوله ليس عشرون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اولو اگرچہ جمع نہیں لیکن عشرون جمع ہے کہ اس کا مفرد عشرہ ہے۔ جواب یہ کہ عشرون بھی جمع نہیں کیونکہ جمع کا اطلاق تین یا اس سے زائد پر ہوتا ہے اور عشرون اگرچہ عشرہ کی جمع ہو تو لازم آئے گا کہ تین عشرہ اور زیادہ پر عشرون کا اطلاق صحیح ہو اسی طرح ثلاثون اگر ثلاثہ کی جمع ہو تو نو پر ثلاثون کا اطلاق صحیح ہو کیونکہ تین ثلاثہ نو ہے حالانکہ یہ بدلتہ باطل ہے یہی حال اربعون و خمسون وغیرہ کا ہے۔

وَأَيُّهَا جُعِلَ أَعْرَابُ الْمُتَشَبِّهِاتِ مَعَ مَلْحَقَاتِهَا وَالْجَمْعُ مَعَ مَلْحَقَاتِهَا بِالْحَرْفِ لِأَنَّهُمَا فَرَعَانِ لِلْوَحْدِ وَفِي آخِرِهَا حَرْفٌ يَصْلُحُ لِلْأَعْرَابِ وَهُوَ عَلَامَةُ التَّشْبِيهِ وَالْجَمْعُ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ الْحَرْفُ أَعْرَابًا لِيَكُونَ أَعْرَابُهُمَا فَرَعًا لِأَعْرَابِهِ كَمَا أَنَّ هُمَا فَرَعَانِ لَهُ لِأَنَّ الْأَعْرَابَ بِالْحَرْفِ فَرَعٌ لِلْأَعْرَابِ بِالْحَرَكَاتِ

ترجمہ:۔۔۔ اور متشبیہات کے اعراب اس کے ملحقات کیساتھ اور جمع کا اعراب اس کے ملحقات کیساتھ حرف کے ساتھ اس لئے کیا گیا کہ متشبیہ و جمع دونوں واحد کی فرع ہیں اور دونوں کے آخر میں ایسا حرف بھی ہے جو اعراب کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ علامت تشبیہ و جمع ہے پس مناسب ہوا کہ اس حرف کو تشبیہ و جمع کا اعراب قرار دیا جائے تاکہ ان دونوں کا اعراب واحد کے اعراب کی فرع ہو سکے جس طرح دونوں واحد کی فرع ہیں کیونکہ اعراب باعروف اعراب بالحرکات کی فرع ہے۔

تشریح: — قولہ **وَمَا جَعَلَ**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تثنیہ و جمع مفرد کی فرع ہیں کہ وہ اس سے بننے ہیں اور اعراب بالحواف اعراب بالحوکہ کی فرع ہے اس لئے کہ اعراب بالحوکہ خفیف ہے اور اعراب بالحواف ثقیل اس لئے مفرد کو اعراب بالحوکہ دیا گیا اور تثنیہ و جمع کو اعراب بالحواف تاکہ اصل کو اصل اعراب اور فرع کو فرع اعراب مل جائے پھر تثنیہ و جمع کے ملحقات کا بھی اعراب بالحواف دیا گیا۔

قولہ **فِي آخِرِهَا**۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تثنیہ و جمع جس طرح مفرد کی فرع ہیں اسی طرح جمع مؤنث سالم بھی پھر کیا وجہ ہے کہ جمع مؤنث سالم کو اعراب بالحوکہ دیا جاتا ہے اعراب بالحواف نہیں جواب یہ کہ تثنیہ و جمع مذکر سالم کے آخر میں چونکہ ایک ایسا حرف ہے جو اعراب بالحواف کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن جمع مؤنث سالم کے آخر میں ایسا حرف نہیں جو اعراب بالحواف کی صلاحیت رکھ سکے اس لئے مجوزاً جمع مؤنث سالم کو اعراب بالحواف دیا گیا۔ سوال تثنیہ میں الف کو اور جمع مذکر سالم میں واؤ کو اعراب قرار دیا گیا جب کہ اعراب اخیر میں آتا ہے اور الف واؤ اخیر میں نہیں بلکہ اخیر میں نون ہے جیسے رجلاں و مسلمون میں۔ جواب اخیر کہ الف واؤ ہی ہے نون نہیں کیونکہ تثنیہ و جمع میں نون اس تنوین کی مثل ہے جو مفرد میں ہوتی ہے جس سے کلمہ تام ہو جاتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اعراباً بالحواف وکان حروفُ الاعرابِ ثلاثاً وَاعرابُها ستة ثلاثاً للمثنى وثلاثة للمجموع فلو جعل اعراباً كل واحد منهما مبتدأ الحروفِ الثلاثة لوقع الالتباس ولو خص المثنى بها بقى المجموع بلا اعراب ولو خص المجموع بقى المثنى بلا اعراب فوُضِعَتْ عَلَيْهِمَا بَيِّنَاتٌ جَعَلُوا الْاَلِفَ علامةَ الرَّفْعِ فِي الْمثنى لِانَّهُ الضميرُ المرفوعُ لِلتثنى فِي الْفِعْلِ نَوْبِضْرَانِ وَضَرْبَانِ وَالْوَاوُ علامةَ الرَّفْعِ فِي الْمَجْمُوعِ لِانَّهُ الضميرُ المرفوعُ لِلْمَجْمُوعِ فِي الْفِعْلِ نَوْبِضْرُونُ وَضَرْبُونُ وَجَعَلُوا اعراباً بالياءِ حَالاً الْجَرِّ عَلَى الْاَصْلِ وَفَرَّقُوا بَيْنَهُمَا بَيِّنَاتٌ فَتَعَوَّا مَا قَبْلَ الْيَاءِ فِي التثنى لِحَقَّةِ الْفَتْحَةِ وَكَثْرَةِ التثنى وَكُسُرُوا فِي الْجَمْعِ لثِقَلِ الْكُسْرِ وَقَلَّةِ الْمَجْمُوعِ وَجَعَلُوا النصبَ عَلَى الْجَرِّ لَاعْلَى الرَّفْعِ لِمُنَاسَبَةِ النصبِ بِالْجَرِّ لَوْ قَرِئَ كُلٌّ مِنْهُمَا فَضْلَةً فِي الْكَلَامِ

توجہ: — اور جب تثنی و جمع کا اعراب بالحواف کیا گیا اور اعراب بالحواف تین ہیں اور تثنی و جمع کے اعراب چھ ہیں تین تثنی کے اور تین جمع کے لہذا اگر تثنی و جمع میں سے ہر ایک کے اعراب کو ان تینوں حروف

کیا تھ کہ دیا جائے تو التباس واقع ہو جائیگا اور اگر تثنی کو ان تینوں حروف کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو جمع اعراب کے بغیر رہ جائیگی اور اگر چھ کو ان تینوں اعراب کیساتھ خاص کر دیا جائے تو تثنی اعراب کے بغیر رہ جائیگا۔ اس لئے ان دونوں پر اس طرح تقسیم کی گئی کہ دونوں نے الف کو تثنیہ میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ وہ یضربان و ضربوا جیسے فعل میں جمع کی ضمیر مرفوع ہے اور واؤ کو جمع میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ وہ یضربون اور ضربوا جیسے فعل میں جمع کی ضمیر مرفوع اور انہوں نے تثنیہ و جمع کے اعراب کو حالت جر میں یا کہ کیساتھ اصل پر قرار دیا ہے اور انہوں نے ان دونوں کے درمیان اس طریقہ سے فرق کیا ہے کہ تثنیہ میں یا کے مقابل فتح دیا کیونکہ فتح خفیف ہے اور تثنیہ کثیر اور جمع میں اس یا کو کسرہ دیا کیونکہ کسرہ ثقیل ہے اور جمع تلیل اور انہوں نے نصب کو جر پر حمل کیا ہے رفع پر نہیں اس لئے کہ نصب، جر کیساتھ مناسبت رکھتا ہے کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کلام میں فضا واقع ہوتا ہے

تشریح: — قولہ **وَمَا جَعَلَ**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تثنیہ و جمع کا اعراب اصل کے برخلاف ہے کیونکہ تثنیہ کا اعراب حالت رفع میں الف آتا ہے حالانکہ قیاس ضمیر یا اس کے موافق حرف علت واؤ کو مقتضی ہے کیونکہ رفع، علامت فاعلیت ہے جس کیلئے حروف یں واؤ اور حرکات میں ضمت آتا ہے اور تثنیہ و جمع کا اعراب حالت نصب میں یا آتی ہے جب کہ قیاس فتح یا اس کے موافق حرف علت الف کو مقتضی ہے کیونکہ نصب علامت مفعولیت ہے جس کے لئے حروف میں الف ہے اور حرکات میں فتح آتا ہے اسی طرح جو اضافت کی علامت ہے جس کے لئے کسرہ یا اس کے موافق حرف علت یا ہوتی چاہئے جواب یہ کہ حروف اعرابیہ تین ہیں واؤ الف یا اور تثنیہ و جمع کے احوال تین تین ہیں رفع، نصب، جر یعنی دونوں کے لئے چھ اعراب چاہئے پس اگر تینوں حروف اعرابیہ تثنیہ کو دیا جائے تو جمع اعراب کے بغیر رہ جائیگی اور اگر تینوں حروف اعرابیہ جمع کو دیا جائے تو تثنیہ اعراب کے بغیر رہ جائیگا اور اگر دونوں میں مشترک کر دیا جائے کہ حالت رفع میں دونوں کو واؤ اور حالت نصب میں الف اور حالت جر میں یا ہو تو تثنیہ و جمع میں تقسیم کر دیا گیا اس طرح کہ رفع کی حالت میں تثنیہ کو الف اور جمع کو واؤ دیا گیا اور جر کی حالت میں یا کو دونوں میں مشترک کر دیا گیا اور نصب کے لئے کوئی حرف باقی نہ رہا تو دونوں کا نصب جر کے تابع کر کے اس حالت میں بھی یا کو دونوں کے درمیان مشترک کر دیا گیا لیکن امتیاز کے لئے تثنیہ میں یا کے مقابل فتح دیا گیا اور جمع میں یا کے مقابل کسرہ دیا گیا۔

قولہ **لَوْ قَرِئَ الْاَلِفَاتِ**۔ سوال تینوں اعراب کو اگر تثنیہ و جمع میں مشترک کر دیا جائے تو بھی التباس

واقع نہیں ہوتا جب کہ ایک کا اعراب لفظی قرار دیا جائے اور دوسرے کا تقدیری۔ جواب کسی اسم پر اعراب اس وقت لاجبی ہوتا ہے جب کہ اس پر اعراب لفظی دشوار ہو اور ظاہر ہے یہاں کوئی دشوار نہیں
قوله لا تشبه الضمير۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حالت رفع میں تشبہ کو الف اور جمع کو واو کیوں دیا گیا ہے اس کا برعکس کیوں نہیں ہے؟ جواب یہ کہ فعل کے صیغہ تشبہ میں چونکہ الف فاعل کی ضمیر ہوتا ہے اور صیغہ جمع میں واو فاعل کی ضمیر ہوتا ہے جیسے ضربا۔ یضربان۔ ضربوا یضربون اس لئے حالت رفع میں تشبہ کو الف اور جمع کو واو دیا گیا اس کا برعکس نہیں۔

قوله فرقوا بينهما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تشبہ و جمع کے درمیان حالت جسر میں یا مشترک کیا گیا ہے تو دونوں کے درمیان التباس لازم آئے گا جواب یہ کہ نچلوں نے دونوں کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ تشبہ میں یا سے قبل فتح اور جمع میں یا سے قبل کسرہ دیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ کہ تشبہ بکثرت اور جمع قلیل اور فتح تفتیح ہے اور کسرہ قلیل اس لئے تشبہ میں یا سے قبل فتح اور جمع میں یا سے قبل کسرہ دیا گیا کہ مشکلم کی زبان پر مزید بوجھ پیدا نہ ہو اب رہا یہ کہ تشبہ میں نون اعرابی کو کسرہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ چار نچلوں کا پے درپے ہونا لازم نہ آئے کیونکہ مثلاً رجالان میں الف سے قبل ایک فتح ہے اور دو فتح الف سے پیدا ہوتے ہیں اور چونکہ نون مفتوح ہو گا جو ممنوع ہے بر خلاف جمع کہ اس میں یہ لازم نہیں آتا اس لئے اس کے نون اعرابی کو فتح دیا جاتا ہے

قوله حملوا النصب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تشبہ و جمع میں نصب کو جسر کے تابع کیا گیا رفع کے کیوں نہیں ہے؟ جواب یہ کہ نصب کو جسر سے مناسبت حاصل ہے کیونکہ دونوں نصب کی علامت ہیں اور رفع عمدہ کی علامت ہے اور نصب کو عمدہ سے کوئی مناسبت نہیں اس لئے نصب کو جسر کے تابع کیا جاتا ہے رفع کے نہیں۔

ولما فرغ من تقسيم الاعراب الى الحركات والحرف وبيان مواضعها المختلفة شرع في بيان مواضع الاعراب اللفظي والتقدير الذي اشير الى تقسيم اليمانيما سبق ولما كان التقدير في اقل اشكال اولاً ثم بين ان اللفظي فيما عدا ذلك

تدرجہ : — اور جب مصنف علیہ الرحمہ تقسیم اعراب حرکت و حرف کی طرف اور ان دونوں کے مختلف مقاموں سے فارغ ہو چکے تو ان اعراب لفظی و تقدیری کے مقاموں کے بیان کو شروع فرمائے جن دونوں کی تقسیم کی طرف ماقبل میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور جب اعراب تقدیری بہ نسبت اعراب لفظی قلیل تھا تو پہلے اعراب تقدیری کی طرف اشارہ فرمایا پھر اللفظی فيما عدا کو بیان فرمایا۔

تشریح : — **قوله لهما فرغ**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماقبل کو مابعد سے کوئی مناسبت نہیں کیونکہ ماقبل میں جمع مذکور سالم وغیرہ کا بیان ہے اور یہاں اعراب تقدیری و لفظی کا ظاہر ہے دونوں میں کوئی ربط و تعلق نہیں جواب یہ کہ ماقبل میں انواع اعراب کی تقسیم اعراب بالحرکۃ اور اعراب بالحرف کی جانب اور ان کے مواضع مثلاً جمع مذکور سالم وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے اور یہاں اعراب بالحرکۃ اور اعراب بالحرف کی تقسیم تقدیری و لفظی کی جانب اور ان کے مواضع مثلاً غلامی وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے دونوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

قوله الذين اشير۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کسی شئی کے مواضع کی معرفت سے پہلے اس شئی کی معرفت ضروری ہے لہذا اعراب لفظی و تقدیری کے مواضع کے بیان سے پہلے ان دونوں کو بیان کرنا ضروری ہے جواب یہ کہ ان دونوں کے بیان کی طرف حکم معرب یعنی ان يختلف آخره باختلاف التواضع لفظاً أو تقدیراً کے بیان میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

قوله ولما كان التقدير۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب لفظی کے بیان کو اعراب تقدیری کے بیان پر مقدم کرنا چاہئے اس لئے کہ اعراب لفظی بہ نسبت اعراب تقدیری اصل ہے اور اصل معنی تقدیم ہے اور اس لئے بھی کہ اعراب لفظی کو اجمال یعنی حکم معرب کے بیان میں مقدم کیا گیا ہے اس لئے اس کو تفصیل میں بھی مقدم کرنا چاہئے۔ جواب یہ کہ اعراب لفظی کے مواضع کثیر ہیں اور اعراب تقدیری کے مواضع قلیل ہیں اس لئے تن میں اعراب تقدیری کے مواضع بیان کر کے یہ لکھ دیا کہ اللفظی فی ما عدا

فقال التقدير أي تقدیر الاعراب فيما أي في الاسم المعرب الذي تعدل الاعراب فيه أي في منع ظهوره في لفظه

توجہ : — پس کہا تقدیر یعنی تقدیر اعراب اس میں ہے کہ یعنی اس معرب میں ہے کہ جس میں اعراب رمتقدروا یعنی جس معرب کے لفظ میں اعراب کا ظہور محال ہو۔

تشریح :- قولہ ائی تقدیر اعراب۔ یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ تقدیر بحث سے خارج ہے کیونکہ بحث اعراب میں ہے تقدیر میں نہیں جواب یہ کہ تقدیر سے مراد تقدیر اعراب ہے پس اس پر الف لام مضاف کے عوض ہے یعنی تقدیر اعراب یا بعد خارجی کا ہے۔ شارح ہندی نے تقدیر سے قبل اعراب موصوف مقدر مانا ہے یعنی اعراب تقدیری لیکن یہ صورت اگرچہ اپنے قییم اللفظی فیما عداہ یعنی اعراب لفظی کے موافق ہے لیکن حذف کثیر لازم آتا ہے ایک حذف موصوف اور دوسرا حذف یا نسبت برخلاف پہلی صورت کی ثنی اقول کہ اس میں حذف ہی نہیں اور دوسری ثنی میں حذف ہے لیکن حرف ایک مضاف الیہ

قولہ ائی فی الاسماء المعرب۔ لفظ اسم اور اس کے بعد معرب سے بہم دو سوالوں کے جوابات دے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ تقدیر کا معنی ہے جس میں اعراب کا ظہور متعذر ہو و شوار ہو اور ماضی و امر حاضر معروف میں بھی اعراب کا ظہور و شوار ہوتا ہے لیکن انکی حرکت کو اعراب تقدیری نہیں کہا جاتا۔ جواب یہ کہ فیما میں لفظ ماضی مراد اسم ہے معنی ہوا کہ اعراب تقدیری اس اسم میں ہوتا ہے جس میں اعراب کا ظہور متعذر ہو اور ماضی و امر حاضر معروف اسم ہی نہیں بلکہ وہ فعل ہیں اسی وجہ سے ان کی حرکت کو اعراب تقدیری نہیں کہا جاتا۔ دوسرا سوال یہ کہ ماضی مراد جب اسم ہے تو معنی ہوا کہ جس اسم میں ظہور اعراب متعذر ہو حالانکہ ہولاء اسم ہے جس میں حالت رفع و نصب میں اعراب کا ظہور متعذر ہوتا ہے لیکن اس کی حرکت کو اعراب تقدیری نہیں کہا جاتا جواب یہ کہ ماضی مراد اسم معرب ہے اسم بنی نہیں اور ہولاء اسم بنی ہے اس لئے اس کی حرکت کو اعراب تقدیری نہیں کہا جاتا۔

قولہ ائی الأعراب فیہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تقدیر کی ضمیر مستر کا مرجع ما اسمیہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اعراب ما اسمیہ اس لئے نہیں کہ اس سے معنی میں فساد لازم آتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اعراب اس لئے نہیں کہ ما اسمیہ کو موصول مانا جائے تو صلہ میں کوئی ضمیر ایسی نہ ہوگی جو موصول کی طرف راجع ہو سکے اور ما اسمیہ کو اگر موصول مانا جائے تو صفت میں کوئی ضمیر ایسی نہ ہوگی جو موصول کی طرف راجع ہو سکے جبکہ دونوں میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصول یا موصول کی طرف راجع ہو سکے جواب یہ کہ ضمیر مستر کا مرجع اعراب ہے اور موصول یا موصول کی طرف راجع ہونے والی ضمیر محذوف ہے تن کی اصل عبارت یہ ہے التقدير فيما تعدى فيه۔

قولہ امتنع ظهورہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متعذر کا معنی ہے جس کا ظہور و شوار کی کیا تھ ممکن ہو اور جس کا ظہور کسی طرح ممکن نہ ہو اس کو محال و امتنع کہتے ہیں اور عصا کے آخر میں چونکہ الف مقصورہ ہے اس میں اعراب کا ظہور ممکن نہیں بلکہ محال ہے اسی طرح غلامی میں اعراب کا ظہور محال ہے لہذا تن میں تقدیر

کے بجائے امتنع کہنا چاہئے۔ جواب یہ کہ متعذر سے یہاں مراد امتنع ہے جس پر فریہ اس کا عطف أو اشتقل ہے کہ عطف مغایرت کو مقتضی ہے پس اس سے مشتقل کا معنی بھی عیاں ہو گیا کہ مشتقل وہ ہے جس کا ظہور محال تو نہ ہو لیکن ظہور دشواری کے ساتھ ہو جیسے جاء فی قاضی میں یا پر ضمہ۔ خیال رہے کہ عصا اور غلامی پر اعراب لفظی اس لئے امتنع ہے کہ محل اعراب اسم کا آخری حرف ہوتا ہے اور عصا کا آخری حرف الف ہے اور الف پر حرکت ممکن نہیں اسی طرح غلامی میں محل اعراب میم ہے جس پر یا پر شکم کی مناسبت سے کسرہ ہے جس کے ہوتے ہوئے میم پر نہ دوسرا کسرہ ممکن نہ ضمہ نہ فتح ممکن ہے اس لئے اس پر اعراب لفظی محال ہے۔ سوال عصا و غلامی میں جب اعراب کا ظہور محال ہے تو ان کو از قبیل بنیات اس لئے شمار نہیں کیا گیا کہ ان کے اندر وہ مناسبات مذکورہ موجود نہیں جو بنی ہونے کے لئے ضروری ہیں۔

ذلک اذ لم یکن الحرف الذی ہو محل الأعراب قابلاً للحرکۃ الأعرابیۃ کما فی الاسماء المعرب بالحرکۃ الذی فی آخر الف مقصورۃ سواء کانت موجودۃ فی اللفظ کالعصا بلکہ التعریف أو محذوف بالتقاء الساکنین کعصا بالتونین فان الف المقصورۃ فی الصور تین غیر قابله للحرکۃ و کما فی الاسم المعرب بالحرکۃ المضاف الی یاء المتکلم نحو غلامی فانہ لما اشتغل ما قبل یاء المتکلم بالکسرۃ للمناسبت قبل دخول العامل امتنع أن یدخل علیہ حرکۃ أخری بعد دخوله موافقۃ لہا الذی لاقفۃ فسادہم الیہ بعض من أن العرب مثل هذا الاسماء فی حالۃ الجری لفظی غیر مرضی مطلقاً ائی فی الاحوال مثلاً یعنی کون الأعراب تقدیریاً فی ہذین النوعین من الاسماء المعرب انما هو فی جمیع الاحوال غیر ممکن ببعضہا

ترجمہ :- اور وہ اس وقت ہوگا جب کہ وہ حرف جو محل اعراب ہے حرکت اعرابیہ کا قابل نہ ہو جیسے اس اسم میں جو معرب بالحرکۃ ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو خواہ وہ لفظ میں موجود ہے جیسے العصا لام تعریف کے ساتھ یا محذوف ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے جیسے عصا، تونین کے ساتھ اس لئے کہ الف مقصورہ دونوں صورتوں میں حرکت کو قبول نہیں کرتا اور جیسے اس اسم میں جو معرب بالحرکۃ ہے جو مضاف بسوئے متکلم ہے (غلامی) کیونکہ جب غلامی یا متکلم کے ما قبل دخول عامل سے پہلے مناسبت کی وجہ سے کسرہ کے ساتھ مشغول ہو گیا تو اس کی بار پر دخول عامل کے بعد کسی دوسری حرکت کا دخول ممکن نہ رہا عام ہے دوسری حرکت

کسرہ کے موافق ہو یا مخالف پس وہ قول جس کی جانب بعض محققین گئے ہیں کہ اس اسم کی مثل کا اعراب حالت جر میں لفظی ہے ناپسند ہے (مطلقاً) یعنی تینوں حالتوں میں یعنی اسم معرب کی ان دونوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہو یا تمام حالتوں میں ہے کسی ایک حال کیساتھ خاص نہیں

تشریح: — قولہ **وَذَلِكَ** یعنی معرب کے آخر میں اعراب کا ظہور اس وقت حال ہوتا ہے جب کہ اس کے آخر میں ایسا حرف ہو جو حرکت اعرابیہ کو قبول نہ کر سکے مثلاً وہ اسم جو معرب بالحرکت ہو اور اس کے آخر میں حذف ہو جیسے عصا میں اور مثلاً وہ اسم جو معرب بالحرکت ہو اور مضاف بسوئے یا متمکم ہو جیسے غلامی کہ اس کے یا متمکم کا ماقبل جب کسرہ سے گھر گیا تو اس پر دوسری حرکت کا دخول محال ہو گیا کیونکہ ایک حرف پر ایک وقت میں ایک ہی حرکت آسکتی ہے دو نہیں۔

بیان کلمۃ کعصا۔ اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو عام ہے وہ لفظ میں موجود ہو جیسے العصا میں یا اجتماع ساکنین کی وجہ سے محذوف ہو جیسے عصا میں ایسے اسم کو اسم مقصور کہتے ہیں اس پر اعراب لفظی اس لئے ممتنع ہوتا ہے کہ اسم کا آخری حرف محل اعراب ہوتا ہے اور عفا کا آخری حرف الف ہے اور حرکت ممکن نہیں اس لئے اس پر اعراب تقدیری ہوتا ہے اسکی طرح نحو غلامی سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کا اعراب مضاف نہ ہونے کی صورت میں حرکت سے ہو اور یا متمکم کی طرف مضاف ہو اس پر اعراب لفظی اس لئے ممتنع ہے کہ اس میں فعل اعراب میم ہے جس پر یا متمکم کی مناسبت سے کسرہ ہے اس کسرہ کے ہونے ہونے میم پر دوسرا کسرہ ممکن نہیں رضہ اور نہ فتح اس لئے اس پر اعراب تقدیری ہوتا ہے

قولہ **فَإِذَا ذَهَبَ إِلَيْكَ**۔ اس عبارت سے بعض نحوویں کے اس قول کا رد ہے کہ غلامی میں میم کا کسرہ اعراب متعذر کی مثال صرف حالت رفع و نصب ہی میں ہو سکتا ہے حالت جر میں نہیں کیونکہ حالت جر میں اس کا اعراب لفظی ہوتا ہے اس لئے کہ کسرہ عامل و بار کی اقتضا کے مابین شریک ہے حاصل رد یہ کہ اس کا کسرہ عامل و بار کی اقتضا کے مابین شریک نہیں ورنہ دو علت مستقلہ کا توار معمول واحد پر لازم آئیگا جو باطل ہے خیال رہے کہ ایسے اسم کے متعلق نحوویں کے تین مذہب ہیں ایک یہ کہ تینوں حالتوں میں معرب باعراب تقدیری ہو گا دوسرا یہ کہ حالت رفع و نصب میں اعراب تقدیری ہو گا اور حالت جر میں لفظی تیسرا یہ کہ مبنی ہو گا پہلا مذہب چونکہ مصنف کے نزدیک مختار تھا اس لئے انہوں نے لفظ مطلقاً سے واضح کر دیا کہ غلام تینوں حالتوں میں معرب باعراب تقدیری ہے۔

قولہ **أَيُّ فِي الْأَحْوَالِ الثَّلَاثِ**۔ لفظی سے یہ اشارہ ہے کہ تن میں مطلقاً بنائے ظرفیت منصوب ہے اور وہ چونکہ نحو غلامی سے متصل ہے اس لئے صرف اسی کی تعیم متبادر ہوتی تھی عصا کی نہیں اسی وجہ سے یعنی کون الاعراب سے اس کی تفسیر بیان فرما کر مطلقاً اگرچہ نحو غلامی سے متصل ہے لیکن مقصود دونوں کی تعیم ہے

أَوِ اسْتَقْلَ عَطْفٌ عَلَى تَعْدِئِ أَيُّ لَقْد يُرَا اعراب فيما تعدى أَوِ فِي الْأَسْمَاءِ الَّتِي اسْتَقْلَ ظُهُورُ اَلْاَعْرَابِ فِي لَفْظِهِ وَذَلِكَ إِذَا كَانَ مَعْلُ اَلْاَعْرَابِ قَابِلًا لِلْحُرَاكَةِ اَلْاَعْرَابِيَّةِ وَلَكِنْ يَكُونُ ظُهُورُهَا فِي اللَّفْظِ نَقِيلًا عَلَى اللِّسَانِ كَمَا فِي الْأَسْمَاءِ الَّتِي فِي آخِرِهِ بِأَيُّ مُكْسُورًا مَقْبِلًا سَوَاءً كَانَتْ مُحْذُوفَةً بِالتَّجَاوُزِ السَّاكِنِينَ كَقَاضٍ أَوْ غَيْرِ مُحْذُوفَةٍ كَالْقَاضِي رَفْعًا وَجَرَأُ أَيُّ فِي حَالَتِي الرَّفْعِ وَالْجَرِّ لِأَنِّي حَالَتِ اَلنَّصْبِ لَاسْتِقَالِ اَلضَّمَّةِ وَاَلْكَسْرِ عَلَى الْيَاءِ دُونَ اَلْفَتْحَةِ

ترجمہ: — ر یا جس میں ظہور اعراب ثقیل ہو (تعدی پر عطف ہے یعنی تقدیر اعراب جس میں متعذر ہو یا اس اسم میں جس کے لفظ میں ظہور اعراب ثقیل ہو اور وہ جب کہ محل اعراب حرکت اعرابیہ کو قبول کرے لیکن لفظ میں ظہور اعراب زبان پر ثقیل ہو جیسے اس اسم میں جس کے آخر میں یا متمکم ہو عام ہے وہ محذوف ہو اجتماع ساکنین کی وجہ سے ر جیسے قاضی یا محذوف نہ ہو جیسے القاضی میں درفع و جر کی حالت میں یعنی رفع و جر کی حالت میں نصب کی حالت میں نہیں کیونکہ یا پر ضمہ و کسرہ ثقیل ہے فتح نہیں۔

تشریح: — قولہ **عَطْفٌ عَلَى تَعْدِئِ** تن میں آد چونکہ حرف عطف ہے جس کیلئے معطوف و معطوف علیہ کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہتے ہیں کہ استقل معطوف ہے اور تعدی معطوف علیہ آئی تقدیر الاعراب سے حاصل عطف کا بیان ہے کہ تقدیر اعراب کبھی اس اسم معرب میں ہوتی ہے جس کے لفظ میں اعراب کا ظہور محال ہے اور کبھی اس اسم میں جس کے لفظ میں اعراب کا ظہور ثقیل ہو۔

قولہ **ذَلِكَ إِذَا كَانَ**۔ یعنی ظہور اعراب زبان پر اس وقت ثقیل ہے جب کہ محل اعراب حرکت اعرابیہ کا قابل ہو لیکن لفظ میں اس کا ظہور دشوار ہو جیسے اس اسم میں جس کے آخر میں یا متمکم ہو اور اس کے ماقبل کسرہ ہو جیسے قاضی میں یا پر ضمہ و کسرہ کا ظہور حالت رفع و جر میں دشوار ہے لیکن حالت نصب میں یا پر فتح کا ظہور دشوار نہیں کیوں کہ فتح حرکت حرکات ہے جس کا قول یا پر ثقالت کو لازم نہیں کرتا

قوله ائني في حالي - یہاں پر بعینہ وہی سوال و جواب ہیں جو مفرد و منصرف کی بحث میں بالضمیر رفعاً و نفعاً
نصباً و الکسرة جراً کے تحت گذر چکے ہیں۔ رفعاً۔ نصباً۔ جراً کے نصب میں تین احتمالات ہیں مصدر۔ حال۔ ظرف
یہاں صرف ظرف کے احتمال کو اس لئے بیان فرمایا کہ اس میں حذف قلیل ہوتا ہے اور بقیہ دوسری صورتوں میں
حذف کثیر جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی کہ لایاں فی العبارة الآتية رفعاً۔

ونحو مسلمی عطف علی قولہ کفایں تقدیر الاعراب للاستثقال قد یكون فی الاعراب بالحركة وقد یكون
فی الاعراب بالحرف نحو مسلمی یخلاف تقدیر الاعراب للتعددية فانہ مختص بالاعراب بالحركة
ساقطاً یعنی تقدیر الاعراب فی نحو مسلمی انما هو فی حالة الرفع فقط دون النصب والجر نحو جاء فی
مسلمی فان اصله مسلوک بسقوط الوزن بالاضافة فاجتمع الواو والياء والسائق منها ساکنان فالتفت
الواو یاءً وادغمت الیاء فی الیاء وکسر ما قبل الیاء فلم یبق علامة الرفع البقی ہی الواو فی اللفظ فصار
الاعراب فی حالة الرفع تقدیراً یخلاف حاله النصب والجر فان الادغام لا یرجى الیاء من حقیقتها
فان الیاء المدغمه ایضاً یاءٌ

ترجمہ: — (اور جیسے مسلمی) عطف ہے مصنف کے قول کفایں پر یعنی تقدیر اعصاب جو ثقل کی وجہ سے ہوتی
ہے کبھی اعراب بالحرکت میں ہوتی ہے اور کبھی بالحرف میں جیسے مسلمی برخلاف تقدیر اعصاب جو تعدد کی وجہ سے ہوتی ہے
پس اعراب بالحرکت کے ساتھ خاص ہے رفع کی حالت میں (یعنی مسلمی کی مثل میں تقدیر اعصاب صرف رفع کی حالت
میں ہوتی ہے نصب وجر کی حالت میں نہیں جیسے جاء فی مسلمی کیونکہ اس کی اصل مسلوک ہے اضافت کی وجہ سے
سقوط وزن کے ساتھ پس واو اور یاء جمع ہوئے جن میں سے پہلا ساکن ہے پس واو یاء سے بدل گئی اور یاء کو یاء
ادغام کر دیا گیا اور یاء کے ماقبل کو کسرہ دے دیا گیا تو علامت رفع جو کہ واو ہے لفظ میں باقی نہ رہی پس حالت رفع میں
اعراب تقدیری ہو گیا برخلاف نصب وجر کی حالت میں اس لئے کہ ادغام یاء کو اس کی حقیقت سے نہیں نکالتا
کیونکہ یاء مدغمہ بھی یاء ہی ہے۔

تشریح: — قوله عطف علی قولہ - یہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ نحو مسلمی کا عطف قاضی پر ہے اور قاضی چونکہ کاف
جار کا مدخول ہے اس لئے نحو مسلمی بھی کاف جار کا مدخول ہوا تقدیر عبارت یہ ہوتی کنحو مسلمی یہ استدراک کو مستثنیٰ
ہے کیونکہ جو معنی نحو کا ہے وہی معنی کاف کا ہے۔ حاصل ازالہ یہ کہ نحو مسلمی کا عطف کفایں پر ہے قاضی پر نہیں۔

قوله یعنی تقدیر الاعراب للاستثقال - اس عبارت سے دو سوالوں کے جوابات کی طرف اشارہ کیا
گیا ہے ایک سوال یہ کہ مسلمی کے ساتھ نحو کا ذکر فضول ہے کیونکہ تمثیل کے لئے کفایں کا کاف کافی ہے جب کہ تن میں
ایجاز و اختصار مقصود ہے دوسرا سوال یہ کہ ماقبل میں اعراب متعذر کی دو مثالیں بیان کی گئیں تھیں اور دونوں مثالیں
اعصاب بالحرکت کی تھیں اور یہاں اعراب ثقیل کی بھی دو مثالیں بیان کی گئیں ہیں لیکن ایک اعراب بالحرف کی اور دوسری اعراب
بالحرکت کی، البتہ کیوں کہ جواب سوال اول کا یہ ہے کہ مسلمی کے ساتھ نحو کا ذکر تمثیل کے لئے نہیں بلکہ یہ اشارہ کرنے کے لئے
ہے کہ قاضی میں تقدیر اعصاب از قبیل حركات ہے اور مسلمی میں از قبیل حروف ہے اور جواب سوال دوم کا
یہ ہے کہ اعراب متعذر چونکہ صرف اعراب بالحرکت کیساتھ خاص ہے اس لئے اس کی دو مثالیں ایک ہی نوع کی بیان
کی گئیں اور اعراب ثقیل اعراب بالحرکت کے علاوہ اعراب بالحرف میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے اس کی دو مثالیں دو نوع
کی بیان کی گئیں

قوله یعنی تقدیر الاعراب - ماقبل کی طرح یہاں بھی رفعاً کی قید اصرار ہے پس معنی یہ ہوا کہ مسلمی
میں اعراب تقدیری صرف رفع کی حالت میں ہے نصب وجر کی حالت میں نہیں اس لئے کہ جاء فی مسلمی میں مسلمی کے
اصل مسلوک یعنی وزن اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور واو دیا ایک جگہ جمع ہوں جن میں سے پہلا حرف ساکن ہے
تو بولنے میں واو ثقیل ہوتا ہے اس لئے اسی صورت میں واو کو یاء سے بدل کر یاء مدغم کر دیتے ہیں اور ماقبل میں
اگر ضمہ ہو تو اس کو کسرہ سے بدل دیتے ہیں پس مسلمی میں رفع کی حالت میں اعراب لفظی واو ساکن ہے جس کے بعد یاء
موجود ہے اس لئے وہ واو بولنے میں ثقیل ہے اس کو یاء سے بدل کر جب یاء میں مدغم کر دیا گیا تو واو مفلوطہ رہا
اور اعراب تقدیری ہو گا اور نصب وجر کی حالت میں اعراب لفظی یاء ہے اور ایک جگہ دو یاء جمع ہوں تو بولنے میں یاء
ثقیل نہیں ہوتی جیسے مکی و مدنی۔

وقد یكون الاعراب بالحرف تقدیراً فی الاحوال الثلاث فی مثل جاء فی ابو القوم و ما تبت ابی القوم
ومررت ابی القوم فانہ لما سقط حرف الاعراب عن اللفظ بالتقاء الساکنین لم یبق الاعراب
لفظاً بل صار تقدیراً

ترجمہ: — اور کبھی اعراب بالحرف جار فی ابو القوم و ما تبت ابی القوم و مررت ابی القوم کی مثل میں تین حالتوں
میں تقدیری ہوتا ہے اس لئے کہ جب حرف اعراب التقاء ساکنین کی وجہ سے لفظ سے ساقط ہو گئے تو اعراب

لفظ میں باقی نہ رہا بلکہ تقدیری ہو گیا

تشریح: — قولہ قد یكون الاعراب یعنی اعراب بالحدوف جس طرح حرف ایک یعنی رنح کی حالت میں تقدیری ہوتا ہے اسی طرح تینوں حالتوں میں بھی تقدیری ہوتا ہے مثلاً جارنی ابوالقوم درایت ابوالقوم ومرت بابی القوم میں اعراب بالحدوف جب اجتماع سائنین کی وجہ سے لفظ سے ساقط ہو گیا تو اب وہ لفظی نہ رہا بلکہ تقدیری ہو گیا اس قسم کو اس نے بیان نہیں کیا گیا کہ وہ قلیل الوقوع ہے۔

واللفظی أى الاعراب المتلفظ به نیما عد او یعنی نیما عد اما ذکر ما تعدر نیما الاعراب أو استقلاله ولما ذکر فی تفصیل العرب المنصرف وغير المنصرف وکان غیر المنصرف اقل من المنصرف ولیمعرفته یعرف المنصرف علی قیاس الاعراب التقديری واللفظی عرف غیر المنصرف واللفظی یعرف غیر المنصرف

ترجمہ: — اور لفظی، یعنی وہ اعراب جس کا لفظ کیا جائے (اس کے علاوہ میں ہوتا ہے) یعنی اس مذکور اعراب لفظی کے علاوہ میں ہوتا ہے جس میں اعراب متعذر یا قلیل ہوتا ہے اور جب مصنف نے عرب کے تفصیل میں منصرف و غیر منصرف کو بیان فرمایا اور غیر منصرف، منصرف سے قلیل تھا اور غیر منصرف کی تعریف سے منصرف کی تعریف اعراب لفظی و تقدیری کے قیاس پر ہو جاتی ہے تو انہوں نے غیر منصرف کی تعریف بیان کی اور اس کی تعریف پر اکتفا کیا پس فرمایا

تشریح: — قولہ أى الاعراب۔ الاعراب کے تقدیری وجہ یہ ہے کہ اللفظی چونکہ اسم منسوب ہے اور اسم منسوب صفت واقع ہوتا ہے اور صفت کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور اللفظی جب صفت ہے تو اس کا موصوف ہونا چاہئے اس لئے اس سے پہلے الاعراب موصوف مقدم مانا گیا اور ماقبل میں التقدير چونکہ اسم منسوب نہیں اس لئے اس کے لئے موصوف نہیں بلکہ مضاف الیہ مقدم مانا گیا جب کہ موصوف کی تقدیر بھی صحیح ہے جیسا کہ شارح ہندی کے کلام سے عیاں ہے۔

قولہ المتلفظ به۔ اس عبارت سے بھی جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب لفظی کو اعراب تقدیری کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے جب کہ متقابلین میں سے ایک دوسرے کو شامل نہیں ہوتا اور یہاں اعراب تقدیری کو اعراب لفظی شامل ہے کیونکہ اعراب تقدیری مذکورہ بالا چار مقاموں میں آیا جاتا ہے جن کو اعراب لفظی بھی شامل ہے کیونکہ اعراب لفظی سے مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور ضمہ و فتح و کسر جو مذکورہ بالا چار مقاموں میں فرض

کیا جاتا ہے لفظی حکمی میں کیونکہ ان پر اعراب لفظی حقیقی کے احکام جاری ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ بطور وضع فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دال ہوتے ہیں جس طرح لفظی حقیقی دال ہوتا ہے مثلاً جارنی زید میں زید پر جس طرح اعراب لفظی حقیقی فاعلیت پر دال ہے اسی طرح جارنی موسیٰ میں موسیٰ کا ضمہ تقدیری بھی فاعلیت پر دال ہے جواب یہ کہ اللفظی یہاں بمعنی المتلفظ بہ ہے جو صرف اعراب لفظی حقیقی ہوتا ہے حکمی نہیں جیسا کہ قرینہ تقابل اس پر دال ہے قولہ یعنی نیما عد ۲۔ اس عبارت سے اس دہم کا ازالہ ہے کہ نیما عد ۱ میں ہا ضمہ کا مرجع چونکہ ما تعدر دال استقلال ہیں اس لئے اس کو مفرذ نہیں بلکہ تشبیہ لانا چاہئے حاصل ازالہ یہ کہ اس کا مرجع ما تعدر دال استقلال نہیں بلکہ ما ذکر ہے جس سے مراد وہی دونوں ہیں اور ظاہر ہے ما ذکر مفرذ ہے تشبیہ نہیں۔

قولہ ولما ذکر۔ اس عبارت سے تین سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں اور ان میں سے تیسرا سوال دوسرے سوال کے جواب سے پیدا ہوتا ہے پہلا سوال یہ کہ اعراب لفظی و تقدیری کے بعد غیر منصرف کو بیان کیا گیا جب کہ اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں دوسرا سوال یہ کہ غیر منصرف کی تعریف سے پہلے منصرف کی تعریف بیان کرنی چاہئے کیونکہ منصرف اصل ہے اور اصل مستحق تقدیم ہوتی ہے جواب سوال اول کا ما ذکر فی تفصیل سے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ عرب کی تفصیل میں منصرف و غیر منصرف کا بیان تھا یعنی فالمرکز المنصرف میں منصرف کا اور غیر المنصرف بالضمہ میں غیر منصرف کا لیکن وہاں تعریف کو بیان نہیں کیا گیا تھا اس لئے یہاں اسکی تعریف کو بیان کیا جاتا ہے جواب سوال دوم کا بمعرفہ یعرف سے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ منصرف اگرچہ غیر منصرف سے اصل ہے لیکن چونکہ منصرف کی تعریف غیر منصرف کی تعریف سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ منصرف، غیر منصرف کی ضد ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد معلوم ہو جاتی ہے جیسے مشہور ہے تعرف الاشياء بأضدادها یعنی شئی ضدوں سے پہچانی جاتی ہے اس لئے پہلے غیر منصرف کی تعریف بیان کی گئی پھر منصرف کی تیسرا سوال یہ کہ اس کا برعکس یہ کیوں نہیں کیا گیا کہ پہلے منصرف کی تعریف بیان کی جائے جس سے غیر منصرف کی تعریف معلوم ہو جائے جواب اس کا دکان غیر المنصرف سے دیا گیا جس کا حاصل یہ کہ غیر منصرف چونکہ منصرف کی نسبت قلیل ہے کیونکہ وجود غیر منصرف کے لئے شرائط کا ہونا ضروری ہے جن سے منصرف مستثنی ہوتا ہے اور ظاہر ہے جس کے لئے شرائط ہوں وہ قلیل الوقوع ہوتا ہے اور قلیل سے تشریح معرفت باسانی ہوتی ہے دوسرا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ منصرف کی تعریف عدی ہے اور غیر منصرف کی ردی اور وجودی تصور میں پہلے ہوتی ہے اس لئے پہلے غیر منصرف کی تعریف بیان کی گئی۔ خیال رہے کہ منصرف سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے نقص و زیادہ ہونا اور اس کیساتھ منصرف کو مناسبت یہ ہے کہ وہ زیادت اعراب یعنی تنوین پر مشتمل ہوتا ہے زیادت ممکن کیساتھ متصف ہوتا ہے اسی عدم اتصاف کی وجہ سے غیر منصرف کو غیر منصرف کہا جاتا ہے

غیر المنصرف

مَا أَيْ اسْمٌ مُعْرَبٌ فِيهِ عِلَّتَانِ تَوْثَرَانِ بَا جَمَاعَةٍ وَأَسْتَجْمَاعٌ شَرَاظُهُمَا فِيهِ أَتَرَأُ سَبْغِي ذِكْرُ
مَنْ عِلَّتْ شَيْءٌ أَوْ عِلَّتْ وَاحِدٌ مِنْهَا أَيْ مِنْ تِلْكَ السَّعَةِ تَقَوْمُ هَذِهِ الْعِلَّةُ الْوَاحِدَةُ مُقَامَ هُمَا
أَيْ مُقَامَ هَاتَيْنِ الْعِلَّتَيْنِ بَأَن تَوْثَرٌ وَحْدٌ هَا تَأْثِيرُهُمَا

ترجمہ: — (غیر منصرف وہ) یعنی اسم معرب رہے جس میں دو علتیں ہوں، جو اپنے اجتماع اور اپنی شرائط کو جانے کی وجہ سے اسم معرب میں اثر کریں جس کا ذکر عنقریب آئیگا۔ دین علتوں میں سے (یا ایک) علت درہوان میں سے، یعنی ان دو علتوں میں سے (جو) وہ ایک علت قائم مقام دو کے ہو، یعنی قائم مقام ان دو علتوں کے اس طریقہ سے ہو کہ تنہا ان دو کا اثر کرے

تشریح: — قولہ ائی اسم معرب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غیر منصرف کی تعریف میں ضربت داخل ہونا ہے کیونکہ اس میں بھی دو علتیں پائی جاتی ہیں ایک وزن فعل اور دوسری تائیت حالانکہ وہ ملتی ہے اسی طرح حضارہ بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ حضارہ میں ایک علت علمیت پائی جاتی ہے اور دوسری تائیت اس لئے کہ وہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو بحرہ اور بحارہ کے درمیان واقع ہے جب تک وہ ملتی ہے جواب یہ کہ تعریف میں ما سے مراد اسم معرب ہے اور ضربت اسم ہی نہیں بلکہ فعل ہے اور حضارہ محکم تو ہے لیکن معرب نہیں بلکہ ملتی ہے۔

قولہ تَوْثَرَانِ بَا جَمَاعَةٍ۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ قبلی کو اگر کسی شخص کا علم قرار دیا جائے تو اس طرح مصایح کو بھی تو ہر ایک میں دو علتیں پائی جائیں گی اول میں علمیت و تائیت پائی جائیں گی اور دوم میں علمیت و صیغہ مشبہی مجموعہ پس ان دونوں کو غیر منصرف کی پہلی قسم میں شمار کرنا چاہئے جس میں دو علتیں ہوتی ہیں حالانکہ ان کو دوسری قسم میں شمار کیا جاتا ہے جس میں ایک علت قائم مقام دو علت کے ہوتی ہے جواب یہ کہ علتان سے مراد وہ دو علت ہیں جو غیر منصرف میں موثر ہوں اور ظاہر ہے علمیت۔ الف تائیت اور صیغہ مشبہی مجموعہ کے ساتھ موثر نہیں ہوتی پس دونوں میں ایک ہی علت ہوتی جو دو علت کے قائم مقام ہوتی ہے تو وہ دوسری قسم سے ہوتے۔

قولہ وَأَسْتَجْمَاعٌ شَرَاظُهُمَا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں لفظ زوج داخل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی دو علتیں پائی جاتی ہیں جو دونوں موثر ہیں ایک بحرہ اور دوسری علمیت حالانکہ مذہب مختار پر اس کو منصرف پڑھا جاتا ہے جواب یہ کہ دونوں کا علت موثر ہونے سے مراد یہ ہے کہ دونوں اپنی شرائط کے ساتھ موجود ہوں اور بحرہ کی شرط یہ ہے کہ اس کا وسط متحرک ہو یا تین حرف سے زائد ہو اور لفظ زوج میں دونوں مفقود ہیں اس کا وسط متحرک ہے اور نہ تین حرف پر زائد ہے اس لئے وہ منصرف پڑھا جاتا ہے۔

قولہ عِلَّتْ۔ اس عبارت سے علامہ رضی کے اس قول کا رد ہے کہ تن میں تسع کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی تسع عِلَّتْ۔ رد کا حاصل یہ کہ تسع کا مضاف الیہ نہیں بلکہ موصوف محذوف ہے یعنی عِلَّتْ تسع کیونکہ اگر مضاف محذوف ہو تو اس کے معطوف آؤ واحدہ میں بھی واحدہ کا مضاف الیہ محذوف ہونا چاہئے یعنی آؤ واحدہ علیہ جب کہ یہ بابتہ باطل ہے کیونکہ عدد کا مضاف الیہ تیز واقع ہوتا ہے اور واحدہ دانتین کی تیز ہی نہیں ہوتی۔

قولہ بَأَن تَوْثَر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علت کو قیام کیسا ہو موصوف کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ قیام کا معنی کھڑا ہونا ہے جو اجسام کی صفت ہے اور اجسام جو ہر ہوتے ہیں اور علت عرض ہوتی ہے۔ جواب یہ کہ قیام سے یہاں تاثر مراد ہے جو اجسام کی صفت نہیں کیونکہ اجسام کی صفت قیام بمعنی ایستادن ہے پس معنی ہوا کہ ایک علت دو علت جیسی تاثر کرتی ہو پس تعریف میں ما بمنزلہ جس ہے جس میں تمام اسماء معرب منصرف و غیر منصرف داخل ہیں اور نہ علتان بمنزلہ متصل ہے جس سے منصرف خارج ہو گیا۔

خیال رہے کہ علل قد میں سے ہر ایک علت ناقصہ ہے اور دو علت کا مجموعہ علت تامہ ہے جیسا کہ لفظ تقریب کی شرح سے ظاہر ہے کیونکہ ایک ہی علت اگر علت تامہ ہو تو غیر منصرف کا تحقق اسی ایک علت سے ہو جاتا چاہئے حالانکہ اس کا تحقق دو علتوں سے ہوتا ہے۔ اور علت ناقصہ سے مراد ما ہے کہ حقیقہ ہو یا حکماً پس غیر منصرف کی پہلی قسم میں دونوں علتوں کا تحقق حقیقہ ہوتا ہے اور دوسری قسم میں ایک علت کا تحقق حقیقہ ہوتا ہے اور دوسرے کا حکماً۔

وَقَدْ أَيْ الْعِلَلُ السَّعَةُ جَمْعٌ مَّا فِي هَذَيْنِ الْبَيْتَيْنِ مِنَ الْأُمُورِ السَّعَةِ لَا كُلَّ وَاحِدٍ مَّا يَقَالُ لَا يَصِحُّ
الْحُكْمُ عَلَى الْعِلَلِ السَّعَةِ بَكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هَذَيْنِ الْأُمُورِ

ترجمہ: — (اور وہ) یعنی وہ دو علتیں اس کا مجموعہ ہیں جو ان دونوں شعروں میں تو امور میں سے ہیں نہ کہ ہر ایک

یہاں تک کہ کہا جائے کہ ان نوامور میں سے ہر ایک کا ان نوعلتوں پر حکم لگانا صحیح نہیں۔

تشریح :- قولہ أَيُّ الْعِلَلِ السَّعِ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تین میں سے کون سی علت تسمیہ ہے اور خبر عدل و وصف وغیرہ میں سے ہر ایک ہے پس یہ لازم آئے گا کہ ہر ایک نوعلتیں ہیں یعنی عدل نوعلتیں ہیں وصف نوعلتیں ہیں وغیرہ جواب یہ کہ یہ محذور اس وقت لازم آئے گا جب کہ حکم عطف پر مقدم ہو یعنی ہر ایک کو خبر قرار دیا جائے حالانکہ عطف حکم پر مقدم ہے یعنی معطوف علیہ کو تمام معطوفات سے ملانے کے بعد ہی مجموعہ کو خبر قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ عدل تمام معطوفات سے مل کر نوعلتیں ہیں۔ سوال جب کہ مجموعہ خبر ہے ہر ایک نہیں تو پھر ہر ایک پر جدا جدا اعراب کیوں آئے ہیں صرف ایک اعراب مجموعہ کے آخر میں ہونا چاہئے تھا۔ جواب یہ کہ مبتدا چونکہ باعتبار معنی متعدد ہے اس لئے خبر کے ہر جز پر اعراب دیا جاتا ہے

وَذَلِكَ الْجَمْعُ شَعْرٌ - عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَثَانِيَةٌ وَمَعْرِفَةٌ - رَجْعَةٌ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْكِيْبٌ وَالْعَدْلُ وَلَوْ فِي عَطْفٍ هَاتَيْنِ الْعَلَتَيْنِ مِنَ الْوَاوِ اِلَى ثُمَّ لَمْ يَجِدْ الْمَحَافِظَةَ عَلَى الْوَتَرَيْنِ وَالنُّونَ زَائِدَةً مِنْ قَبْلِهَا الْفُ - وَنُونٌ فَعِلٌ وَهَذَا الْقَوْلُ تَقْرِيبٌ فَقَوْلُهُ زَائِدَةٌ مَنْصُوبٌ عَلَى اَنْتَ حَالٌ اِذَا الْمَعْنَى وَتَمَنُّعُ النُّونِ الْعَرَفُ حَالٌ كَوْنِهَا زَائِدَةً وَقَوْلُهُ الْفُ فاعِلٌ الظَّرْفُ اَعْنَى مِنْ قَبْلِهَا اَوْ مَبْتَدَأُ الْخَبَرِ الْظَّرْفُ الْمَقْدَمُ

ترجمہ :- اور وہ مجموعہ شعر ہے۔ (عدل اور وصف اور ثانیہ اور معرفہ۔ اور رجعت پھر جمع پھر ترکیب) اور خبر و ترکیب کی علتوں کے عطف میں واو سے ثم کی طرف عدول محض وزن شعر کی حفاظت کے لئے ہے۔ (اور نون و ال بحالیہ الف اس سے پہلے زائد ہوا اور وزن فعل میں اور یہ قول تقریبی ہے) پس مضاف کا قول زائدہ بنا ہے مضاف ہے کیونکہ معنی ہے کہ نون صرف کو منع کرتا ہے اس حال میں کہ لڑن زائدہ ہے اور مضاف کا قول الف ظرف یعنی من قبلہا کا فاعل ہے یا وہ مبتدا ہے جس کی خبر ظرف مقدم ہے

تشریح :- قولہ وَذَلِكَ الْجَمْعُ۔ یعنی علت تسمیہ کا مجموعہ یہ دونوں بیت ہیں جس کے قائل ابو سعید انباری ہیں۔ ان دونوں سے پہلے ایک بیت یہ بھی ہے مَوَالِغُ الصَّرَفِ تَسْعُ كَلِمًا اَجْمَعَتْ۔ ثنائین ضمایف الصَّرَفِ تصویب۔ یعنی موانع صرف میں سے در سبب جس اسم میں جمع ہو جائے وہ اسم غیر منصرف ہو جائیگا۔ اس بیت کا مفہوم چونکہ تشریف سے ظاہر تھا اس لئے یہاں اس کو چھوڑ دیا گیا اور اس لئے بھی کہ اس میں غیر منصرف کی صرف ایک قسم کا ملاحظہ بیان ہے دوسری قسم کا نہیں یعنی یہ ملاحظہ مذکور نہیں کہ ایک علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہو

اسم غیر منصرف ہو جائیگا اگرچہ شاعری مراد عام ہے کہ دوعلتیں حقیقتہً ہوں یا حکماً اور جو علت دو علتوں کے قائم مقام ہو وہ حکماً دو علت ہوتی ہے۔

فیال رہے کہ تین میں دو نون بیت کی ابتداء عدل سے ہے دہی سے نہیں جیسا کہ متبادر ہے۔ قولہ وَالْعَدْلُ وَلَوْ فِي۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ثم ترائی کے لئے آتا ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ پانچ علتوں کے بعد جمع علت ہے اور جمع کے بعد ترکیب علت ہے حالانکہ ہر ایک علت متساوی الاقدام ہے یعنی دوسری علتوں کی طرح جمع و ترکیب بھی مستقل علت ہیں۔ جواب یہ کہ ثم یہاں بمعنی واو ہے اور واو سے ثم کی طرف عدول ضرورت شعری کی وجہ سے کیا گیا ہے تاکہ وزن محفوظ رہے اور معرہ وزن سے نہ گر جائے۔

قولہ فَقَوْلُهُ زَائِدَةٌ۔ یہ جواب اس سوال کا کہ مضاف کے قول زائدہ کو اگر النون کی صفت قرار دیکر مرفوع پڑھا جائے تو جائز نہیں کیونکہ اس تقدیر پر موصوف معرہ ہوگا اور صفت نکرہ جو ممنوع ہے اور اگر اس کو النون سے حال قرار دیکر منصوب پڑھا جائے تو بھی جائز نہیں اس لئے کہ ذوالحال فاعل ہوتا ہے یا مفعول اور النون نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ باعتبار عطف ہی کی خبر ہے جواب یہ کہ زائدہ منصوب ہے اس بنا پر کہ وہ النون سے حال واقع ہے کیونکہ وہ اگرچہ بظاہر خبر باعتبار عطف ہے لیکن حقیقتہً فاعل ہے اس لئے کہ اس کا معنی یہ ہے جمع النون المعروف حال کو نہ زائدہ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زائدہ صفت ہو اور النون اس کا موصوف لیکن نون پر لام تعریف عہد نہی کا ہوگا جس کا مدخل نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

قولہ فَقَوْلُهُ الْفُ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ الف فاعل ہے من قبلہا ظرف کا اصل عبارت یہ ہے ثبت من قبلہا الف اور بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ الف مبتدا مؤخر ہے اور من قبلہا ظرف اس کی خبر مقدم ہے اصل عبارت یہ ہے الف ثابت من قبلہا پس بتقدیر اول جملہ فعلیہ ہوگا اور بتقدیر دوم جملہ اسمیہ ہوگا۔

وَلَا يُخْفَى اَنْتَ لَا يُفْهَمُ مِنْ هَذَا التَّوْجِيْهِ زِيَادَةُ الْاَلِفِ مَعَ اَنْهَا اَيْضًا زَائِدَةٌ وَلِهَذَا اِيْتِيَ عَنْهُمَا بِالْاَلِفِ وَالنُّونِ الزَّائِدَتَيْنِ وَوُجُعِلَ الْاَلِفُ فاعِلًا لِقَوْلِهِ زَائِدَةٌ وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقًا بِالزِّيَادَةِ وَارِيدَ بِزِيَادَةِ الْاَلِفِ قَبْلَ النُّونِ اَشْتِرَاكُهُمَا فِي وَصْفِ الزِّيَادَةِ وَتَقَدَّمَ الْاَلِفُ عَلَيْهِمَا فِي هَذَا الْوَصْفِ فَهَمَزُ زِيَادَتِهَا جَمِيعًا وَهَذَا كَمَا اِذَا قُلْتَ جَاءَ زَيْدٌ اَكْبَا مِنْ قَبْلِهِ اخُوَةٌ فَانْتَهَى يَدُلُّ عَلَى اَنْتَرَاكِهِمَا فِي وَصْفِ التَّرْكُوبِ وَتَقَدَّمَ اَخِيَاءُ عَلَيْهِ فِي هَذَا الْوَصْفِ

ترجمہ: — اور مخفی نہ رہے کہ اس توجہ سے الف کا زائد ہونا متصور نہیں ہوتا۔ حالانکہ الف بھی زائد
اسی وجہ سے دونوں کو الف و ذن زائد مان کے ساتھ تغیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر الف کو مصنف کے قول زائدہ کا
قرار دیا جائے اور طرف زیادت کیساتھ متعلق ہو اور الف کا ذن سے پہلے زائد ہونے سے دونوں کا وصف زیادت
میں شریک ہونا اور الف کا وصف زیادت میں ذن سے پہلے ہونا مراد لیا جائے تو دونوں کا ایک ساتھ زیادہ
ہونا متصور ہوتا ہے اور یہ توجہ اس مقولہ کے مشابہ ہے جسے آپ کہیں گے جاز زید من قبلہ اخوہ کا پس وہ زید
اور اس کے بھائی کا وصف مذکور میں اور اس وصف میں زید کے بھائی کا زید پر مقدم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
تشریح: — قولہ ولا یعنی اس عبارت سے من قبلہ الف کی مذکورہ بالا دونوں توجہوں پر سوال پھر اس
کا جواب دیا گیا ہے سوال لا یعنی سے کیا گیا ہے اور جواب و نوجعل الف سے دیا گیا ہے۔ سوال یہ کہ دونوں توجہ
پر یہ معنی ہوتا ہے کہ منصرف ہونے کو منع کرتا ہے ذن اس حال میں کہ ذن زائد ہے جس سے پہلے الف۔ اس سے
صرف ذن کی زیادتی سمجھ میں آتی ہے الف کی نہیں حالانکہ ذن کی طرح الف بھی زائد ہے اسی وجہ سے الف ذن
زائد مان کہا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ من قبلہ الف کی اصل توجہ وہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ زائدہ شبہ فعل ہے اور الف
اس کا فاعل ہے اور من قبلہ طرف زائدہ کے ساتھ متعلق ہے معنی یہ ہوگا کہ منصرف ہونے کو منع کرتا ہے ذن اس
حال میں کہ ذن سے پہلے الف زائد ہے اس تقدیر پر الف و ذن دونوں کی زیادتی سمجھ میں آتی ہے
قولہ و هذا لکما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اس توجہ پر بھی صرف الف کی زیادتی مراد سمجھ میں
آتی ہے ذن کی نہیں اس لئے کہ زائدہ شبہ فعل کا فاعل صرف الف ہے ذن نہیں۔ جواب یہ کہ اس توجہ پر ذن
کی زیادتی بھی مراد سمجھ میں آتی ہے اس لئے کہ عرف میں ہے کہ ایک چیز سے پہلے دوسری چیز کسی صفت کے ساتھ
موصوف ہو تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس صفت کیساتھ دونوں چیزیں موصوف ہیں لیکن ایک چیز پہلے
موصوف ہے اور دوسری چیز اس کے بعد موصوف ہے مثلاً علم زید قبل بکر سے یہ متصور ہوتا ہے کہ علم زید
قبل علم بکر اسی طرح جاز زید را کیا من قبل اخوہ سے یہ متصور ہوتا ہے کہ جاز زید را کیا من قبل اخوہ
اسی طرح تمنع النون العرف زائدہ من قبلہ الف سے تمنع النون العرف زائدہ من قبل زیادتها الف سے
مستفاد ہوتا ہے۔

وقوله وهذا القول تقریب یعنی ان ذکر العلل بصورة التعلیم تقریب لھا الى الحفظ لا ان حفظ التعلیم
سئل أو القول بان كل واحد من الأمور التسعة عللة قول تقریب لا تحقیق اذ العللة فی
الحقیقة اثباتی منها لا واحد أو القول بانھا تسع تقریب لھا الى الصواب لان فی عددها

خلافی نقال بعضهم انها تسع وقال بعضهم اثنان وقال بعضهم احدى عشر لكن القول بانھا تسع
تقریب لھا الى ما هو الصواب من المذاهب الثلاثة

ترجمہ: — اور مصنف کے قول و هذا القول تقریب سے مراد یہ ہے کہ علتوں کو نظم کی صورت میں ذکر کرنا ان
کو حفظ کی طرف قریب کر دینا ہے اس لئے کہ نظم کو یاد کرنا زیادہ آسان ہے یا یہ قول کرنا کہ امور تسع میں سے ہر
ایک علت ہے قول تقریبی ہے۔ تحقیقی نہیں اس لئے کہ علت حقیقہ ان علتوں میں سے دو ہیں ایک نہیں
یا یہ قول کرنا کہ علتیں نو ہیں درستگی کی طرف قریب کر دینا ہے کیونکہ ان کی تعداد میں اختلاف ہے بعض مخبروں نے
دو علتوں کا قول کیا ہے اور بعض نے گیارہ کا لیکن یہ قول کرنا کہ نو ہیں ان تین مذہبوں میں سے جو حق ہے اس کی
طرف قریب کر دینا ہے۔

تشریح: — قولہ و قوله هذا۔ اس عبارت سے شعر میں تقریب کے معنی کی تین توجہ بیان کی گئی ہیں
ایک یہ کہ یہ قول جو منظوم ہے علل تسع کو حفظ سے قریب کر دینے والا ہے کیونکہ شعر کے مقابل میں نظم کو یاد کرنا،
آسان ہے پس اس تقدیر پر تقریب بمعنی مقرب اسم فاعل ہوا۔ دوسری توجہ یہ کہ امور تسع میں سے ہر ایک
کو علت قرار دینا قول تقریبی ہے۔ تحقیقی نہیں اس لئے کہ اسم کے غیر منصرف ہونے کے لئے حقیقہ دو علتیں ہوتی
ہیں ایک نہیں۔ اس تقدیر پر تقریب دراصل تقریبی یا نسبت کیساتھ ہے جس کا معنی ہے غیر تحقیقی یعنی
بجازی میری توجہ یہ کہ اسم کے غیر منصرف ہونے کیلئے جو نو علتیں بیان کی گئیں ہیں حق و صواب سے زیادہ
قریب ہے اس لئے کہ علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے بعض مخبروں نے نو علتوں کا قول کیا ہے اور بعض نے
دو کا اور بعض نے گیارہ کا پس اگر دو علتوں کو مانا جائے تو تفریط ہے اور اگر گیارہ کو مانا جائے تو افراط
ہے اور دونوں کو مانا جائے تو غیر مناسب ہے اس لئے خیر الامور اوسطھا کے طور پر نو علتوں کو قرار دیا
گیا جو حق سے زیادہ قریب ہے

قولہ فقالے۔ نو علتیں تو تین میں مذکور ہو چکیں لیکن دو علتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حکایت
ہو دوسری یہ کہ ترکیب ہو پس جس اسم میں بھی ان دونوں میں سے کوئی ایک ہوگا تو وہ غیر منصرف ہو جائے
گا۔ کیونکہ حکایت نام ہے نقل من الفعل الى الاسم کا یعنی فعل سے اسم کی طرف منقول ہو جانے کا پس اس تقدیر
پر حکایت صرف وزن فعل میں پائی جائیگی جب کہ وہ وصف کے ساتھ ہو جسے اعلم بالعلیت کے ساتھ ہو جسے
بزیادہ کیونکہ دونوں حکایت تعلیت کے طریقہ پر غیر منصرف کہ جس طرح ان پر منقول ہونے سے پہلے کسرہ و تنوین

کا دخول نہیں ہوتا تھا اسی طرح منقول ہونے کے بعد بھی دخول نہیں ہوتا ہے اور ترکیب باقی علتوں میں پای جائیگی لیکن اختلاف معنی کے ساتھ تانیث یا تار میں بایں طور کہ وہ علیت کے ساتھ متحقق ہے اور تانیث یا تار مقصورہ و ممدودہ میں بایں طور کہ اسم کے ساتھ متحقق ہے اور عدل میں بایں طور کہ وہ علیت کے ساتھ متحقق ہے جیسے عمر میں بار و صفت کیساتھ متحقق ہے جیسے ثلث و شلث میں اور جمع میں بایں طور کہ وہ بمنزلہ دو جمع ہے اور الف نون زائد تان میں بایں طور کہ علیت کے ساتھ متحقق ہے جیسے عمران میں بار و صفت کیساتھ متحقق ہے جیسے سکران میں اور عجم میں بایں طور کہ علیت کے ساتھ متحقق ہے جیسے بلایم میں اور ترکیب میں بمعنی معروف یعنی میرورہ کلین او اکثر کلمۃ واحدة من غیر حریفہ جزیر۔

قولہ وقال۔ جن گیارہ علتوں کا غیروں نے جو قول کیا ہے ان میں سے نو تو وہی ہیں جو تن میں مذکور ہیں اور دسواں مراعات اصل ہے جیسے احمد جب کہ وہ کسی کا علم بنا دیا جائے پھر نکرہ کر دیا جائے تو غیر متصرف ہو جائیگا اس لئے کہ اس میں ایک سبب وزن نعل ہے اور دوسرا مراعات اصل ہے وصف نہیں اس لئے کہ وہ علیت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے کیونکہ دونوں میں منافات ہے اور جو ساقط ہو جائے وہ پھر واپس نہیں آتا۔ گیارہواں علت تانیث کے الف مقصورہ کی مشابہت ہے۔ اس سے وہ الف مقصورہ مراد ہے جو تانیث کے لئے نہ ہو اور کسی اسم کے آخر میں زیادہ کر کے اس اسم کو علم بنا دیا گیا۔ عام ہے کہ وہ الف الحاق کیلئے ہوا الحاق کیلئے نہ ہو الحاق کی مثال انٹی ہے وہ اس درخت کو کہتے ہیں جس سے وباغت دی جاتی ہے اس کے آخر میں الف کو جعفر کیساتھ لاتی کرنے کے لئے اضافہ کیا گیا ہے۔ اور غیر الحاق کی مثال بشری ہے اس کے آخر میں الف زائد ہے لیکن الحاق کے لئے نہیں کیونکہ کوئی اسم سدا ہی نہیں ہوتا کہ جس کے ساتھ بشری کو ملحق مانا جائے۔

ههنا صلا هب آخر لتعداد العلل قد تركت لخوف الطوال

ثم ان الله ذكر امثلة العلل المذكورة على ترتيب ذكرها في البين فقال مثله مثل عمر مثال للعادل واحمد مثال للتوصف وطلحة مثال للتانيث وزياد مثال للمعرفة وفي ايراد ترتيب مثال لمعرفه بعد طلحة اشار الى قسمي التانيث اللفظي والمعنوي وابراهيم مثال للمجهول ومسجد مثال للجمع ومعد يكرب مثال للتركيب وعثمان مثال للالف والنون واحمد مثال لوزن الفعل

نوعه:۔ پھر مصنف علیہ الرحمہ نے علل مذکورہ کی مثالوں کو دو شعروں میں ان کے ذکر کی ترتیب پر بیان کیا کہ کے سر مایا ر جیسے عمر عدل کی مثال ہے (اور احمد) وصف فی مثال ہے (اور طلحہ) تانیث کی مثال ہے (اور زینب) معرفہ کی مثال ہے (اور معرفہ) کے لئے طلحہ کے بعد زینب کو مثال لانے میں تانیث کی دو قسموں لفظی و معنوی کی طرف اشارہ کرنا ہے (اور ابراہیم) عجم کی مثال ہے (اور مساجد) جمع کی مثال ہے (اور معد) ترکیب کی مثال ہے (اور عمران) الف و نون زائد تان کی مثال ہے (اور احمد) وزن نعل کی مثال ہے۔

تشریح:۔ قولہ ثم ان الله ذکر۔ اس عبارت سے دو سوالوں کے جوابات دیے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ غیر متصرف کی متعدد مثالیں دی گئی ہیں جب کہ ایک مثال سے بھی مقصود واضح ہو جاتا ہے دوسرا سوال یہ کہ نکرہ کے بعد احمد اور احمد کے بعد طلحہ الی آخرہ اس ترتیب بیان میں کیا راز ہے؟ جواب سوال اول کا آئندہ ذکر سے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ متعدد مثالیں متعدد مشابہت کی وجہ سے دی گئیں ہیں یعنی علتیں چونکہ نو ہیں اس لئے مثالیں بھی نو دی گئیں ہیں۔ جواب سوال دوم کا علی ترتیب ذکر سے دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ مثالوں کا بیان لف و نشر مرتب کے طور پر ہے یعنی دونوں شعر میں علل تسعہ کو جس ترتیب پر بیان کیا گیا ہے اسی ترتیب پر مثالوں کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ عدل کی مثال عمر ہے اور وصف کی مثال احمد ہے اور تانیث کی مثال طلحہ ہے اور معرفہ کی مثال زینب ہے اور عجم کی مثال ابراہیم ہے اور جمع کی مثال مساجد ہے اور ترکیب کی مثال معد ہے اور الف نون زائد تان کی مثال عمران ہے اور وزن نعل کی مثال احمد ہے۔

بیان تانہ مثل عمر۔ غیر متصرف زفر ہے جو غیر متصرف ہونے میں مثل عمر ہے اور مثل عمر جب کہ غیر متصرف ہے تو خود غیر بطریق اولی غیر متصرف ہوگا اور لفظ مثل کو اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ انحصار کا وہم زائل ہو جائے اور یہ منظور نہ ہو کہ جو اسم یہاں مذکور ہیں صرف وہی غیر متصرف ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔

قولہ وفي ايراد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ طلحہ جس طرح تانیث کی مثال ہے اسی طرح معرفہ کی بھی پھر طلحہ کے بعد زینب کو کیوں بیان کیا گیا؟ جواب یہ کہ اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی دوسری معنوی اور غیر متصرف کا سبب تانیث کی دونوں قسمیں ہیں

بیان تانہ معد یکرب۔ یہ ایک صحابی کا نام ہے جو ترکیب کی مثال واقع ہے وہ مرکب ہے ایک اسم معنوی اور دوسرا مرکب ہے، اس میں تین لغتیں ہیں لیکن ہر لغت میں متعدی یا ماسکن کے ساتھ ہے اور وہ اسم مفعول ہے مری کے وزن پر اور کرب نعل ماضی ہے جس کا مصدری معنی ہے زمین کھودنا اور مشہور ہے کہ کرب میں بار کو کسر ہے

وحکمہ ائی حکم غیر المنصرف والاثر المرتب علیہ من حیث اشتمالہ علی علتین اذ واحدہ منها لغیرہ
مقامہا ان لا کسرۃ فیہ ولا تنوین

ترجمہ: — اور اس کا حکم، یعنی غیر منصرف کا حکم اور وہ اثر جو غیر منصرف کی دو علتوں یا ایک علت
جو قائم مقام دو علت کے ہو پھر مشتمل ہونے کی حیثیت سے اس پر مرتب ہو (یعنی) اس میں ذکر نہ ہوگا اور
نہ تنوین

تشریح: — قولہ ائی حکم غیر المنصرف۔ غیر منصرف کی تعریف اور اس کی مثالوں کو بیان کرنے کے
بعد اب اس کے حکم کو بیان کیا جاتا ہے کیونکہ تعریف کی طرح حکم بھی موجب انکشاف ہوتا ہے۔ یہ عبارت
در حقیقت جواب ہے اس سوال کا کہ حکم اثر مرتب کو کہتے ہیں اور اثر مرتب کی اضافت مؤثر کی طرف ہوتی ہے
اور یہاں اس کی اضافت غیر منصرف کی طرف کی گئی ہے جبکہ مؤثر وہ نہیں بلکہ دو علت ہیں یا وہ ایک علت
جو دو علت کے قائم مقام ہے۔ جواب یہ کہ غیر منصرف اگرچہ اثر نہیں لیکن چونکہ وہ اس کا محل ہے یعنی دو علتوں
یا ایک علت کے اثر کا ظہور غیر منصرف پر ہی ہوتا ہے اس لئے اثر کی اضافت غیر منصرف کی طرف کر دی گئی
قولہ من حیث اشتمالہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف پر کسرہ و تنوین کے داخل نہ ہونے
کے علاوہ دوسرے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں مثلاً مرفوع ہونا۔ منصوب ہونا۔ مجرور ہونا۔ عوادل کے اختلاف
سے معرب کے آخر مختلف ہونا تو غیر منصرف کے حکم کل اثرات ہیں یا کوئی خاص اثر ہے جواب یہ کہ دو علت یا ایک
علت پر مشتمل ہونے کی حیثیت سے غیر منصرف پر جو اثر مرتب ہو صرف وہی اثر غیر منصرف کا حکم ہے اور وہ کسرہ
و تنوین کا داخل نہ ہونا ہے۔ دوسرے اثرات غیر منصرف پر اس حیثیت سے مرتب نہیں ہوتے بلکہ اس حیثیت
سے کہ وہ معرب ہے یا وہ فاعل یا مفعول یا مضاف الیہ ہے۔

قولہ فیہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لائے نفی جنس جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور وہ یہاں
کسرہ و تنوین پر داخل ہوا ہے جو دونوں مفرور ہیں۔ جواب یہ کہ کسرہ و تنوین کے بعد فیہ عبارت میں محذوف ہے
اور ان لا کسرۃ ولا تنوین میں پانچ صورتیں جائز ہیں جس طرح لاحول ولا قوۃ میں جائز ہیں۔ خیال رہے کہ
غیر منصرف پر کسرہ کا داخل نہ ہونا اگرچہ اعراب کے بیان ہی میں غیر المنصرف بالضمۃ والفتح کے تحت معلوم ہو چکا
تھا لیکن اس پر چونکہ تنوین کے داخل نہ ہونے کے متعلق معلوم نہ تھا اس لئے دونوں ایک ساتھ بیان کیا گیا

ناک حفظ وضبط میں آسانی ہو۔

وذلك لان لكل علة فرعية فاذا وقع في الاسم علتان حصل فيه فرعيتان فيشمله الفعل
من حيث ان له فرعيتين بالنسبة الى الاسم اجدلها انتقادا الى الفاعل واخرها اشتقاقا
من المصدر فمنع منه الاعراب المختص بالاسم وهو الجذ والتونين الذي هو علامة

ترجمہ: — اور وہ اس لئے کہ ہر علت کے لئے فرعیہ ہوتی ہے پس جب اسم معرب میں دو علت واقع
ہوں تو اس میں دو فرعیہ پیدا ہوں گی پس اس حیثیت سے وہ فعل کے مشابہ ہوگا کہ بہ نسبت اسم کے فعل کی
دو فرعیہ ہیں۔ ان میں سے ایک فعل کا فاعل کی طرف محتاج ہونا اور دوسرا فعل کا مصدر سے مشتق ہونا پس
اس اسم معرب سے وہ اعراب روک دیا جائیگا جو اسم کیساتھ خاص ہے اور وہ جو تنوین ہے جو ممکن
ہونے کی علامت ہے۔

تشریح: — قولہ وذلك۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غیر منصرف پر کسرہ و تنوین کے داخل نہ ہونے
کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ کہ غیر منصرف مشابہ فعل کے اور فعل پر کسرہ و تنوین داخل نہیں ہوتے اس لئے
غیر منصرف پر بھی کسرہ و تنوین داخل نہ ہوں گے لیکن فعل پر تنوین داخل نہ ہونے کی وجہ خواص اسم کے بیان
میں گذر چکی ہے کہ اس پر تنوین ترنم کے علاوہ کوئی تنوین داخل نہ ہوتی ہے۔ تفصیل تنوین کے بیان میں آئے
گی۔ لیکن اس پر کسرہ اس لئے داخل نہیں ہوتا کہ اس کے آخر میں جب یاہ متکمل لاحق ہوتی ہے تو یاہ کا
ما قبل کو کسرہ چاہتی ہے لیکن کسرہ نہیں دیا جاتا بلکہ اس کے لئے تنون دیا جاتا ہے جیسے ضربی واکرخی۔

لیکن غیر منصرف فعل کے مشابہ اس لئے ہے کہ ہر علت کسے چیز کی فسرع ہوتی ہے، عدل معدول عنہ کی فسرع
ہے اور تانیث تذکیر کی فسرع ہے پس غیر منصرف دو چیزوں کی فسرع ہوا اور فعل بھی دو چیزوں کی فسرع ہے
ایک فاعل اور دوسرا مفعول اس لئے کہ فعل بکن کلام میں اپنے فاعل کا محتاج ہوتا ہے اور مشتق ہونے میں مصدر
کا محتاج ہوتا ہے پس جب غیر منصرف بھی دو چیزوں کی فسرع ہے اور فعل بھی تو غیر منصرف فعل کے محتاج ہو گیا
اور جس طرح فعل پر کسرہ و تنوین داخل نہیں ہوتے اسی طرح غیر منصرف پر بھی داخل نہ ہوں گے۔

قولہ فیتبہ الفعل۔ اسم کی مشابہت فعل کیساتھ تین طرح ہوتی ہے را، اقویٰ وہ جو کہ اسم

میں نعل کا معنی پایا جاتا ہے جیسے اسماء افعال۔ اس تقدیر پر اسم، نعل کی طرح بنتی ہوتا ہے اور اسی کی طرح عمل کرتا ہے (۲) اوسط وہ جو کہ اسم میں نعل کے حروف اعلیہ پائے جاتیں اور بعض معنی نعل کے موافق ہو جیسے معاد و مشتقات۔ اس تقدیر پر اسم، نعل کی طرح عمل کرتا ہے لیکن بنتی نہیں ہوتا (۳) ادنیٰ وہ جو کہ اسم میں وصف فرمیت ہو جیسے غیر منصرف کہ وہ دو چیزوں کی فرع ہے اس تقدیر پر اسم نہ بنتی ہوتا ہے اور نہ نعل کی طرح عمل کرتا ہے بلکہ اس سے بعض خاصہ مطلوب ہو جاتا ہے یعنی اس پر کسرہ و تنوین داخل نہیں ہوتے

قولہ الذی هو علامة التکون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف پر بھی تنوین آسکتی ہے اس لئے کہ مثلاً مسلمات کو اگر کسی کا علم قرار دیا جائے تو تائید و علیت کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہو جاتا ہے اس کے باوجود اس پر تنوین آتی ہے۔ جواب یہ کہ تنوین سے یہاں مراد تنوین ممکن ہے اور مسلمات میں جو تنوین ہے وہ تنوین ممکن نہیں بلکہ تنوین مقابلہ ہے جو وزن جمع مذکر سالم کے مقابلہ میں آتی ہے

وَلَمَّا قُلْنَا كُلُّكُمْ فَرْعٌ لِّعَنْدِ الْعَدَلِ فَرْعُ الْمَعْدُولِ عَنْهُ وَالْوَصْفُ فَرْعُ الْمَوْصُوفِ وَالتَّائِيْدُ فَرْعُ التَّنْكِيرِ لِأَنَّكَ تَقُولُ قَائِمٌ ثُمَّ قَائِمَةٌ وَالتَّعْرِيفُ فَرْعُ التَّنْكِيرِ لِأَنَّكَ تَقُولُ رَجُلٌ ثُمَّ الرَّجُلُ وَالْبَيِّنَةُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ فَرْعُ الْعَرَبِيَّةِ إِذَا أَصْلُ فِي كُلِّ كَلَامٍ أَنَّ لَا يَخَالِطُهُ لِسَانٌ آخَرٌ وَالْوَاحِدُ وَالْمُرَكَّبُ فَرْعُ الْإِفْرَادِ وَالْإِلْفُ وَالتَّوْنُ الزَّائِدُ تِلْكَ فَرْعُ مَا زِيدَ تَعْلِيهِ وَتَوْنُ الْفِعْلِ فَرْعُ تَوْنِ الْأَسْمِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي كُلِّ نَوْعٍ أَنَّ لَا يَكُونُ فِيهِ التَّوْنُ الْمَخْتَصُّ بِنَوْعٍ آخَرَ فَذَا وَجَدَ فِيهِ هَذَا التَّوْنُ كَانَ نَوْعًا لَوْزَنَهُ الْأَصْلِي

ترجمہ: — اور ہم نے کہا کہ ہر علت کے لئے فرعیت ہے کیونکہ عدل فسرع ہے معدول عنہ کی اور وصف فسرع ہے موصوف کی اور تائید فرع ہے تنکیر کی کیونکہ آپ کہیں گے قائم پھر قائمہ اور تعریف فرع ہے تنکیر کی کیونکہ آپ کہیں گے رجل پھر الرجل اور کلام عرب میں فرع ہے لغت عربیہ کی اس لئے کہ ہر کلام میں اصل یہ ہے کہ اس کے ساتھ دوسری زبان کا اختلاط نہ ہو اور جمع فرع ہے واحد کی اور ترکیب فرع ہے افراد کی اور الف و تون زائد تان فرع ہیں جس پر وہ دونوں زیادہ کئے جاتیں اور وزن فعل فرع ہے وزن اسم کی کیونکہ ہر قسم میں اصل یہ ہے کہ اس میں اضافہ نہ ہو جو دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے پس جب یہ وزن اسم میں موجود ہوگا تو وہ فرع ہوگا اپنے وزن اصلی کی۔

ترجمہ: — قولہ واللہ اعلمنا۔ یہ اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ ہر علت کسی چیز کی فرع ضرور ہے جس کا حاصل یہ کہ عدل فرع ہے معدول عنہ کی کیونکہ جو اسم اپنے حال پر تفسیر ہوگی وہ اصل ہوگی اور جو اپنے حال پر برقرار نہ ہوگی وہ فسرع ہوگی اور عدل چونکہ معدول عنہ سے عدول کیا جاتا ہے اس لئے وہ فرع ہے معدول عنہ کی اسی طرح وصف فرع ہے موصوف کی کیونکہ وصف بغير موصوف کے پایا نہیں جاتا اور تائید خلقت و مرتبہ و تلفظ میں تنکیر کی فرع ہے لیکن اول و دونوں میں تو ظاہر ہے اس لئے کہ پہلے سیدنا آدم علیہ السلام کا وجود ہوا پھر سیدنا حوا علیہا السلام کا اور نبوت صرف مرد کو حاصل ہوئی عورت کو نہیں اور تلفظ میں اس لئے کہ پہلے قائم بولا جاتا ہے پھر قائمہ اور تعریف لفظ و معنی میں تنکیر کی فرع ہے لیکن تلفظ میں اس لئے کہ پہلے رجل بولا جاتا ہے پھر الرجل اور معنی میں اس لئے کہ تصور اجمالی، تصور تفصیلی پر مقدم ہے کیونکہ عام کے تصور کے ضمن میں خاص کا تصور ہوتا ہے اور کلام عرب میں لغت عربیہ کی فرع ہے اس لئے کہ ہر کلام میں اصل یہ ہے کہ اس کے ساتھ دوسری زبان کا اختلاط نہ ہو اور جمع فرع ہے واحد کی اس لئے کہ پہلے واحد موجود ہوتا ہے پھر جمع اور ترکیب فرع ہے افراد کی اس لئے کہ پہلے مفرد کا علم ہوتا ہے پھر مرکب کا اور الف و تون زائد تان فرع ہیں مازیدانہ کی جیسا کہ ظاہر ہے اور وزن فعل فسرع ہے وزن اسم کی اس لئے کہ ہر قسم میں اصل یہ ہے کہ اس میں الیاء وزن نہ ہو جو دوسری قسم کیساتھ خاص ہو پس جب کسی قسم میں دوسری قسم کا وزن پایا جائے تو یہ دوسری قسم کا وزن پہلی قسم کے لئے فرع ہوگا۔

وَبِمَعْرِزَائِي لَا يَمْتَنِعُ سِوَاءُ كَانُ ضَرُورِيًّا أَوْ غَيْرُ ضَرُورِيٍّ مَرَّةً أَوْ جَمْعَةً فِي حَكْمِ الْمَنْصَرَفِ بِإِذْخَالِ الْكُسْرَةِ وَالتَّوْنِ فِيهِ لِاجْتِنَابِ مَنْصَرَفٍ حَقِيقَةٍ فَاقْ غَيْرَ الْمَنْصَرَفِ عِنْدَ الْمَنْصَرَفِ مَا فِيهِ عِلَّتَانِ أَوْ وَاحِدٌ نَقُومُ مَقَامَهَا وَإِذَا خَالَ الْكُسْرَةُ وَالتَّوْنِ لَا يَكُونُ مَخْلُوعًا لَهَا وَتَقِيلُ الْمُرَادُ بِالْمَنْصَرَفِ مَعْنَاهُ اللَّغَوِيُّ لَا الْأَصْطِلَاحِي وَالْمَنْصَرَفُ فِي حَقِّهِ مَرَّاجِعٌ إِلَى حَكْمِهِ

ترجمہ: — (اور جائز ہے) یعنی حال نہیں خواہ ضروری ہو یا ضروری نہ ہو اس کو منصرف کے حکم میں کرنا، یعنی کسرہ و تنوین کو غیر منصرف پر داخل کر کے اس کو منصرف کے حکم میں کرنا نہ کہ حقیقت اس کو منصرف کرنا اس لئے کہ منصرف کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس میں دو علیش ہوں یا ایک علت جو دو علت کے قائم مقام ہو اور کسرہ و تنوین کے داخل ہونے سے اسم کا اپنی دونوں علتوں سے خالی ہونا لازم نہیں آتا ہے اور بعض نے کہا کہ صرف

سے مراد اس کا معنی لغوی ہے اصطلاحی نہیں اور صرف کی ضمیر محذوف کی طرف راجع ہے

تشریح: — قولہ آئی لا یمنع۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جو ضرورت کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا اگرچہ تناسب کی وجہ سے اولیٰ ہے لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے واجب ہے جب کہ جواز میں کرنا اور چھوڑنا دونوں برابر ہے۔ جواب یہ کہ جواز کا ایک معنی ہے سلب الوجوب یعنی واجب نہ ہونا اور دوسرا معنی ہے سلب الامتناع یعنی محال نہ ہونا اور تیسرا معنی ہے سلب الوجوب والا امتناع یعنی واجب و محال نہ ہونا اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے یعنی غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا محال نہیں ہے خواہ ضروری نہ ہو جیسے تناسب کے سبب یا ضروری ہو جیسے ضرورت شعری کے سبب

قولہ آئی جعلہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف، منصرف کیسے ہو جائیگا جب کہ کسرہ و تنوین کے داخل ہونے کے بعد بھی اس میں دو علیتیں موجود رہتی ہیں۔ جواب یہ کہ غیر منصرف کا منصرف ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کسرہ و تنوین کے داخل ہونے میں منصرف کے حکم میں ہو جائے حقیقتہً ہندو دوسرا جواب یہ کہ صرف سے یہاں مراد اس کا لغوی معنی پھرنا ہے اور ضمیر خبر و کارج مع مکن ہے پس معنی ہوا غیر منصرف کے حکم کو پھرنا یعنی غیر منصرف پر کسرہ و تنوین داخل نہ ہونے سے معنی مگر اب داخل ہو سکے ہیں پہلا جواب معنی اصطلاحی کے اعتبار سے ہے اور دوسرا معنی لغوی کے اعتبار سے دوسرے جواب کو کلمہ تقریبی سے بیان کرنے میں اس کے مصنف کی طرف اشارہ ہے وہ وجہ ضعف یہ ہے کہ صرف سے متبادر اس کا اصطلاحی معنی منصرف ہوتا ہے معنی لغوی پھرنا نہیں اور مقتضائے بحث بھی اس پر دال ہے۔

قولہ عند المصنف۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ مصنف کے نزدیک کسرہ و تنوین کے داخل ہونے سے غیر منصرف حقیقتہً منصرف نہیں ہو جاتا البتہ عللاً نہ مختصری کے نزدیک حقیقتہً منصرف ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک غیر منصرف وہ ہوتا ہے جس پر کسرہ و تنوین داخل نہ ہوں اور جب اس پر کسرہ و تنوین داخل ہوں گے تو وہ حقیقتہً منصرف ہو جائیگا۔

قولہ لا یلزم۔ اس مقام پر یہ سوال ممکن ہے کہ کسرہ و تنوین کے داخل ہونے کے بعد دونوں علیتیں اگر موجود ہیں تو دونوں مؤثر ہیں یا مؤثر نہیں اگر مؤثر ہیں تو اثر کے وجود کے بغیر مؤثر کا وجود لازم آئے گا جو ممکن ہے اور اگر مؤثر نہیں تو اس پر غیر منصرف کی تعریف صادق نہ آئیگی کیونکہ غیر منصرف میں جو علیتیں ہوتی ہیں وہ ضرور مؤثر ہوتی ہیں اس کا جواب یہ کہ اس میں دونوں علیتیں موجود ہیں اور مؤثر بھی اور مؤثر سے اثر کا تخلف اس وقت ممنوع ہے جب کہ کوئی مانع نہ ہو اور یہاں پر مانع موجود ہے اور وہ تناسب و ضرورت شعری ہے

الضروریۃ آئی لضروریۃ وزن الشعر أو رعاية القافية فأدفع المنصرف في الشعر فكثيراً ما يقع من منصرفه انكسار يخرج جله عن الوزن أو انزحاج يخرج جله عن السلاسة أما الأول فنقول له شعر صبت على مصائب لوانها۔ صبت على الأیام صبرن لیا لیا وأما الثاني فنقول له شعر أعيد ذكر لعا یب لنا ان ذكره۔ هو المسك ما كرهت ان يتضوع۔ فانه لو لم یون لعمان من غیر تنوین یستقیم الوزن ولكن يقع فیہ تراخا فخرج جله عن السلاسة كما یحكم بلم سلامة الطبع

توجہ: — (وجہ ضرورت) یعنی وجہ ضرورت وزن شعر یا رعایت قافیہ تا یہ پس جب شعر میں غیر منصرف واقع ہو تو وہ اگر غیر منصرف سے انکسار واقع ہوتا ہے جو شعر کو وزن سے نکال دیتا ہے یا انزحاج واقع ہوتا ہے جو شعر کو سلاست سے نکال دیتا ہے اور لیکن اقل جیسے کہ شاعر کا قول ہے شعر صبت علی الأیام یعنی میرے اوپر ایسی مصیبتیں ڈال دی گئیں کہ اگر ان کو دونوں پر ڈال دی جائیں تو دن رات ہو جاتے اور لیکن دوسرا جیسے شاعر کا قول ہے شعر أعید ذکر لعا یب یعنی نعمان بن ثابت کا ذکر ہم سے بار بار کیجئے کیونکہ ان کا ذکر مشک ہے جب تک اس کی تکرار کریں گے تب تک چاہے گی اس لئے کہ نفاذ نعمان کے وزن کو اگر غیر تنوین کے تحت دیا جائے تو وزن قائم رہتا ہے لیکن اس میں تعاقب واقع ہوتا ہے جو وزن کو سلاست سے نکال دیتا ہے جیسا کہ سلاست طبع اس کا حکم دیتی ہے

تشریح: — قولہ آئی لضروریۃ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں ضرورت کے اوپر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور مضاف الیہ وزن شعر ہے یا رعایت قافیہ اور وزن شعر کی ضرورت دونوں پر ہے ایک انکسار کہ غیر منصرف کو اگر منصرف نہ پڑھا جائے تو شعر وزن ہی سے گر جاتا ہے اور دوسری انزحاج کہ شعر ٹھننے کی صورت میں شعر سلاست سے نکل جاتا ہے۔ سوال مصنف نے تناسب کی مثال بیان فرمایا ضرورت کی کیوں نہیں؟ جواب ضرورت کی وجہ سے چونکہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا ظاہر تھا اس لئے اس کی مثال کو چھوڑ دیا گیا لیکن تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا ظاہر نہیں تھا اس لئے اس کی مثال بیان کیا گیا۔ سوال ضرورت و تناسب کی وجہ سے جس طرح غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کیا جاتا ہے اسی طرح منصرف کو غیر منصرف کے حکم میں کیوں نہیں کیا جاتا؟ جواب اسم میں انفراد اصل ہے اور عدم انفراد خلاف اصل اور ضرورت و تناسب کی وجہ سے اصل کی طرف رجوع کرنا حصر ہے نہیں ہے لیکن خلاف اصل کی طرف رجوع کرنا حصر ہے البتہ کو فیہاں کے نزدیک ضرورت شعری کی وجہ سے صرف کو غیر منصرف کے حکم میں کرنا جائز ہے

جب کہ منصرف علم ہو جیسے اس شعر میں ہے نماکان حصن ولاجالس۔ یعوقان مرداس فی نبح۔ اس میں مرداس علم منصرف ہے جو بوجہ ضرورت شعری غیر منصرف کے حکم میں کیا گیا ہے اسی وجہ سے اس پر تنوین داخل نہیں ہوتی۔

قولہ امان اللہ۔ یعنی انکسار کی مثال حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا یہ شعر ہے
صَبَّ عَلَى مَصَابٍ وَأَنْهَى صَبَّ عَلَى الْإِيَّامِ حَزَنَ لَيْلِيَا۔ رسول گرامی علیہ التَّحِيَّةُ وَالشَّوَارُ کاجب فصاحت پاک
ہوا تو حضرت فاطمہ الزہراء آپ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئیں اور اس کی خاک پاک آنکھوں پر لگا کر زار زار روکنے
لگیں اور یہ شعر گنگانے لگیں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھ پر ایسی مصیبتیں اور بدبلی دی گئیں ہیں جو وزنوں پر اونٹیل دی
جاتیں تو وہ دن رات ہو جاتے۔ اس سے پہلے ایک شعر یہ بھی ہے۔ مَاذَا عَلِيٌّ مِنْ تَسْمٍ قَرِيبَةٍ أَحْمَدُ +
أَنْتَ لَا يَشْقَى مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا۔ یعنی اس پر کیا غائب ہے جس نے قبر شریف کی مٹی ترنگھ لی اس پر یہ واجب
ہے کہ عمر بھر دوسری خوشبوئیں نہ سونگھے کیونکہ ان میں وہ کیف ہی نہیں جو اس میں ہے، اس میں موضع اشتباہ
مصائب ہے جو جمع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف تھا لیکن اگر اس پر تنوین داخل نہ کیا جائے تو شعر وزن سے
گرجاتا ہے اس لئے کہ وہ شعر کو کامل مزحف مضر میں ہے جس کے اوزان سالم متفاععلن، متفاععلن ہیں مگر
مصرعہ اول کے صدر اور عروض میں اور مصرعہ ثانی کی ابتداء و عروض میں زحاف افتخار واقع ہونے کی وجہ سے
وہ مستفععلن میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اس کی تقطیع اس طرح ہے صَبَّ عَلَى + مستفععلن۔ صَبَّ عَلَى + متفاععلن
لَا أَنْهَى + مستفععلن۔ صَبَّ عَلَى ال + مستفععلن۔ اِيَّامِ مَرَّ + مستفععلن۔ لَيْلِيَا + متفاععلن۔ اس میں
علی مصدر ہے اور لَوَا نَحْنُ عَرْضُ اور صَبَّ عَلَى ال ابتداء اور اِيَّامِ مَرَّ مشبہ ہے کیونکہ مصرعہ اول کے جبر
اول کو صدر اور جبر دوم کو عروض کہا جاتا ہے اور مصرعہ اول و دوم کے جبر ثانی کو مشبہ کہا جاتا ہے اور
صرف مصرعہ ثانی کے جبر اول کو ابتداء اور جبر دوم کو ضرب کہا جاتا ہے۔ اس شعر میں مصائب کو اگر تنوین نہ
دیا جائے تو زحاف کف واقع ہو کر وزن بجائے متفاععلن کے متفاعل رہ جائیگا اور یہ اس بحر میں جائز نہیں
واضح ہو کہ سالم وہ بحر ہے جو زحاف سے محفوظ رہے اور مُزَحَف وہ بحر ہے جس میں زحاف واقع ہو
اور زحاف وہ تیسرے بحر ہے جو بحر کو سلاست سے خارج کر دے۔ مقررہ بحر ہے جس میں افتخار ہوا اور افتخار دوسرا
متحرک کو ساکن کرنا ہے جیسے متفاععلن سے مستفععلن اور کامل و بحر ہے جس کے ارکان متفاععلن
متفاععلن ہوں

قولہ امان اللہ یعنی ان زحاف کی مثال حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا یہ شعر ہے جو ہمارے امام

اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی شان میں بیان کیا تھا۔ اَعُدُّ ذِكْرَ نَعْمَانٍ لَنَا أَنْ ذَكَرَهُ + هُوَ الْمَسْكُ مَا كَرِهَ تَضَوُّعًا۔ پہلا
شعر یہ ہے نیشا لاریاب النعم نعیم + وللعاشق المسکین ما تجرّع۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے نعمان بن ثابت
کے ذکر کی تکرار کر دے کیونکہ وہ شک کی طرح ہیکے گاجب تک تکرار کر دے۔ ارباب نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک
ہوں اور عاشق مسکین کو جبرائی کی گھوٹ۔ اس میں موضع اشتباہ نعمان ہے جو علیت والف فون زائد تان
کی وجہ سے غیر منصرف ہونے کے باوجود کسرہ و تنوین داخل کئے گئے ہیں اس لئے کہ اگر اس کو بغیر تنوین کے
صرف فتح دیا جائے تو وزن اگرچہ درست رہے گا مگر اس میں زحاف کف واقع ہو کر سلاست سے نکل جائے گا
جیسا کہ ذوق سلیم بخوبی اندازہ کر سکتا ہے لیکن وزن اس لئے درست رہے گا کہ یہ شعر بحر طویل مزحف مقبوض میں
ہے جس کے اوزان فعلن، مفاعیلن ہیں مگر مفاعیلن عروض و ضرب میں زحاف قبض واقع ہونے کی وجہ سے
مفاعیلن سے تبدیل ہو گیا ہے۔ اس کی تقطیع اس طرح ہے۔ اَعُدُّ ذِكْرَ فعلن۔ نَعْمَانٍ + مفاعیلن۔ لَنَا أَنْ
فعلن۔ لَنْ ذَكَرَهُ + مفاعیلن۔ هُوَ الْمَسْكُ + فعلن۔ ک ما کَرِهَ + مفاعیلن۔ تَضَوُّعًا۔ مفاعیلن
اس میں لَنْ ذَكَرَهُ عروض اور تَضَوُّعُ ضرب ہے جن میں قبض واقع ہے اور یہاں لفظ نعمان پر اگر تنوین نہ دیا
جائے تو زحاف کف واقع ہو کر وزن مفاعیلن کے بجائے مفاعیل رہ جائیگا جو اس بحر میں اگرچہ جائز ہے
لیکن حسن نہیں اس لئے وزن اگرچہ منکر نہیں ہوتا لیکن سلاست جاتی رہتی ہے
خیال رہے کہ قبض یا تنوین ساکن کے حذف کرنے کو کہتے ہیں جیسے فعلن سے فعلن اور مفاعیلن سے
مفاعیلن اور کف ساکن کے حذف کرنے کو کہتے ہیں جیسے مفاعیلن سے مفاعیل اور فاعلاتن سے
فاعلات وغیرہ۔

ثُمَّ قُلْتُ الْاِحْتِرَازَ مِنَ الزَّحَافِ لَيْسَ بِضَرِيٍّ فَيَكْفِ بِشَمْلِهِ قَوْلُهُ لِلضَّرُورَةِ قُلْنَا الْاِحْتِرَازُ
عَنْ بَعْضِ الزَّحَافَاتِ اِذَا امْكُنَ الْاِحْتِرَازُ عَنْهُ ضَرُورَتِي عِنْدَ الشُّعْرَاءِ وَاَمَّا الضَّرُورَةُ الْوَاقِعَةُ
لِرُغَايَةِ الْقَافِيَةِ فَمَا فِي قَوْلِهِ شِعْرُ سَلَامٍ عَلَيَّ خَيْرٌ اَلْاِنَامِ وَسِيْدٍ - حَبِيبُ اللهِ الْعَالَمِيْنَ مُحَمَّدٌ -
بَشِيْرَتِي بِرِهَا شَيْئِي مُكْرَمٌ + عَطُوفِي رَوْفِي مَنِ لَيْتِي بِأَحْمَدٍ - فَانْتَبِهْ لِقَوْلِكَ بِأَحْمَدٍ بِالْفَتْحِ لَا بِجَمْعٍ
بِالْوَتْرِ وَلَكِنَّهُ يَخْلُقُ بِالْقَافِيَةِ فَاتَّ حَرْفُ الدَّوِيِّ فِي سَائِرِ الْاَبْيَاتِ الدَّوِيِّ
الْمَكْسُورَةِ

ترجمہ:۔۔۔ پس اگر آپ سوال کریں کہ زحاف سے احتراز کرنا کوئی ضروری نہیں پس اس کو مصنف کا قول
للضرورة کیسے شامل ہوگا؟ تو ہم جواب دیں گے کہ بعض زحافات سے جب احتراز ممکن ہو تو شعراء کے نزدیک
اس سے احتراز ضروری ہوتا ہے اور لیکن وہ ضرورت جو رعایت قافیہ کی وجہ سے ہوتی ہے تو وہ جیسا کہ
شاعر کے قول میں ہے شعر۔ سلام علی خیر الانام وستیہ + حبیب الہ العالمین محمد۔ بشیر نذیر ہاشمی مکرم +
عطوف رؤف من شیئی باجمہ۔ کیونکہ باجمہ کو اگر قافیہ کے ساتھ کہتا تو وزن میں کوئی خلل نہیں پڑتا لیکن
قافیہ میں خلل پڑ جاتا ہے اس لئے کہ تمام بیتوں میں حرف ردی وال مکتورہ ہے۔

ترجمہ:۔۔۔ قولہ فان قلت۔ اس عبارت سے سوال پھر آئے گا کہ جواب دیا گیا ہے۔ سوال یہ
ہے کہ زحاف کی وجہ سے شعر چونکہ وزن سے نہیں گرتا ہے اس لئے اس سے احتراز کوئی لازم نہ ہو پس اس
کو مصنف کا قول للضرورة شامل نہ ہوگا۔ جواب یہ کہ زحاف دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جس سے احتراز ممکن
ہو اور دوسرا وہ جس سے احتراز ممکن نہ ہو اور یہاں زحاف سے پہلی قسم مراد ہے جس سے شعراء کے نزدیک
احتراز لازمی ہے۔

ترجمہ:۔۔۔ قولہ واما الضرورة۔ یعنی رعایت قافیہ کی وجہ سے جو ضرورت پیش آتی ہے اس کی مثال حضرت
علی اکرم اللہ وجہہ کا یہ شعر ہے۔ سلام علی خیر الانام وستیہ + حبیب الہ العالمین محمد۔ بشیر نذیر ہاشمی مکرم
عطوف رؤف من شیئی باجمہ۔ اس میں موضع استشہاد باجمہ ہے کہ وال کو کسرہ کے بجائے اگر فتح دیا جائے
تو وزن میں کوئی خرابی لازم نہ آئیگی، لیکن قافیہ میں ضرورت آئے گی کیونکہ حرف ردی یعنی آخری حرف تمام
بیتوں میں وال مکتورہ ہے لیکن وزن میں خرابی اس لئے لازم نہ آئے گی کہ یہ بحر طویل بحر فاعل مقبوض ہے
جس کے اوزان فعلن، مفاعیلن ہیں مگر مفاعیلن عروض و ضرب میں بعضی واقع ہونے کی وجہ سے تبدیل
ہو گیا ہے۔ تقطیع اس کی اس طرح ہے کہ سلام۔ فعلن۔ علی خیر، مفاعیلن۔ انام۔ فعلن۔ وستیہ
مفاعیلن۔ حبیب۔ فعلن۔ الہ العالمین۔ فعلن۔ بسیر۔ فعلن۔ نذیر ہاشمی۔ فعلن۔ مکرم۔ فعلن۔ رؤف من۔ فعلن۔ عطوف۔ فعلن۔ شیئی باجمہ۔ فعلن۔
مفاعیلن۔ اس میں وستیہ اور مکرم عروض اور محمد اور باجمہ ضرب ہیں جن کے اندر قبض واقع ہوتا ہے اور
کے اندر باجمہ کو کسرہ کے بجائے اگر فتح دیا جائے تو وزن میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دو وزن مفاعیلن
مفاعیلن کا وزن برقرار ہے البتہ قافیہ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ قافیہ کا مدار حرف ردی
اور حرف ردی تمام بیتوں میں وال مکتورہ ہے پس اگر اس کو فتح دیا جائے تو قافیہ ہی بدل جائے گا

خیال رہے کہ بیت کے آخر میں دوساکن سے پہلے جو متحرک ہو اس سے اخیریت تک قافیہ ہے اور ردی
حرف ہے جو تمام بیتوں کے آخر میں مکرر ہو۔ پس مذکورہ بالا شعر میں وال حرف ردی ہے اور سید
سین اور محمد کی حار سے اخیر تک اور باجمہ کے ہنرہ سے اخیر تک قافیہ ہے پس معلوم ہوا کہ قافیہ کبھی بعض
کلمہ ہوتا ہے جیسے محمد میں محمد اور کبھی پورا کلمہ ہوتا ہے جیسے سید

ترجمہ:۔۔۔ قولہ فان قلت۔ اس عبارت سے سوال پھر آئے گا کہ جواب دیا گیا ہے۔ سوال یہ
ہے کہ زحاف کی وجہ سے شعر چونکہ وزن سے نہیں گرتا ہے اس لئے اس سے احتراز کوئی لازم نہ ہو پس اس
کو مصنف کا قول للضرورة شامل نہ ہوگا۔ جواب یہ کہ زحاف دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جس سے احتراز ممکن
ہو اور دوسرا وہ جس سے احتراز ممکن نہ ہو اور یہاں زحاف سے پہلی قسم مراد ہے جس سے شعراء کے نزدیک
احتراز لازمی ہے۔

ترجمہ:۔۔۔ (یا یوجز تناسیب) یعنی غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا جاتا ہے تاکہ غیر منصرف و منفر
کے درمیان تناسب حاصل ہو جائے کیونکہ کلمات کے درمیان رعایت تناسیب کو قبول کے نزدیک امر لازم ہے اور
ضرورت کو نہیں ہو پتہ جیسے جلا سلا و اغلا لا، اس لئے کہ سلا سلا کو اس منصرف کی وجہ سے منصرف کہل
جو اس سے متصل یعنی اغلا لا ہے پس مصنف کے قول سلا سلا و اغلا لا مثال ہے اس غیر منصرف کہ جس کو منفر
کیا گیا اور اس منصرف کہ جس کی مناسبت سے غیر منصرف کو منصرف کیا گیا، کے مجموعہ کی۔
ترجمہ:۔۔۔ قولہ ای یوجز۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ للتناسیب مفعول لہ ہے بخود کا اور منفر
لہ یعنی مفعول ہوتا ہے اور علت کا وجود معلول کے وجود سے پہلے ہوتا ہے اور یہاں تناسیب کا وجود
انقرض کے وجود کے بعد واقع ہے کہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنے کے بعد تناسیب پیدا ہوتا ہے
جواب یہ کہ مفعول لہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو کسی شئی کو حاصل کرانے کے لئے فعل کا صدور ہے
مثلاً خاریب میں ادب کو حاصل کرانے کے لئے ضرب کا صدور ہے دوسرا وہ جو کسی شئی کے وجود کے ان
فعل کا صدور ہو جیسے تعدث عن الحرب جیسا کہ بدلی کے وجود کے باعث تعدث کا صدور ہے۔
اول علت اگرچہ تصور میں معلول سے پہلے ہے لیکن وجود میں اس کے بعد ہے اور بتقدیر دوم علت ضرور
وجود و نزل میں معلول سے پہلے ہوتی ہے اہم ظاہر ہے کہ پہلی صورت یہاں موجود ہے کہ تناسیب اگرچہ
پہلی صورت کے بعد واقع ہے لیکن تصور میں اس سے پہلے ہے

واحدة منها كجلى وجرأ لانهما الامتتان للكمة وضعا لا تفارقانها أصلا فلا يقال في جلى جلت
ولا في جرأ جرأ فيجعل لئلا يفسد الكمة بمنزلة تانيث آخر فصلا للتانيث مكررا بخلاف التاء
فانها تانيث لا زينة للكمة بحسب أصل الوضع فانها وضعت فاصلة بين المذكر والمؤنث فلو عرفت
اللزوم يعارض كالعلمية مثلا لم يقو قوة اللزوم الوضعي

ترجمہ: — اور ان دونوں میں سے دوسری علت تانیث ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ اس کے بعض اقسام
(ادب) وہ تانیث کے دو الف مقصورہ و مددوہ یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک جیسے جلی و جرأ کیونکہ وہ
کلمہ کو وضعی طور پر لازم ہیں کہ اس سے قطعاً جدا نہیں ہوتے۔ اس لئے جلی میں جل نہیں کیا جاتا اور جرأ میں جر
کہا جاتا ہے پس ان دونوں کے لزوم کلمہ کو تانیث آخر کے مندر میں کر دیا گیا تو تانیث مکرر ہو گئی برخلاف تاء اس
لئے کہ وہ اصل وضع کے اعتبار سے کلمہ کو لازم نہیں ہوتی کیونکہ وہ مذکور و مؤنث کے درمیان فرق پیدا کرنے
کے لئے وضع کی گئی ہے پس اگر کسی عارضیہ علیہ تانیث کی وجہ سے لزوم عارضی ہو تو وہ لزوم وضعی کی قوت
میں نہیں ہو سکتا۔

تشریح: — قولہ لکن لا مطلقاً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث غیر منصرف کی علت نہیں ہو سکتی ؟
اس لئے کہ قانہ و جاستہ میں بھی تانیث ہے لیکن وہ غیر منصرف نہیں۔ جواب یہ کہ غیر منصرف کی علت مطلقاً تانیث
نہیں بلکہ وہ ہے جو الف مقصورہ و الف مددوہ کیساتھ ہو اور قانہ و جاستہ میں تانیث تاء کیساتھ ہے اس
لئے کہ وہ غیر منصرف نہیں۔

قولہ انی کل واحد منہما۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ جزیب ثنیہ ہو تو کبھی مجموعہ خبر ہوتا ہے
جیسے اخوک اثنان اور یہاں الف التانیث بھی خبر ثنیہ ہے لیکن اس سے مراد ہر ایک ہے یعنی جو علت دو علتوں
کے قائم مقام ہوتا ہے وہ تانیث کے دونوں الف مقصورہ و الف مددوہ میں سے ہر ایک ہے

قولہ لانهما الامتتان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ الف مقصورہ و الف مددوہ میں سے ہر ایک
دو علتوں کے قائم مقام کیسے ہے ؟ جواب یہ کہ یہ الف جس اسم میں ہوتا ہے اس میں تانیث مکرر ہوتی ہے وہ
اس طرح کہ اس میں ایک تو تانیث ہوتی ہے اور دوسری لزوم تانیث یعنی یہ الف اس اسم میں اصل وضع ہی سے
لازم ہوتا ہے بلکہ استعمال میں بھی اس سے جدا نہیں ہوتا کیونکہ جلی کو الف مقصورہ کے بغیر جلی اور جرأ کو الف
مددوہ کے بغیر جرأ نہیں کہا جاتا۔

قولہ بخلاف التاء۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ الف مقصورہ و الف مددوہ کی طرح تاء تانیث
بھی کلمہ کو لازم ہوتی ہے جب کہ وہ کسی کا علم ہو جیسے طلحہ تو اس کو بھی دو تانیث کے قائم مقام ہونا چاہیے۔ جواب
یہ کہ تانیث کی وضع چونکہ مذکور و مؤنث کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے کی گئی ہے اس لئے وہ کلمہ کو ہمیشہ لازم
نہیں ہوتی البتہ علیت عارضی ہو جانے پر لازم ہو جاتی ہے اور الف مقصورہ و الف مددوہ اسم کو اصل وضع ہی
سے لازم ہوتے ہیں پس تاء تانیث کا لزوم عارضی ہے اور الف مقصورہ و الف مددوہ کا لزوم وضعی اور لزوم
عارضی اتنا قوی نہیں ہوتا جو دوسری تانیث کے قائم مقام ہو سکے۔

فالعَدْلُ مُصَدَّرٌ مِّنْهُ لِمَفْعُولٍ أَيْ كَوْنُ الْأَسْمَاءِ مَعْدُولًا وَخَرُوجُ الْأَسْمَاءِ أَيْ كَوْنُهَا
مَخْرَجًا عَنْ صِغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ أَيْ عَنْ صَوْرَتِهِ الَّتِي تَقْتَضِي الْأَصْلَ وَالْقَاعِدَةَ أَيْ يَكُونُ ذَلِكَ
الاسم عليها

ترجمہ: — (پس عدل) مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی اسم کا معدول ہونا (اس کا نکلنا ہے) یعنی اسم کا
نکلنا ہے یعنی اسم کا نکالا ہوا ہونا ہے (اپنی صورت اصل سے) یعنی اس صورت سے جس کو اصل و قاعدہ
مقتضی ہے کہ وہ اسم اسی صورت پر ہے

تشریح: — بیان فاعل عدل۔ عدل کو اجمال میں چونکہ مقدم کیا گیا تھا اس لئے اس کو تفصیل میں بھی
لف و نشر مرتب کے طور پر مقدم کیا گیا لیکن اجمال میں اس کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ مطلق ہے جس میں کوئی
شرط نہیں اور باقی علتوں میں شرط ہے اور مطلق طبعاً مقید پر مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا
سوال صرف عدل کی تعریف بیان کی گئی باقی علتوں کی کیوں نہیں ؟ جواب جمہور نے عدل کی جو تعریف بیان کی
ہے مصنف نے اس سے عدل فرمایا ہے اس لئے انکی تعریف بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور باقی علتوں
الیا نہیں ہے۔

خیال رہے کہ عدل کے اوزان استقرار کے طور پر چھ ہیں جن کو شاعر نے نظم میں اس طرح بیان کیا ہے
اوزان عدل شش بوداے صاحب کمال فعل فعل فعل فعل فعل وفعال۔ اندہر کے مثال بگویم ترا
اے عزیز۔ افسس سحر ثلث و سحر ثلث و نزال۔

قولہ مصدر مبنی للمفعول۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عدل بمعنی صرف صفت متکلم ہے اور خروج

صفت اسم ہے اور اسم و متکلم دو متباین ہیں پس خروجه کا حمل عدل پر درست نہ ہوا اس لئے کہ اس میں ایک متباین کی صفت کا حمل دوسرے متباین کی صفت پر لازم آتا ہے جو ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ عدل مصدر ہے جو معنی حدیث کو کہتے ہیں اور معنی حدیث جب تک فاعل یا مفعول کی طرف منسوب نہ ہو وہ مقصور نہیں ہوتا کیونکہ وہ امر انتزاعی ہے جو اس حیثیت سے کہ فاعل سے حادث ہوتا ہے فاعل کیساتھ قائم ہے اور مفعول کے ساتھ اس حیثیت سے قائم ہے کہ وہ فاعل سے صادر ہو کر مفعول پر واقع ہوتا ہے پس وہ بتقدیر اول بنی للفاعل ہے اور بتقدیر دوم بنی للمفعول اور عدل یہاں بنی للمفعول ہے جو معنی کون الاسم معدولاً ہے اور ظاہر ہے یہ اسم کی صفت ہے متکلم کی نہیں۔

قولہ ائی کون الاسم۔ اس عبارت سے ان دو سوالوں کا جواب دیا گیا ہے جن میں سے ایک یہ کہ عدل بمعنی معدول ذات مع الوصف ہے اور خروجه وصف محض ہے پس وصف محض کا حمل ذات مع الوصف پر لازم آیا جو ممنوع ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ اسباب منع صرف از قبیل اوصاف ہیں اور یہ از قبیل ذات ہے جواب یہ کہ عدل بمعنی معدول سے مراد کون الاسم معدولاً ہے اور ظاہر ہے یہ اوصاف سے ہے۔ قولہ ائی خروجه الاسم یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خروجه کی ضمیر مجبور کا مرجع اسم ہے یا عدل اگر اسم ہے تو اخبار قبل الذکر لازم آئے گا جو ممنوع ہے اور اگر عدل ہے تو اخذ محدود فی الحد لازم آئے گا جو یہ بھی ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ مرجع اس کا اسم ہے اس قرینہ سے کہ یہ مقام بحث اسم کا ہے جیسا کہ آیت کریمہ ولا یوہ نکل واحد منها السدس میں ضمیر مجبور کا مرجع بقرینہ مقام مودث ہے۔

قولہ ائی کونہ مخرجا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عدل مصدر متعدی ہے اور خروجه مصدر لازم ہے پس متعدی کی تفسیر لازم سے ہوئی جو ممنوع ہے جواب یہ کہ خروجه کا معنی ہے کون الاسم مخرجا جیسا کہ عدل کا معنی ہے کون الاسم معدولاً پس تفسیر بھی متعدی ہے جس طرح مفسر متعدی ہے۔ قولہ ائی عن صورتہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم مادہ و صورت دونوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور صیغہ بھی مادہ و صورت کے مجموعہ کو کہتے ہیں چنانچہ بولاجاتا ہے ضرب ماضی کا صیغہ ہے پس اس سے کل کا خروجه کل سے لازم آیا جو ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ صیغہ سے یہاں مراد وہ ہے جو نحو یوں کے نزدیک معروف ہے اور نحو یوں کے نزدیک صیغہ صرف صورت کو کہتے ہیں۔

قولہ انہی تقتضی۔ اصلیت میں یا چونکہ نسبت کے لئے ہے اور نسبت منتہین کے مابین مناسبت کو تقتضی ہے اس لئے اس عبارت سے اس مناسبت کو بیان کیا جاتا ہے کہ اسم اپنی اس صورت

صورت سے معدول ہو جس کو اصل و قاعدہ مقتضی ہے کہ وہ اسم اسی صورت پر ہو پس اصل معطوف اپنے معطوف علیہ قاعدہ سے مل کر تقتضی کا فاعل ہے اور ان کیونکہ الاسم علیہا اس کا مفعول اور علیہا کی ضمیر مجبور کا مرجع صورت ہے۔ اور اصل کا اطلاق چونکہ چار معنوں یعنی قاعدہ۔ دلیل۔ رابع سابق پر ہوتا ہے اس لئے اصل کے بعد قاعدہ کو بیان کر کے یہ اشارہ کیا گیا کہ اصل سے یہاں مراد قاعدہ ہے پس قاعدہ کا عطف اصل پر تفسیری ہے۔

ولا یخفی ان صیغۃ المصدر لیست صیغۃ المشتقات فباضافۃ الصیغۃ الی ضمیر الاسم خرجت المشتقات کلہا وان التبادر من خروجه عن صیغۃ الاصلیۃ ان تكون المادۃ باقیۃ والتغیر انما وقع فی صورتہ فلا ینتقص بما حذف عنہ بعض الحروف کالاسماء المحذوفۃ الاعجاز مثل ید و دیم فان المادۃ لیست باقیۃ فیہا وان خروجه عن صیغۃ الاصلیۃ یتلزم دخولہ فی صیغۃ اخی الی مغایرۃ لاولی۔

ترجمہ : — اور مخفی نہیں ہے کہ مصدر کا صیغہ مشتقات کا صیغہ نہیں ہے پس اسم کی ضمیر کی طرف صیغہ کی اضافت سے تمام مشتقات نکل گئے اور مخفی نہیں ہے کہ خروجه عن صیغۃ الاصلیۃ سے متبادر یہ ہے کہ مادہ باقی اور تغیر صرف صورت میں واقع ہو پس اس کلمہ سے تعریف منقوض نہ ہوگی کہ جس سے بعض حروف محذوف ہیں جیسے ید و دیم کی مثل جو اسماء محذوفہ الاواخر ہیں کیونکہ ان کے اندر مادہ باقی نہیں اور مخفی نہیں ہے کہ اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکلنا اس کا دوسرے صیغہ یعنی پہلے صیغہ کے مغایر میں داخل ہونے کو مستلزم ہے۔

تشریح : — قولہ ولا یخفی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں اسماء مشتقات بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے اصلی صیغہ مصدر سے معدول ہیں۔ جواب یہ کہ مصدر کا معنی متکلم کا صیغہ نہیں ہے کیونکہ کسی کا صیغہ وہ ہے جس سے اس کا معنی پیدا ہو جیسے ماضی کا صیغہ وہ ہے جس سے ماضی کا معنی پیدا ہو اور مضارع کا صیغہ وہ ہے جس سے مضارع کا معنی پیدا ہو اور ظاہر ہے مشتق کا معنی مصدر کے صیغہ سے پیدا نہیں ہوتا مثلاً ضرب سے مضارب کا معنی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کے معنی مختلف ہیں اس لئے دونوں کے صیغے بھی مختلف ہوئے پس صیغہ کی اضافت سے اسم کی ضمیر کی طرف اسماء مشتقہ نکل گئے اسی

طرح اسماء مصغره بھی نکل گئے کہ مصغر و مکبر کے معانی جدا جدا ہیں مثلاً رجل اور رجل کے معنی مختلف ہیں اس لئے دونوں کے صیغے بھی مختلف ہوئے پس رجل، رجل سے معدول نہ ہوگا

قولہ ان المتبادر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں اسماء محذوفۃ الاعجاز جیسے بدووم وغیرہ داخل ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ دراصل بدئی تھا اور دم دراصل دموتھا جو اپنے اصلی صیغہ سے نکالے گئے ہیں اسی طرح اسماء محذوفۃ الادا اہل بھی جیسے عدۃ دراصل وعدۃ تھا اور بھی اسماء محذوفۃ الاوسط بھی جیسے مقول دراصل مقول تھا اور بھی وہ اسماء بھی جن کے اندر ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے جیسے مقام دراصل مقوم تھا جو اپنے اصلی صیغہ سے نکالا گیا ہے حالانکہ ان کو معدول نہیں کہا جاتا جواب یہ کہ عدل کے لئے یہ ضروری ہے کہ مادہ باقی رہے بغیر صرف صورت میں ہو جیسا کہ مصنف کے قول عن صیغۃ سے مستفاد ہے اور اسماء مذکورہ میں تغیر مادہ و صورت دونوں میں ہے اس لئے وہ معدول نہیں سوال جب تو ثلاث و مثلث کو بھی معدول نہیں کہنا چاہئے کیونکہ ان کا بھی مادہ باقی نہیں ہے اس لئے کہ ثلاثہ میں جو تار ہے وہ ثلاث و مثلث میں مفقود ہے۔ جواب مادہ باقی رہنے کی جو شرط ہے وہ صرف اصلی میں اور تار حرف اصلی نہیں بلکہ زائد ہے۔ خیال رہے کہ اس عبارت کا عطف ان صیغۃ المصدر پر ہے اسی طرح ان خسرو جہ عن صیغۃ الاصلیۃ کا بھی اور لاغنی کا تعلق تینوں عبارتوں کے ساتھ ہے۔

قولہ المحذوفۃ الاعجاز۔ اسماء محذوفۃ کے ساتھ اعجاز کی قید اتفاقی ہے اس لئے کہ یہ سوال جس طرح محذوفۃ الاعجاز سے پیدا ہوتا ہے اسی طرح محذوفۃ الادا اہل و محذوفۃ الاوسط سے بھی جیسا کہ گذر۔ قولہ انی مغایرۃ للاولیٰ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لفظ آخر اسم تفضیل ہے جس کا معنی ہے اشد تاخر اور ظاہر ہے وہ یہاں درست نہیں جواب یہ کہ لفظ آخر اگرچہ اسم تفضیل ہے لیکن وہ معایرت کے معنی میں منقول ہو گیا ہے۔

ولا یبعد ان یعتبر معایرتہا فی کونہا غیر داخلۃ تحت اصل وقاعدۃ کا کانت الاولیٰ داخلۃ تحتہ نخرج عنہا المفیدات القیاسیۃ واما المفیدات الشاذۃ فلا نسلم لانہا مخرجۃ عن القیاس الاصلیۃ فان الظاہر ان مثل اقوس واینب من الجموع الشاذۃ لیس مخرجۃ عنہا هو القیاس فیہا اعنی اقوسا واینابا بل انما جمیع القوس والناب ابتداء علی اقوس واینب علی خلاف القیاس من غیر ان یعتبر جمعہما ولا علی اقواس وایناب واینب عنہما

نزدیکہ۔ اور یہ بعید نہیں ہے کہ دوسرے صیغے کی پہلے صیغہ سے معایرت کا اس بات میں اعتبار ہوگا کہ وہ کسی اصل وقاعدہ کے تحت نہ ہو جیسا کہ پہلا صیغہ اصل وقاعدہ کے تحت داخل تھا پس اس توجہ سے معیارات قیاسیہ تعریف سے خارج ہو گئے اور ہا معیارات شاذہ کا معاملہ تو ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ اپنے اصلی صیغہ سے نکالے گئے ہیں اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اقوس واینب جیسے کلمات جموع شاذہ سے ہیں ان جوئے سے نکالے ہوئے نہیں ہیں کہ جن میں قیاس ہے بلکہ قوس و ناپ کو ابتداء ہی سے خلاف قیاس اقوس واینب کے وزن پر جمع بنا یا گیا۔ بغیر اس کے کہ ان کی جمع کا پہلے اقوس واینب کے وزن پر اعتبار کیا گیا اور اس کے بعد اقوس واینب کو اقوس واینب سے نکالا جائے۔

تشریح:۔ قولہ ولا یبعد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں معیارات قیاسیہ بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی صورت بھی تحلیل کے بعد بدل جاتی ہے اور مادہ باقی رہتا ہے جیسے بیع کا اصل میں بیوع اور رام اصل میں رائی تھا اور داغ اصل میں داغی تھا کہ تیران کی صورت میں ہے لیکن مادہ باقی ہے۔ جواب یہ کہ عدل کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اصلی صیغہ سے نکل کر دوسرے ایسے صیغہ میں داخل ہو جائے جو کسی قاعدہ کے تحت نہ ہو اور مذکورہ بالا تینوں صیغہ قاعدہ کے تحت ہیں کیونکہ بیع قاعدہ مرئی کے تحت ہے اور رام و داغ قاعدہ قاضی کے تحت ہیں۔

قولہ واما المفیدات الشاذۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف میں معیارات شاذہ مثلاً اقوس واینب وغیرہ بھی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ اقوس جو جمع ہے قوس بمعنی کمان کی اصل میں اقوس تھا اسی طرح اینب جو جمع ہے ناپ بمعنی دزدان کی وہ اصل میں اناب تھا اس لئے کہ وہ اجوف ہیں جن کی جمع بزمن افعال آتی ہے جیسے قول کی جمع اقوال اور خبر کی جمع اخبار آتی ہے۔ جواب یہ کہ یہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ قوس و ناپ کی جمع اولاً اقوس واینب آتی ہیں پھر ان سے اقوس واینب نکالا گیا ہے حالانکہ قوس و ناپ کی جمع ابتداءً اقوس واینب آتی ہیں اسی وجہ سے ان کو جموع شاذہ کہا جاتا ہے

وقال بعض الشارحین قد جوز بعضهم تعریف الشئ بما هو اعم منه اذا كانت المقصود تمييزاً عن بعض ماعداداً فیکمن ان یقال المقصود لہمنا تمييزاً للعدل عن سائر العلل لا عن کل ماعداداً نعمت حصل بتعریفہ هذا التمييز لا باس بكونہ اعم منه فنجتہ لا حاجۃ فی تصحیح هذا التعریف الی ارتکاب تلك التکلفات

ترجمہ: — اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ بعض معرفین نے شئی کی تعریف ایسے معرف سے جائز قرار دیا ہے جو شئی سے عام ہو جب کہ تعریف سے مقصود شئی کو بعض ماسوا سے امتیاز کرنا ہو پس یہ کہنا ممکن ہے کہ یہاں پر مقصود عدل کو باقی علتوں سے امتیاز کرنا ہے نہ کہ جمیع ماسوا سے پس جب اس تعریف سے یہ امتیاز حاصل ہو گیا تو تعریف کا معرف سے عام ہونے میں کوئی مضائقہ نہ رہا پس اس وقت اس کے تعریف کے درست کرنے میں ان تکلفات کے ارتکاب کی کوئی حاجت نہیں۔

تشریح: — قولہ وقال بعض الشارحین۔ اس سے قبل تعریف عدل پر مانع ہونے کے اعتبار سے سوالات کے جوابات جو الگ الگ دئے گئے تھے اس عبارت سے ان کا مجموعی طور پر جواب دیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے خاص کی تعریف کو عام سے جائز قرار دیا ہے کیونکہ مقصود یہاں عدل کو باقی علتوں سے امتیاز کرنا ہے جو تعریف عام سے بھی حاصل ہے۔ یہ جواب شارح کی طرف سے ہے لیکن مذکورہ بالا جوابات مصنف کی طرف سے ہیں جو انہوں نے کافیہ کی شرح امالی میں تحریر فرمایا ہے

قولہ فیجئذ۔ اس عبارت سے مصنف کے بیان کردہ جوابات پر یہ سوال وارد کیا ہے کہ تعریف عدل سے مقصود باقی علتوں سے امتیاز کرنا ہے جو تعریف عام سے بھی حاصل ہے پس تعریف مذکور کو درست کرنے کے لئے قیود کا اضافہ تکلفات بعیدہ کا مرتکب ہونا ہے۔ مصنف کی جانب سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ عام سے تعریف متقدمین کے نزدیک جائز ہے لیکن متاخرین اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور مصنف کے نزدیک چونکہ متاخرین کا مسلک مختار تھا اس لئے انہوں نے قیود کا اضافہ کر کے جواب دئے اور ان جوابات کو تکلفات سے اس لئے بغیر فرمایا کہ قیود مذکورہ کا لحاظ تعریف میں لازم آتا ہے جن پر عبارت تعریف صراحۃً دلالت نہیں کرتی۔ لہذا قال الفاضل السمرقندی

وَأَعْلَمُ أَنَّا نَعْلَمُ تَطْعَامًا أَتَمُّهُمُ لَا وَجِدَهُ وَثَلَاثٌ وَثَلَاثٌ وَآخِرُ وَجْعٍ وَغَيْرُ مَنْصَرَفٍ وَلَمْ يَجِدْ وَآخِرُ سَبَبًا ظَاهِرًا غَيْرَ الْوَصْفِيَّةِ أَوِ الْعِلْمِيَّةِ احْتَاجُوا إِلَى اعْتِبَارِ سَبَبٍ آخِرٍ وَلَمْ يَصِلْ لِلْاعْتِبَارِ إِلَّا الْعَدْلُ فَاعْتَبَرُوا فِيهَا لَا أَنَّهُمْ تَبَيَّنُوا لِلْعَدَالِ فِيمَا عَدَا عَنْ هَذَا مِنَ الْأَمْثَلَةِ فَجَعَلُوا غَيْرَ مَنْصَرَفٍ لِلْعَدْلِ وَسَبَبٍ آخِرٍ

ترجمہ: — اور معلوم کیجئے کہ ہم یقینی طور پر یہ بات جانتے ہیں کہ نحو یوں نے جب ثلث و ثلث و آخر جمع و عمر کو غیر منصرف پایا اور انہوں نے ان کے اندر وصفیت یا علمیت کے علاوہ کوئی دوسرا ظاہر یا سبب بھی نہ پایا۔ تو وہ لوگ ایک دوسرے سبب کے اعتبار کی طرف محتاج ہوئے اور اس اعتبار کے لئے عدل کے علاوہ کوئی دوسرا سبب صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو انہوں نے ان کے اندر عدل کا اعتبار کر لیا یہ نہیں کہ وہ لوگ ان مثالوں سے عمر کے ماسوا میں عدل پر متنبہ ہوئے پس ان کو عدل اور دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف قرار دیا۔

تشریح: — قولہ وأعلم۔ اس عبارت سے علامہ رضی اور شارح ہندی کے اس قول کا رد ہے کہ عدل کا اعتبار غیر منصرف پڑھنے پر مقدم ہے یعنی اسم میں پہلے عدل کا اعتبار کیا جاتا ہے پھر اس پر غیر منصرف ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے حاصل رد یہ ہے کہ اسم پہلے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے پھر اس میں عدل کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ اہل عرب نے جب ثلث و ثلث و آخر جمع کے اندر غیر منصرف جیسا اعراب پایا اور عمر میں علمیت اور اس کے علاوہ چاروں میں وصفیت کے علاوہ دوسرا سبب ظاہر نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کو غیر منصرف کہا جائے کیونکہ عمر میں صرف علمیت ہے باقی علمیت نہیں۔ لیکن وصف اس لئے نہیں کہ وہ عموم کو مقتضی ہے اور علمیت خصوص کو اور ظاہر ہے عموم خصوص کا میان ہے اسی وجہ سے علمیت کیساتھ وصفیت پائی نہیں جاتی اور تانیث اس لئے نہیں کہ عمر مرد مذکر کا نام ہے اور بعمہ اس لئے نہیں کہ وہ عربی ہے اور ترکیب اس لئے نہیں کہ وہ مفرد ہے اور الف و ذون زائد تان اس لئے نہیں کہ اس کے آخر میں الف ہے اور ذون اور ذون فعل اس لئے نہیں کہ وہ وزن اسم ہے اسی طرح ثلث و ثلث و آخر جمع میں بھی وصف کے علاوہ باقی علمیت نہیں اور وصف اسی طرح علمیت بھی ایسی علمیت بھی نہیں ہے جو ایک علت دو علتوں کے قائم مقام ہو سکے کیونکہ وہ تو صرف جمع ہے اور الف مقصورہ و الف ممدودہ اسی وجہ سے ان کے اندر عدل فرض کیا جاتا ہے پس عدل کا اعتبار غیر منصرف پڑھنے کے بعد متحقق ہوا۔

قولہ لا انھم۔ یعنی جمہور نے مذکورہ مثالوں میں غیر منصرف پڑھنے کے بعد عدل کا اعتبار کیا ہے یہ نہیں کہ وہ لوگ اس میں عدل پر پہلے ہی سے متنبہ ہو گئے تھے پھر غیر منصرف پڑھے بلکہ انہوں نے عدل کا اعتبار اس وقت کیا جب کہ مثالوں پر غیر منصرف جیسا اعراب دیکھا۔

رکن لا بد فی اعتبار العدال من امرین احدهما وجود اصل للاسم المعدول وثانیہما اعتبار

اخراجہ عن ذلك الاصل اذ لا يتحقق الفرعية بدون اعتبار ذلك الاجزاج فبعض تلاف
الامثلة يوجد دليل غير منع الصرف على وجود الاصل المعدول عنه فوجوده لا يتحقق بلا شك وفي
بعضها لا دليل غير منع الصرف فيفرض له اصل ليتحقق العدل باخراجہ عن ذلك الاصل
فانقسام العدل الى الحقيقي والتقديرى انما هو باعتبار كون ذلك الاصل محققاً أم مقدراً
واما الاعتبار باخراج المعدول عن ذلك الاصل ليتحقق العدل فلا دليل عليه الا منع الصرف
فعلی هذا قوله تحقیقاً معناً اخر وجا کانتا عن اصل محقق يدل عليه دليل غیر منع الصرف

توجه: — اور لیکن عدل کے اعتبار کرنے میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو اسم معدول کے
لئے اصل یعنی معدول عنہ کا وجود اور دوسرا اس اصل یعنی معدول عنہ سے اخراج کا اعتبار۔ اس لئے کہ اس
اخراج کے اعتبار کے بغیر فرعیہ متحقق نہیں ہو سکتی پھر ان مثالوں میں سے بعض میں غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ
اصل معدول عنہ کے وجود پر دلیل پائی جاتی ہے پس اس کا وجود بلاشبہ محقق ہوا اور ان میں سے بعض میں
غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل نہیں تو اس کے لئے ایک اصل کو فرض کیا جائے گا تاکہ معدول کے اس
اصل سے اخراج کی وجہ سے عدل متحقق ہو سکے پس عدل کا تحقیقی و تقدیری کی طرف منقسم ہونا اصل کے
محقق یا مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے اور ہا معدول کا اس اصل سے اخراج کا اعتبار تاکہ عدل متحقق ہو سکے
تو اس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل نہیں تو اس بناء پر مصنف کا قول ہے تحقیقی طور پر اس کا معنی
ہے اسم کا اصل محقق سے خارج ہونا کہ جس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل دلالت کرتی ہو۔

تشریح: — قولہ ولكن لابد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ گذشتہ بیان سے یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ
مثالوں میں غیر منصرف جیسا اعراب ہونے کی وجہ سے عدل اعتبار و فرض کیا جاتا ہے تو عدل کی طرف ایک
ایک قسم یعنی فرضی و تقدیری ہوتی جب کہ اس کی دوسری قسم تحقیقی بھی ہے۔ جواب یہ کہ عدل کی جو دو قسمیں
تحقیقی و تقدیری ہیں وہ معدول عنہ کے اعتبار سے اخراج کے اعتبار سے نہیں یعنی معدول عنہ اگر محقق ہو تو
عدل تحقیقی ہے اور اگر مقدر ہو تو عدل تقدیری ہے پس عدل کی تقسیم کے لئے صرف معدول عنہ کا اعتبار
ضروری ہوا لیکن ہا عدل تو اس کے اعتبار کے لئے دو امر کا ہونا ضروری ہے ایک معدول عنہ کا اور
دوسرا اس سے اعتبار اخراج کا کیونکہ اعتبار اخراج کے بغیر فرعیہ متحقق نہیں ہوتی اور بعض مذکورہ مثالوں
میں غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ اس کے معدول عنہ کے وجود پر دلیل موجود ہے مثلاً ثلث و ثلثت میں

معنی کی تکرار ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا معدول عنہ ثلاثہ ثلاثہ ہے لیکن عمرو نہ فر میں غیر منصرف پڑھنے
کے علاوہ اس کے معدول عنہ کے وجود پر کوئی دوسری دلیل نہیں اسی وجہ سے اس کیلئے معدول عنہ فرض
کیا جاتا ہے پس عدل کی تقسیم تحقیقی و تقدیری کی طرف معدول عنہ کے محقق و مقدر ہونے کے اعتبار سے
ہے لیکن معدول عنہ سے اخراج کا اعتبار! تو اس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہیں ہے
قولہ فعلی هذا۔ یعنی اس تقدیر پر کہ عدل کی تقسیم معدول عنہ کے اعتبار سے ہوتی ہے مصنف کا
قول تحقیقاً و تقدیراً متفرع ہے جس کا حاصل یہ کہ عدل تحقیقی وہ عدل ہے جس کے معدول عنہ کے وجود پر
غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل ہو اور عدل تقدیری اس کا برعکس ہے کہ جس کے معدول عنہ
کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہ ہو۔

واضح ہو کہ اس مقام پر جمہور اور محققین کے درمیان اختلاف ہے جمہور کہتے ہیں کہ عدل تحقیقی کا
معدول عنہ محقق ہے اور اس سے دوسرے صیغہ کی طرف اخراج بھی مفروض ہے پس جمہور کے نزدیک عدل
تحقیقی اور عدل تقدیری میں معدول عنہ اور اخراج دونوں کے اعتبار سے فرق ہوا کہ عدل تحقیقی کا معدول عنہ
بھی محقق اور اخراج بھی محقق ہے اور عدل تقدیری کا معدول عنہ بھی مفروض اور اخراج بھی مفروض ہے لیکن
محققین کے نزدیک عدل تحقیقی کا معدول عنہ محقق ہے اور اس سے دوسرے صیغہ کی طرف اخراج مفروض
ہے اور عدل تقدیری کا معدول عنہ بھی مفروض اور اخراج بھی مفروض ہے لیکن محققین کے نزدیک عدل تحقیقی کا
معدول عنہ محقق ہے اور اس سے دوسرے صیغہ کی طرف اخراج مفروض ہے اور عدل تقدیری کا معدول عنہ بھی
مفروض اور اخراج بھی مفروض ہے پس محققین کے نزدیک عدل تحقیقی و تقدیری میں صرف معدول عنہ کے اعتبار سے
فرق ہوا کہ عدل تحقیقی میں معدول عنہ محقق ہے اور عدل تقدیری میں معدول عنہ مفروض ہے لیکن اخراج تو وہ دونوں
مفعول میں مفروض ہے

قولہ خرجاً۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ تحقیقاً اور تقدیراً اپنے موصوف محذوف یعنی خروجاً کے
اعتبار سے خروجاً کا مجازاً مفعول مطلق ہے۔ مجازاً اس لئے کہ مفعول مطلق حقیقہً جو مذکورہ ہوتا ہے جس سے پہلے
فعل مذکور ہو جیسے ضربت ضرباً میں مصدر سے پہلے ضربت فعل مذکور ہے اور تحقیقاً اور تقدیراً سے پہلے فعل مذکور
نہیں بلکہ مصدر یعنی خروج مذکور ہے اس لئے اس کی تاویل کی جاتی ہے کہ خروج بمعنی ان یخرج ہے پس اصل
عبارت یہ ہے فالعدل ان یخرج خروجاً تحقیقاً و تقدیراً۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تحقیقاً و تقدیراً کان محذوف کی خبر ہو
یعنی تحقیقاً کان الخروجاً و تقدیراً یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہو یعنی حق العدل تحقیقاً و تقدیراً

یا اس سے پہلے مضاف مجذوف ہو یعنی خرج تحقیق اور تقدیر مضاف کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا اور جو اعراب مضاف کا تھا وہی مضاف الیہ کو دیدیا گیا۔

قولہ کا نشانہ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تحقیقاً اور تقدیراً کو خرج کی صفت قرار دیا گیا ہے جب کہ صفت وہ ہوتی ہے جو موصوف کے ساتھ اتصاف کی صلاحیت رکھ سکے اور ظاہر ہے تحقیق و تقدیر خرج کی ساتھ اتصاف کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ یہ کہا نہیں جاتا کہ خرج تحقیق بلکہ خرج تحقیق یا خرج متحقق کہا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ تحقیقاً اور تقدیراً خرج کی صفت بنفس نہیں بلکہ اپنے موصوف یعنی اصل کے اعتبار سے ہے اور اصل متعلق ہے کا نشانہ اور کا نشانہ و جا کی صفت ہے اور صفت متعلق چونکہ موصوف کا متعلق ہوتا ہے اس لئے تحقیقاً و تقدیراً خرج کی صفت اس کے متعلق کے اعتبار سے ہے لیکن تحقیقاً و تقدیراً بمعنی اسم مفعول یعنی محقق و مقدر ہو گا کیونکہ اصل تحقیق و تقدیر نہیں کہا جاتا بلکہ اصل محقق و مقدر کہا جاتا ہے

ثَلَاثٌ وَثَلَاثٌ وَالْأَصْلُ أَنَّ فِي مَعْنَاهَا تَكَرُّرٌ أَوْ ثَلَاثٌ لِمَعْنَى مَكْرَرٌ
يَكُونُ اللَّفْظُ أَيْضًا مَكْرَرًا لِمَا فِي جَارِي الْقَوْمِ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ
وَكَذَا الْحَالُ فِي أَحَادٍ وَوَحْدٍ وَثَنَاءٍ وَثَنِيٍّ إِلَى رُبَاعٍ وَرُبْعٍ بِإِخْلَافٍ وَثَنِيٍّ وَثَنِيٍّ إِلَى عَشَارٍ وَعَشَرٍ
خِلَافٍ وَالصَّرَافُ مَجْتَمِعٌ وَالسَّبَبُ فِي مَنَعِ حَرْفِ ثَلَاثٍ وَثَلَاثٌ وَخِلَافُهُمَا الْعَدْلُ وَالْوَصْفُ لَا فِي الْوَصْفِ
الْعَرَضِيَّةِ أَلَا كَانَتْ فِي ثَلَاثٍ ثَلَاثَةٌ صَارَتْ أَصْلِيَّةً فِي ثَلَاثٍ وَثَلَاثٌ لِعِبَارَتِهِمَا نِهَايَةً وَضَعَالَةً

ترجمہ — (جیسے ثلث وثلث) اور دلیل ان دونوں کے اصل پر ان دونوں کے معنی میں تکرار ہے لفظ میں نہیں اور قاعدہ ہے کہ جب معنی مکرر ہو تو لفظ بھی مکرر ہوتا ہے جیسے جاری القوم ثلاث ثلاث ثلاث میں پس معلوم ہوا کہ ثلاث وثلث کی اصل لفظ مکرر اور وہ ثلاث ثلاث ثلاث ہیں اور یہی حال احاد و واحد اور ثناء وثنی میں رباع وربع تک اتفاق ہے اور ان کے علاوہ میں عشاء و معشر تک اختلاف ہے اور صحیح ان کا غیر منصرف آنا ہے اور ثلاث وثلث اور ان دونوں کے نظائر میں ایک سبب عدل ہے اور دوسرا سبب وصف ہے کیونکہ ثلاث ثلاث ثلاث میں جو وصفیت عرضیہ تھی وہ ثلاث وثلث میں اصلیہ ہو گئی ہے کیونکہ وہ وصفیت اس معنی میں معتبر ہے جس کیلئے ثلاث وثلث وضع کیا گیا ہے۔

نشر ہے۔ قولہ والدلیل۔ یعنی ثلاث وثلث عدل تحقیق کی مثال ہیں اس لئے کہ اہل عرب ان

دونوں کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور غیر منصرف کے لئے چونکہ دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور یہاں نہ ایک سبب یعنی وصف اصلی موجود ہے اس لئے اس میں دوسرا سبب عدل تحقیق کا اعتبار کیا گیا جس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دوسری دلیل بھی دلالت کرتی ہے اور وہ دلیل ان دونوں کے معنی میں تکرار ہے کیونکہ ثلاث کا معنی ہے تین تین اسی طرح ثلث کا معنی بھی تین تین ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں جاری القوم ثلاث یعنی میرے پاس قوم آئی تین تین اسی طرح جاری القوم ثلث یعنی میرے پاس قوم آئی تین تین اور قاعدہ ہے کہ معنی کی تکرار لفظ تکرار پر دلالت کرتی ہے اور لفظ مکرر نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ مکرر سے معدول ہیں ثلاث معدول ہے ثلاث ثلاث سے اسی طرح ثلث معدول ہے ثلاث ثلاث سے۔ خیال رہے کہ ثلاث ثلاث منصوب ہے قوم سے حال ہونے کی بنا پر اور معدول بلفظ واحد ہے یعنی مفصلاً بهذا التفصیل

قولہ وكذا الحال۔ یعنی ثلث وثلث جس طرح معنی میں تکرار کی وجہ سے ثلاث ثلاث سے معدول ہیں اسی طرح احاد و واحد بھی کہ وہ احاد واحد سے معدول ہیں اور ثنائی ثنائی ثنائی سے معدول ہیں اور رباع و رباعی اربعہ اربعہ سے معدول ہیں کیونکہ چاروں کے معنی میں تکرار ہے اور معنی کی تکرار لفظی تکرار پر دلالت کرتی ہے اور ان تمام میں عدل تحقیق ہونے میں سبب کا اتفاق ہے کیونکہ ان کا غیر منصرف پڑھا جانا اہل عرب سے مسموع ہے اور ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے فَا نَكُونُوا أَطَائِفَ لَكَ شَتَّى وَثَلَاثٌ وَرُبَاعٌ لَيْكِنَ انْ كَعَلَاوَةِ شَلَاخْمَاسٍ وَخَمْسٍ وَسَدَاسٍ وَسَدَسٍ وَسَبْعٍ وَثَمَانٍ وَثَمْنٍ وَتِسَاعٍ وَتِسْعٍ وَعَشَارٍ وَمَعَشَرٍ عَدْلٌ تَحْقِيقِيٌّ هُوَ فِي اخْتِلَافٍ هُوَ کیونکہ ان کے معنی میں اگرچہ تکرار ہے لیکن اہل عرب سے یہ مسموع نہیں کہ وہ لوگ ان کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ مبرور اور کوفین عدل تحقیق کے قائل ہیں اور یہی شارح کا مذہب مختار بھی ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ فعال و مفعول کا وزن جس طرح احاد و واحد و رباع و رباعی میں جاری ہے اسی طرح خماس و خمس و سداس و سدس میں بھی کیونکہ مافوق ماتحت پر قیاس کیا جاتا ہے اور دونوں میں علت مشترکہ بھی ہے اور وہ ہر ایک کا اصول اعداد سے ہونا پس جب ماتحت میں عدل تحقیق مانا جائے تو مافوق میں مانا جائیگا علاوہ معنی کا خیال ہے کہ خماس و خمس سداس و سدس وغیرہ یا رستہ کی ساتھ اہل عرب سے مسموع ہیں چنانچہ خاصی و سداسی و سبائی وغیرہ کہا جاتا ہے عبارت میں الی رباع و رباعی عشاء و معشر کے اندر الی بمعنی مع ہے جیسا کہ ظاہر ہے

قولہ والسبب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ثلث وثلث میں ایک سبب عدل تحقیق ہے اور دوسرا سبب وصف ہے لیکن اصلی نہیں بلکہ عارضی ہے کیونکہ معدول عنہ میں بھی وصف عارضی ہے حالانکہ وصف کا غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے اصلی ہونا شرط ہے پس ان کو منصرف ہونا چاہئے غیر منصرف نہیں۔ جواب

یک معدول عن ثلاث ثلاثۃ میں صرف اگرچہ عارضی ہے لیکن معدول میں اصلی ہو گیا ہے کیونکہ عدل وضع ثانی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ سوال معدول عن میں جب وصف عارضی ہے اور معدول میں اصلی تو دونوں کے اندر معنی میں اتحاد نہ رہا جبکہ عدل کیلئے معنی میں اتحاد ضروری ہے جواب صرف اصل معنی میں اتحاد ضروری ہے اور وہ یہاں موجود ہے کیونکہ ثلاثۃ کا معنی جس طرح تین تین ہے اسی طرح ثلاث وثلث کا معنی بھی تین تین ہے۔

قولہ ینماذفعالہ۔ لفظ ما سے مراد موضوع لفظ ہے اور لہ کی ضمیر مجرور کا مرجع لفظ ما ہے لہذا وضع کی ضمیر تثنیہ کا مرجع ثلاث وثلث ہیں۔

وآخر جمع آخری مونث آخر آخر اسم التفضیل لان معناه فی الاصل اشدا تاخرا ثم نقل الی معنی غیر رقیاس اسم التفضیل ان یستعمل باللام أو الاضافۃ أو کلمۃ من وجہ لم یستعمل بواحد منها علی انہ معدول من احدہا فقال بعضهم انہ عتافیہ اللام ای عن الآخر وقال بعضهم هو معدول عما ذکر معہ من ای عن آخر من

ترجمہ: — (اور آخر جمع ہے آخری کی جو آخر کی مونث ہے اور آخر اسم تفضیل ہے اس لئے کہ اصل میں اس کا معنی ہے اشدا تاخرا پھر غیر کے معنی کی طرف منقول ہو گیا ہے اور اسم تفضیل کا قیاس یہ ہے کہ لام کے ساتھ مستعمل ہو یا اضافت یا من کے ساتھ اور یہاں ان تینوں میں سے کسی ایک کیساتھ مستعمل نہیں تو معلوم ہوا کہ آخر ان تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے تو بعض نحو یوں نے کہا کہ آخر اس اسم سے معدول ہے جس میں لام ہو یعنی الآخر سے اور بعض نحو یوں نے کہا کہ وہ اس اسم سے معدول ہے جس کے ساتھ من مذکور ہو یعنی آخر من سے

تشریح: — قولہ جمع آخری۔ عدل تحقیقی کی یہ تیری مثال ہے جو کلام عرب میں غیر منصرف پڑھا جاتا ہے اور اس میں بحرف وصف کے کوئی دوسرا سبب نہیں اور صرف ایک سبب غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں تو مجبوراً عدل تحقیقی کا اعتبار کر لیا گیا۔ کہ اس کے وجود اصل پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ بھی دلیل موجود ہے اور وہ یہ کہ آخر اسم تفضیل ہے جو آخری کی جمع ہے اور آخری مونث ہے آخر کی اور اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر ہوتا ہے الف لام کے ساتھ یا من کیساتھ یا اضافت کے ساتھ اور آخر ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مستعمل نہیں تو پتہ چلا کہ آخر کا معدول عن الآخر ہے یا آخری

پہلا بصیغہ جمع ہے اور دوسرا بصیغہ واحد کیونکہ اسم تفضیل من کے ساتھ ہمیشہ واحد مستعمل ہوتا ہے اور الف لام کیساتھ موصوف کے مطابق بھی واحد اور کبھی جمع مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ اسم تفضیل کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

قولہ لان معناه۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ آخر اگر اسم تفضیل ہوتا تو اشدا تاخرا کے معنی میں مستعمل ہوتا حالانکہ وہ اسم صفت غیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے جارنی زید وراثت زید آخر یعنی زید غیر جواب یہ کہ آخر پہلے اشدا تاخرا کے معنی میں تھا پھر غیر کے معنی میں مستعمل ہو گیا ہے۔ سوال آخر کا معنی اشدا تاخرا ہونا اسم تفضیل ہونے پر دلیل نہیں بلکہ ممکن ہے وہ مبالغہ کا صیغہ ہو نیز یہ کہ وہ ہمیشہ غیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے پس اگر وہ اسم تفضیل ہوتا تو اشدا تاخرا کے معنی میں بھی مستعمل ہونا چاہئے تھا۔ جواب آخر کا صیغہ اسم تفضیل کے وزن پر ہے جو اس طرح گردانا جاتا ہے آخر آخر الی آخر و من اور آخر اگرچہ غیر کے معنی میں مستعمل ہے لیکن من کل الوجوہ نہیں اس لئے کہ غیر جس و غیر جس دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اور آخر صرف جس میں مستعمل ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے جاء زید و آخر یعنی رجل آخر ذکر حمز آخر یا امرۃ آخر۔

قولہ قیاس اسم۔ یعنی قیاس یہ ہے کہ اسم تفضیل ہمیشہ الف لام کیساتھ مستعمل ہوتا ہے یا من کے ساتھ یا اضافت کے ساتھ اور آخر ان تین طریقوں میں سے کسی طریقہ پر مستعمل نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ معدول ہے ان تینوں میں سے کسی ایک سے بعض کا خیال ہوا کہ وہ معدول ہے مغرف باللام یعنی الآخر سے کیونکہ آخر جس طرح جمع کا صیغہ ہے اسی طرح الآخر بھی بعض کا خیال ہوا کہ وہ معدول ہے آخر من سے کیونکہ آخر جس طرح نکرہ ہے اس طرح آخر من بھی اس لئے وہ نکرہ کی صفت ہوتا ہے جیسے جارنی زید وراثت زید آخر مذہب اول نے مذہب دوم پر یہ سوال کیا ہے کہ آخر اگر معدول ہے آخر من سے تو جمع کا واحد سے معدول ہونا لازم آئے گا جو ممنوع ہے کیونکہ اسم تفضیل من کے ساتھ ہمیشہ واحد مستعمل ہوتا ہے لیکن الف لام کے ساتھ جمع بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ آخر من میں جو آخر ہے وہ بمعنی اسم جس ہے جو واحد و جمع دونوں کو شامل ہے جیسے علماءنا افضل من علماء ہم میں افضل کا اطلاق جمع پر ہے۔ مذہب دوم نے مذہب اول پر یہ سوال کیا ہے کہ آخر اگر معدول ہے الآخر سے تو نکرہ کا معرفہ سے معدول ہونا لازم آئے گا جو ممنوع ہے کیونکہ آخر نکرہ ہے اور الآخر معرفہ جواب یہ کہ آخر معدول ہے الآخر سے لفظا بھی اور معنی بھی یعنی آخر کا لفظ اپنا اصلی صیغہ چھوڑ کر دوسرے صیغہ پر ہے اور آخر کا معنی اپنی صفت چھوڑ کر دوسری صفت پر ہے پہلے وہ معرفہ

وَالْمَلِكُ يَذْهَبُ إِلَى الْقَدْرِ بِإِضافَةٍ لَا تَنْتَهِى تَوْجِبُ التَّنْوِينَ أَوِ الْبِنَاءِ أَوْ إِضافَةٍ أُخْرَى مُشْكِلًا
نَحْوُ حِينَئِذٍ وَقَبْلَ وَيَا تَيْمُّتِمْ عَدِيٍّ وَلَيْسَ فِي أُخْرَى مِنْ ذَلِكَ فَتَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ مَعْدُولًا عَلَى
أَحَدِ الْآخَرِينَ

ترجمہ:۔ اور تقدیر یا اضافت کی طرف کوئی نہیں گیا اس لئے کہ اضافت، تنوین یا بنیاد یا دوسری اضافت
کو واجب کرتی ہے جیسے حینذ اور قبل اور یا تيم تيم عدي اور اخر میں ان میں سے کچھ نہیں ہے پس متین ہو گیا کہ
آخر دوسرے درمیان سے کسی ایک سے معدول ہو گا۔

تشریح:۔ قولہ وَالْمَلِكُ يَذْهَبُ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مضاف کے احتمال کا قول کسی نے کیوں
نہیں کیا؟ کہ آخر آخر سے معدول ہے۔ جواب یہ کہ مضاف الیه جب مخذوف ہوتا ہے تو تین امور میں سے ایک
واجب ہوتا ہے (۱) مضاف معنی ہوتا ہے جیسے لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدِ أَيْ مِنْ قَبْلِ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْ بَعْدِ
كُلِّ شَيْءٍ (۲) مضاف پر تنوین آتی ہے جیسے حِينَئِذٍ (۳) اس کے بعد اس کی مثل دوسری اضافت ہوتی ہے
جیسے یا تيم تيم عدي اور ظاہر ہے آخر نہ سنی ہے اس پر تنوین ہے اس کے بعد کوئی دوسری اضافت ہے
تو یہ چلا کہ آخر کا معدول عند مضاف نہیں ہے۔

خیال رہے کہ اکثر نسخوں میں لم یذہب فعل واحد آیا ہے جس کا ضمیر مرفوع کا مرجع مذکورہ بالا دونوں
مذہبوں میں سے ہر ایک ہے اور بعض نسخوں میں لم یذہب فعل تنیہ آتا ہے جس کا ضمیر مرفوع کا مرجع مذکورہ
بالا دونوں مذہب ہیں اور لاشعرا میں ضمیر منصوب کا مرجع ہے الاضافۃ حال کو نہا قاطعۃ عنہا اور بعض نسخوں میں
عن ابدال آفرین میں الآخِرین کے بجائے الامرین آیا ہے

وَجَمْعُ جَمْعٍ مَوْنَتْ أَجْمَعُ وَكَذَلِكَ كَتَبْتُ وَبَعْتُ وَبِصْعٍ وَبِصْعٍ نَعْلًا وَمَوْنَتْ أَفْعَلُ إِنَّ كَانَتْ صِفَةً أَوْ
تَجْعُ عَلَى فَعْلٍ كَمَا عَلَى حُمُرٍ وَالْكَاتِ اسْمَانِ تَجْعُ عَلَى نَعَالٍ أَوْ فَعْلًا وَاتَّكَتِ عَلَى صَحَارٍ أَوْ
صَحْرًا وَاتَّكَتِ عَلَى صَحْرٍ أَوْ جَمَاعِيٍّ أَوْ جَمَاعَاتٍ نَازًا أَوْ جَمَاعَاتٍ نَازًا أَوْ جَمَاعَاتٍ نَازًا أَوْ جَمَاعَاتٍ نَازًا
نَاحِدًا السَّبِيحِينَ نَحْمَا الْعَدْلَ التَّحْقِيقِيَّ وَالْآخِرَ الصِّفَةَ الْأَصْلِيَّةَ وَأَنَّ مَا رَتَّبْنَا بِالْغَلْبَةِ فِي بَابِ التَّكْلِيفِ

ترجمہ:۔ (۱) اور جمع (جمع ہے جمعا کی جو جمع کی مؤنث ہے اور اسی طرح کتبت اور بتعت اور بصعت ہیں اور
نعلاء کا قیاس جو فعل کی مؤنث ہے۔ اگر نعلاء اسم صفت ہو تو اس کی جمع فعل کے وزن پر آئیگی جیسے حمراء
کی جمع حمراء کے وزن پر آتی ہے اور اگر نعلاء اسم ذات ہو تو اس کی جمع فعلی یا فعلیات کے وزن پر آئے گی جیسے
صحراء کی جمع صحرائی یا صحراءات کے وزن پر آتی ہے پس جمع کی اصل یا توجہ جمع ہے یا جماعی یا جماعات پس جب
جمع کا ان میں سے کسی ایک سے اخراج کا اعتبار کیا جائے تو عدل متحقق ہو جائے گا پس اس میں دو سببوں
میں سے ایک سبب عدل تحقیقی ہو گا اور دوسرا صفت اصل ہو گا اگرچہ جمع باب تاکید میں غلبہ استعمال کی وجہ سے
اسم ہو گئی ہے اور جمع اور اس کی نظیروں میں دو سببوں میں سے ایک سبب تو وزن فعل ہے اور دوسرا
صفت اصل ہے۔

تشریح:۔ قولہ جمع جماع۔ جمع بضم جیم وفتح میم عدل تحقیقی کی چوتھی مثال ہے جو کلام عرب میں غیر
منصرف پڑھا جاتا ہے اور اس میں بجز وصفیت اصل کے کوئی دوسرا سبب نہیں پایا جاتا اور ایک سبب غیر منصرف
ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے مجوزاً عدل تحقیقی کا اعتبار کر لیا گیا کہ اس کے اصلی صیغہ کے وجہ پر
غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ دلیل بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ جمع جماع کی جمع ہے جو جمع کی مؤنث ہے اور فعلاء
کا وزن اگر اسم صفت ہو تو اس کی جمع فعلی یا فعلیات کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حمراءات
ہو تو اس کی جمع نعالی یا فعلیات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحراء کی جمع صحرائی یا صحراءات ہے پس جماع کی جمع جمع
کے وزن پر آئیگی یا جماعی یا جماعات کے وزن پر اور جمع جماع کی جمع ہے ان تینوں وزن میں سے کسی وزن پر
نہیں ہے جس سے پتہ چلا کہ جمع کا اصلی صیغہ جمع ہے یا جماعی یا جماعات یہی حال کتبت وبتعت وبتعت کا ہے کہ وہ کتبت
وبتعت وبتعت کی جمع ہیں جو مؤنث ہے اکتبت وابتعت وابتعت کی وہ غیر منصرف ہیں اس لئے کہ ان میں ایک
سبب عدل تحقیقی ہے اور دوسرا وصف اصلی ہے۔

قولہ افعل۔ افعل کلام عرب میں تین قسم پر ہے۔ (۱) اسی (۲) و معنی (۳) تفضیلی افعل اسی وہ اسم
ہے جو افعل کے وزن پر ہو اور ایسی ذات پر دلالت کرے جو صفات سے خالی ہو جیسے اَصْبَحَ بِمَعْنَى انْكَشَتْ اور اَفْعَلُ
بِمَعْنَى طَارَ اور افعل و معنی وہ اسم ہے جو افعل کے وزن پر ہو اور ایسی ذات پر دلالت کرے جو بعض صفات
کیساتھ متصف ہو اور غیر پرزادتی کا قصد نہ ہو جیسے اَمْرٌ بِمَعْنَى سَرٌّ اور اَمْرٌ بِمَعْنَى كُنْزٌ اور افعل تفضیلی وہ

اسم ہے جو فعل کے وزن پر ہو اور مشتق ہو اور ایسی ذات پر ولادت کرے جو زیادتی کے ساتھ متصف ہو اور وہ زیادتی باعتبار غیر ہو جیسے زيد النضر من بکرم یعنی زید بسیار یاری دہندہ ازبک

قولہ وان صارت بالغلبة۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مجمع تکید معنوی ہے اور تاکید معنوی اسم ذات ہوتی ہے جیسے جاء في القوم اجمعون میں اجمعون تاکید ہے قوم کی جس سے مراد وہ ذات نہیں جو وصفیت جمیعت کے ساتھ متصف ہو بلکہ جماعت مخصوصہ ہے اور وہ اسم ذات ہے اور اسم ذات وصف اصلی کا مغایر ہوتا ہے پس مجمع میں وصف اصلی متبرنہ ہوگا۔ جواب یہ کہ مجمع اصل میں وصف ہی ہے اگرچہ وہ باب تاکید میں غلبہ استعمال کی وجہ سے اسم ہو گیا ہے اور غیر منصرف کا سبب جو وصف ہے وہ وصف اصلی ہے پس وصف اصلی اسم حالی کی وجہ سے ساکن نہ ہوگا۔

قولہ وفي الجمع۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ مجمع میں جب دو سببوں میں سے ایک سبب عدل تحقیقی ہے تو اجمع واکتف وابتع میں بھی دو سببوں میں سے ایک سبب عدل تحقیقی ہوگا۔ حاصل ازالہ یہ کہ اجمع واکتف وغیرہ میں عدل تحقیقی نہیں بلکہ ایک سبب وزن فعل ہے اور دوسرا وصف اصلی ہے کیونکہ عدل کا اعتبار اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ اس کے علاوہ صرف ایک سبب موجود ہو اور یہاں اس کے علاوہ دو سبب موجود ہیں نیز عدل کے اوزان استقرار کے مطابق جیسا کہ مذکور ہوا چلتے ہیں۔ جن پر مذکورہ امثال نہیں اترتے پس ان کے اندر عدل کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

وعلی ما ذکرنا لا یدر الجہود الشاذة کانیب و اقوس ناقه لم یقتبر اخرا جصاصا هو القياس کالایا والاقواس کیف وثو اعتبار جمیعہا اولاً علی انیاب و اقوس فلا شذوذ فی ہذا الجمیعۃ ولا قاعدہ للاسم المخرج لیلزم من مخالفتها الشذوذ فمن آت یحکم فیہا بالشذوذ ومن ہذا تبین الفرق بین الشاذ والمعدل

ترجمہ۔ اور اس پر جو ہم نے خسرو جہ من صفتہ الاصلیہ کی تشریح میں بیان کیا انیاب و اقوس جیسے مجموعہ شاذہ سے اعتراض نہ ہوگا اس لئے کہ انیاب و اقوس کے اخراج کا اعتبار ان مجموعہ سے نہیں کیا گیا ہے جس میں قیاس ہے جیسے انیاب و اقوس کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے حالانکہ اگر ان دونوں کی جمع کا اعتبار اذلاً انیاب و اقوس کے وزن پر کیا جائے تو اس جمیعت میں کوئی شذوذ نہ ہوتا اور اسم تخرج میں کوئی قاعدہ نہ

نہیں ہے کہ اس قاعدہ کی مخالفت سے شذوذ لازم آتا ہو پس ان کے اندر شذوذ کا حکم کہاں سے لگایا جاتا ہے ؟ اور اس بیان سے شاذ اور معدول کے درمیان فرق واضح ہو گیا۔

تشریح۔ قولہ وعلی ما ذکرنا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں اقوس و انیاب داخل ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اقوس کا اصلی صیغہ اقواس اور انیاب کا اصلی صیغہ انیاب ہے دلیل یہ ہے کہ اقوس و انیاب اجوف ہے اور اجوف جب بر وزن فعل ہو تو اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے جیسے قول کی جمع اقوال پس اقوس و انیاب کی جمع اصل میں اقواس و انیاب تھی لیکن ان سے اقوس و انیاب کا عدول کیا گیا۔ جواب یہ کہ عدل میں اصل صیغہ سے اخراج کا اعتبار ضروری ہوتا ہے اور اقوس و انیاب میں کوئی ضروری نہیں کیونکہ شذوذ ثلث و مثلث کو اہل عرب چوں کہ غیر منصرف پڑھتے ہیں اس لئے اس میں مجبوراً عدل تحقیقی مانا گیا لیکن یہ مجبوری اقوس و انیاب میں نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ ان کو منصرف پڑھتے ہیں۔

قولہ ولو اعتبر۔ یہ جواب تسلیمی ہے کہ اقوس و انیاب کو مجموعہ شاذہ کہا جاتا ہے اگر مان لیا جائے کہ اقوس و انیاب کی جمع ابتداءً اقواس و انیاب آتی ہے اس سے اقوس و انیاب کا عدول ہوا ہے تو اس کو مجموعہ شاذہ کہنا نہیں چاہئے حالانکہ وہ اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قولہ ولا قاعدہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اقوس و انیاب کو جو مجموعہ شاذہ کہا جاتا ہے اس کا درجہ غالباً یہ ہے کہ اس کا خسرو جہ کسی قاعدہ کے تحت نہیں ہوا ہے۔ جواب یہ کہ اسم معدول کے لئے کوئی قاعدہ نہیں ہوتا کہ جس کی مخالفت سے شذوذ لازم آئے۔ اس تقریر سے شاذ و معدول کے درمیان تفرق بھی واضح ہو گیا کہ شاذ وہ ہے جو خلاف قیاس ہو اور معدول وہ ہے جو قیاس کے موافق ہو کیونکہ معدول کے لئے اخراج کا اعتبار ہی موافق قیاس ہے۔

لوقد یزأئی خیر وجا کانتا من اصل مفقود مفروض یكون الداعی الی التقدير وفرضه منع العرف لا غیر کعم وکذا للحدیث فرفنا لہما المتأوجدا غیر منصرفین ولم یوجد فیہما سبب ظاہر الا علیہ اعتبر فیہما العدل ولما توقف اعتبار العدل علی وجود الاصل ولم یکن فیہما دلیل علی وجود غیر منع الصرف فدلنا فیہما آت اصلہما علم ورفنا فرفنا لہما الی عمد ورفنا

ترجمہ: — دیا تقدیری طرز پر یعنی ایسی اصل سے اسم کا خسروج جو مقدر و مفروض ہو اور اس کی تقدیر و فرض کی طرف غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسرا داعی نہ ہو جیسے عمر، اور اسی طرح زفر ہے کیونکہ جب وہ دونوں غیر منصرف پائے گئے اور ان کے اندر علمیت کے علاوہ کوئی دوسرا سبب ظاہر نہ پایا گیا تو ان دونوں کے اندر عدل کا اعتبار کر لیا گیا اور جب عدل کا اعتبار اصل کے وجود پر موقوف ہے اور ان دونوں کے اندر اصل کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہیں تو ان دونوں میں یہ فرض کر لیا گیا کہ ان کی اصل عام اور زافر ہے جن کو عمر اور زفر کی طرف عدول کیا گیا ہے

تشریح: — قولہ ائی خسوجا۔ اس کا تفصیلی بیان تحقیقاً کے ضمن میں گذر چکا ہے البتہ مقدر کے بعد مفروض کا ذکر اس لئے ہے کہ مقدر کبھی اندازہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں اس سے مراد مفروض ہے اور مفروض کبھی اس کے فرض و تقدیر کی طرف داعی ہوتا ہے اور کبھی داعی نہیں ہوتا اس لئے یوں الداعی سے یہ بتایا گیا کہ یہاں وہ مفروض ہے جس کے فرض و تقدیر کا داعی ہے اور وہ اسم کا اہل غسب کے نزدیک غیر منصرف پڑھا جاتا۔ سوال فرض و تقدیر کا داعی صرف غیر منصرف پڑھا جانا ہی نہیں بلکہ مزید دو امر بھی ہیں ایک عمر کی شکل میں علمیت کے سوا دوسرے سبب کا نہ پایا جانا اور دوسرا عدل کے علاوہ دوسرے سبب کے اعتبار کے صلاحیت نہ رکھنا۔ جواب داعی امر وجودی ہوتا ہے اور امر وجودی صرف غیر منصرف پڑھا جانا ہی ہے اور بقیہ دونوں امر عدلی ہیں اور عدلی داعی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

قولہ وکذا لکھ زفر۔ عدل تقدیری کی ایک مثال عمر ہے اور دوسری مثال زفر ہے کیونکہ جب ان دونوں پر غیر منصرف جیسا اعراب دیکھا گیا اور اس میں صرف ایک سبب علمیت ہے جو قائم مقام دو سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس لئے اس میں دوسرا سبب عدل اعتبار کر لیا گیا اور عدل کے لئے معدول عنہ کا ہونا ضروری ہے اور اس کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہیں اس لئے عمر کے لئے عام اور زفر کے لئے زافر کو معدول عنہ فرض کر لیا گیا۔

وَمَثَلُ بَابِ قَطَامٍ الْمَعْدُولُ عَنْ قَاطِئَةٍ وَأَمَّا دِيَابِهَا كُلُّ مَا هُوَ عَلَى أَعْيَانِ الْمَوْشَى مِنْ غَيْرِ ذَوَاتِ الرَّأْيِ فِي لَفْظِ نَيْمٍ فَانْهَمُ اعْتَبَرُوا الْعَدْلَ فِي هَذَا الْبَابِ حَلَالَهُ عَلَى ذَوَاتِ الرَّأْيِ فِي الْأَعْلَامِ الْمَوْشَى مَثَلُ حَضَارٍ وَطَارٍ فَانْهَمُ مَبْنِيَّاتٍ وَلَيْسَ فِيهَا إِلَّا سَبَابُ الْعِلْمِيَّةِ وَالتَّائِيثِ وَالسَّبَابِ لَا يَجِبُ الْبِنَاءُ فَاعْتَبَرُوا فِيهَا الْعَدْلَ لِتَحْصِيلِ سَبَبِ الْبِنَاءِ فَلَمَّا اعْتَبَرُوا فِيهَا الْعَدْلَ اعْتَبَرُوا فِيهَا عَدْلَهَا مَجْمُوعًا

معدولاً غیر منصرف ایضاً حلالہ علی نظامہ مع عدم احتیاج الیہ لتحقيق السبب لمنع الصرف العلمیۃ والتائیت فاعتبار العدل تینہ انما هو للتحلیل علی نظامہ لا لتحصیل سبب منع الصرف ولذا ایتقال ذکر باب قطام نہضالیں فی محلہ لانت الکلام فیما قبل من فیہ العدل لتحصیل سبب منع الصرف

ترجمہ: — (اور باب قطام) کی مثل جو قاطط سے معدول ہے اور مضاف نے باب قطام سے ہر اس لفظ کا ارادہ فرمایا ہے جو فعال کے وزن پر اعیان موشہ غیر ذوات الار کا علم ہو۔ نئی (نیم) کی لغت (سین) کیونکہ نئی نیم نے اس باب میں اعلام موشہ میں ذوات الار پر حمل کرنے کی وجہ سے عدل کا اعتبار کیا ہے جیسے حضار و طار کہ دونوں معنی علی الکسر ہیں اور ان کے اندر علمیت و تائیت کے سوا کچھ نہیں اور دو سبب بناء کا موجب نہیں ہوتے تو نحو یوں نے حضار و طار میں سبب بناء کی تحصیل کے لئے عدل کا اعتبار کیا۔ جب نحو یوں نے حضار و طار میں سبب بناء کی تحصیل کے لئے عدل کا اعتبار کیا تو ان دونوں کے ماسوا اس فعال میں کہ اس کو بھی انہوں نے معرب غیر منصرف قرار دیا۔ عدل تقدیری کا اعتبار کیا تاکہ اس معرب غیر منصرف کا اس کی نظیر پر حمل ہو جائے باوجودیکہ منع صرف کے دو سبب علمیت اور تائیت کے تحقق کی وجہ سے عدل کے اعتبار کرنے کی حاجت نہ تھی پس باب قطام میں عدل کا اعتبار کرنا محض اس کے نظام پر حمل کرنے کی وجہ سے ہے سبب بناء کی تحصیل کے لئے نہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ باب قطام کا ذکر یہاں اپنے محل پر نہیں ہے اس لئے کہ کلام اس اسم معرب میں ہے کہ جس میں سبب منع صرف کی تحصیل کے لئے عدل معدول مانا جائے۔

تشریح: — قولہ ومثل۔ لفظ مثل کا ذکر اگرچہ یہاں فضول ہے کہ اس کے لئے کفر میں کاف تھیل ہی کافی ہے لیکن اس کو یہاں یہ اشارہ کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ قطام میں جو عدل تقدیری کا اعتبار ہے وہ عمر میں عدل تقدیری کے اعتبار کی طرح نہیں ہے کیونکہ عمر میں عدل تقدیری کا اعتبار غیر منصرف کے لئے ہوتا ہے اور قطام میں حمل علی النظر کے لئے جس کا تفصیلی بیان آگے آئیگا۔ خیال رہے کہ قطام کی صفت معدولہ موشہ لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ موشہ معنوی ہے جو قاطط سے معدول ہے وہ اس عودت کو کہتے ہیں جس جو جھگڑتے وقت دانت سے کاٹتی ہو۔

قولہ واداد بیابعا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عدل تقدیری باب میں ثابت ہوتا ہے قطام میں نہیں کیونکہ قطام مضاف الیہ ہے اور حکم مضاف کو لاحق ہوتا ہے مضاف الیہ کو نہیں۔ جواب یہ کہ باب قطام سے ترکیب اضافی مراد نہیں بلکہ وہ اسم مراد ہے جو فعال کے وزن پر ہوا اور ذات موشہ کا علم ہوا اور غیر ذوات

ہو یعنی اس کے آخر میں راہ نہ ہو جیسے قطام و غلاب کہ یہ دو عورت کے نام ہیں

قولہ لغتہ بنی۔ لغت کی تقدیر ہے جواب ہے اس سوال کا کہ بنی تیمم کو باب قطام کا ظرف قرار دیا گیا ہے جب کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی جیسے زمان و مکان اور دوسری اعتباری جیسے صفات کا موصوف کے لئے چنانچہ کہا جاتا ہے زید فی العلم والحرم کامل اور ظاہر ہے بنی تیمم دونوں میں سے کوئی نہیں۔ جواب یہ کہ ظرف حقیقتہ بنی تیمم نہیں بلکہ لغت ہے جو عبارت میں مضاف محذوف ہے اور ظاہر ہے کہ لغت باب قطام کی صفت واقع ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے باب قطام الذی ھو لغتہ بنی تیمم۔

قولہ فانھما مبتتان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ باب قطام بنی تیمم کی لغت میں غیر منصرف ہے جس میں ایک سبب علمیت ہے اور دوسرا تانیث معنوی پھر اس میں عدل کیوں مانا جاتا ہے۔ یہ جواب ہے کہ بنی تیمم نے باب قطام کو غیر منصرف بنانے کے لئے عدل کا اعتبار نہیں کیا بلکہ حمل علی النظر کے لئے کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو اسم فعال کے وزن پر ہو اور ذات مؤنث کا علم ہو پس اگر وہ ذات الاراء ہو تو باب حضار و طہار کہلاتا ہے۔ حضار ایک ستارہ کا نام ہے اور طہار ایک بلند جگہ کا نام ہے۔ اور اگر غیر ذات الاراء ہو تو باب قطام کہلاتا ہے پس باب قطام ذات مؤنث کے علم ہونے میں باب حضار کی نظیر ہوا لیکن باب قطام لغت بنی تیمم میں غیر منصرف ہے اور باب حضار مبتنی ہے اور باب حضار میں چونکہ صرف دو سبب ہیں ایک علمیت و دوسرا تانیث معنوی جس سے وہ مبتنی اصل کے مشابہ نہیں ہوتا اس لئے اس میں عدل مقرر مانا گیا تاکہ وہ مبتنی ہو جائے اور جب باب حضار میں عدل مانا گیا تو بنی تیمم نے باب قطام میں بھی عدل فرض کر لیا کہ وہ معدول ہے قاطعہ سے لیکن اس لئے نہیں کہ باب قطام کو مبتنی بنانا ہے جس طرح باب حضار کو مبتنی بنایا گیا ہے کیونکہ اس میں عدل مانے بغیر ہی دو سبب موجود ہیں ایک علمیت و دوسرا تانیث معنوی بلکہ اس میں عدل محض حمل علی النظر کیلئے یعنی شئی کو اس کی نظیر کے بعض احکام میں شریک کرنے کے لئے مانا گیا ہے تاکہ مناسبت ملحوظ رہے

قولہ فانھما مبتتان۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بنی تیمم نے جو باب قطام جو غیر ذات الاراء ہے اس میں عدل کا اعتبار ذات الاراء پر حمل کرنے کے لئے کیا ہے تو خود ذات الاراء مثلاً حضار میں عدل کا اعتبار کس لئے ہے؟ جواب یہ کہ ذات الاراء مبتنی ہے اور مبتنی اصل کی مشابہت عدل مانے بغیر نہیں ہوتی کیوں کہ مبتنی اصل کے ساتھ مشابہت کے جو اٹھ طریقے معرب کی تعریف میں گذر چکے ان میں سے چھٹا طریقہ یہ ہے کہ مبتنی اصل کی جگہ بولے جانے والے اسم کے وزن پر ہو اور اس کی طرح معدول بھی ہو جیسے قمار اس لئے کہ

انزل مبتنی اصل ہے جس کی جگہ پر نزال بولا جاتا ہے اور اس کے وزن پر قمار ہے اور نزال کی طرح قمار بھی معدول ہے

قولہ ولھذا بقالہ۔ بعض بنی تیمم باب قطام میں عدل مانتے ہی نہیں اور اہل حجاز عدل مانتے ہیں لیکن مبتنی اصل کے ساتھ مشابہت کے لئے اور اکثر بنی تیمم بھی عدل مانتے ہیں لیکن حمل علی النظر کے لئے بہر حال باب قطام میں کسی کے نزدیک بھی عدل غیر منصرف کے۔ پائے نہ ہیں۔ اس سے اس کا ذکر کیا جائے گا۔ جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مقام اس عدا کے بیان میں ہے خواہ وہ غیر منصرف کا سبب ہو یا سبب نہ ہو اول جیسے لغت و مثلث میں اور دوم جیسے باب قطام میں

وَالْمَا قَالَ فِي تَيْمَمٍ لَا تَحْجَازُ بَيْنَ تَيْمَمٍ فَلَا يَكُونُ مِمَّا تَحْتَ فَيْدِهِ وَالْمَرَادُ مِنْ بَنِي تَيْمَمٍ أَكْثَرُهُمْ نَافِلَاتُ الْقَلْبَيْنِ مِنْهُمْ لَمْ يَجْعَلُوا ذَوَاتَ الرِّاءِ مَبْتَنِيَةً بَلْ جَعَلُوا هَا غَيْرَ مَنْصَرِفَةٍ فَلَا حَاجَةَ إِلَى اعْتِبَارِ الْعَدْلِ فِيهَا التَّحْمِيلُ سَبَبُ الْبِنَاءِ وَحُلُّ مَا عَدَا هَا عَلَيْهَا

ترجمہ:۔ اور منصف نے بنی تیمم اس لئے فرمایا کہ اہل حجاز فعال کو مبتنی مانتے ہیں پس اس صورت میں یہ اس قبیل سے نہ ہوگا جس میں ہماری بحث ہے اور بنی تیمم سے مراد اکثر بنی تیمم ہیں اس لئے کہ اقل بنی تیمم ذوات الاراء کو مبتنی قرار نہیں دیتے بلکہ وہ باب قطام کو غیر منصرف ٹھہراتے ہیں پس اس میں سبب بناء کی تحصیل کے لئے ذوات الاراء میں عدل کے اعتبار کرنے اور اس کے ماسوا کو ذوات الاراء پر حمل کرنے کی ضرورت نہیں۔

تشریح:۔ قولہ والما قالہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ باب قطام لغت بنی تیمم میں جو ہے وہ معلوم ہو گیا لیکن دوسری لغت میں کیا ہے وہ معلوم نہ ہوکا؟ جواب یہ کہ لغت اہل حجاز میں باب قطام مبتنی ہے بلکہ اس لغت میں ہر فعال کا وزن خواہ ذات الاراء ہو یا غیر ذات الاراء مبتنی سمجھا جاتا ہے

قولہ والمراد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لغت بنی تیمم میں ذات الاراء مثلاً حضار و طہار علمیت و تانیث معنوی کی وجہ سے غیر منصرف ہے جس طرح غیر ذات الاراء مثلاً باب قطام علمیت و تانیث معنوی کی وجہ سے غیر منصرف ہے پس اس میں عدل تقدیری ماننا فضول ہے جواب یہ کہ لغت بنی تیمم سے اکثر بنی تیمم مراد ہیں اس میں ذات الاراء کو مبتنی قرار دیا جاتا ہے جس کے سبب بناء کی تحصیل کے لئے عدل تقدیری مانا جاتا ہے

اور اس پر حمل علی النظر کے لئے غیر ذات الراء میں بھی عدل تقدیری مانا جاتا ہے اور غیر منصرف قرار دینا وہ بعض
بنی تمیم کے لغت میں ہے وہ یہاں مراد نہیں۔

الوصف وهو يكون الاسم دالاً على ذات معينة مأخوذة مع بعض صفاتها سواء كانت هذه الدلالة
بحسب الوضع مثل أحذاتك موضوع لذات ما أخذت مع بعض صفاتها التي هي الأحذية أو بحسب
الاستعمال مثل أربع في ممرات بنسوة أربع قاتلة موضوع لمرتبة معينة من مراتب العدول
وصفة فيه بحسب الوضع بل قد تعرضت الوصفية كما في المثال المذكور قاتلة لسا أجهى
لها على النسوة التي هي من قبيل المعدودات لا الأعداد على أنها ممرات بنسوة موضوع
باربعية وهذا معنى وصفي عرضي في الاستعمال لا أصلي بحسب الوضع والمعتبر في سببية منع
الصرف هو الوصف الأصلي لا الصلة بالعرضية فلذلك قال المصنف رحمه الله تعالى

تعالى

ترجمہ: — (وصف) اور وہ اسم کا ایسی ذات مبہم پر دلالت کرنا ہے جو اپنی بعض صفات کی بنا پر
ملفوظ ہو خواہ وہ دلالت باعتبار وضع ہو جیسے احمر کہ وہ ایسی ذات کے لئے موضوع ہے جو اپنی بعض صفات
کے ساتھ جو محضرت ہے ملفوظ ہو یا باعتبار استعمال ہو جیسے اربع جو ممرات بنسوة اربع میں ہے موضوع ہے
مراتب عدد کے مرتبہ معینہ کے لئے جس میں باعتبار وضع کوئی وصفیت نہیں بلکہ اس کو وصفیت عارضی ہوتی
ہے جیسے مثال مذکور میں اربع جو اس نسوة پر محمول ہے جو از قبیل معدودات ہے از قبیل اعداد نہیں معلوم
ہو کہ مثال مذکور کا معنی ممرات بنسوة موصوفہ باربعیہ ہے اور وہ معنی وصفی ہے جو بوقت استعمال اس کو عارضی
ہوتا ہے اصلی نہیں جو باعتبار وضع ہوتا ہے اور غیر منصرف کے سبب ہونے میں جو وصف معتبر ہے وہ وصف
اصلی ہے۔ اس کے اصل ہونے کی وجہ سے۔ وصف عرضی نہیں۔ اس کے عرض ہونے کی وجہ سے اسی
وجہ سے مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

ترجمہ: — بیا تہ الوصف۔ عدل کے بعد وصف کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بعض اسماء معدودہ
جیسے ثلاث وثلث میں موثر ہوتا ہے اور وصف کے بعد تانیث کو اس لئے بیان کیا کہ دونوں شریک
ہیں وضعی وعارضی کی طرف منقسم ہونے میں جن میں سے صرف وضعی موثر ہے عارضی نہیں اور تانیث کے بعد

کو اس لئے بیان کیا کہ وہ تانیث کی شرط ہے اور معارف کے بعد عجز کو اس لئے بیان کیا کہ عجز کی شرائط میں
سے تعریف علمی بھی ہے اور جمع کو اس لئے بیان کیا کہ وہ قائم مقام دو سبب ہونے میں تانیث کے مشابہ ہے اور
ترکیب کو اس کے بعد اس لئے بیان کیا کہ دونوں شریک ہیں مفرد کفرع ہونے میں اور ترکیب کے بعد الف
وزن زائد تان کو اس لئے بیان کیا کہ وہ ترکیب کے مشابہ ہے اس لئے کہ اس میں بھی زیادت مذکورہ اور مزید
علیہ سے ترکیب ہوتی ہے اور جب کوئی سبب باقی نہ رہا تو اخیر میں وزن فعل کو بیان کیا۔

قولہ دھوکون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف کے اسباب عدل و تانیث و معرف
و ترکیب وغیرہ از قبیل مصادر ہیں لیکن وصف مصدر نہیں بلکہ وہ تابع ہے جو متبوع میں پایا جائے جواب
یہ کہ نکلنے کے نزدیک وصف کے دو معنی ہیں ایک وہ جو مذکور ہوا اور دوسرا وہ دلالت کرنا ہے ایسی ذات
مبہم پر جس میں اس کی بعض صفات کا لحاظ کیا گیا ہو ظاہر ہے وصف کا یہ معنی مصدری ہے

قولہ سواء کانت۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ اسم کا ذات مبہم پر دلالت کرنا
مطلق ہے جو بوقت اطلاق فرد کامل مراد ہوتا ہے اور یہاں اس کا فرد کامل دلالت باعتبار وضع سے
حاصل ازالہ یہ کہ فرد کامل جب مراد ہوتا ہے جب کہ عموم پر کوئی قسریہ نہ ہو اور یہاں شرطہ ان یکن
فی الأصل قسریہ موجود ہے کیونکہ تخصیص نعیم کے بعد ہی متحقق ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ اسم کا ذات مبہم پر
دلالت کرنا عام ہے خواہ باعتبار وضع ہو جیسے احمر کہ وہ ایسی ذات کے لئے موضوع ہے جو ایک ذات
غیر معینہ پر دلالت کرتا ہے جس میں اس کی صفت سرخی کا لحاظ کیا گیا ہے یا وہ دلالت باعتبار استعمال
ہو جیسے ممرات بنسوة اربع میں اربع اگرچہ ایک مخصوص عدد کا نام ہے جو تین اور پانچ کے درمیان ہو
جس میں اس کے کسی وصف کا لحاظ نہ کیا گیا ہو لیکن نسوة کی صفت واقع ہونے کی وجہ سے وہ وصف
عارضی ہو گیا اب وہ دلالت کرے گا عورتوں کی غیر معینہ جماعت پر جس میں اس کی ایک صفت چار ہونے
کا لحاظ کیا گیا ہو۔

قولہ والمعتبر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ وصف جب دو طرح کا ہے ایک اصلی اور دوسرا عارضی
تو یہاں ان دونوں میں سے کون مراد ہے؟ جواب یہ کہ غیر منصرف کے سبب ہونے میں وصف اصلی معتبر ہے
وصف عارضی نہیں کیونکہ وصف اصلی میں یہ قوت ہے کہ اصل کو غیر اصل کی طرف یعنی انصراف کو عدم انصراف کی
طرف پھر دے اور یہ قوت وصف عارضی میں نہیں ہے کیونکہ وہ معرض زوال میں ہوتا ہے

شروطاً أن شرط الوصف في سببية منع العرف أن يكون وصفاً في الأصل الذي هو الوضع بأن يكون
وضعه على الوصفية لأن تعرضه الوصفية بعد الوضع في الاستعمال سواء بقى على الوصفية الأصلية
أو في التبع

توضيح:۔ (اس کی شرط) یعنی وصف کی شرط منع عرف کے سبب ہونے میں یہ ہے کہ وہ وصف اصل
میں ہو، اصل جو کہ وہ وضع ہے یا اس طرح کہ اس کی وضع وصفت پر ہو یا نہیں کہ اس کو وصفت وضع کے بعد
استعمال میں عارض ہو عام ہے وہ وصفت اصل پر باقی ہو یا اس سے ناکل ہو۔
تشریح:۔ قولہ "أن شرط الوصف" اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ شرط کی غیر مجرب و رکامرج وضع
ہے لیکن یہاں وصف سے مراد اس کی تاثیر ہے کیونکہ شرط سبب کی نہیں بلکہ اس کی تاثیر کی ہوتی ہے اسی
طرح شرط کی اصنافت جہاں بھی اسباب کی طرف ہوتو اس سے بھی تاثیر مراد ہوگی۔

واضح ہو کہ شرط کہتے ہیں لغت میں علامت کو اور اصطلاح میں اس امر خارج کو کہتے ہیں جس پر شئی
موقوف ہو جیسے طہارت نماز پر اور رکن اس امر داخل کو کہتے ہیں جس سے شئی قائم ہو جیسے قیام و قعود
نماز کے لئے اور غرض دونوں کو عام ہے

قولہ فی سببیتہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شرط کے بغیر شرط پایا نہیں جاتا حالانکہ مراد
نسبہ اربع میں اربع میں وصف موجود ہے لیکن اصلی نہیں جواب یہ کہ وصف کا اصلی ہونا غیر منصرف کے
موجود ہونے کی شرط نہیں بلکہ اس کو غیر منصرف کا سبب مانتے کی ہے اور مثال مذکور میں وصف تو مرکب
ہے لیکن اصلی نہیں اس لئے وہ منصرف ہے

قولہ الذی هو الوضع۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اصل جب کسی وصف کے ساتھ بولا جائے
تو اس سے مراد موصوف ہوتا ہے اور ہر وصف چونکہ موصوف میں ہوتا ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہو گا کہ وصف
موصوف میں ہو۔ جواب یہ کہ اصل سے یہاں موصوف نہیں بلکہ وضع مراد ہے کیونکہ اصل کہتے ہیں سببیت
علیہ الشیء کو اور ظاہر ہے افادہ و استفادہ میں دلالت مطابقی و تفضیلی و انتزاعی میں سے ہر ایک کی بناء
وضع پر ہوتی ہے یعنی ہر ایک کے مفہوم میں وضع داخل ہے اس لئے اصل سے وضع مراد لیا گیا معنی یہ ہے
کہ وصف کو غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ وضع میں ہو یعنی وہ وصف اصلی ہو عارضی نہ ہو

پس اصل پر الف لام عہد خارجی کا ہے جو وضع پر دال ہے
قولہ بان یكون۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فی جملہ ظرف مکان پر داخل ہوتا ہے یا ظرف
زمان پر اور اصل نہ ظرف زمان ہے اور نہ مکان پس اصل پر فی کا داخلی غلط ہے جواب یہ کہ فی یہاں بمعنی عند
ہے اصل عبارت یہ ہے شرط "أن یكون عند الأصل" یعنی شرط یہ ہے کہ وصفت وضع کے وقت ہو یعنی وضع
وصفت پر ہو، یہ نہیں کہ وضع کے بعد استعمال میں وصفت عارض ہو۔ بعض شارحین نے اصل سے پہلے
زمان کو مقدر مانا ہے یعنی "أن یكون فی زمان الأصل"۔

فلاقتضی بان تخرجہ عن سببیت منع الصرف الغلبة أن علیہ الأسمیة علی الوصفية ومع الغلبة
اختصاصه ببعض افراد بحث لا یحتاج فی الدلالة علیہ الی قرینة لکما أن اسود کان موضوعاً لکلی مافیہ
سواد ثم کثر استعمالہ فی الحیث السواد لبحث لا یحتاج فی الفہم عنہ الی قرینة

توضیح:۔ (پس وصف کو ضرر نہ دے گا) یا اس طرح کہ اس کو منع عرف کے سبب ہونے سے نکال دیجیے
(غلبہ) یعنی وصفت پر اسمیت کا غالب ہونا اور غلبہ کا معنی ہے وصف کا اپنے بعض افراد کے ساتھ اس طرح
خاص ہونا کہ جس پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ کا محتاج نہ ہو جیسے اسود موصوف ہے ہر ایک شئی کے لئے جس
میں سواد ہو پھر کالے سانپ کے لئے اس کا استعمال اس طرح کثیر ہو گیا کہ لفظ اسود سے مفہوم میں کمی تسرینہ
کا محتاج نہیں ہے

تشریح:۔ قولہ بان تخرجہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غلبہ سے وصف چونکہ ناکل ہو جاتا ہے
اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غلبہ سے وصف کو ضرر نہیں پہنچتا جواب یہ کہ ضرر نہ پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ
غلبہ وصف کو غیر منصرف کا سبب ہونے سے نہیں روکتا یعنی وصف جس طرح غلبہ سے پہلے غیر منصرف کا سبب
ہوتا ہے اسی طرح غلبہ کے بعد غیر منصرف کا سبب ہوتا ہے۔ فلاقتضی میں ظاہر ہے تقریر ہے پس عبارت
کا معنی یہ ہو گا کہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے جب وصف اصلی شرط ہے تو غلبہ اسمیت وصف کو ضرر نہ
دے گا پس غلبہ پر الف لام مضاف الیہ اسمیہ کے عوض میں ہے اور غلبہ چونکہ متبیین کو متفق ہوتا ہے ایک وہ
جو غالب ہو اور دوسرا وہ جس پر غالب ہو اس لئے شرح میں غلبہ کے بعد علی الوصف کا اضافہ کیا گیا ہے۔
قولہ معنی الغلبة۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غلبہ سے جب وصف ناکل نہیں ہوتا تو آخر غلبہ

کا معنی کیا ہے؟ جواب یہ کہ غلبہ کا معنی یہ ہے کہ اسم کا اپنے بعض افراد نوئی کیساتھ اس طرح خاص ہو جانا کہ اس کا دوسرے افراد پر دلالت کرنے کے لئے قرینہ کا محتاج ہو اور خود اس فرد پر دلالت کرنے کے لئے قرینہ کا محتاج نہ ہو مثلاً اسود کو واضح کرنے ہر کالی چیز کے لئے وضع کیا ہے خواہ وہ نباتات ہو یا جمادات یا حیوانات پھر اصطلاح میں وہ کالے سانپ کے لئے اس طرح خاص ہو گیا ہے کہ گورے آدمی پر دلالت کرنے کے لئے قرینہ کا محتاج ہے اور خود کالے سانپ پر دلالت کرنے کے لئے قرینہ سے مستثنیٰ ہے۔

فَلذَلِكَ الْمَذْكُورُ مِنْ اشْتِرَاطِ اصْلَالَةِ الْوَصْفِ بِمُضَرَّةِ الْغَلْبَةِ مَعْرِفَةِ لِعَدَمِ اصْلَالَةِ الْوَصْفِ بِأَرْبَعٍ فِي قَوْلِهِمْ مَرَرْتُ بِنِسْوَةِ أَرْبَعٍ وَامْتِنَعْتُ مِنَ الصَّرْفِ لِعَدَمِ مَضَرَّةِ الْغَلْبَةِ اسود وادهم حيث صار اسمين للحية الأولى للحية السوداء والثانية للحية التي فيها سود وياض وادهم حيث صار اسماً للقيد من الحديد لبانيه من الذهبية أعني السوداء

ترجمہ:۔۔۔ (پس اسی) مذکور یعنی وصفیت اصلہ کی شرط اور غلبہ اسمیت کے فرقہ دینے کی وجہ سے منصرف ہوا کیونکہ اہل عرب کے قول (مررت بنسوة اربع) میں اربع کے اندر وصفیت اصلہ نہیں ہے (اور منع ہوئے) منصرف ہونے سے غلبہ اسمیت کے فرقہ دینے کی وجہ سے (اسود وادهم) کیونکہ دونوں نام ہوئے ہیں (سانپ کے لئے) پہلا نام ہے کالا سانپ کا اور دوسرا نام ہے اُس سانپ کا جس میں سیاہی و سفیدی دونوں ہوں (اور ادھم) کیونکہ وہ نام ہو گیا ہے (وہ ہے) کی دبیڑی کے لئے، اس لئے کہ اس میں دھمت یعنی سیاہی ہوتی ہے

تشریح:۔۔۔ قولہ المذکور۔۔۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ ذلک سے دو امروں کی طرف اشارہ مقصود ہے ایک یہ کہ اصل وضع میں وصف ہونا شرط ہے دوسرا یہ کہ غلبہ سے وصف کو فرقہ نہیں ہوتا جب کہ ذلک واحد ہے جس سے صرف ایک امر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جواب یہ کہ ذلک سے صرف ایک امر اور وہ مذکور کی طرف اشارہ مقصود ہے البتہ مذکور سے دو امر مراد ہیں جو گزر چکے جیسا کہ سیاق کلام اس پر دال ہے کیونکہ مررت بنسوة اربع میں اربع کا منصرف ہونا امر اول پر متفرع ہے اور اسود وادهم کا غیر منصرف ہونا امر دوم پر متفرع ہے قولہ لعدم۔۔۔ اس عبارت یہ اشارہ ہے کہ مررت بنسوة اربع میں اربع کا منصرف ہونا امر اول پر متفرع ہے جس کا حاصل یہ کہ اربع ایک مخصوص عدد کا نام ہے جو تین اور پانچ کے درمیان ہے جس

میں کسی قسم کی وصفیت ملحوظ نہیں ہے البتہ مثال مذکور میں یہ وصف عارض ہوا ہے کہ اب وہ خورد توں کی زمینیں جماعت پر دال ہے جس میں اس کی ایک صفت چار ہونے کا لحاظ کیا گیا ہے حالانکہ غیر منصرف کا سبب وہ وصف ہے جو اصل میں ہو۔

قولہ اربع فی قولہم۔۔۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مُرَرْتُ فعل مجہول کا نائب فاعل مررت بنسوة اربع کو قرار دیا گیا ہے پس معنی ہوا کہ مررت بنسوة اربع منصرف ہو گیا حالانکہ وہ جملہ ہے جو مبنی اصل ہوتا ہے اور مبنی منصرف نہیں ہوتا۔ جواب یہ کہ عبارت میں نائب فاعل اگرچہ مجازاً جملہ کو قرار دیا گیا ہے لیکن حقیقتہً نائب فاعل اربع ہے جو جملہ مذکورہ کا جز ہے پس یہ مجازی الاسناد ہے یا یہ کہ جملہ بول کر یہاں اس کا جز یعنی اربع مراد ہے پس یہ مجاز مرسل ہے۔

قولہ من الصرف۔۔۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تن میں امتنع فعل ہے جس کا فاعل اسود ہے پس معنی ہوا کہ اسود متنع ہے حالانکہ بے شمار کالے سانپ موجود ہیں۔ جواب یہ کہ امتنع کا صمد من الصرف مجزوف ہے اور اسود سے یہاں لفظ اسود مراد ہے پس معنی ہوا کہ لفظ اسود کا منصرف ہونا امتنع ہے اسی طرح ارثم وادھم کا منصرف ہونا بھی امتنع ہے جو بلاشبہ درست ہے

قولہ الاول للحیة۔۔۔ یعنی اسود کی وضع ہر کالی چیز کے لئے ہوتی ہے خواہ کالی کوئی چیز ہو جمادات ہو یا نباتات یا حیوانات پھر استعمال میں وہ کالے سانپ کا نام ہو گیا۔ ارثم کی وضع ہر چت کبڑی چیز کے لئے ہوتی ہے خواہ چت کبڑی کوئی چیز ہو پھر استعمال میں وہ چت کبڑی سانپ کا نام ہو گیا اسی طرح ادھم کی وضع ہر کالی چیز کے لئے ہوتی ہے پھر استعمال میں وہ لڑھے کی بیڑی کا نام ہو گیا کیوں کہ اس میں دھمت یعنی سیاہی ہے

فَاتَّ هَذِهِ الْأَسْمَاءُ وَإِنْ خَرَجَتْ عَنِ الْوَصْفِ بِغَلْبَةِ الْأَسْمَةِ لَكِنَّا بَحَبَّ أَصْلِ الْوَضْعِ أَوصافاً لم يوجب استعمالها في معانيها الأصلية أيضاً بالكلية فالسانع من الصرف في هذه الأسماء الصفة الأصلية فَوْنُ الْقَعْلِ وَأَمَّا عِنْدَ اسْتِعْمَالِهَا فِي مَعَانِيهَا الْأَصْلِيَّةِ فَلَا اشْكَالَ فِي مَعْنَى صَرْفِهَا لَوْ أَنَّ الْفَعْلَ وَالْوَصْفَ فِي الْأَصْلِ وَالْحَالِ

ترجمہ:۔۔۔ کیونکہ یہ اسماء غلبہ اسمیت کی وجہ سے اگرچہ وصفیت سے نکل گئے ہیں لیکن وہ باعتبار اصل

وضع اوصاف ہیں جن کا اپنے معانی اصل میں استعمال بھی بالکل متروک نہیں ہوا ہے پس ان اسماء میں منصرف ہونے سے مانع صفت اصل اور وزن فعل ہیں اور لیکن ان کا اپنے معانی اصل میں استعمال کے وقت ان کے منصرف ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے وزن فعل اور وصف اصل و حال میں ہونے کی وجہ سے

تشریح: قولہ فان هذا لا يخلو۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسود جب کالے سانپ کا علم ہو گیا اور اتم چیت بکری سانپ کا اور ادھم لوبہ کی پٹری کا تو اب ان میں وصف ملحوظ نہ ہوگا کیونکہ وصف عموم کا مقتضی ہے جو معانی علم ہے۔ جواب یہ کہ ان اسموں سے وصف اگرچہ علم کی وجہ سے ناک ہو جاتا ہے لیکن اصل وضع کے اعتبار سے ان میں وصف موجود رہتا ہے اسی وجہ سے وہ کبھی معنی وصفی میں بھی مستعمل ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے عندی اسود من الرجال وجمار اسود والناس اسود پس اس میں وصف اصلی بھی ہوگا اور حالی بھی

قولہ وزن الفعل۔ اس مقام پر کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ اسود میں وزن فعل نہیں کیونکہ اس کے لئے عدم قبول تار کی شرط ہے حالانکہ اسود تار کو قبول کرتا ہے کیونکہ مونت سانپ کو اسود کہا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ اسود جرم تار کو قبول کرتا ہے وہ غلبہ استعمال کی وجہ سے اس وصف اصلی کی وجہ سے نہیں جو غیر منصرف کا سبب ہے اور اسود جو وزن فعل ہے وہ اسی اعتبار سے جیسا کہ بحث وزن فعل میں آئے گا۔

وَضَعُفَ مَعْنَى أَلْفِي اسْمًا لِلْحَيَاةِ عَلَى شَرَاهُمْ وَصِفِيَّةٌ لَتَوْهْمٍ اِسْتِقْا قِيَابِ مِنْ اَلْفَعْوَةِ اَلْفِي هِيَ اَلْجَبْتُ وَكَذَلِكَ مَعْنَى اَجْدَلٍ اَلْفَعْوَةِ عَلَى شَرَاهُمْ وَصِفِيَّةٌ لَتَوْهْمٍ اِسْتِقْا قِيَابِ مِنْ اَلْجَبْتِ بِمَعْنَى اَلْقُوَّةِ وَاَخِيْلٌ لَلْعَا كَرْدِي خِيْلًا عَلَى شَرَاهُمْ وَصِفِيَّةٌ لَتَوْهْمٍ اِسْتِقْا قِيَابِ مِنْ اَلْجَبْتِ

ترجمہ:۔۔۔ اور غیر منصرف ہونا ضعیف ہے افعلی کا۔ جرم نام ہو گیا ہے (ایک سانپ کے لئے) اس کی کیفیت کے زعم کی بنا پر کیونکہ وہم ہے کہ اس کا اشتقاق فعول سے ہو جو بحث ہے اس کی طرف راہیں) کا غیر منصرف ہونا (جو شک کے لئے ہے) اس کی وصفیت کے زعم کی بنا پر کیونکہ وہم ہے کہ اس کا اشتقاق جمل یعنی قوت سے ہو اور اخیل کا پند سے کہے یعنی تفلوں والے پند سے کہے لئے اس کی وصفیت کے زعم کی بنا پر اس لئے کہ وہم ہے کہ اس کا اشتقاق حال سے ہو۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ وضع مع۔ یعنی افعلی اس سیاہ زہریلے سانپ کا نام ہے جس کے ساتھ نظروں دو چار ہوتے ہیں انسان اندھا ہوتا ہے۔ فارسی میں افعلی بکر علی مستقر جو غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دو سبب

ہیں ایک وزن فعل اور دوسرا وصف اصلی لیکن وزن فعل ہونا تو ظاہر ہے اور وصف ہونا اس لئے کہ وہ مشتق ہے فَعْوَةٍ سے اور فَعْوَةٍ کا معنی ہے جث پس افعلی کا معنی ہوا ذُو فَعْوَةٍ یعنی جث والا اور یہ گذر چکا کہ وصف اصلی غلبہ سمیت کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا اسی طرح اجدل جو شکہ کا نام ہے غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں وزن فعل کے علاوہ وصف اصلی بھی ہے اس لئے کہ وہ مشتق ہے جمل یعنی قوت سے پس اجدل کا معنی ہوا ذُو جمل یعنی قوت والا اسی طرح اخیل اس پرندہ کو کہتے ہیں جس کے پرں پر بکثرت تل کی مانند نشانات ہوں جس کو شترق بھی کہا جاتا ہے وہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں وزن فعل کے علاوہ وصف اصلی بھی ہے کیونکہ وہ مشتق ہے خال سے اور خال تل کو کہتے ہیں جو بدن پر ہوتا ہے پس اخیل کا معنی ہوا ذُو خال یعنی تل والا

قولہ لتوهم۔ اس مقام پر یہ سوال ممکن ہے کہ یہ دلیل ہے زعم کی اور زعم کہتے ہیں ظن کو اور ظن طرف راجع کا نام ہے اور وہم طرف مرجوح کا پس وہم سے زعم کی دلیل درست نہیں ہے جواب یہ کہ زعم جملہ طرف راجع کو کہا جاتا ہے اسی طرح طرف مرجوح کو بھی اور یہاں بھی طرف مرجوح مراد ہے جو معنی ہے وہم کا پس وہم سے زعم کی دلیل درست ہے

وَرَجُلُهُ ضَعِيفٌ مَعْنَى اَلْفَعْوَةِ فِي هَذِهِ اَلْاَسْمَاءِ عَدَمُ اَلْجَنِّمْ بِكَوْنِهَا اَوْصَافًا اَصْلِيَّةً فَاَنْتَهَا اِلَيْهِ اَلْقَصْدُ بِهَا اَلْمَعْنَى اَلْوَصْفِيَّةُ مُطْلَقًا لَا فِي الْاَصْلِ وَلَا فِي الْحَالِ مَعَ اَنْ اَلْاَصْلَ فِي الْاَسْمَاءِ اَلْمَصْرُفُ

تشریح:۔۔۔ قولہ ووجه ضعف۔ غیر منصرف کے ضعیف ہونے کی وجہ ان کے اوصاف اصلی ہونے کا یقین نہ ہونا ہے کیونکہ ان اسموں سے ان کے وصفی معنوں کا مطلقاً قصد نہیں کیا گیا نہ اصل وضع میں اور نہ حال یعنی استعمال میں باوجودیکہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ ووجه ضعف۔ یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ مذکورہ بالا اسموں میں جب دو سبب موجود ہیں ایک وزن فعل اور دوسرا وصف اصلی تو وہ غیر منصرف ہوئے پھر ان کے غیر منصرف ہونے کو ضعیف کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ ان اسموں میں وصف اصلی ہونا یقینی نہیں ہے کیونکہ ان کا استعمال وضعی معنی میں کبھی بھی ثابت نہیں نہ نام ہونے سے پہلے نہ اس کے بعد اس لئے یقین سے یہ کہا نہیں جاتا کہ افعلی مشتق ہے فَعْوَةٍ سے اور اجدل جمل سے اور اخیل خال سے۔

قولہ مع ان الاصل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ان اسموں میں جس طرح وصف اصلی ہونا یقینی

ہیں اسی طرح وصف اصلی نہ ہوتا بھی یقینی نہیں ہے تو ان کا منصرف ہونا اور غیر منصرف ہونا بھی دونوں برابر ہو سکتے تو منصرف ہونے کو اصل اور غیر منصرف ہونے کو ضعیف کیوں کہا جاتا ہے ؟ جواب یہ کہ ان کے غیر منصرف کے مفہوم ہونے کی وجہ تو گندہ کی لیکن منصرف کے اصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسم معرب میں اصل منصرف ہونا ہے کیونکہ وہ کسی سبب کا محتاج نہیں ہوتا جب کہ غیر منصرف ہونا محتاج ہے۔

التانیۃ لفظی الحاصل بالتاء بالالف فائده لا شرط له

ترجمہ: — (تانیث لفظی) جو تاء سے (حاصل رہے) الف سے نہیں۔ اس لئے کہ جو تانیث الف سے حاصل ہو اس کی کوئی شرط نہیں۔

تشریح: — قولہ لفظی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث معنوی بھی تانیث بالتاء ہی ہے لہذا اس کو تانیث بالتاء کے مقابل بیان کرنا درست نہیں۔ جواب یہ کہ تانیث سے یہاں مطلق تانیث مراد نہیں بلکہ تانیث لفظی ہے جو بلاشبہ تانیث معنوی کے مقابل ہے تانیث لفظی وہ ہے جس میں علامت تانیث حقیقہً ملفوظ ہو جیسے سلمۃ وظلۃ وغیرہ اور تانیث معنوی اس کا برعکس ہے یعنی جس میں علامت تانیث حقیقہً ملفوظ نہ ہو جیسے زینب و ہند وغیرہ۔ تانیث لفظی کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس کے مقابل میں کوئی حیوان مذکر نہ ہو جیسے ظلۃ و سقر و ذل و معنوں کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے ظلۃ پر دونوں صادق ہیں اور سلمۃ پر پہلا معنی صادق ہے دوسرا نہیں اور سقر پر دوسرا معنی صادق ہے پہلا نہیں۔ خیال رہے کہ تاء تانیث سے مراد تاء تائید ہے جو اسم کے آخر میں لاحق ہوتی ہے اور حالت وقف میں بارہوز ہو جاتی ہے اور اس سے پہلے مقنوع ہوتا ہے پس اخت کی اس سے خارج ہے۔

قولہ الحاصل۔ اس تقدیر عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ تن میں بالتاء ظرف مستقر ہے جو اپنے متعلق کے اعتبار سے تانیث لفظی کی صفت واقع ہے اور اسی وجہ سے اس کو معرف بیان کیا ہے کیونکہ نکرہ کی صورت میں وہ حال ہو جائیگا اور حال کا ثبوت ذوالحال کے لئے صرف ثبوت عامل کے زمانہ میں ہوتا ہے جس طرح جاری زید را گیا میں وصف رکوب صرف آنے کے زمانہ کے ساتھ ہے اسی طرح تاء کا ثبوت تانیث لفظی کو صرف ایک زمانہ میں حاصل ہو گا حالانکہ مدعی تمام زمانہ میں ہے اور یہ صرف صفت ہی کی صورت میں ممکن ہے۔ خیال رہے کہ نفعاً حاصل اگرچہ اسم فی محل ہے جو حدوث پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں بھی دوام و استمرار ہے اور اس پر الف لام برائے تعریف ہے

قولہ فائده لا شرط۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث لفظی جس طرح تانیث بالتاء ہوتی ہے اس طرح تانیث بالف مقصورہ و ممدودہ بھی پھر تانیث لفظی کو تانیث بالتاء کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ؟ جواب یہ کہ اس تانیث لفظی کے آگے علیت کی شرط بیان کی گئی ہے جو صرف تانیث بالتاء کیساتھ خاص ہے کیونکہ تانیث بالف مقصورہ و ممدودہ کی کوئی شرط نہیں بلکہ اسی سے اسم تنہا غیر منصرف بن جاتا ہے کیونکہ وہ لزوم وضعی کی وجہ سے قائم مقام دو سبب کے ہوتی ہے۔

شرطہ فی سببۃ منع الصرف العلیۃ الائی علیۃ الاسم الموثق لیصیر التانیث لازماً للاث الاعلام محفوظۃ من التعرف بقدر الامکان ولان العلیۃ وضع ثان وکل حرف ووضعت الکلمۃ علیہ لا یفلک عن الکلمۃ

ترجمہ: — (اس کی شرط) غیر منصرف کے سبب ہونے میں (علیت) یعنی اسم موثق کا علم ہونا ہے تاکہ تانیث کلمہ کو لازم ہو جائے اس لئے کہ علام بقدر امکان تصرف سے محفوظ ہوتے ہیں اور اس لئے کہ علیت وضع ثانی ہے اور پردہ حرف جس پر کلمہ کی وضع ہو وہ کلمہ سے جدا نہیں ہوتا۔

تشریح: — قولہ فی سببۃ منع الصرف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث بالتاء کے وجود کے لئے علیت کا ہونا کوئی ضروری نہیں کیونکہ قائمہ و جالۃ میں تانیث بالتاء موجود ہے لیکن علیت نہیں۔ جواب یہ کہ علیت کی شرط تانیث بالتاء کے وجود کے لئے نہیں بلکہ غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے ہے مثلاً ظلۃ کہ اگر اس کو کسی کا علم مانا جائے تو وہ غیر منصرف ہو گا اور اگر علم مانا نہ جائے تو غیر منصرف نہ ہو گا۔

قولہ الائی علیۃ الاسم الموثق۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ علیت میں یا مصدری ہے پس اس کا معنی ہوا کو نہ علی۔ اس کی ضمیر فہر و در کون کا اسم ہے جس کا مرجع تانیث مصدر ہے اور علی اس کی خبر ذات ہے اور خبر چونکہ اسم پر محمول ہوتی ہے اس لئے ذات کا محل مصدر پر لازم آتیگا جو مثنوع ہے۔ جواب یہ کہ علیت پر الف لام مضاف الیہ مافہ التانیث کے عوض ہے اصل عبارت یہ ہے علیۃ مافہ التانیث ظاہر ہے مافہ التانیث اسم نعت کو کہتے ہیں پس مضاف الیہ الاسم الموثق ہوا اور یہ اضافت اضافت ظرفیہ ہوتی۔

قولہ لیصیر التانیث۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث بالتاء کے لئے علیت کیوں شرط ہے جواب یہ کہ تانیث بالتاء چونکہ اسم کو لازم نہیں ہوتی چنانچہ دافعتہ سے دافع ہوتا ہے اس لئے اس کی

تاثراتی قوی نہیں ہوتی جس سے وہ غیر منصرف کا سبب بن سکے اور اس کے ساتھ علمیت پائی جائے تو وہ اسم کو لازم ہو جاتی ہے کیونکہ اعلام میں بقدر امکان تغیر نہیں ہوتا اور اس لئے بھی کہ علمیت بمنزلہ وضع ثانی ہے اور کلمہ کی وضع جس جس دہر ہوتی ہے وہ صرف اس کلمہ کو لازم ہوتا ہے اس سے جدا نہیں ہوتا جیسے زید سے دل یا نسے پس جب تائیت بالتار کلمہ کو لازم ہو گئی تو اس کا ضعف زائل ہو جائے گا اور وہ غیر منصرف کا سبب قوی بن جائیگا۔

قولہ بعد من الامکان۔ اعلام بقدر امکان تصرف سے اس لئے محفوظ ہوتے ہیں کہ شان و مقام برقرار رہے۔ اس کو قدر امکان کیساتھ اس لئے مفید کیا گیا کہ اعلام میں تصرف بھی ضروری ہوتا ہے جیسے زمین میں کھرنائی میں تصرف ضرورت شمری کی وجہ سے ہوتا ہے اور مٹائی میں اس لئے کہ وہ مقام تخفیف ہے کہ مکمل کام سے جلد فارغ ہونا چاہتا ہے۔

قَالَ تَائِيْتُ الْمَعْنَى كَذَا لِدَوِّ أَيْ كَالْتَائِيَةِ اللفظي بالتاؤني اشتراط العلمية فيه ألا يتغير في زمانها في التائيت اللفظي بالتاؤ شرط وجوب منع الصرف في المعنوي شرط لجواز

ترجمہ: — اور تائیت (معنوی ایسے ہی) یعنی تائیت لفظی بالتاؤ کی طرح علمیت کی اس میں شرط ہونے میں مگر دونوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ علمیت تائیت لفظی بالتار میں غیر منصرف کے وجوب کی شرط ہے اور تائیت معنوی میں غیر منصرف کے جواز کی شرط ہے۔

تشریح: — قولہ التائیت۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ المعنوی اسم منسوب ہے اور اسم منسوب بہ صفت ہوتا ہے پس اس کا موصوف کیا ہے؟ جواب یہ کہ موصوف محذوف ہے اصل عبارت یہ کہ التائیت المعنوی۔ اس کو اس لئے حذف کیا گیا کہ اس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے اور متن کا مقتضی بھی اختصار ہے۔

قولہ ائی کالتائیت۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تائیت معنوی میں علامت تائیت مقدر ہوتی ہوئی ہے اور تائیت لفظی میں ملحوظ پس تائیت معنوی، تائیت لفظی کے مشابہ نہ ہوئی حالانکہ تشبیہ کے اشتراک ضروری ہے۔ جواب یہ کہ تشبیہ صرف علمیت کی شرط ہونے میں ہے دوسری چیزوں میں نہیں یعنی تائیت معنوی علمیت کی شرط ہونے میں تائیت لفظی کی طرح ہے کیونکہ تشبیہ کے لئے کسی ایک امر میں مماثلت کافی ہے جیسے زید کا لاسہ میں زید بہادر ہونے میں شیر کی مانند ہے درندہ یا کسی دوسری چیزوں میں ہیں

قولہ الا ان بينهما۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تشبیہ اگر صرف علمیت میں ہے تو بھی درست نہیں اس لئے کہ تائیت لفظی بالتار میں اگر علمیت ہو تو اسم کا غیر منصرف ہونا ضروری ہو جاتا ہے لیکن اگر تائیت معنوی میں ہو تو ضروری نہیں ہوتا بلکہ وہ منصرف بھی ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی جیسے ہندیں۔ جواب یہ کہ تشبیہ صرف اس بات میں ہے کہ علمیت دونوں کے لئے شرط ہے یعنی علمیت کے بغیر تائیت لفظی بالتار غیر منصرف کا سبب بنے گی اور نہ تائیت معنوی البتہ یہ فرق ہے کہ علمیت پائی جائے تو تائیت لفظی بالتار کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے اور تائیت معنوی کو غیر منصرف پڑھنا صرف جائز ہے یعنی علمیت تائیت لفظی بالتار میں شرط وجوب ہے اور تائیت معنوی میں شرط جواز۔ شرط وجوب کے لئے دوسری وجوب کے لئے دوسری شرط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تائیت لفظی بالتار اصل ہے جس کی شرط وجوب کے لئے صرف علمیت کافی ہے اور تائیت معنوی فرع ہے جس کی شرط وجوب کے لئے علمیت کافی نہیں بلکہ دوسری شرط بھی ضروری ہے۔ خیال رہے کہ تائیت بالتاء میں جو علمیت شرط ہے عام ہے کہ مؤنث کا علم ہو جیسے مسلمہ یا مذکر کا علم ہو جیسے طلحہ لیکن تائیت معنوی میں مؤنث کا علم ہونا شرط ہے جبکہ ثلاثی ہو اس لئے کہ مذکر کا علم ہونے پر تائیت معنوی زائل ہو جاتی ہے۔

وَلَا يَدْنِي وَجوب من شرط آخر كما اشار اليه بقوله وشرط تحت تأثير أي شرط وجوب تأثير التائيت المعنوي في منع الصرف أحد الأمور الثلاثة الزيادة على الثلاثة أي زيادة حروف الكلمة على ثلاثة مثل نسيب أو فتح الحرف الأوسط من حروفها الثلاثة مثل سقر أو العجوة مثل ماء وجوب

ترجمہ: — اور تائیت معنوی کے وجوب کے متعلق دوسری شرط ضروری ہے جیسا کہ مضاف نے اپنے اس قول سے اس کی طرف اشارہ فرمایا اور اس کے تحت تاثیر کی شرط یعنی غیر منصرف میں تائیت معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط تین امور میں سے ایک ہے تین حرف پر زائد ہونا ہے، یعنی کلمہ کے حروف کا تین پر زائد ہونا جیسے زینب (یا متحرک ہونا) حرف (اوسط کا) کلمہ کے تین حروف سے جیسے مقرر یا عجم ہونا، جیسے ماہ و جوار تشریح: — قولہ ولا بد۔ تائیت معنوی چونکہ سبب قوی نہیں یعنی اس سے اسم کا غیر منصرف ہونا جائز ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا اس لئے اس کے واجب ہونے کے لئے تین امور میں سے کسی ایک کا ہونا لازم قرار دیا جاتا ہے اور اس شرط وجوب پر چونکہ متن میں تحت تاثیر کی دلالت مراد ہے اس لئے شارح کو قال کہنا

چاہئے تھا اشار نہیں کہ وہ دلالت خفیہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اشار الیہ میں غیر مجرور کا مرجع مرف شرط وجوب نہیں بلکہ شرط وجوب دوزا ہے جو یا تو بطور بدلیت ہے یا بتاویل مذکور اور تہتم تاثر کی دلالت شرط وجوب پر اگرچہ صراحت ہے لیکن شرط جواز پر اشارہ ہے کیونکہ شرط وجوب سے شرط جواز مستفاد ہوتی ہے۔

قولہ اکی شرط وجوب۔ اس تفسیر سے اشارہ کیا گیا ہے کہ تاثر کی غیر مجرور کا مرجع تانیث معنوی ہے اور تاثر کا ظرف منع مرف ہے اور تہتم اگرچہ مزید ہے لیکن یہاں بمعنی مجرور یعنی ضم بمعنی وجوب ہے کیوں کہ تہتم بمعنی تجدد آتا ہے اور کبھی بمعنی توجب اور یہاں دونوں معنوں میں کیونکہ تجدد کا معنی ہے عمدہ چیز کا انتخاب کرنا اور توجب کا معنی ہے دن میں ایک مرتبہ کھانا اور احد الاوحد الثلاثہ سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں اُو ہائے تردید و تشکیک نہیں بلکہ برائے تنویع ہے اور شرط تہتم تاثر سے اگرچہ تابع اضافات لازم آتا ہے لیکن وہ یہاں محل فصاحت نہیں جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے مثل دایہ قوم فوج اور ذکر رحمة ربک عبدک اور کذا ہے الیہ فرعون۔

قولہ ای تریادۃ حروف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ زینب غیر منصرف ہے لیکن اس پر اموال صادق نہیں آتا کیونکہ اس کی حرکت تین پر زائد نہیں جواب یہ کہ زیادت پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور وہ کلمہ کے حروف ہیں حرکات نہیں اور ظاہر ہے زینب میں کلمہ کے حروف تین پر زائد ہیں۔

قولہ الحاق۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اوسط ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے پس اس کا موطن یہاں کیا ہے؟ جواب یہ کہ موصوف محذوف ہے یعنی الحرف الاوسط۔

قولہ من حروف الثلاثۃ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ اسم اگر متحرک الاوسط ہو تو اس کا تین حروف پر زائد ہونا یا عجم ہونا کوئی ضروری نہیں اسی طرح اگر عجم ہو تو تین حروف پر زائد ہونا یا متحرک الاوسط ہونا کوئی ضروری نہیں پس متن میں اُو منع خلوک کے لئے ہے یعنی تینوں امور میں سے ہر ایک کا ارتفاع محال ہے لیکن اجتماع ممکن ہے مثلاً لفظ ابراہیم جب کسی مؤنث کا علم ہو تو اس پر تینوں امور صادق آتے ہیں تین حروف پر زائد ہونا اور متحرک الاوسط ہونا اور عجم ہونا بھی۔

وَأَنشَأْ شَرْطًا فِي وَجوبِ تَأْثِيرِ الْمَعْنَوِيِّ أَحَدِ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ يُخْرِجُ الْكَلِمَةَ بِثَقُلِ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ عَنِ الْخَفَةِ الَّتِي مِنْ شَأْنِهَا أَنْ يُعَارَضَ مِنْ ثَقُلِ أَحَدِ السَّبَبِينَ مَتَرَا جَهْ تَأْثِيرًا وَثِقَلِ الْأَوَّلَيْنِ ظَاهِرًا

وَكَذَا الْعَجْمَةُ لِأَنَّ لِسَانَ الْعَجْمِ ثَقِيلٌ عَلَى الْعَرَبِ

ترجمہ: — اور تانیث معنوی کے وجوب تاثر کی شرط تین امور میں سے ایک کا ہونا اس لئے شرط لگایا گیا کہ کلمہ تینوں امور کے ثقل کی وجہ سے اس خفت سے نکل جائے جس کی شان یہ ہے کہ دو سببوں میں سے ایک کے ثقل سے معارض ہو کہ تانیث معنوی کی تاثر میں مانع ہوتی ہے اور پہلی دونوں شرطوں کا ثقل تو ظاہر ہے اور اسی طرح عجم ہے کیونکہ عجم کی زبان اہل عرب پر ثقیل ہے۔

تشریح: — قولہ وَأَنشَأْ شَرْطًا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تانیث معنوی کی تاثر واجب کے لئے ثنائی وساکن الاوسط اور عجمی ہونے کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ ثنائی ساکن الاوسط غیر عجمی خفیف ہوتا ہے کیونکہ ثنائی رباعی کے مقابل میں خفیف ہوتی ہے اور ساکن الاوسط متحرک الاوسط کے مقابل میں خفیف ہوتا ہے اسی طرح عجمی کے مقابل میں غیر عجمی خفیف ہوتا ہے اور جب ثنائی ساکن الاوسط غیر عجمی خفیف ہے تو اس کی خفت تانیث کے ثقل کے معارض ہو کہ اس کی تاثر کو کمزور کر دیتی ہے اس لئے غیر منصرف پڑھنا ضروری نہیں ہوتا اور جب وہ رباعی یا ساکن الاوسط یا عجمی ہو تو اس میں خفت نہیں ہوتی جو تانیث کے ثقل کو کمزور کرے اس لئے غیر منصرف پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔

نَهْنَدُ بِجُوزٍ مَرْفُوعَةٍ نَظَرًا إِلَى انْتِفَاءِ شَرْطِ تَحْتِمِ تَأْثِيرِ التَّانِيثِ الْمَعْنَوِيِّ أَعْنَى أَحَدِ الْأُمُورِ الثَّلَاثَةِ رَجُوزٌ عَدُّ مَرْفُوعَةٍ نَظَرًا إِلَى وَجُودِ السَّبَبَيْنِ فِيهِ وَنَسَبِ وَسْفَرِ عِلْمًا لَطِيفَةً مِنْ طَبَقَاتِ النَّاسِ رَمَاهُ وَجُوزٌ عَلَيْنِ بِلَدَيْنِ مَمْنَعٌ مَرْفُوعًا أَمَّا زَيْنَبُ فَلِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّانِيثِ الْمَعْنَوِيِّ مَعَ شَرْطِ تَحْتِمِ تَأْثِيرِهِ دَهْوُ الزِّيَادَةِ عَلَى الثَّلَاثَةِ وَأَمَّا سَفَرُ فَلِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّانِيثِ الْمَعْنَوِيِّ مَعَ شَرْطِ تَحْتِمِ تَأْثِيرِهِ وَهُوَ نَحْوُ الْأَوْسَطِ وَأَمَّا مَا وَجُوزٌ فَلِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّانِيثِ الْمَعْنَوِيِّ مَعَ شَرْطِ تَحْتِمِ تَأْثِيرِهِ وَهُوَ الْعَجْمَةُ

ترجمہ: — (پس ہند کو منصرف پڑھنا جائز ہے) تانیث معنوی کے تہتم تاثر کی شرط یعنی تینوں امور میں سے کسی ایک کے انتفاء کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ اور اس کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے یہ نظر کرتے ہوئے کہ اس میں دو سبب موجود ہیں (اور زینب اور سفر) جہنم کے طبقوں میں سے کسی ایک طبقہ کے علم ہونے کی صورت میں (اور ماہ وجوز) دو شہروں کے علم ہونے کی صورت میں (ممنوع ہے) ان کا منصرف پڑھنا لیکن زینب تو علیمت

اور تانیث معنوی کی وجہ سے جو اپنے تخم تاثیر کی شرط یعنی تین حروف پر زائد ہونے کے ساتھ ہے اور لیکن سقر تو علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے جو اپنے تخم تاثیر کی شرط یعنی تحرک اوسط کے ساتھ ہے اور لیکن ماہ وجود تو علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے جو اپنے تخم تاثیر کی شرط یعنی بحکم کے ساتھ ہیں۔

تشریح: — بیانہ فہمدا۔ ہند پر نامائے تفریع ہے اور یہ تفریع عدی ہے اور زینب و سقر ماہ وجودی اور تفریع عدی کو تفریع وجودی پر اختصار کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ ہند پر وجوب تاثیر کی شرط یعنی تین حروف پر زائد ہونا اور تحرک حرف اوسط اور جمعی کے مفقود ہونے کی وجہ سے تانیث معنوی کمزور ہوگئی اسی وجہ سے وہ منصرف پڑھا جائیگا اور غیر منصرف بھی اس لئے کہ اس میں دو سبب موجود ہیں ایک علمیت اور دوسرا تانیث معنوی پس شرح میں نظر آدوئل جگہ جواز کا مفعول لٹھے۔ واضح ہو کہ ثلاثی ساکن الاوسط جو علم مذکور سے منقول ہوا اور کسی مونث کا علم ہو۔ مثلاً زید تو غلیل و سیویہ والہمخو اس کو ماہ وجود کی طرح غیر منصرف پڑھتے ہیں اور ابو زید و موسیٰ و جری ہندی طرح دوئل امر جا برقرار دیتے ہیں لیکن منصرف پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ اصل ہے

قولہ علی الطبقۃ۔ زینب کا مونث معنوی ہونا چونکہ ظاہر تھا کہ وہ ایک عورت کا نام ہے اس لئے اس کی وضاحت نہ کی گئی اور سقر کے متعلق کہا گیا کہ وہ دوزخ کے پانچویں طبقہ کا نام ہے اور ماہ ایک شہر کا نام ہے اسی طرح جو بھی ایک شہر کا نام ہے سقر کی تفسیر طبقہ سے کرنے میں اس کی تانیث معنوی کے طرف اشارہ ہے اسی طرح ماہ وجود کی تفسیر بلدین سے کرنے میں بھی تانیث معنوی کی طرف اشارہ ہے لیکن اگر انکی تغیر مکان سے کی جائے تو ان کے اندر تانیث معنوی نہ ہوگی لیکن ناچیز کی رائے ہے کہ ماہ وجود اور سقر کو مذکور ہی سے تعبیر کیا جائے جو اصل ہے تاکہ ان کو اصل یعنی منصرف ہی پر برقرار رکھا جائے کیونکہ مونث سے تعبیر کرنے میں غیر منصرف ہونا لازم آتا ہے جو خلاف اصل ہے۔

واضح ہو کہ سقر دوزخ کے پانچویں درجہ کا نام ہے جس میں تارہ پرست ڈالے جاتے گئے پہلا درجہ کا نام ہاویہ ہے جس میں منافقین اور آل فرعون اور اصحاب ماندہ ڈالے جاتے گئے اور دوسرے درجہ کا نام لظی ہے جس میں جو کسی والیس اور اس کے تبعین ڈالے جاتے گئے اور تیسرے درجہ کا نام حطہ ہے جس میں یہود رکھے جاتے گئے اور چوتھے درجہ کا نام سیر ہے جس میں نصاریٰ رکھے جاتے گئے اور چھٹے درجہ کا نام جیم ہے جس میں مشرکین رکھے جاتے گئے اور ساتویں درجہ کا نام جہنم ہے جس میں سب ہلکا عذاب ہوگا اس میں امت مسلمہ کے گناہگار کچھ دنوں کے لئے رکھے جاتے گئے

قولہ صوفھا۔ اس عبارت سے تین سوالوں کے جوابات دئے گئے ہیں ایک سوال یہ کہ زینب و سقر ماہ وجودی متدار ہیں جن کی خبر متنع ہے حالانکہ خبر انفراد و تعدد میں مبتدا کے موافق ہوتی ہے اور ظاہر ہے یہاں مبتدا متعدد ہے اور خبر منفرد دوسرا سوال یہ کہ خبر تذکیر و تانیث میں مبتدا کے موافق ہوتی ہے اور مبتدا یہاں مونث ہے اور خبر مذکر تیسرا سوال یہ کہ زینب و سقر ماہ وجود کو متنع کہا گیا ہے حالانکہ وہ موجود ہیں۔ جواب تیسرے سوال کا یہ ہے کہ متنع کے بعد مرئیا محذوف ہے پس معنی ہوا زینب و سقر ماہ وجود کا منصرف ہونا متنع ہے جو بلاشبہ درست ہے اس سے اول دوئل سوالوں کا جواب بھی حل ہو گیا اول کا اس لئے کہ خبر منصرف متنع نہیں بلکہ متنع مرفعا ہے جس کی ضمیر مجرد تعدد خبر پر وال ہے اور دوم کا اس لئے کہ خبر میں بھی تانیث ہے کیونکہ اس کی ضمیر ہا تانیث پر وال ہے۔

قولہ واما زینب۔ تانیث معنوی کے تخم تاثیر کے چونکہ تین امور مذکور ہوئے اس لئے اس پر تین مثالوں کو متفرع کیا گیا ہے۔ زینب کو امر اول پر متفرع کیا گیا ہے کہ اس کے حروف تین پر زائد ہیں اور سقر کو امر دوم پر متفرع کیا گیا ہے کہ اس کا بیچ والا حرف متحرک ہے اور ماہ وجود کو امر سوم پر متفرع کیا گیا ہے کہ دوئل لغت غم میں دو شہروں کے نام ہیں اور ماہ کے بعد جو رک ذکر ملتاز کے لئے ہے کہ ماہ سے یہاں مراد مہینہ نہیں بلکہ ایک مشہور شہر کا نام ہے۔

فان سبھی بہ ائی المونث المعنوی مذکور فشرطہ فی سببہ منع الصرف الزیادۃ علی الثلاث لان الحرف الرابع فی حکم تاء التانیث قائم مقامھا

ترجمہ: — پس اگر اس (یعنی مونث معنوی) کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو اس کی شرط منع صرف کے سبب ہونے میں (اسم کا تین حرف پر زائد ہونا ہے) کیونکہ چوتھا حرف جو تاء تانیث کے حکم میں ہے اس کے قائم مقام ہے۔

تشریح: — بیانہ فان سبھی بہ۔ فابرا سے عطف ہے معطف علیہ هذا اذالم یستی بہ مذکور محذوف ہے اور ضمیر خبر در کا مرجع مونث معنوی ہے جیسا کہ شرح میں بیان کیا گیا ہے ای المونث المعنوی ممکن ہے یہ اس دم کا ازالہ بھی ہو کہ مونث لفظی بالتا کو بھی اگر کسی مذکر کا علم رکھ دیا جائے تو اس کی تانیث بھی زائل ہو جاتی ہے پس اس میں بھی غیر منصرف ہونے کے لئے تین حروف سے زائد ہونا ضروری ہے حاصل

اذا لیکہ حکم حرف مؤنث معنوی کیساتھ خاص ہے کیونکہ مؤنث لفظی بالتار کو اگر کسی مذکر کا علم رکھ دیا جائے
تو اس کی تائید زائل نہیں ہوتی بلکہ وہ برقرار رہتی ہے پس وہ بہر حال غیر منصرف کا سبب رہے گی خواہ مؤنث کا
علم ہو جیسے سلمۃ یا مذکر کا علم ہو جیسے طلحہ لیکن تائید معنوی غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوگی جبکہ وہ
مؤنث کا علم ہو اور اگر مذکر کا علم ہو تو اس کی تائید زائل ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اس کے لئے ایک
دوسری شرط ضروری ہوتی ہے کہ وہ تین حرف پر نازل ہو تاکہ چوتھا حرف تائید کے قائم مقام ہو سکے
بیانہ الزیادۃ علی الثلاثۃ - وجوب تاثیر کی تین صورتوں میں سے پہلی صورت کا اعتبار یہاں

اس لئے کیا گیا کہ تین حرف پر نازل ہونا تائید کے قائم مقام ہونا ہے پس اگر تیسرے اوسط تار تائید
کے قائم مقام ہو تو قائم مقام کا قائم مقام ہونا لازم آئیگا اس لئے کہ حرکت اوسط قائم مقام ہے چوتھا حرف
کا اور چوتھا حرف قائم مقام ہے تار تائید کا اسی طرح عجمہ امر معنوی ہے جو لفظ میں ظاہر نہیں ہوتا پس وہ
تار تائید کے قائم مقام نہ ہو سکے گا۔ خیال رہے کہ اس کے علاوہ تین امور عدلی بھی ہیں جن کو طوالت کی وجہ
سے چھوڑ دیا گیا ہے ایک یہ کہ وہ باعتبار اصل مذکر نہ ہو پس وہ مؤنث جو مذکر سے منقول ہو اگر مذکر کا نام رکھ
دیا جائے تو منصرف ہی پڑھا جائیگا جیسے رباب کہ وہ ایک عورت کا نام ہے جو پہلے سحاب مذکر کے معنی میں تھا
پس اگر اس کو کسی مرد کا نام رکھا جائے تو منصرف ہی پڑھا جائے گا حالانکہ وہ تین حرف پر نازل ہے دوسرا
امر یہ کہ اس کی تائید ایسی نہ ہو جو تاویل غیر لازم کا محتاج ہو جیسے رجال میں تائید بمعنی جماعت مراد لینے پر
ہے کہ بمعنی جماعت مراد لینا تاویل غیر ضروری ہے جبکہ جمع کا معنی ظاہر ہے۔ تیسرا یہ کہ باعتبار معنی جنسی اس کا
استعمال مذکر میں غالب نہ ہو کذا علی حاشیۃ ملا عبد الغفور۔

قولہ لا ت الحرف - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مؤنث معنوی جب کسی مذکر کا نام رکھا جائے
تو غیر منصرف ہونے کے لئے تین حرف پر نازل ہونے کی شرط کیونکہ جواب یہ کہ مذکر کا نام رکھنے پر تائید معنوی
زائل ہو جاتی ہے پس اسم اگر رباعی ہو تو چوتھا حرف تار تائید کے قائم مقام ہوگا اور اگر خماسی ہو تو پانچواں
حرف تار تائید کے قائم مقام ہوگا کذا الداسی کیونکہ کلام عرب میں تار تائید مافوق الثلاثہ ہے پس
اسم ایک سبب تائید حکمی اور دوسرا علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

فقدّم و هو مؤنث معنوی سماعی باعتبار معناه الجنسی اذا سُمی به رجل منصرف لا ت التائید الاصلی
نزال بالعلمیۃ للمذکر من غیر ان یقوم شیء مقامہ والعلمیۃ وحدها لا تنفع الصوف

و عقرب و هو مؤنث معنوی سماعی باعتبار معناه الجنسی اذا سُمی به رجل منصرف لا ت التائید الاصلی
التائید و علمیتہ للمذکر قال الحرف الرابع قائم مقامہ

توجہ: - (پس قدم) اور وہ اپنے معنی جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی سماعی ہے جبکہ اس سے
کسی مرد کا نام رکھا جائے (منصرف) اس لئے کہ تائید اصلی مذکر کے علم ہونے کی وجہ سے نازل ہو چکی ہوگی
یہ کہ اس کی جگہ پر کسی کو قائم کیا جائے اور علمیت تنہا منصرف ہونے کو منع نہیں کرتی۔ (لا در عقب) اور وہ اپنے
معنی جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی سماعی ہے جبکہ اس سے کسی مرد کا نام رکھا جائے (منصرف) اس
کا منصرف پڑھنا۔ اور اگرچہ مذکر کے علم ہونے کی وجہ سے تائید اصلی زائل ہو چکی ہے تاہم چوتھا حرف اس کے
قائم مقام ہے۔

تشریح: - بیانہ فقدّم - یہ تفریع ہے حکم مذکور پر کہ مؤنث معنوی کو اگر کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے
تو غیر منصرف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تین حرف پر نازل ہو تاکہ اس کا چوتھا حرف تار تائید کے قائم
مقام ہو سکے پس قدم منصرف ہوا کیونکہ وہ اپنے معنی جنسی کے اعتبار سے اگرچہ مؤنث معنوی ہے لیکن اگر اس کو
کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی تائید معنوی زائل ہو جاتی ہے اور تنہا علمیت غیر منصرف ہونے کے لئے
کافی نہیں ہوتی۔ لیکن عقرب غیر منصرف ہے کیونکہ وہ اپنے معنی جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی ہے اور اگر اس
کو کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی تائید معنوی اگرچہ زائل ہو جاتی ہے لیکن اس کا چوتھا حرف تار تائید
کے قائم مقام ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس میں دو سبب موجود ہوتے ہیں ایک علمیت اور دوسرا تائید
حکمی۔

قولہ باعتبار معناه - قدم جو مؤنث معنوی ہے وہ اپنے معنی جنسی یعنی کف پا میں مشتمل ہونے
کی وجہ سے کیونکہ اہل عرب جب بھی اس کی صفت بیان کرتے یا ضمیر لائے ہیں تو مؤنث کے ساتھ اسی طرح عقرب
مؤنث معنوی ہے اپنے معنی جنسی یعنی موزیۃ من الموزیات میں مشتمل ہونے کی وجہ سے۔ پس معلوم ہوا کہ
قدم اور عقرب مؤنث ذوی مطلقاً نہیں بلکہ اپنے معنی جنسی میں مشتمل ہونے کے اعتبار سے

بدلیل انہ اذا صغر قدم ظہر التأء المقدرة کما تقتضیہ قاعدۃ التصغیر نیقال قدیمہ بخلاف
عقرب نائتہ اذا صغر لیکال عقرب من غیر اظہار التار لائت الحرف الرابع قائم مقامہ

نَعْرِفُ إِذَا شِئْنَا بِهِ رَجُلٌ أَتَعْنُ حَرْفُهُ لِلْعِلْمِيَّةِ وَالتَّائِيَةِ الْحَكْمِيَّةِ

ترجمہ: — اس دلیل سے کہ جب قدم کی تصریح کی جائے تو تار مقدرہ ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ قاعدہ تصریح اس کا مقتضی ہے پس قدمیہ کہا جائیگا برخلاف عقرب کہ جب اس کی تصریح کی جائے تو عقرب تار کو ظاہر کئے بغیر کہا جائیگا ہے کیونکہ جو تھا حرف اس کا قائم مقام ہے پس جب عقرب کیساتھ کسی مرد کا نام رکھا جائے تو علمیت اور تائیت حکمی کی وجہ سے اس کا منصرف پڑھنا ردک دیا جائیگا۔

تشریح: — قولہ تبدل لیلۃً۔ اس عبارت سے گزشتہ ان دو دعویوں کی دلیل دی گئی ہے جن میں سے ایک یہ کہ قدم میں حرف تائیت کے قائم مقام کوئی حرف نہیں۔ اور دوسرا دعویٰ یہ کہ عقرب میں حرف تائیت کے قائم مقام جو تھا حرف موجود ہے۔ دعویٰ اول کی دلیل یہ ہے کہ قدم میں تصریح کے وقت قدیمۃً بانہاء التاء کہتے ہیں پس اگر قائم مقام کوئی حرف ہوتا تو باظہار التاء نہ کہا جاتا کیونکہ اصل و تائیت کا اجتماع درست نہیں اور دعویٰ دوم کی دلیل یہ ہے کہ تصریح کے وقت عقرب میں عقرب بغیر اظہار التاء کہتے ہیں پس اگر قائم مقام کوئی حرف نہ ہوتا تو باظہار التاء کہا جاتا اس لئے کہ وقت تصریح اصل و تائیت دونوں کا خلو بھی درست نہیں۔

الْمَعْرِفَةُ أَيْ التَّعْرِيفُ لِأَنَّ سَبَبَ مَنَعِ الصَّرْفِ هُوَ وَصْفُ التَّعْرِيفِ لِأَنَّ الْمَعْرِفَةَ شَرْطُهَا أَيْ شَرْطُ تَأْثِيرِهَا فِي مَنَعِ الصَّرْفِ أَنْ تَكُونَ عَلِيَّةً أَيْ كَوْنُ هَذَا النَّوعِ مِنْ جِنْسِ التَّعْرِيفِ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْيَاءُ مَصْدَرِيَّةً أَوْ مَنُوبَةً إِلَى الْعِلْمِ بِأَنْ تَكُونَ حَاصِلَةً فِي ضَمْنِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْيَاءُ لِلنَّبِيَّةِ

ترجمہ: — مصدر یعنی تعریف اس لئے کہ منع صرف کا سبب وصف تعریف ہے ذات معرفہ نہیں اس کی شرط (یعنی منع صرف میں معرفہ کے مؤثر ہونے کی شرط) یہ ہے کہ علیت ہو یعنی اس نوع کا جنس تعریف سے ہونا اس بنا پر کہ یا مصدری ہو یا منسوب ہو علم کی طرف اس طرح کہ وہ تعریف علم کے ضمن میں پائی جائے اس بنا پر کہ یا نسبت کی ہو۔

تشریح: — قولہ ائی التعریف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ معرفہ اس اسم کو کہتے ہیں جو میں جو چیز پر

دلالت کرے وہ مصدر نہیں حالانکہ غیر منصرف کے اسباب مصادر ہوتے ہیں جیسے عدل و تائیت و ترکیب وغیرہ جواب یہ کہ معرفہ سے یہاں مجازاً التعریف مراد ہے جو از قبیل اطلاق محل و ارادۃ حال ہے۔ تعریف کو یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ تفصیل اجمال کے موافق ہو جائے۔ اور اجمال میں معرفہ کو اس لئے بیان کیا گیا کہ وزن شعر میں فعل نہ پڑ جائے جیسا کہ تقطیع سے بخوبی ظاہر ہے اور اس لئے بھی کہ علیت کے تحت معرفہ ہونا ظاہر ہے لیکن تحت تعریف ہونا نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معرفہ سے پہلے مضاف مقدر ہے یعنی تعریف المعرفۃ خیال رہے کہ وصف کی اضافت جو یہاں تعریف کی طرف کی گئی ہے اضافت بیانیہ ہے جس طرح ذات کی اضافت معرفہ کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔

قولہ ائی شرط۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسم معرفہ کے لئے علیت کی شرط درست نہیں اس لئے کہ وہ علیت کے بغیر بھی پایا جاتا ہے جیسے الرجل میں جواب یہ کہ علیت وجود تعریف کے لئے شرط نہیں بلکہ غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے ہے۔

قولہ ائی کون هذا النوع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کون فعل ناقص کا اسم ضمیر مسترھی ہے جس کا مرجع المعرفۃ ہے اور المعرفۃ سے مراد التعریف ہے جو مصدر ہے اور خبر علیت ہے جو مصدر ہے اور فعل ناقص کی خبر اس کے اسم پر محمول ہوتی ہے پس علیت کا حمل التعریف مصدر پر ہونا چاہئے حالانکہ نہیں ہوتا کیونکہ ایک مصدر کا حمل دوسرے مصدر پر صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں مترادف ہوں جیسے القعود جلوس اور ظاہر ہے التعریف مصدر ہے اور علیت مصدر یا ہم مترادف نہیں جواب یہ کہ حمل صحیح ہونے کے لئے دونوں مصدر کا مترادف ہونا ضروری ہے یا یہ کہ ایک مصدر عام ہو اور دوسرا خاص ہو جیسے الوجود وجود زید یا وجود زید وجود اور ظاہر ہے تعریف مصدر علیت مصدر سے عام ہے کیونکہ علیت قسم ہے اور تصریف قسم جو علیت کے علاوہ دوسرے چھ قسموں کو بھی شامل ہے لہذا تعریف مصدر علیت مصدر سے عام ہوتا پس سنی یہ ہوا کہ وہ تعریف علیت ہو جو جنس تعریف کی نوع ہے یا یہ کہ علیت بھی یا مصدری نہیں بلکہ پارہیت ہے معنی یہ ہوا کہ وہ تعریف علم کی طرف منسوب ہو اس طرح کہ وہ تعریف علم کے ضمن میں پائی جائے۔

وَأَلَّا جُعِلَتْ مُشْرُوطَةً بِالْعِلْمِيَّةِ لِأَنَّ تَعْرِيفَ الْمُضْمَرَاتِ وَالْمُبْهَمَاتِ لَا يُوجَدُ إِلَّا فِي الْبَيِّنَاتِ وَمَنَعِ الصَّرْفِ مِنْ أَحْكَامِ الْعَرَبِيَّاتِ وَالتَّعْرِيفِ بِاللَّامِ أَوْ الْإِضَافَةِ يَجْعَلُ غَيْرَ الْمَنْصَرَفِ مَنْصَرَفًا كَمَا سَجَّيْ فَلَا يَتَصَوَّرُ كَوْنَهُ سَبَبًا لِمَنْعِ الصَّرْفِ فَلَمْ يَقِ إِلَّا التَّعْرِيفُ الْعِلْمِيَّ

ترجمہ: — اور نہ جعلت مشروطۃً بالعلمیۃ لان تعریف المضمرات والمبهمات لا يوجد الا فی البینات ومنع الصرف من احکام العربیات والتعریف باللام أو الإضافة يجعل غیر المنصرف منصرفا کما سجی فلا يتصور کونه سببا لمنع الصرف فلم یبق الا التعریف العلمی

ترجمہ: — اور معرفہ کو علمیت کیساتھ اس لئے مشروط کیا گیا کہ تعریف مضمرات و مبہات صرف مبینات ہی میں پائی جاتی ہے اور غیر منصرف ہونا احکام معربات سے ہے اور تعریف باللام یا بالاضافہ غیر منصرف نہ ہو سکتی ہے جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئے گا پس اس کو غیر منصرف کا سبب ہونا متصور نہیں ہوتا پس صرف تعریف علمی ہی باقی رہی۔

تشریح: — قولہ انما جعلت: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے علمیت کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ معرفہ کی سات قسمیں ہیں (۱) مضمرات (۲) موصولات (۳) اسماء اشارات (۴) مضاف (۵) معرف باللام (۶) منادی (۷) تعریف علمی۔ پہلی تینوں قسم مبنی ہیں جو مبنی اور پانچویں قسم مضاف اور معرف باللام غیر منصرف کو منصرف یا اس کے حکم میں کر دیتی ہیں چوتھی قسم منادی اگر مفرد معرفہ ہے تو وہ مبنی ہو گا جو غیر منصرف میں نہیں پایا جاتا اور اگر مضاف یا مضافہ مضاف ہے تو وہ بھی غیر منصرف کا سبب نہ بن سکے گی رہ گئی صرف آخری قسم تعریف علمی اس لئے اس کو غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے علمیت کی شرط لگائی جاتی ہے واضح ہو کہ علم سے یہاں مراد عام ہے کہ علم شخصی ہو جیسے ظلم یا علم جنسی ہو جیسے اُسامہ۔

وَأَنَّمَا جُعِلَ الْمَعْرِفَةُ سَبَبًا لِلْعِلْمِيَّةِ شَرْطًا وَلَمْ يُجْعَلِ الْعِلْمِيَّةُ سَبَبًا لِمَا جُعِلَ الْبَعْضُ لَا تَنْفَرِغِيَّةُ التَّعْرِيفِ لِلتَّكْثِيرِ أَظْهَرُ مِنْ فَرْعِيَّةِ الْعِلْمِيَّةِ لَهُ

ترجمہ: — اور معرفہ کو سبب بنایا گیا اور علمیت کو اس کی شرط اور علمیت کو سبب نہیں بنایا گیا جیسا کہ بعض نوی یعنی علامہ زعفرانی نے علمیت کو سبب بنایا ہے کیونکہ تعریف کا تکثیر کی نفع ہونا علمیت کا تکثیر کی نفع ہونے سے زیادہ ظاہر ہے۔

تشریح: — قولہ انما جعلت المعرفة: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ معرفہ کو سبب اور علمیت کو اس کی شرط ماننے میں تطویل ہے اگر علمیت کو سبب ماننے تو اختصار ہوتا جیسا کہ علامہ زعفرانی صاحب مفضل نے علمیت کو سبب مانا ہے۔ جواب یہ کہ غیر منصرف کے سبب ہونے کا مدار نفع ہونے اور تعریف کا تکثیر کی نفع ہونا زیادہ ظاہر ہے علمیت کی نفع ہونے سے کیونکہ تکثیر کے مقابل تعریف بولا جاتا ہے علمیت نہیں اور مافیہ علمیت میں علمیت کو سبب قابلاً علامہ زعفرانی کے مسلک پر کہا گیا ہے یا بطور مجاز

ہے کہ علمیت سے تعریف علمی مراد ہے از قبیل اطلاق ملزوم و ارادہ لازم

الجملة وهي كون اللفظ ممتداً وضعه غير العرب ولما تثيرها في صنع الصرف شرطان شرطها الاول ان تكون علمية أي منسوبة إلى العلم في اللغة العجمية بأن تكون متحققة في ضمن العلم في العجم حقيقة كإبراهيم أو حكماً بأن ينقلد العرب من لغة العجم إلى العلمية من غير تصرف فيه قبل النقل كما لو كان في العجم اسم جنس سمي به أحد أو عدة القراء لجدد أو تواتر قبل أن يصرف فيه العرب فكانت كان علماً في الجملة

ترجمہ: — (عجم) اور وہ لفظ کا اس میں سے ہونا ہے جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہے اور عجم کا غیر منصرف میں موثر ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) اس کی شرط اول یہ ہے کہ علمیت ہو یعنی منسوب ہو علم کی طرف لغت عجمی میں، اس طرح سے کہ وہ علم میں علم کے ضمن میں حقیقہ متحقق ہو جیسے ابراہیم یا حکم متحقق ہواں طرح سے کہ عرب نے اس کو لغت عجم سے علمیت کی طرف نقل کیا ہے۔ نقل سے پہلے اس میں تصرف کے بغیر جیسے قالون کہ وہ علم میں اسم جنس تھا اس کو عرب کے تصرف کرنے سے پہلے جو درت و عمدگی و قرأت کی وجہ سے روایت کرنے والے قاریوں میں سے ایک قاری کا نام رکھ دیا گیا گویا وہ لغت عجمی ہی میں علم تھا

تشریح: — قولہ وہی کون اللفظ: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لغت میں عجم کا معنی ہے لکن لغت اور ادب زبان کی صفت ہے حالانکہ غیر منصرف کے اسباب لفظ کے صفات سے ہیں۔ جواب یہ کہ عجم کا یہاں لغوی معنی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ کا اس میں سے ہونا ہے جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہے، واضح ہو کہ اسماء عجمیہ کے اوزان سے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ موزوں ہوتے ہیں لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ موزوں نہیں ہوتے کیونکہ وزن اصل و نامذہب موقوف ہے اور وہ اشتقاق سے جانا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے اسماء عجمیہ میں اشتقاق نہیں ہوتا۔ البتہ اس کو دریافت کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان کے صیغے کلام عرب کے صیغے کے مغایر ہوتے ہیں دوسرا طریقہ یہ کہ صداد اور جیم ایک کلمہ میں جمع ہوتے ہیں جیسے صبر و ج تیسرا طریقہ یہ کہ راء و زان کے تابع ہوتے ہیں جیسے نر جس یا راء بمعہ دال مہملہ کے تابع ہوتے ہیں جیسے مبذر

قولہ ولما تثير: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عجم علمیت کے بغیر ہی پایا جاتا ہے جیسے لہام

جواب یہ کہ علمیت کی شرط عجم کے وجود کے لئے نہیں بلکہ اس کو غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے ہے
 قولہ ای منسوبہ الی العلم - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں تکون فعل ناقص کی ضمیر
 مستتر یعنی صی اسم ہے جس کا مرجع البعید مصدر ہے اور اس کی خبر علمیت مصدر ہے جس کا حمل اسم پر درست
 نہیں کیونکہ دونوں مصدر یا ہم مترادف نہیں نہ دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہے کیونکہ علمیت عجم کی نوع
 نہیں جس طرح وہ تعریف کی نوع ہے۔ جواب یہ کہ علمیت مصدر نہیں بلکہ اسم منسوب ہے جس میں یا نسبت
 کی ہے پس معنی یہ ہوا کہ علمیت عجمی لغت میں علم کی طرف منسوب ہو اس طرح کہ عجمی لغت میں وہ عجم علم کے ضمن
 میں پایا جائے۔

قولہ اللغة - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ البعید اسم منسوب ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے
 پس یہاں اس کا موصوف کیا ہے؟ جواب یہ کہ اس کا موصوف اللغة ہے جو عبارت میں محذوف ہے
 قولہ بان تکون - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عجم کو غیر منصرف کا سبب ماننے کے لئے اگر عجمی
 زبان میں علم ہونا شرط ہے تو لفظ قالون کو غیر منصرف نہ ہونا چاہئے کیونکہ قالون لفظ عجمی ہے جو روئی زبان
 میں عمدہ چیز کو کہا جاتا ہے پس وہ عجمی زبان میں علم نہیں نکو ہوا پھر اہل عرب سے امام نافع نے اپنی راوی
 عیسیٰ کا نام ان کے وجود قرات کی وجہ سے قالون رکھ دیا پس قالون زبان عربی میں علم ہوا تو اس میں
 صرف ایک سبب علمیت ہوا اور بس کیونکہ عجم کی شرط مفقود ہے کہ وہ عجمی زبان میں علم نہیں۔ جواب یہ کہ
 عجمی زبان میں علمیت کی شرط ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عجمی زبان میں علمیت حقیقہ ہو یا ممکنہ حقیقہ کامل
 یہ کہ وہ عجمی زبان میں واقعہ علم ہو جیسے ابراہیم کہ وہ لفظ عجمی زبان میں علم ہو کر ہی مستعمل ہے اور حکم کا مطلب
 یہ کہ عربی زبان میں علم بنائے جانے سے پہلے کسی دوسرے معنی کے لئے عربی زبان میں مستعمل نہ ہوا ہو
 جیسے قالون کہ وہ عربی زبان میں ابتداء علم ہی مستعمل ہوا ہے اور علم بنائے جانے سے پہلے عربی زبان میں کسی
 دوسرے معنی کے لئے مستعمل نہیں ہوا ہے۔

وَأَمَّا جُعِلَتْ شَرْطًا لِّلَا يَتَصَوَّفُ فِيهَا الْعَرَبُ مِثْلَ تَصَوَّفَ تَحْدِثِي كَلَامِهِمْ تَضَعُ فِيهِ الْعَجْمَةُ فَلَا
 تَصْلَحُ سَبَبًا لِّمَنْعِ الصَّوْفِ نَعْلَى هَذَا الْوَسْطَى بَمَثَلِ لِحَامٍ لَا يَمْتَنِعُ صَرْفُهُ لِعَدَمِ عِلْمِيَّتِهِ فِي
 الْعَجْمَةِ

ترجمہ: — اور علمیت کو شرط اس لئے بنایا گیا تاکہ عرب اس میں تصرف نہ کر سکے جیسے وہ لوگ
 اپنے کام میں تصرفات کرتے ہیں اس میں عجم ضعیف ہو جائیگا پس غیر منصرف کے سبب ہونے کی صلاحیت
 نہ رکھ سکے گا۔ تو اس تقدیر پر لجام کی مثل کو اگر کسی کا نام رکھ دیا جائے تو وہ غیر منصرف نہ ہوگا کیونکہ لغت
 عرب میں علمیت نہیں

تشریح: — قولہ وَأَمَّا جُعِلَتْ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عجم میں علمیت کی شرط کیوں ہے؟
 جواب یہ کہ غیر منصرف کے سبب ہونے کا مدار ثقل پر ہے اور اسم اگر لغت عجم میں علم ہو تو اہل عرب اس میں
 تصرف کرنے لگیں گے جس سے اس کا ثقل زائل ہو جائے گا پس عجم کا سبب ہونا کمزور ہو جائیگا اور عجم اہل عرب
 کے نزدیک ثقیل ہے پس اگر وہ لغت عجم ہی میں علم ہو تو اس کا ثقل برقرار رہے گا کیونکہ اعلام بقدر امکان تغیر
 سے محفوظ ہوتے ہیں پس لجام منصرف ہوا کیونکہ وہ لغت عجم میں علم نہیں بلکہ لجام کے معنی میں مستعمل ہے

وَشَرْطُهَا الثَّانِي أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ تَحَرُّفُ الْحَرْفِ الْأَوْسَطِ أَزْلَ الْإِزَادَةِ عَلَى الثَّلَاثَةِ أَوْ عَلَى ثَلَاثَةِ
 أَحْرَفٍ لِّتَلَا يَعَارِضُ الْخَفَّةَ أَحَدُ السَّبِيْنِ فَنَوْحٌ مَنْصُوفٌ هَذَا تَفْرِيعٌ بِالنَّظَرِ إِلَى الشَّرْطِ الثَّانِي
 فَاَنْصَرَفَ نَوْحٌ اِمَّا هُوَ لِلتَّقْيَا الشَّرْطِ الثَّانِي

ترجمہ: — اور عجم کی دوسری شرط دو امروں میں سے ایک ہے حرف در اوسط کا متحرک ہونا یا تین
 پر یعنی تین حرف پر زیادہ ہونا۔ اگر خفت ان دو سیول میں سے کسی ایک کے معارض نہ ہو جائے پس نوح
 منصرف ہوا۔ یہ تفریع ہے شرط ثانی کے لحاظ سے پس نوح کا منصرف ہونا محض شرط ثانی کے انتفاء کی وجہ
 سے ہے۔

تشریح: — قولہ الحرف - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ الاوسط ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے
 پس اس کا موصوف یہاں کیا ہے؟ جواب یہ کہ موصوف الحرف ہے جو عبارت میں محذوف ہے خیال ہے کہ امر
 ثانی پر سب کا اتفاق لیکن امراول کا اکثر نحوات بالخصوص سیویہ نے کوئی اعتبار نہیں کیا ہے۔

قولہ ای علی ثلاثہ - اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں ثلاثہ پر الف لام مضاف ہے
 یعنی احراف کے عوض ہے اور لکھا یعارض الخفۃ سے جواب ہے اس سوال کا کہ عجم کے لئے متحرک الاوسط ہونے
 یا تین حرف پر زائد ہونے کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ ساکن الاوسط ہونا یا تین حرفی ہونا خفیف ہے کہ اس

کی خفت غیر منصرف کے دو سببوں میں سے کسی ایک سبب عجم یا علمیت کے ثقل کے معارض ہو جاتی ہے پس اس کا غیر منصرف پڑھنا ضروری نہیں ہوتا۔

قولہ: **هذا التفریع :-** عجم کو غیر منصرف کا سبب مانتے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ تین حرفی متحرک الاوسط ہو یا تین حروف پر زائد ہو اول جیسے شتر دوم جیسے ابراہیم پس یہ دونوں غیر منصرف ہیں لیکن نوع منصرف ہے کیونکہ وہ متحرک الاوسط ہے اور نہ تین حروف پر زائد ہے۔ یہ تفریع عدی ہے اور اول دونوں تفریع دجری لیکن تفریع عدی کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ بمنزلہ مفرد ہے اور تفریع دجری بمنزلہ مرکب کہ وہ دو امر پر مشتمل ہے ظاہر ہے مفرد طبقاً مرکب پر مقدم ہوتا ہے

قلت: **هذا الاختيار المصنف لانه العجمة سبب ضعيف لانه امر معنوي فلا يجوز اعتباره مع سكون الاوسط** واما التانيث فان له علامة مقدرة لا تظهر في بعض التصرفات فله نوع قوة نجاة ان يعقب مع سكون الاوسط وان لا يعقب

ترجمہ: — اور یہی مصنف کا مختار مذہب ہے کیونکہ عجم سبب ضعیف ہے اس لئے کہ عجم امر معنوی ہے پس اس کا اعتبار سکون الاوسط کیساتھ جائز نہیں اور لیکن تانیث معنوی تو اس کے لئے ایک علامت مقدسہ ہے جو بعض تصرفات مثلاً تصنیف میں ظاہر ہوتی ہے پس تانیث کے لئے ایک قسم کی قوت ہے جس کا سکون الاوسط کے ساتھ اعتبار کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہے۔

تشریح: — قولہ: **هذا الاختيار :-** یعنی نوع کا منصرف ہونا مصنف کے نزدیک ہے کیونکہ علامہ زنجیری کا خیال ہے کہ عجم کے لئے عجمی زبان میں علم ہونا حقیقہ یا حکماً شرط جواز ہے اور متحرک الاوسط ہونا یا تین حرف پر زائد ہونا شرط وجوب ہے پس اس تقدیر پر نوع کو ہند کی طرح منصرف و غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے عجم کو مصنف سکون الاوسط کیساتھ موثر نہیں مانتے کیونکہ وہ سبب ضعیف ہے اس لئے کہ وہ امر معنوی ہے جس کے لئے امر لفظی درکار ہے وہ آیا متحرک الاوسط ہوگا یا تین حرفی سے زائد اور نوع میں دونوں ہی مفقود ہیں اور صحیح بھی یہی ہے کہ وہ اگر غیر منصرف ہوتا تو اہل عرب اس کو غیر منصرف استعمال کرتے حالانکہ ایسا دیکھا نہیں گیا ہے اور یہ اس ضابطہ کے خلاف بھی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء مرکب کے منصرف و غیر منصرف کے متعلق مروی ہے اور نوع کو ہند پر تیس کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ ہند میں عجم کے علاوہ تانیث معنوی بھی

ہے جو عجم کی تاثیر میں مزید قوت بخشی ہے اور یہ نوع میں مفقود ہے۔

قولہ: **لانه امر معنوي :-** اس کی ضمیر منصوب کا مرجع عجم ہے اس کو مذکر اس لئے لایا گیا ہے کہ اس کی خبر امر معنوی نہ کہ ہے۔ قاعدہ ہے کہ الضمیر اذا دار بین المرجع والخبر فدرعیۃ الخبر اولی یعنی خبر جب مذکر ہو تو ضمیر کو بھی مذکر لانا اولی ہے اور اگر خبر مؤنث ہو تو ضمیر کو بھی مؤنث لانا اولی ہے خواہ مرجع کچھ بھی ہو حاصل یہ کہ عجم ایک ایسا وصف ہے جس کی کوئی علامت کسی حال میں ظاہر نہیں ہوتی لیکن تانیث معنوی وہ وصف ہے جس کی علامت کبھی ظاہر ہوتی ہے جیسے تصنیف کے وقت اور کبھی اس کے قائم مقام کوئی حرف ہوتا ہے جیسے رباعی میں چوتھا حرف اکادجہ سے ثلاثی ساکن الاوسط کی خفت عجم کے ثقل کو بالکلہ زائل کر دیتی ہے لیکن تانیث معنوی کے ثقل کو بالکلہ زائل نہیں کرتی اول جیسے نوع کہ اس کو منصرف پڑھنا ضروری ہے اور دوم جیسے ہند کہ اس کو منصرف و غیر منصرف پڑھنا دونوں طرح جائز ہے

قلت: **قد اعطيت العجمة في ما هو وجور مع سكون الاوسط فيما سبق فلم لم تعقب به هنا قلت** اعتبارها فيما سبق انما هو لتقوية سببين آخرين لا ليقاوم سكون الاوسط احدها فلا يلزم من اعتبارها لتقوية سبب آخر اعتبار سببها بالاستقلال

ترجمہ: — پس اگر آپ سوال کریں کہ ماقبل میں آپ نے ماہ وجور میں عجم کا اعتبار سکون الاوسط کے ساتھ کیا تو یہاں نوع میں آپ نے عجم کا اعتبار کیوں نہیں کیا تو ہم جواب دیں گے کہ ماقبل میں عجم کا اعتبار دوسرے سبب کو محض قوت دینے کے لئے تھا تاکہ سکون الاوسط ان دو سببوں میں سے کسی ایک کے معارض نہ ہو جائے پس دوسرے سبب کو قوت دینے کے لئے عجم کا اعتبار کرنے سے اس کو مستقل سبب ہونے کا اعتبار کرنا لازم نہیں آتا

تشریح: — قولہ: **فان قلت :-** اس عبارت سے گذشتہ تقریر پر سوال پھر اس کا جواب دیا گیا ہے سوال کا خلاصہ یہ کہ ماہ وجور ثلاثی ساکن الاوسط ہیں جن کے اندر بحث تانیث میں عجم کا اعتبار کیا گیا تو یہاں نوع میں عجم کا اعتبار کیوں نہیں کیا گیا؟ جواب کا خلاصہ یہ کہ بحث تانیث میں عجم کا اعتبار دوسرے سبب کو قوت دینے کے لئے تھا تاکہ سکون الاوسط اس کا معارض نہ ہو جائے اور یہاں اس کا اعتبار مستقل ہونے کے لئے ہے یا یہ کہنے کے ماقبل میں عجم تانیث معنوی کی شرط ہے اس لئے سکون الاوسط کے باوجود ماہ وجور میں عجم کا اعتبار کیا گیا اور یہاں نوع میں عجم سبب ہے اس لئے سکون الاوسط کی وجہ سے میں عجم کا اعتبار نہیں کیا گیا کہ وہ سبب

ضعیف ہو گیا ہے۔

وَشَدَّ وَهُوَ اسْمٌ حَصْنٌ بَدِيَارٍ بِكَرٍ وَابِرَاهِيمَ مَنَعٌ مَرْفُوعٌ لَوْ جُودَ الشَّرْطُ الثَّانِي فِي مَهَانَتِهِ فِي شَرْطِ تَحْرُكِ
الْوَسْطِ وَفِي ابِرَاهِيمَ الزِّيَادَةُ عَلَى التَّلَاقِ وَافْتِخَاصُ التَّفْرِيعِ بِالشَّرْطِ الثَّانِي لَا تَغْرِصُهُ التَّيْبَةُ عَلَى
مَا هُوَ الْحَقُّ عِنْدَهُ مِنْ انْصِرَافٍ تَجُونُوحٍ وَلِهَذَا أَقْدَمَ انْصِرَافُهُ مَعَ أَنَّهُ مَتَفَرِّعٌ عَلَى انْصِرَافِ الشَّرْطِ
الثَّانِي وَالْأَوَّلِي تَقْلِيدٌ مَا هُوَ مَتَفَرِّعٌ عَلَى وُجُودِ كَمَا لَا يَخْفَى

ترجمہ: — (اور شرط) اور وہ دیار یکو میں ایک قلعہ کا نام ہے (اور ابراہیم کی) منصرف ہونا (متنوع ہے) کیونکہ ان دونوں میں دوسری شرط پائی جاتی ہے اس لئے کثیر میں تحرک اوسط ہے اور ابراہیم میں تین حرف ہر زائد ہوتا ہے اور تفریع کو دوسری شرط کیساتھ اس لئے خاص کیا گیا کہ مصنف کا مقصود نوح کی مثل کو منصرف ہونے پر تنبیہ کرنا ہے جو ان کے نزدیک حق ہے اسکا وجہ سے نوح کے منصرف ہونے کو پہلے بیان کیا باوجودیکہ وہ منصرف ہے دوسری شرط کے اعتبار پر حالانکہ اولی اس کا مقدم کرنا تھا جو دوسری شرط کے وجود پر منصرف ہے جیسا کہ لفظی نہیں ہے۔

تشریح: — قولہ دھواسم حصن۔ دیار یکو نام ہے ایک شہر کا جس کے قلعہ کو شتر کہا جاتا ہے اور شتر کی تفسیر حصن مذکور سے کی گئی جب کہ قلعہ مونت سے بھی کی جاسکتی ہے اس کی وجہ غالباً اس وجہ کا ازالہ کرنا ہے کہ شتر غیر منصرف علیت و تائید کی وجہ سے ہے حاصل ازالہ یہ کہ وہ غیر منصرف علیت و عجم کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ ہمیشہ مذکور ہی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی طرف مذکور کی ضمیر لڑائی جاتی ہے کما قال علی حاشیۃ ملا عبد الغفور۔

قولہ صوفہا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شتر و ابراہیم مبتدا متعدد ہیں جن کی خبر متنع منصرف ہے حالانکہ خبر مبتدا کے موافق ہوتی ہے جواب یہ کہ متنع کے بعد صرفہا عبارت میں مخدوف ہے اس کی ضمیر ثانیہ شتر و ابراہیم کی طرف راجع ہے۔

قولہ وافتخاخص۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عجم کی دوسری شرط منتفی ہونے کی وجہ سے نوح کا منصرف ہونا متفرع ہے اور دونوں شرط پائے جانیکی وجہ سے شتر و ابراہیم کا غیر منصرف ہونا متفرع ہے تو جو عدم پر متفرع ہے اس کو کیوں مقدم کیا گیا؟ جب کہ وجود پر متفرع کو تقدم حاصل ہے جواب یہ کہ دوسری

شرط کا امر ثانی متفق علیہ ہے لیکن امر اول کو بعض لوگ مانتے ہیں اور بعض لوگ انکار کرتے ہیں اور مصنف کے نزدیک چونکہ اول مختار ہے اس لئے انہوں نے اس کے حق ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے اس کی تفریع کو مقدم کیا گیا جب کہ اس کی تفریع عدم پر ہے۔

واعلم ان اسماء الانبياء عليهم السلام معتدة عن الصرف الاستدلال محمد صالح وشعيب وهود
لكونها عربية ونوح ووطيختهما وقيل ان هود اكنوج لانه سيويه فرتله معه ويؤيد
ما يقال من ان العرب من ولد اسماعيل ومن كان قبل ذلك فليس يعربي وهود قبل اسماعيل

نمایند کہ نوح کان کنوج

ترجمہ: — اور معلوم کیجئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء مبارکہ مجھ کے علاوہ سب غیر منصرف ہیں چھ میں سے چار یعنی محمد صالح و شعیب و ہود منصرف اس لئے ہیں کہ وہ عربی ہیں اور دوسری نوح و وطیخت منصرف اس لئے ہیں کہ وہ خفیف ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ہود، نوح کی طرح ہے کیونکہ سیویہ نے ہود کو نوح کیساتھ ملا یا ہے اور اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو کہا گیا کہ عرب سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے اور جو ان سے پہلے ہے وہ عربی نہیں اور تواریخ میں مذکور ہے کہ حضرت ہود حضرت اسماعیل سے پہلے ہیں پس ہود نوح کی مثل ہوا۔

تشریح: — قولہ واعلم ان۔ اعلم کا استعمال تین مقاموں پر ہوتا ہے جیسا کہ شروع کتاب میں گذرا اور یہاں اس سوال کے جواب کے لئے آیا ہے کہ نوح اور ابراہیم دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء حسنہ ہیں اور گذشتہ تقریر سے معلوم ہوا کہ نوح منصرف ہے اور ابراہیم غیر منصرف لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان دو کے علاوہ کتنے اسماء مبارکہ منصرف ہیں اور کتنے غیر منصرف؟۔ شارح نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انبیاء کرام کے کل اسماء طیبہ غیر منصرف ہیں لیکن ان میں سے چھ منصرف ہیں اور وہ یہ ہیں۔ محمد۔ صالح۔ شعیب۔ ہود۔ نوح۔ وطیخت۔ پہلا چار اس لئے منصرف ہیں کہ وہ عربی ہیں عجمی نہیں اور صرف ایک سبب علیت غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں اور اخیر دونوں اس لئے منصرف ہیں کہ وہ اگرچہ عجمی ہیں لیکن عجم کی شرط مخدوف ہے اس لئے ان دونوں میں بھی صرف ایک سبب علیت ہی جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔ یہ شعر میں اس طرح مقدم ہے۔ گر بھی خواہی کہ دانی اسم ہر پیغمبری + تاکدام است اے برادر نزدیکی منصرف۔ صالح و ہود و محمد با شعیب

کے اوزان میں شمار نہیں کیا ہے لیکن وہ بھی ان کے نزدیک غیر منصرف ہے
 قولہ وہی التی۔ یہ بھی اگرچہ بظاہر صیغہ منتهی الجموع کی تعریف معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتہً اس کی
 تعریف نہیں بلکہ اس کا حکم ہے یا یہ کہ پہلی تعریف باعتبار لفظ ہے اور دوسری باعتبار معنی تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔
 قولہ لانہا جمعت۔ اس مقام پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جس جمع کی ایک مرتبہ جمع لائی جائے ہے
 مساجد جمع مسجد یا دو مرتبہ جمع لائی جائے جیسے انا عجم جمع انعام وہ صیغہ منتهی الجموع نہ ہوگی کیونکہ جموع جمع کا
 جمع کی ہے اور جمع کا اقل مرتبہ تین ہے پس منتهی الجموع وہ ہوا جو جمع کے تیسرے یا چوتھے مرتبہ میں ہو جواب یہ
 کہ جمع سے مراد مافوق الواحد یعنی ایک سے زائد ہے اور وہ کم سے کم دو مرتبہ ہے وہ بھی عام ہے کہ دو مرتبہ جمع کی
 حقیقتہً ہوتی ہے اور کبھی محلاً علی موازنہ۔ حقیقتہً جیسے اکالیب جمع اکلب۔ اکلب جمع کلب یعنی کتا۔ انا عجم جمع
 انعام۔ انعام جمع نعم یعنی چوپایہ اور محلاً علی موازنہ جیسے مساجد جمع مسجد۔ مصایح جمع مصباح اگرچہ دو مرتبہ جمع
 نہیں لیکن اس کے وزن پر یعنی اکالیب و انا عجم کے وزن پر ضرور ہیں۔

فَامَّا جَمْعُ السَّلَامَةِ فَانَّهُ لَا يَغْتَرِ الصِّغَةُ فَيَجُوزُ أَنْ يَجْعَلَ جَمْعُ السَّلَامَةِ كَمَا تَجْعَلُ أَيَا مِنْ جَمْعِ آيِنِ عَلَى
 أَيَا مَيْنِ وَصَوَابُ جَمْعِ صَاحِبَةٍ عَلَى صَوَابَاتٍ

ترجمہ: — اور لیکن جمع سلامت تو وہ صیغہ میں تغیر پیدا نہیں کرتی پس جائز ہے جمع سلامت کی جمع لانا
 جیسے ایامین جمع ایمن کی جمع ایامون لائی جاتی ہے اور صواب جمع صاحبہ کی جمع صوابات لائی جاتی ہے۔
 تشریح: — قولہ فامّا جمع السّلامۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ گذشتہ بیان سے معلوم ہوا کہ جمع
 منتهی الجموع وہ ہے جس کی دوبارہ جمع نہ آئے اور اس کا وزن افاعل اور فاعل بیان کیا گیا جب کہ افاعل کے
 وزن پر ایامین جمع ایمن ہے اور فاعل کے وزن پر صواب جمع صاحبہ ہے لیکن ایامین کی جمع ایامون آتی ہے
 اور صواب کی جمع صوابات آتی ہے جواب یہ کہ جمع منتهی الجموع سے مراد وہ جمع تکریم ہے جس کی دوبارہ جمع تکریم
 نہ آئے اور ایامین کی جمع اور صواب کی جمع جو آتی ہے وہ جمع تکریم نہیں بلکہ جمع سالمہ ہے۔ جمع تکریم کے بعد جمع
 سالمہ آ سکتی ہے کیونکہ اس سے وزن میں تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ ممکن ہے عبارت بالا لا جمع جمع التکریم میں جمع التکریم
 کی قید کے فائدہ کا بیان ہو۔

فَامَّا اشْتَرَطَتْ لَتَكُونَ صِغَتُهُ مَصُونَةً عَنْ قَبُولِ التَّغْيِيرِ فَيُؤْتَرُ بِغَيْرِهَا مُنْقَلِبَةً عَنْ تَارِ التَّانِيثِ
 حَالَةَ الْوَقْفِ أَوْ الْمَرَادُ بِهَا تَأْتِ التَّانِيثُ بِاعْتِبَارِ مَا يُولُوكَ إِلَيْهِ حَالَةَ الْوَقْفِ فَلَا يَدْرُ نُفُوذُ نَوَادِرِ جَمْعٍ
 نَارِهِ وَانْثَرَا اشْتَرَطَ كَوْنَهَا بِغَيْرِهَا لِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَعَهَا كَانَتْ عَلَى نَزْلِ الْمَفْعَلِ كَقَرَأَتْ فَاثَرُهَا
 عَلَى نَزْلِ كَرَاهِيَةٍ وَطَوَاعِيَةٍ بِمَعْنَى الْكَرَاهِيَةِ وَالطَّوَاعِيَةِ فَيَدُ خَلْفُ قِيَّةٍ جَمْعِيَّةٍ فَيُؤْتَرُ

ترجمہ: — اور جمع کو صیغہ منتهی الجموع کے ساتھ اس لئے مشروط کیا گیا تاکہ اس کا صیغہ قبول تغیر سے محفوظ
 ہو کہ مؤثر ہو سکے (جو ہا کے بغیر) جو کہ حالت وقف میں تار تانیت سے بدل جاتی ہے یا ہا سے مراد تار تانیت
 ہے اس اعتبار سے کہ تار تانیت حالت وقف میں ہا ہو جاتی ہے پس فوارہ جیسے کلمہ سے جو فوارہ کی جمع ہے نظر
 وارد نہ ہوگا اور صیغہ منتهی الجموع کو ہا کے بغیر ہونے کی شرط اس لئے کی گئی کہ وہ اگر ہا کے ساتھ ہوگا تو مفردات
 کے وزن پر ہوگا جیسے فرائزہ کہ یہ کراہتہ اور طواعیتہ بمعنی کراہتہ و طاعت کے وزن پر ہے پس اس کی قوت جمعیت
 میں ضعف و نقص واقع ہو جائے گا۔

تشریح: — قولہ وانما اشترطت۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جمع کے لئے صیغہ منتهی الجموع کی شرط کیوں
 ہے؟ جواب یہ کہ اس سے جمع تغیر سے محفوظ ہو جائیگی۔ کیونکہ جمع جب انتہا کو پہنچ جائیگی تو اس کے بعد پھر
 جمع تکریم نہ ہوگی۔

قولہ منقلبہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ فوارہ جمع ہے فوارہ کی جس کے آخر میں ہا ہے
 مگر اس کے باوجود وہ غیر منصرف ہے جواب یہ کہ ہا سے یہاں مراد ہا تانیت ہے جو حالت وقف میں تار
 تانیت سے بدل جاتی ہے یا ہا سے مجازاً تار تانیت مراد ہے اس اعتبار سے کہ تار تانیت حالت وقف میں
 ہا ہو جاتی ہے۔ اور فوارہ کے آخر میں ہا نہ مجازاً تار تانیت ہے اور نہ ہی ہا تانیت ہے جو حالت وقف میں
 تار تانیت سے بدل جاتی ہے بلکہ وہ اصلی ہے کیونکہ فوارہ فاعلہ بمعنی چوہا کی جمع نہیں بلکہ فوارہ کی جمع ہے جو بمعنی
 خوبصورت جوان لڑکی ہے اس کا صیغہ مذکر فوارہ ہے جو معنی مرد زیرک ہے۔

قولہ وانما اشترطت كونها۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جمع کے لئے یہ شرط کیوں ہے کہ اس کے آخر میں
 ہا تانیت نہ ہو جواب یہ کہ جمع اگر ہا کے ساتھ ہو تو مفرد کے موازن ہو جائیگا مثلاً فرائزہ جمع ہے فرائز یا فرائز
 بکسر فار کی جو شرط کے ذریعہ کہتے ہیں۔ فرائزہ ہا کے ساتھ کراہتہ و طواعیتہ کے وزن پر ہے اور یہ دونوں مفرد

ہاں اور جو جمع مفرد کے وزن پر ہو اس کی جمعیت میں فتور و خلل پیدا ہوتا ہے جس سے وہ غیر منصرف کا سبب گزر رہا ہوتا ہے۔

ولاحاجة انما خرج نوحداً منى فانه مفرد محض ليس جمعاً لاني الحالى ولا فى المال ولا فى الجمع صدائى وهو لفظ آخر بخلاف فرائض فانه جمع فرائض وادبى بلسا الفاء

ترجمہ:۔ اور مدائنی جیسے کلمہ کو خارج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مدائنی مفرد محض ہے نہ فی الحال جمع ہے اور نہ ہی مال کے اعتبار سے اور مدینہ کی جمع مدائن ہے اور یہ دوسرا لفظ ہے برخلاف فرائض کیونکہ جمع ہے فرائض یا فرائض بکسر فار کی۔

تشریح:۔ قولہ ولا حاجة۔ جواب ہے علامہ رضی کے اس سوال کا کہ جمع منتهی الجموع کے آخر میں جب یا نسبتی لاحق ہو تو وہ منصرف ہو جاتی ہے جیسے مدائنی پس اس کو خارج کرنے کے لئے بغیر ہمارے ساتھ بغیر یا نسبت کی قید کو بھی بیان کرنا ضروری تھا جواب یہ کہ مدائنی کو نکالنے کے لئے بغیر یا نسبت کی قید کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ جمع نہیں بلکہ مفرد محض ہے جو بنیاد کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ اس لئے کہ یا نسبتی کے لاحق ہونے کے بعد مجموعہ مفرد ہو جاتا ہے عام ہے کہ یا نسبتی واحد کے آخر میں لاحق ہو جیسے کوئی و بقری یا جمع کے آخر میں لاحق ہو جیسے انصاری۔ سوال مدائنی اگرچہ مفرد ہو گیا ہے لیکن وہ اصل میں جمع تھا کیونکہ مدائنی اصل میں مدائن تھا جو جمع ہے مدینہ کی اور اصل میں جمع منتهی الجموع کا صیغہ ہونا بھی غیر منصرف ہونے کے لئے کافی ہے جیسے حضاجر علم ہو گیا ہے لیکن وہ اصل میں جمع منتهی الجموع تھا اس لئے وہ غیر منصرف ہے۔ جواب مجموعہ مرکب مفرد محض ہے جو نہ فی الحال جمع ہے نہ اصل میں اور حضاجر ایسا نہیں بلکہ وہ اصل میں جمع تھا لیکن علم ہو جانے کی وجہ سے مفرد ہو گیا ہے۔

قولہ بخلاف فرائض۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مدائنی کو جب مفرد ہونے کی وجہ سے جمع سے نہیں نکالا گیا تو فرائض بھی مفرد ہے اس کو بغیر ہمارے قید سے کیوں نکالا گیا؟ جواب یہ کہ فرائض مفرد نہیں بلکہ جمع منتهی الجموع ہے فرائض یا فرائض بکسر فار کی جو شرط کے ذریعے معنی میں آتا ہے

نَعْلَمُ مَا سَبَقَ أَنْ صِيغَةَ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ عَلَى قِسْمَيْنِ أَحَدُهُمَا مَا يَكُونُ بَغَيْرِهَا وَثَانِيهَا مَا يَكُونُ بِهَا فَلَمَّا

ما كان بغيرها ففتحه صيغة لوجود شرط تأثيرها كساجد مثال لما بعد الفاء حرفان ومصايح مثال لما بعد الفاء ثلاثة أحرف أو سطها ساكن

ترجمہ:۔ پس ما سبق سے معلوم ہوا کہ منتهی الجموع کا صیغہ دو قسم پر ہے ایک وہ ہے جو ہمارے بغیر ہو اور دوسرا وہ ہے جو ہمارے ساتھ ہو لیکن جو صیغہ ہمارے بغیر ہے وہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی شرط تاثیر موجود ہے وجہ سے ساجد مثال ہے اس جمع کی جس کے الف کے بعد دو حرف ہیں (اور مصايح) مثال ہے اس جمع کی جس کے الف کے بعد تین حرف ہیں اس کا درمیان والا حرف ساکن ہے

تشریح:۔ قولہ نَعْلَمُ مَا سَبَقَ۔ اس عبارت کا فرائض پر لایا ہونے والا اس سوال کا جواب ہے کہ امثال فرائض میں تلامذائے تفصیل ہے یا برائے استیفاء؟ جواب یہ کہ امثال یہاں برائے تفصیل ہے جس سے پہلے اجمال یہ ہے کہ جب یہ کہا گیا کہ جمع منتهی الجموع بلا ہا ہو تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جمع منتهی الجموع دو طرح کا ہے ایک وہ جو ہمارے ساتھ ہے اور دوسری وہ جو ہمارے بغیر ہے لیکن جو ہمارے ساتھ ہے مثلاً فرائض وہ منصرف ہے اور جو ہمارے بغیر ہے مثلاً ساجد و مصايح وہ غیر منصرف ہے

قولہ مثال لما بعد الفاء۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مثال صرف مثل لہ کی وضاحت کے لئے ہوتی ہے جو صرف ایک سے کافی ہو جاتی ہے یہاں دو مثالیں کیوں بیان کی گئیں؟ جواب یہ کہ دو مثل لہ کی وجہ سے دو مثالیں بیان کی گئیں ہیں کیونکہ ساجد جو مسجد کی جمع ہے اس صیغہ منتهی الجموع کی مثال ہے جس میں الف کے بعد دو حرف ہیں اور پہلا حرف مفقود ہے وہ مفاعل کے وزن پر ہے اور مصايح جو جمع ہے مصباح کی اس صیغہ منتهی الجموع کی مثال ہے جس میں الف کے بعد تین حرف ہیں اور ان کے درمیان والا حرف ساکن ہے دو مفاعیل کے وزن پر ہے۔

وَأَمَّا فَرَاذَنْ وَأَمَّا لَهَا تَمَامُ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجُمُوعِ مَعَ الْهَاءِ فَمَنْصَرِفٌ لِفَوَاتِ شَرْطِ تَأْتِيهِ الْجَمْعِيَّةِ وَهُوَ كَوْنُهَا بِهَا هَاءٌ

ترجمہ:۔ (اور لیکن فرائض) اور اس کے امثال اس قبیل سے کہ جو منتهی الجموع کے صیغہ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں (و منصرف ہے) کیونکہ اس میں تاثیر جمعیت کی شرط مفقود ہے اور وہ شرط بلا ہا ہونا ہے

تشریح: قولہ دامثالہا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یہ حکم صرف فراز نہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صاف
جمع صیقل کو بھی شامل ہے جس کا معنی ہے صیقل کرنے والا۔ کیونکہ صیقلہ بھی کراہت مفرد کے وزن پر ہے
پس فراز نہ کیساتھ صیقلہ کو بھی بیان کرنا چاہئے۔ جواب یہ کہ فراز نہ سے یہاں مراد ہر وہ اسم ہے جو فعلا لہ کے
وزن پر ہو پس فراز نہ کا ذکر یہاں بطور مثال ہے حکم مذکور اس کے علاوہ دوسرے امثال کو بھی شامل ہے۔
بیانہ منصرف۔ یہ خبر ہے فراز نہ مبتدا کی اور یہ اگرچہ لغتہ مبتدا کے موافق نہیں کہ مبتدا مؤنث ہے
اور خبر مذکر لیکن یہاں اس کا اصطلاحی معنی مراد ہے یعنی وہ اسم مراد ہے جس میں دو علت نہ ہوں یا ایسی ایک علت
نہ ہو جو دو علتوں کے قائم مقام ہے یا یہ کہ فراز نہ سے قبل مثل مضاف مخدوف ہے یعنی داتا مثل فراز نہ
منصرف

وَحَضَّاجِرُ عَلْمًا لِلصَّبِّ هَذَا جَوَابُ سَوَالٍ مَقْدَرٍ تَقْدِيرُهُ أَنَّ حَضَّاجِرَ عَلْمٍ جَبَّ لِلصَّبِّ بِطَلْقِ عَلَى الْوَاحِدِ
وَالْكَثِيرِ كَمَا أَنَّ أَسْمَاءَ عَلْمٍ جَبَّ لِلْأَسَدِ فَلَا جَمْعَ فِيهِ وَصِغَةُ مُنْتَهَى الْجَمْعِ لَيْسَتْ مِنْ أَسْبَابِ مَنَعِ الْعَرَبِ
بَلْ هِيَ شَرْطٌ لِلْجَمْعِ فَبِنِیْ أَنْ يَكُونَ مَنْصُوفًا لَكِنَّهُ غَيْرُ مَنْصُوفٍ وَتَقْدِيرُ الْجَوَابِ أَنَّ حَضَّاجِرَ حَالٍ كَوْنِهِ
عَلَى الصَّبِّ غَيْرُ مَنْصُوفٍ لَلْجَمْعِ الْحَالِيَةِ بَلْ لِلْجَمْعِ الْأَصْلِيَّةِ لِأَنَّ مَنْصُوفٍ عَنْ الْجَمْعِ فَإِنَّهُ كَانَ فِي الْأَصْلِ
جَمْعٌ حَضَّاجِرٍ بِمَعْنَى عَظِيمِ الْبَطْنِ سَبَّ بِهَذَا الصَّبِّ مَبَالِغَةً فِي عَظِيمِ بَطْنِهِ كَأَنَّ كُلَّ فَرْدٍ مِنْهَا جَمَاعَةٌ مِنْ هَذَا الْجَبِّ
فَالْمَعْنَى مَنَعُ صَرْفِهِ هُوَ الْجَمْعُ الْأَصْلِيُّ

ترجمہ: — اور حضاجر جو کہ علم ہونے کی حالت میں یہ جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ جس کی تقدیر
ہے کہ حضاجر علم ہے جس کو کہ جس کا اطلاق واحد و کثیر پر کیا جاتا ہے جیسا کہ اسامہ علم ہے جس شیر کا پس حضاجر
میں جمعیت نہیں ہے اور صیغہ منتہی الجموع اسباب منع صرف سے نہیں بلکہ وہ جمع ہونے کی شرط ہے پس مناسب
ہو کہ وہ منصرف ہو لیکن وہ غیر منصرف ہے اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ حضاجر جو کہ علم ہونے کی حالت میں غیر منصرف
ہے، جمعیت حالیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ جمعیت اصلہ کی وجہ سے کیونکہ وہ منقول ہے جمع سے، اس لئے کہ وہ
لغات میں جمع ہے معجز یعنی عظیم البطن کی بجو کا نام حضاجر اس کے بے پیٹ ہونے میں مبالغہ کی وجہ سے رکھا
گیا گویا جو کہ ہر فرد اس جنس یعنی عظیم البطن کی بجو کا نام حضاجر اس کے بے پیٹ ہونے میں مبالغہ کی وجہ سے رکھا
اصلہ معجز ہے۔

تشریح: بیانہ وحضاجر علمًا للصب۔ یہ جواب ہے ایک سوال مقدر کا جیسا کہ دونوں کی تفصیل
شرح میں مسطور ہے۔ واداس میں متالف ہے۔ علمًا کو بعض نسخوں میں مرفوع بھی دیکھا گیا ہے لیکن اکثر نسخوں
میں منصوب دیکھا گیا ہے۔ مرفوع کی صورت میں وہ مبتدا مخدوف کی خبر ہوگا اور منصوب کی صورت میں حضاجر
سے حال ہوگا اور حضاجر اگرچہ مبتدا ہے لیکن ابن مالکی نے مبتدا سے بھی حال ہونے کو جائز قرار دیا ہے جب
کہ حال فاعل یا مفعول سے واقع ہوتا ہے اور صیغہ ضاد مجر کے فتح اور بائے موحده کے سکون و ضم کے ساتھ فارسی
میں بمعنی گفتار اور ہندی میں بمعنی بچہ ہے اور وہ ایک درندہ ہے جو قبر سے مردہ کو نکال کر کھا لیتا ہے۔ اس کی
نیت اُم عامر۔ اُم قبور، اُم نوزل، اُم بشر ہے اس کے نزدیک ابو عامر، ابو کلار، ابو الہیر کہا جاتا ہے

قولہ ہذا جواب۔ یعنی مصنف کا قول حضاجر علمًا جواب ہے اس سوال کا کہ تقریر مذکور کے مطابق
حضاجر کو منصرف ہو جانا چاہئے اس لئے کہ وہ جمع نہیں بلکہ علم جنس ہے بجو کا جس کا اطلاق واحد و کثیر سب پر ہوتا
ہے جس طرح اسامہ علم جنس ہے اسد کا جس کا اطلاق واحد و کثیر سب پر ہوتا ہے اور حضاجر جمع منتہی الجموع کا
صیغہ مفرد ہے لیکن سب نہیں بلکہ اس کی شرط ہے جواب یہ کہ جمع سے یہاں مراد عام ہے کہ جمع فی الحال ہو یا
فی الاصل اور حضاجر اگرچہ جمع فی الحال نہیں کہ وہ علم جنس ہے لیکن جمع فی الاصل مفرد ہے کیونکہ وہ اصل میں جمع
خامض کی جو بمعنی بڑے پیٹ والا ہے پھر اس کو نقل کر کے مبالغہ کے طور پر بجو کا علم قرار دیا گیا اس مناسبت
سے کہ اس کا ہر فرد بہ نسبت اس کے جسم کے اتنا بڑا پیٹ والا ہے کہ گویا اس کا ہر فرد حضاجر کی جماعت ہے
خیال رہے کہ تقدیر کا دال و دار دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے جب کہ رائے کے ساتھ جہور کے نزدیک زیادہ
مشہور ہے اور دال کیساتھ سوال مقدر کے زیادہ مناسب ہے۔

قولہ علم جنس۔ اسم کی تین قسمیں ہیں ایک اسم جنس دوسری علم جنس تیسری علم شخصی اسم جنس وہ
اسم ہے جو بوقت وضع تمام خصوصیات سے قطع نظر صرف ماہیت تصور ہو جیسے اسد سے صرف ماہیت حیوان
مفرد تصور ہے۔ علم جنس وہ اسم ہے جو بوقت وضع ماہیت کے ساتھ خصوصیات ذہنیہ بھی تصور ہوں
جیسے حضاجر سے ماہیت عظیم البطن کے ساتھ اس کے افراد بھی تصور ہیں۔ علم شخصی وہ ہے جو بوقت
وضع ماہیت کے ساتھ خصوصیات شخیصہ خارجیہ بھی تصور ہوں جیسے زید سے ماہیت انسانہ کے ساتھ
شخصیات خارجیہ یعنی ہاتھ پاؤں، رنگ وغیرہ بھی تصور ہیں۔

فَانْ قُلْتَ لِحَاجَةٍ فِي مَنَعِ صَرْفِهِ فَإِنَّ فِيهِ الْعِلْمِيَّةَ وَالتَّائِيَةَ لِأَنَّ الصَّبَّ هِيَ أُنْثَى الصَّنَائِكِ قُلْتَ عَمِيَّةٌ

غیر مؤثرہ والا لکان بعد التکثیر منصرفاً والثانی غیر مسلم لانه علم الجنس الضیح مذکوراً لکان اولیاً
وانما اکتفی المصنف فی التنبیہ علی اعتبار الجمیعۃ الاصلیۃ بهذا القول وکفر یقل البیع شرطاً ان
یکون فی الاصل کما قال فی الوصف لکلا یظهر ان الجمیعۃ کالوصف قد تكون اصلیه مقبلاً وقد تكون
عارضیه غیر مقبلاً ولین الامر کذلک اذ لا یتصور العروض فی الجمیعۃ

ترجمہ:۔۔۔ پس اگر آپ سوال کریں کہ حضاجر کے غیر منصرف ہونے کے لئے جمیعت اصلہ کے اعتبار کرنے
کی کوئی ضرورت ہے کیونکہ اس میں علیت و تائیت موجود ہیں اس لئے کہ ضیع مؤنت ہے ضیعان کی تو ہم جواب
دیں گے کہ حضاجر کی علیت مؤثر نہیں ہے ورنہ تنگیر کے بعد اس کو منصرف ہو جانا چاہئے اور تائیت بھی مسلم نہیں
کیونکہ وہ علم ہے جنس ضیع کا عام ہے وہ مذکور ہوا مؤنت اور مصنف نے اسی قول یعنی لانه منقول عن البیع کے
ساتھ اتفاقاً جمیعت اصلہ کے اعتبار پر تنبیہ کرنے میں اور یہ نہیں فرمایا البیع شرطاً ان یكون فی الاصل حیاً کما
کے بیان میں فرمایا تھا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ جمیعت وصف کی طرح بھی اصلی معتبر ہوتی ہے اور بھی عارضی غیر معتبر ہوتی ہے
حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ جمیعت میں عروض تصور نہیں ہوتا۔

تشریح:۔۔۔ قولہ فان قلت۔۔۔ یہ سوال پہلے ہوا جواب مذکور سے کہ حضاجر کو غیر منصرف ہونے کے لئے جمع
فی الاصل ماننے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس میں دو سبب موجود ہیں ایک علیت دوسرا تائیت معنوی کیونکہ
کہ وہ علم ہے ضیع کا اور ضیع مؤنت ہے ضیعان کی جو نزوح کو کہا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ حضاجر میں علیت ضرور
ہے لیکن وہ علیت مؤثر نہیں کیونکہ اگر وہ مؤثر ہوتی تو تنگیر کے بعد حضاجر کو منصرف ہو جانا چاہئے جب کہ وہ غیر
منصرف ہی رہتا ہے اور اس میں تائیت بھی نہیں ہے کیونکہ وہ علم ہے جنس ضیع کا عام ہے وہ مذکور ہوا مؤنت
مراح میں ہے حضاجر کفار و ضیع کفار اور ضیعان بالکسر کفار اور ضیعانہ کفار مادہ

قولہ والا لکان۔۔۔ یہ ملازمہ کہ حضاجر میں اگر علیت مؤثر ہوتی تو تنگیر کے بعد اس کو منصرف ہو جانا
چاہئے، ممنوع ہے کیونکہ ممکن ہے تنگیر کے بعد جمیعت لوٹ آئے اس لئے کہ جمیعت کا منافی علیت تھی اور جب
زائل ہوگئی تو جمیعت لوٹ آئے تھی جس طرح امر میں تنگیر کے بعد زائل شدہ وصفیت لوٹ آتی ہے جیسا کہ
کافیال ہے اگرچہ انفس اس کے مخالف ہیں۔

قولہ وانما اکتفی۔۔۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ غیر منصرف میں جب جمع اصلی معتبر ہے تو مصنف کو
یوں بیان کرنا چاہئے البیع شرطاً صیغۃ منتهی المجموع بغیر ہاء والے یكون فی الاصل جس طرح وصف میں

الوصف شرطاً ان یتكون فی الاصل جواب یہ کہ وصف کبھی عارضی ہوتا ہے اور کبھی اصلی اور غیر منصرف میں صرف
وصف اصلی معتبر ہے اس لئے مصنف نے اصلی کو خاص فرمایا لیکن جمع وہ ہمیشہ اصلی ہی ہوتی ہے اس لئے اس کو
بیان نہیں فرمایا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ جمع بھی اصلی ہوتی ہے اور عارضی بھی اور غیر منصرف میں اصلی معتبر ہے۔

وسراویل جواب عن سوال مقدّم بر تقدیرہ ان یقال قد تفصّیت عن الإشکال الّوارد علی قاعدۃ
الجمع بحضاجر یجعل الجمع اعم من ان یتكون فی الحال او فی الاصل فما تقول فی سراویل فانہ اسم
جنس یطلق علی الواحد والکثیر ولا جمیعۃ فیہ لانی الحال ولا فی الاصل

ترجمہ:۔۔۔ (اور سراویل) جواب ہے سوال مقدّم کا جس کی تقریر یہ ہے کہ کہا جائے کہ آپ نے جمع کو
فی الحال اور فی الاصل سے عام کر کے اس اشکال سے رہائی حاصل کر لی ہے جو جمع کے قاعدہ پر حضاجر سے وارد
ہوتا تھا تو آپ سراویل کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ وہ اسم جنس ہے جس کا اطلاق واحد و کثیر پر ہوتا ہے
اور اس میں جمیعت نہیں نئی الحال ہے اور نہ فی الاصل۔

تشریح:۔۔۔ قولہ جواب عن سوالہ۔۔۔ مصنف کے قول سراویل سے جواب ہے اس سوال کا کہ قاعدہ جمع
پر حضاجر سے جو اشکال وارد ہوا تھا اس کا جواب آپ نے جمع کو عام کر کے یہ دیا کہ جمع عام ہے وہ کبھی خالی ہوتی
ہے اور کبھی اصلی لیکن سراویل کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے وہ نہ جمع خالی ہے اور نہ اصلی بلکہ اسم جنس یعنی ازار ہے
جو واحد و کثیر دونوں پر بولا جاتا ہے اسم کے باوجود وہ غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ سراویل کے منصرف
و غیر منصرف ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اکثر علماء اس کے غیر منصرف ہونے کے قائل ہیں اور بعض علماء منصرف
پڑھتے ہیں۔ اکثر علماء کے بھی دو گروہ ہیں کچھ علماء اس کو عربی مانتے ہیں اور کچھ عجمی پس جس نے اس کو عجمی
مانا ہے اس کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جمع سے مراد عام ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی۔ جمع حکمی سے مراد یہ ہے
کہ وہ لفظ عربی کے جمع منتهی المجموع کے وزن پر ہو اور سراویل بھی عربی کے جمع منتهی المجموع و نصایح کے وزن
پر ہے اور جس نے سراویل کو عربی مانا ہے اس کے نزدیک جواب یہ ہے کہ جمع سے مراد عام ہے کہ جمع حقیقی ہو
یا تقدیری اور سراویل چونکہ عربی ہے اس لئے وہ جمع حقیقی نہیں بلکہ تقدیری ہے یعنی سراویل غیر منصرف ہے جس
ملا دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور وہ دونوں اس میں مفقود ہیں البتہ جمع منتهی المجموع کے وزن پر ضرور ہے لیکن
وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بلکہ جمع کی شرط ہے اس لئے یہ فرض کر لیا گیا کہ سراویل جمع ہے سراویل کی۔

فاجاب بانہ قد اختلفت فی صرفہ ومنعہ منہ فہو اذالہ یصرف وھو الاکثر فی موارد الاستعمال
فیرد بہ الاشکال علی قاعدۃ الجمع کما قلت فقد قیل فی التفصی عندہ انہ اسمہ العجمی لیس جمع
لا فی الحال ولا فی الاصل حمل فی منع الصرف علی موازنہ اشی علی ما یوانی نہ من مجموع العربیۃ کما یم
وہ صلیح فانہ فی حکما من حیث الوزن فہو ان لم یکن من قبیل الجمع حقیقۃ لکن من قبیل
حکما فالجمیۃ علی ہذا التقدير اعلم من ان تكون حقیقۃ او حکما فباء ہذا الجواب علی تعمیم
الجمیۃ لا علی زیادۃ سبب آخر علی الاسباب التسعۃ وھو الحمل علی الموازن

ترجمہ: — تو مصنف نے اس کا جواب بایں طور دیا کہ سراویل کے منصرف و غیر منصرف ہونے میں اختلاف
کیا گیا ہے پس سراویل جبکہ غیر منصرف ہو اور یہی اکثر ہے، مواضع استعمال میں پس اس سے جمع کے قاعدہ پر
اشکال وارد ہو گا جیسا کہ آپ نے سوال کیا (تو بعض نے کہا) اس سے رہائی حاصل کرنے میں کہ سراویل اسم
راجمی ہے، نہ جمع فی الحال ہے اور نہ فی الاصل غیر منصرف ہونے میں اپنے ہوازن پر محمول ہے، یعنی اس پر جو جمع
عربیہ میں ہے، اربا کے ہم وزن ہیں جسے انا عجم و مصابیح پس سراویل وزن کے اعتبار سے مجموع عربیہ کے حکم
میں ہے اگرچہ حقیقۃ جمع کے قبیل سے نہیں لیکن حکماً جمع کے قبیل سے ہے تو اس تقدیر پر جمیعت عام ہو گئی
کہ وہ حقیقۃ ہو یا حکماً پس اس جواب کی بنیاد جمیعت کی تعمیم پر ہے اسباب تسعہ پر کسی دوسرے سبب کے
زیادہ ہونے پر نہیں اور وہ حمل علی موازن ہے۔

تشریح: — قولہ قد اختلف۔ یہ خبر ہے ان کی ضمیر اسم کی جس کا مرجع سراویل ہے اور یہ خبر بطور
اجمال ہے اور فہو اذالہ یعرف بھی اس کی خبر ہے لیکن بطور تفصیل اور ایسا نقصان کے کلام میں شائع و ذائع
ہے۔

قولہ فی موارد الاستعمال۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں وھو الاکثر کا تعلق مقامات
استعمال کیساتھ ہے پس معنی یہ ہوا کہ سراویل مقامات استعمال میں اکثر غیر منصرف پڑھا جاتا ہے لیکن اگر اس کا
تعلق مذہب کیساتھ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ پہلی صورت اس امر کے جاننے پر موقوف ہے کہ سراویل
کا غیر منصرف میں مستعمل ہوتا یا نسبت منصرف میں مستعمل ہونے کے اکثر ہے اور یہ دشوار ہے اور دوسری صورت
یہی اگرچہ اس امر پر موقوف ہے کہ سراویل کے منصرف و غیر منصرف ہونے میں نحو یوں کے درمیان اختلاف ہے

لیکن یہ شارح کے قول قد اختلف سے معلوم ہو چکا ہے لہذا یہ دشوار نہیں لیکن ملا عصام نے پہلی صورت ہی کو رائج
اور دوسری صورت کو مرجوح قرار دیا ہے کما قالہ علی حاشیہ۔

قولہ فیرد بہ الاشکال۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں اذالہ یصرف شرط ہے اور نقد
لین اجمی اس کی جزا اور جزا شرط پر مرتب ہوتی ہے لیکن یہ اس پر مرتب نہیں اس لئے کہ نقد نقیل سے جواب
ہے جس سے پہلے اشکال ضروری ہے اور یہاں اس سے پہلے کوئی اشکال نہیں۔ جواب یہ کہ جانب شرط میں اشکال
مذوف ہے اصل عبارت یہ ہے اذالہ یصرف فیرد بہ الاشکال یعنی سراویل کو جب غیر منصرف
پڑھا جائے تو اس سے قاعدہ جمع پر اشکال وارد ہوتا ہے

قولہ فی التفصی عندہ۔ تفصی مصدر ہے باب تفعل کا جس کا معنی ہے رہائی حاصل کرنا یا خلاص
پانا اس کی اصل تفصی، بضم صادقی۔ ماد کو یا مد کی مناسبت سے کسرہ دیا گیا متن میں فقد قیل سے چونکہ اشکال
کو دفع کیا گیا ہے جس کے لئے صلا کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ اس کے بعد اس کا صلا فی التفصی بیان کیا گیا
پس معنی ہوا کہ بعض نے اس اشکال کے دفع و خلاصی کے لئے یہ کہا ہے کہ سراویل اسم راجمی ہے اور بعض نے یہاں
مراد میں علامہ سیبویہ اور ابوعلی اور جبر و نقیل کا مقولہ اجمی ہے جو ترکیب میں ہو مبتداً مذوف کی خبر واقع ہے۔
قولہ ای علی ما یوانی نہ۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں علی موازنہ میں ضمیر خبر و مرجع کا مرجع
لفظ ما ہے جس سے مراد مجموع عربیہ ہیں اور موازن بضم نیم اسم فاعل مفرد ہے اور موازنہ کی ضمیر مرفوع کا مرجع
سراویل ہے اور ضمیر منصوب کا مرجع لفظ ما ہے اور من حیث الوزن میں حیثیت سے مراد حیثیت تعلیلیہ ہے
جو علت ہے سراویل کا مجموع عربیہ کے حکم میں ہونے کی۔ واضح ہو کہ حیثیت تعلیلیہ کہتے ہیں جو حیثیت میں معنی
زائد کا افادہ کرے اور حکم صرف حیثیت پر ہو جیسے زید مکرم من حیث ہو عالم دوسری قسم حیثیت اطلاقیہ اور ترقی
نم حیثیت تقدیری بھی ہیں۔ حیثیت اطلاقیہ کہتے ہیں جو حیثیت میں معنی زائد کا افادہ نہ کرے جیسے الانسان من حیث
ھو انسان اور حیثیت تقدیری وہ ہے جس کے حیثیت اور حیثیت دونوں پر حکم لگایا جائے جیسے زید من حیث
ہو شخص شخص جب کہ شخص کو شخص میں جزئ تصور کیا جائے۔

قولہ فبناء ہذا۔ یہ رد ہے بعض شارحین کے اس قول کا کہ جواب مذکور سے غیر منصرف کے دس
سے زائد سیبویہ کا ہونا لازم آتا ہے کیونکہ حمل علی موازن مذکورہ بالا سیبویہ کے علاوہ ایک دوسرا سبب
ہے حاصل۔ یہ کہ جمع حمل علی موازن کو شامل ہے کیونکہ جمع سے مراد عام ہے کہ جمع حقیقی ہو یا حکمی اور حمل
علی موازن جمع حکمی ہے کہ سراویل اگرچہ حقیقۃ مفرد ہے لیکن مجموع عربیہ کے وزن پر ہونے کی وجہ سے

جمع مان لیا گیا ہے۔

وَقِيلَ هُوَ اسْمٌ عَرَبِيٌّ لَيْسَ بِمَجْمُوعٍ تَحْقِيقًا لِأَنَّهُ اسْمٌ جَنَسٍ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالكَثِيرِ لَكِنَّهُ جَمْعُ سُرُودٍ
تَقْدِيرًا وَقَرَضًا فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ بِمَعْنَى جَمْعٍ غَيْرِ مَصْرُوفٍ وَمِنْ قَاعِدِ تَهْمَانَةِ هَذِهِ الْوِزْنِ بَدْوَةُ الْجَمْعِيَّةِ
لَمْ يَمْنَعْ الْمَصْرُوفُ قَدْ رَحِقَ ظَالِمُ الْقَاعِدَةِ أَنَّهُ جَمْعُ سُرُودٍ فَكَانَتْ سَمِيًّا كُلُّهُ قِطْعَةً مِنَ السَّرْدِ
سُرُودًا ثُمَّ جُمِعَتْ سُرُودًا عَلَى سُرُودٍ

ترجمہ: — اور بعض نے کہا کہ وہ اسم (عربی ہے) تحقیق کے طور پر جمع نہیں کیونکہ وہ اسم جنس ہے جو
واحد و کثیر پر بولا جاتا ہے لیکن وہ جمع ہے سرود کی تقدیراً اور فرضاً کیونکہ جب وہ غیر منصرف پایا گیا اور یہ
بات نخلوں کے قاعدے سے ہے کہ یہ وزن جمعیت کے سوا منصرف پڑھنے کو مانع نہیں تو اس قاعدہ کی حفاظت
کرنے کے لئے فرض کر لیا گیا کہ وہ جمع ہے سرود کی گویا سرادیل کے ہر ٹکڑے کا نام سرود رکھ دیا گیا پھر
سرود کو سرادیل کے وزن پر جمع لایا گیا۔

تشریح: — قولہ لیس بجع۔ سرادیل جمع تقدیری ہے جمع حقیقی نہیں اس لئے کہ وہ غیر منصرف تھا
جاتا ہے حالانکہ اس میں دو سبب یا الیا ایک سبب موجود نہیں جو دو سبب کے قائم مقام ہو سکے البتہ وہ منشی الجملہ
کے وزن پر مقرر ہے لیکن وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بلکہ جمع کی شرط ہے اسی وجہ سے یہ فرض کر لیا گیا کہ سرادیل
جمع ہے سرود کی گویا سرادیل کا ہر ٹکڑا سرود ہے تاکہ یہ قاعدہ منقوض نہ ہو کہ منشی الجملہ کا وزن بدو
جمع غیر منصرف کا سبب نہیں ہوتا۔

قولہ وقرضاً۔ اس میں واو برائے تفسیر ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ تقدیر کا معنی بھی فرض
ہوتا ہے اور کبھی قدرت اور یہاں اس سے مراد قدرت ہے اور فاعلہ لاء وجہ سے دلیل ہے سرادیل کا جمع
تقدیری و فرضی ہونے کی اور کائن سے یہ اشارہ ہے کہ سرادیل کا جمع ہونا جس طرح مفروض ہے اسی طرح سرود
بھی کہ وہ بھی مفروض ہے یا کجاء کے ٹکڑے کے لئے جبکہ وہ مطلق پڑا کے ٹکڑے کے لئے موضوع تھا۔ نیکون
المفرد کا جمع کذا قال الملائعہ النعمور۔

وَإِذَا حُرِفَ إِلَى سُرَادِيلٍ لَعَدَّ تَحْقِيقًا جَمْعِيَّةً تَحْقِيقًا وَالْأَمْلُ فِي الْأَسْمَاءِ الْمَصْرُوفِ فَلَا اشْكَالَ بِالْمَنْقُصِ

بہ علی قاعدۃ الجمع لاحتاج الی التفتی عنہ

ترجمہ: — (اور جب) سرادیل کو منصرف پڑھا جائے کیونکہ اس کی جمعیت تحقیقی طور پر ثابت نہیں اور
اسم میں اصل منصرف ہوتا ہے تو کوئی اشکال نہیں رہتا، قاعدہ جمع پر سرادیل کی وجہ سے نقص کا تا کہ اس
سے غلامی کی حاجت پیش آئے۔

تشریح: — بیانہ اذا حُرِفَ۔ یعنی قاعدہ جمع پر سرادیل سے جو اشکال وارد ہوا اور اس کا جواب
دیا گیا یہ اس وقت ہے جب کہ اس کو غیر منصرف پڑھا جائے اور اگر منصرف پڑھا جائے چونکہ وہ حقیقہ جمع نہیں
اور اسم میں اصل منصرف ہونا بھی ہے تو کوئی اشکال وارد نہ ہوگا کہ اس کے جواب دینے کی حاجت پیش آئے۔

قولہ بالانقص۔ یہ ملہ ہے اشکال کا جس سے یہ اشارہ ہے کہ منشی یہاں جس اشکال کی نہیں
بلکہ اس اشکال کی ہے جو نقص سے وارد ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے اس کے علاوہ دوسرے طریقے سے بھی اشکال
وارد ہو اور وہ طریقہ یہ ہے کہ سرادیل جب منصرف ہے تو وہ مفرد ہوگا اور یہ گذر چکا کہ جمع مفرد کے وزن پر ہونے
سے اس کی جمعیت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے پس ممانع و مانعیم چونکہ سرادیل کے وزن پر ہیں اس لئے ان
کی جمعیت میں بھی فتور پیدا ہو جائیگا اور وہ دونوں منصرف ہو جائیں گے حالانکہ وہ غیر منصرف ہیں۔ جواب
ہے کہ سرادیل کا منصرف ہونا قلیل ہے جیسا کہ اکثر سے ظاہر ہے پس اس کا مفرد ہونا بھی قلیل ہوا اور قلیل
دوسرے کا مقیس علیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مقیس علیہ اکثر ہوتا ہے یا وہ جس پر سب کا اتفاق ہو۔

لَعَدَّ جَمْعُ مَنْقُوصٍ عَلَى فَوَاعِلٍ يَأْتِيَا كَانَتْ أَوْ دَاوِيَا كَالْجَوَارِي وَالِدَا عِي دَفْعًا وَجَدَا أَيْ
لِيُجَارِيَ التَّرْفَعُ وَالْجَوَارِي كَقَاضٍ أَيْ حَكَمَاءُ حَكْمُ قَاضٍ بِحَسَبِ الصُّورَةِ فَيَحْدُثُ فِي الْيَاءِ عَنْهُ وَادْخَالُ
التَّوْنِ عَلَيْهِ تَقُولُ جَاءَتْ جَوَارِي وَصَرَرْتُ بِجَوَارِي كَمَا تَقُولُ جَاءَتْ قَاضٍ وَصَرَرْتُ بِقَاضٍ

ترجمہ: — (اور جوار جیسی جمع) یعنی ہر جمع منقوص فواعل کے وزن پر پائی ہو یا وادی جیسے جوار اور
دوائی در رفع اور جر میں) یعنی رفع اور جر کی دونوں حالتوں میں (قاضی کی طرح ہے) یعنی اس کا حکم باعتبار
صورت جوار سے یار کے حذف کرنے اور اس پر تونی کے داخل کرنے میں بعینہ قاضی کے حکم کی طرح ہے
آپ کہیں گے جارتی جوار و صررت بجوار جس طرح آپ کہتے ہیں جارتی قاضی و صررت بقاضی۔

تشریح: قولہ ائی کل جمع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ قاض کیساتھ جو جوار کو تشبیہ دیا گیا ہے جوار کو نہیں کیونکہ جو مضاف ہے اور جوار مضاف الیہ اور حکم مضاف کو لاحق ہوتا ہے مضاف الیہ کو نہیں پس اس سے جوار کا حال معلوم نہ ہو سکے گا جب کہ مقصود اس کے حال کو بھی معلوم کرنا ہے جواب یہ کہ جو جوار سے مراد ترکیب اضافی نہیں بلکہ وہ جمع منقوص ہے جو صیغہ منتہی الجموع کے وزن پر ہو عام ہے کہ منقوص یا بی ہو جیسے جوار یا وادی ہو جیسے دوائی اور یہ معنی جو جوار اور جوار دونوں کو شامل ہے اور منقوص یا بی کو یہاں منقوص وادی پر مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ کہ یار یہ نسبت واؤ کے اصل ہے کیونکہ واؤ، یار کی طرف رجوع کرتی ہے جب کہ واؤ چوتھا یا اس سے زائد مقام پر واقع ہو

قولہ کالجواری۔ جوار بی جمع مکرر ہے جاریہ "مثل رائیہ" کی اور وہ ماخوذ ہے جبری مثل رائی سے اور اس کی جمع سالم جار دل مثل زامون آئی ہے اور دوائی اصل میں دواؤ بر وزن تفاعل تھا واؤ چونکہ چوتھا حرف واقع ہے اس لئے واؤ کو یار سے بدل کر اس کے ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا۔ دوائی جمع مکرر ہے وایہ مثل غازیہ کی اور وہ دعا مثل غزا سے ماخوذ ہے اس کی جمع سالم وایون مثل غازون آئی ہے۔

قولہ ائی فی حالتی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں رفعا و جرا منصوب ہیں حال کی بنا پر یا ظرف کی بنا پر دونوں باطل ہیں اول اس لئے کہ حال فاعل سے ہوتا ہے یا مفعول سے اور اگر وہ حال جو جوار سے ہو تو وہ نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ مبتدا واقع ہے اور دوم اس لئے کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں زمان و مکان اور ظاہر ہے رفعا و مضایہ ظرف زمان بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ظرف مکان بننے کی جواب یہ کہ وہ منصوب ظرف کی بنا پر ہیں لیکن منصوب بنزع خافض ہیں یعنی حالت مضاف مخذوف ہے جس کو حذف کیے رفع و نصب مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا معاملہ وہ مماثلت ہے جو کقاض کے کاف سے استفادہ ہے کذا علی حاشیہ ملا عبد الغفور۔ یہ بھی ممکن ہے رفعا و جرا حال کی بنا پر منصوب ہوں کیونکہ ان مالکی نے مبتدا سے بھی حال کو جائز قرار دیا ہے پس اس کا معنی یہ ہو گا حال کو نہ مرفوعاً و نہ مجروراً

قولہ ائی حکم حکم قاضی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جوار کو قاض کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جب کہ جوار جمع ہے اور قاض مفرد اور ظاہر ہے جمع کو مفرد کیساتھ کوئی مشابہت نہیں۔ جواب یہ کہ جوار کو قاض کے ساتھ تشبیہ حکم میں دی گئی ہے افراد ترکیب میں نہیں یعنی جو حکم حالت رفع و جبر میں قاض کا ہے وہی حکم جوار کا بھی ہے۔

قولہ بحسب الصورۃ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جوار کو قاض کے ساتھ حکم میں بھی تشبیہ نہیں

دے سکتے۔ اس لئے کہ قاض کا منصرف ہونا متفق علیہ ہے اور جوار کے منصرف ہونے میں اختلاف ہے۔ جواب یہ کہ جوار کا حکم قاض کی طرح بحسب صورت ہے یعنی آخر سے یار کے مخذوف ہونے اور تنوین کے لاحق ہونے میں جوار قاض کی طرح ہے مطلب یہ کہ جو اعلال رفع و جبر کی حالت میں قاض میں ہوتا ہے وہی اعلال جوار میں بھی ہوتا ہے۔

وَأَمَّا فِي حَالَةِ النَّصْبِ فَالْيَاءُ مُتَحَرِّكَةٌ مُنْفَوْجَةٌ نَحْوَ رَأَيْتُ جَوَارِي نَدَا اشْكَالَ فِي حَالَةِ النَّصْبِ لِأَنَّ الْأَسْمَاءَ نَحْوَ مَنْصُوفٍ لِلْجَمْعِ مَعَ صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجَمْعِ بِخِلَافِ حَالِ الرَّفْعِ وَالْجَرِّ فَإِنَّهُ تَدَاخُلُفٌ فِيهِ

ترجمہ: — اور لیکن حالت نصب میں تو یار متحرک منقوح ہوگی جیسے رایت جوار بی پس حالت نصب میں کوئی اشکال نہ ہو گا کیونکہ اسم غیر منصرف ہے اس وجہ سے کہ اس میں جمعیت موجود ہے صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ بر خلاف رفع اور جبر کی دونوں حالتوں میں کیونکہ ان کے اندر اختلاف کیا گیا ہے

تشریح: — قولہ واما فی حالتہ النصیب۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جوار کا حکم جس طرح رفع و جبر کی حالت میں بحسب صورت ہے اسی طرح نصب کی حالت میں بھی کہ یار آخر میں منقوح ہوتی ہے۔ جواب یہ کہ نصب کی حالت میں قاض کے آخر میں یار منقوح منون ہوتی ہے اور جوار کے آخر میں تار منقوح بلا تنون ہوتی ہے اسی وجہ سے جوار حالت نصب میں بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ یار منقوح ہونے کی وجہ سے اس میں تعلیل نہیں ہوتی۔ اور جمع اپنی شرط صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ باقی رہتی ہے برخلاف حالت رفع و جبر میں کہ اس وقت یار کے منضم و مکور ہونے کی وجہ سے اس میں تعلیل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی جمعیت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے اس وجہ سے اس کے غیر منصرف ہونے میں نحو یوں کے درمیان اختلاف ہے۔

لَمْ يَنْهَبْ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنْ لَا يَسْمَى مَنْصُوفٌ وَالتَّنْوِينُ فِيهِ تَنْوِينُ الْمَوْفُوعِ لِأَنَّ الْأَعْلَالَ الْمُتَعَلِّقَ بِجَوْهَرٍ الْكَلِمَةُ مُقَدَّمٌ عَلَى مَنَعِ الْمَوْفُوعِ الَّذِي هُوَ مِنْ أَخْوَالِ الْكَلِمَةِ بَعْدَ تَمَامِهَا فَأَصْلُ جَوَارِي قَوْلُ جَارِي جَوَارِ جَوَارِي بِالضَّمَّةِ وَالتَّنْوِينُ بِنَاءٌ عَلَى أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَسْمَاءِ الْمَوْفُوعِ فَبِنَاءِ الْأَعْلَالِ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ ثُمَّ أَسْقَطْتُ الضَّمَّةَ لِشَقْلِ الْيَاءِ لِاتِّقَاءِ السَّاكِنِينَ فَصَارَ جَوَارِي عَلَى وَزْنِ سَلَامٍ وَكَلَامٍ فَلَمْ يَسْقِ عَلَى صِيغَةِ مُنْتَهَى الْجَمْعِ فَصُوْبَعِدَ الْأَعْلَالِ أَيْضًا مَنْصُوفٌ وَالتَّنْوِينُ فِيهِ لِلْمَوْفُوعِ كَمَا كَانَتْ قَبْلَ الْأَعْلَالِ كَذَلِكَ

ترجمہ: — اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ اسم جوارہ منصرف ہے اور اس میں تنوین، تنوین صرف ہے کیونکہ اعلال جو ذات کلمہ کے ساتھ متعلق ہے غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے جو احوال کلمہ سے ہے اس کے مکمل ہو جانے کے بعد آپ کے قول جاری جوارہ میں جوارہ کی اصل ہے جوارہ تنوین کے ساتھ اس بنا پر کہ اسم معرب میں اصل منصرف ہونا ہے پس اعلال کی بنیاد اس پر رکھی گئی جو اصل ہے پھر ثقل کی وجہ سے ضم اور التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء ساقطہ کر دیا گیا تو جوارہ ہو گیا سلام و کلام کے وزن پر پس وہ منتہی الجموع کے وزن پر باقی نہ رہا تو وہ بعد اعلال بھی منصرف رہا جیسے قبل اعلال منصرف تھا اور اس میں تنوین صرف کی ہے جس طرح قبل اعلال تنوین صرف کی تھی اسی طرح بعد اعلال بھی۔

تشریح: — قولہ ذہب بعضہم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جوارہ رفع و جر کی حالت میں از سے یاء محذوف ہوتی ہے اور تنوین آخر میں لاحق ہوتی ہے لیکن وہ اس حالت میں غیر منصرف ہی رہتا ہے یا منصرف ہو جاتا ہے؟ جواب یہ کہ اس میں اختلاف ہے زجاج کا مذہب یہ ہے جوارہ قبل اعلال بھی منصرف ہے اور بعد اعلال بھی منصرف ہے اور کسائی و ابو زید و علی بن عمر و کا مذہب یہ ہے کہ قبل اعلال بھی غیر منصرف ہے اور بعد اعلال بھی غیر منصرف ہے اور سیبویہ و خلیل کا مذہب یہ ہے کہ قبل اعلال منصرف ہے اور بعد اعلال غیر منصرف لیکن قبل اعلال غیر منصرف ہونا اور بعد اعلال منصرف ہونا تو اس کا قائل کوئی نہیں ہے اس لئے اس کو ہم الی بیان نہیں کیا گیا۔

قولہ لان الاعلال۔ یہ دلیل ہے مذہب زجاج کی جس کا حاصل یہ کہ قبل اعلال اس لئے منصرف ہے کہ اسم میں اصل منصرف ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی علت کا محتاج نہیں اور غیر منصرف دو علتوں کا محتاج ہے اور بعد اعلال اس لئے منصرف ہے کہ اعلال غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے کیونکہ اعلال ذات کلمہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے یعنی اس سے ذات کلمہ متغیر ہوتی ہے اور غیر منصرف سے وصف کلمہ متغیر ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ اعلال کا سبب قوی یعنی ثقل محسوس ہے اور غیر منصرف ہونے کا سبب ضعیف یعنی مشابہت غیر محسوس ہے اس لئے اعلال غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے پس بحالت رفع جاری جوارہ میں جوارہ کی اصل جوارہ ہوئی ضمہ اور تنوین کے ساتھ اور بحالت جر مررت بخوارہ میں جوارہ کی اصل جوارہ ہوئی کسرہ و تنوین کے ساتھ یاء پر ضمہ و کسرہ چونکہ ثقیل ہوتے ہیں اس لئے یاء کا ضمہ و کسرہ ساقط کر دیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے یاء گر گئی پس جوارہ ہو گیا۔ اور اب منتہی الجموع کا صیغہ نہ رہا اس لئے بعد اعلال بھی وہ منصرف رہا اور اس پر تنوین تنوین ممکن و صرف کی ہے۔

قولہ بناء علی ان۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعلال جو ذات کلمہ کیساتھ متعلق ہے وہ جس طرح

غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے اسی طرح منصرف ہونے پر بھی مقدم ہے کیونکہ دونوں احوال کلمہ سے ہیں لہذا یہ کہنا درست نہ ہو کہ اعلال صرف غیر منصرف ہونے پر مقدم ہے۔ جواب یہ کہ منصرف ہونا بھی اگرچہ کلمہ کے احوال سے ہے لیکن اس کا لحاظ اعلال پر مقدم ہے کہ اسم پہلے منصرف ملحوظ ہوتا ہے پھر اس پر اعلال کیا جاتا ہے کیونکہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عبارت علت ہو اس بات کی کہ جوارہ کی اصل جوارہ تنوین کے ساتھ ہے صرف ضمہ کیساتھ نہیں کیونکہ اصل کا لحاظ کر کے اس کو منصرف پڑھا گیا ہے اور منصرف پر تنوین بھی داخل ہوتی ہے۔

قولہ فصا جوارہ۔ یعنی جوارہ منصرف اس لئے ہے کہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ سلام و کلام جیسے مفردات کے وزن پر ہے پس وہ منتہی الجموع کے وزن پر نہ رہا اور یہ شرط ہے جمع کی لہذا جمع بھی مفقود ہو گئی جیسا کہ مشہور ہے اذافات الشرط فافعال الشرط۔ سوال جوارہ اگرچہ فی الحال منتہی الجموع کے وزن پر نہیں لیکن اصل میں وہ اس وزن پر تھا اور تحقق شرط کے لئے صیغہ اصل ہی کافی ہے جیسے حفا جرمین جمع اصلی کافی ہے۔ جواب جمع میں جمع اصلی معتبر ہے لیکن صیغہ اصلی نہیں بلکہ اس میں صیغہ حال کا اعتبار ضروری ہے۔

وذهب بعضهم الى ان بعد الاعلال غير منصرف لان فيه الجمعيه مع صيغه منتهى الجمع لان المحذوف بمنزلة المقدرو لاجري الاعراب على الزاء والتثنيه فيه تنوين عوض فان له لما أسقط تنوين المقدر عوض من الياء المحذوفه أو عن حركتها هذا التنوين وعلى هذا القياس حاله الجري بلا تفاوت

ترجمہ: — اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ جوارہ بعد اعلال غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں جمعیہ صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ موجود ہے اس لئے کہ محذوف بمنزلة مقدر ہے اسی وجہ سے راء پر اعراب جاری نہیں ہوتا اور اس میں تنوین تنوین عوض ہے کیونکہ جب تنوین صرف کو ساقط کر دیا گیا تو یاء محذوفہ یا اس کی حرکت کے عوض اس تنوین کو لایا گیا اور اسی قیاس پر حالت جر بھی بلا تفاوت ہے۔

تشریح: — قولہ ذہب بعضہم۔ یہ سیبویہ و خلیل کا مذہب ہے کہ جوارہ قبل اعلال منصرف ہے اور بعد اعلال غیر منصرف۔ قبل اعلال اس لئے منصرف ہے کہ اسم میں اصل منصرف ہونا ہے جیسا کہ گذرا اور بعد اعلال غیر منصرف اس لئے ہے کہ وہ جمع منتہی الجموع کے وزن پر حکماً باقی ہے کیونکہ یاء محذوفہ بمنزلة یاء مقدرہ ہے اور یاء مقدرہ بمنزلة یاء ملحوظہ ہے اسی وجہ سے راء پر اعراب نہیں آتا اور اس پر تنوین عوض ہے جو یاء محذوفہ یا

اس کی حرکت کے عوض آتی ہے تنوین ممکن نہیں جو اعلال سے پہلے تھی۔

قولہ لان المحذوف۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ محذوف و مقدر دونوں ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہیں مقدر وہ ہے جو لفظ میں متروک ہو اور نیت میں موجود ہو جیسے واسئل القرعہ میں اہل اگرچہ لفظ میں متروک ہے لیکن نیت میں ہنوز موجود ہے کیونکہ مسئول غنہ ہونے کی صلاحیت آیا دی کے اندر نہیں بلکہ آبادی کے اندر ہے اور محذوف وہ ہے جو لفظ و نیت دونوں میں متروک ہو جیسے ید و دم کے آخر سے واؤ لفظ و نیت دونوں میں متروک ہے۔ محذوف چونکہ متروک فی اللفظ ہونے میں مقدر کے ساتھ مشابہ ہے اس لئے اس کو بمنزلہ مقدر کہا گیا۔ خیال رہے کہ محذوف میں متروک کبھی علی الدوام یعنی نیامنیاً ہوتا ہے جیسے ید و دم میں اور کبھی متروک علی الزوال یعنی اعلال اگر نہ ہو تو پڑھا جائے جیسے قاض و دایع میں اور یہاں قاض سے یہی دوسری قسم مراد ہے اور اس پر الف لام ہائے عہد خارجی ہے جو دوسری قسم پر وال ہے

قولہ والتنوین فیہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جوار اگر اعلال کے بعد غیر منصرف ہے تو اس پر تنوین کیوں آتی ہے؟ جبکہ وہ کسرہ و تنوین کو قبول نہیں کرتا۔ جواب یہ کہ غیر منصرف پر تنوین ممکن نہیں آتی اور جوار پر تنوین عوض ہے جو صرف یا اس کی حرکت کے عوض ہے۔

قولہ عوض من الیاء۔ تنوین کا عوض غنہ یا محذوف ہے یا اس کی حرکت۔ نحو یوں کا اس کے متعلق دو قول ہیں اس لئے شارح نے دونوں قول کو نقل فرمایا۔ آخر میں تنوین اس لئے آتی ہے کہ یا محذوف کے واپس آنکی امید منقطع ہو جائے کیونکہ یا ساکن ہے اور تنوین بھی ساکن پس اگر یا واپس آئے تو دو ساکن کا اجتماع لازم آئیگا جو ممنوع ہے

وفی لغة بعض العرب اثبات الیاء فی حالة الجر کافی جالیۃ النصب تقول مردت بجوارا کما تقول رائتہ جوارا و بناءً على هذا اللغة علی تقدیم منع الصرف علی الاعلال فانہ جلیل تكون الیاء مفتوحة فی حالة الجر والفتحة خفيفة فها وقع فیہ اعلال واما فی حالة الرفع فاصل جوار جوارا بالضم بلا تنوین حذفت الفتحة للثقل و عوض عنہا التنوین فسطت الیاء لا لتقاء الساکنین نصار جوارا و علی هذا اللغة لا اعلال الا فی حالة واحد و بخلاف اللغة المشہورة فانہ فیہ الاعلال فی حالتین کما عرفت

ترجمہ: — اور بعض عرب کی لغت میں حالت جر میں یا ثابت کیا گیا ہے جیسا کہ حالت نصب میں ثابت کیا گیا ہے آپ کہیں گے مردت بجوارا جس طرح آپ کہتے ہیں رائتہ جوارا اور اس لغت کی بناءً غیر منصرف کو اعلال پر مقدم کرنا ہے کیونکہ اس وقت یا حالت جر میں مفتوح ہوتی ہے اور فتح خفیف ہے پس اس حالت میں اعلال واقع ہوگا اور لیکن رفع کی حالت میں تو جوار کی اصل جوارا ضم کے ساتھ بلا تنوین ہے ضم ثقل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور دونوں کے عوض میں تنوین لائی گئی پس یا التقاء الساکنین کی وجہ سے ساقط ہو کر جوار ہو گیا اور اس لغت پر اعلال صرف ایک حالت میں ہوگا برخلاف لغت مشہورہ کہ اس میں اعلال دونوں حالتوں میں ہوگا جیسا کہ آپ پہچان چکے۔

تشریح: — قولہ وفی لغة۔ یہ کسائی وغیرہ کا مذہب ہے کہ جوار رفع کی حالت میں قبل اعلال بھی غیر منصرف ہے اور بعد اعلال بھی غیر منصرف ہے کیونکہ ان کے مذہب میں غیر منصرف ہونا اعلال پر مقدم ہے پس رفع کی حالت میں جوارا یا پر ضم بلا تنوین ہے اور یا پر ضم ثقیل ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض تنوین لائی گئی پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے یا گر گئی تو جوار ہو گیا۔ کسائی کے نزدیک یا محذوف بمنزلہ یا ملفوظ ہے اس لئے جمع منتہی المجموع کا صیغہ مکما موجود ہے پس جوار بعد اعلال بھی غیر منصرف ہوگا لیکن جر کی حالت میں جوارا یا کو فتح کے ساتھ بلا تنوین پڑھا جائے گا جس طرح نصب کی حالت میں بالاتفاق یا کو فتح بلا تنوین پڑھا جاتا ہے۔ اعلال صرف رفع کی حالت میں ہوگا نصب و جر کی حالت میں نہیں کیونکہ اعلال کا سبب جو ثقل ہے وہ موجود نہیں اس لئے کہ یا پر ضم ہے نہ کسرہ بلکہ فتح ہے۔

قولہ وفی هذا اللغة۔ کسائی وغیرہ کے مذہب پر صرف حالت رفع میں اعلال ہوگا اور زجاج و سیبویہ کے مذہب پر رفع و جر دونوں حالتوں میں اعلال ہوگا مگر میں جو بخوار رفعا و جر کافا حق کہا گیا ہے زجاج و سیبویہ کے مذہب پر کیوں ان دونوں کا مذہب لغت مشہورہ پر ہے اور کسائی وغیرہ کا مذہب لغت مشہورہ کے خلاف ہے۔

الذکر یہ وهو صیورہ کلین اذ اکثر کلمۃ واحد من غیرہ فیتجزع فلا یدرد النجم و بصری
علین شرطہ العلمیۃ لیا من من الزوال فیمصل لہ قرۃ فیوتر بها فی منع الصرف

ترجمہ :- (ترکیب) اور وہ دو یا اس سے زائد کلموں کا ایک ہو جانا ہے بغیر یہ کہ کوئی جزو حرف ہو
 میں اعتراض نہ ہوگا البتہ اور بصری سے جب کہ دونوں علم ہوں (اس کی شرط علم ہونا ہے) تاکہ ترکیب زوال سے
 محفوظ رہے پس اس کے لئے ایک ایسی قوت حاصل ہوگی کہ جس سے وہ غیر منصرف ہونے میں مؤثر ہو سکے۔
 تشریح :- قولہ دھو صیورۃ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ البتہ اور بصری اور قائمہ کو اگر کسی کا
 علم بنادیا جائے تو ہر ایک کو غیر منصرف ہو جانا چاہیے کیونکہ ہر ایک میں علمیت اور ترکیب موجود ہیں۔ جواب
 یہ کہ ترکیب سے یہاں مراد یہ ہے کہ چند کلموں کا ملکر ایک کلمہ اس طرح ہو جانا ہے کہ کوئی جزو حرف نہ
 ہو اور یہ مذکورہ تینوں مثالوں میں مفقود ہے کیونکہ البتہ میں لام تعریف جزو ہے اور بصری میں بار نسبت
 جزو ہے اور قائمہ میں تار تائیت جزو ہے لیکن تینوں حرف ہیں۔

قولہ لیا من من الزوال - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ترکیب میں علمیت کی شرط کیوں ہے ؟
 جواب یہ کہ علمیت کی وجہ سے ترکیب زوال سے محفوظ ہو جاتی ہے کیونکہ علم میں بقدر امکان تغیر نہیں ہوتا
 جس سے یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ غیر منصرف کا سبب بن سکے۔ خیال رہے کہ ترکیب کا غیر منصرف
 کے سبب ہونے کے لئے تین شرطیں ایک وجودی یعنی علم ہونا اور دوسری یعنی اضافت کا نہ ہونا اور اسناد
 کا نہ ہونا۔ وجودی کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ اس کو عدی پر تقدم طبعی حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ وجودی
 ایک ہے اور عدی دو اور ایک کا دو پر تقدم طبعی ہونا ظاہر ہے۔

وَأَنَّ لَا يَكُونُ بِإِضَافَةٍ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ تَخْرِجُ الْمُضَافَ إِلَى الصَّوْفِ أَوَّلِي حَكْمِهِ فَيَكُونُ تَوْثِيرٌ فِي الْمُضَافِ
 مَا يَصَادُكَ أَعْنَى مَنَعَ الصَّوْفِ وَلَا اسْتِدْلَالَاتِ الْأَعْلَامِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَى الْإِسْنَادِ مِنْ قِبَلِ الْبَيِّنَاتِ نَحْوِ تَابِطِ
 شُرَافَاتِهَا بِأَنَّ فِي حَالِهَا الْعِلْمِيَّةِ عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ قَبْلَ الْعِلْمِيَّةِ فَإِنَّ التَّسْمِيَةَ بِهَا أَهْلًا
 لِدَلَالَتِهَا عَلَى قِصَّةٍ غَرِيبَةٍ فَلَوْ نَظَرْنَا إِلَيْهَا لَتَيَسَّرَ لِمَنْ أَنْ تَفُوتَ تِلْكَ الدَّلَالَةُ وَإِذَا كَانَتْ
 مِنْ قِبَلِ الْبَيِّنَاتِ يَكُونُ يَتَصَوَّرُ فِيهَا مَنَعَ الصَّوْفِ الَّذِي هُوَ مِنْ أَحْكَامِ الْعَرَبِيَّاتِ

ترجمہ :- (اور یہ کہ اضافت کے ساتھ نہ ہو) کیونکہ اضافت مضاف کو منصرف یا اس کے علم کی طرف
 نکال دیتی ہے تو وہ اس اسم میں جو منصرف کی طرف مضاف ہے کیسے اثر کر سکتی ہے ؟ جو اس اسم مضاف کے
 متضاد ہو یعنی منع صرف (اور نہ اسناد کے ساتھ ہو) اس لئے کہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں بیانات

کے قبیل سے ہیں جیسے تابط شرأ کیونکہ اعلام حالت علمیت میں اسی حالت پر باقی رہتے ہیں جس پر وہ علمیت
 سے پہلے تھے کیونکہ ان اعلام کے ساتھ نام رکھا عجیب و غریب قصہ پر دلالت کرنے کے لئے ہوتا ہے پس اگر ان
 اعلام کی طرف تیز کو راستہ مل جائے تو ممکن ہے وہ دلالت فوت ہو جائے اور جب وہ اعلام بیانات کے قبیل سے
 ہوتے تو ان کے اندر غیر منصرف ہونے کا تصور کیسے ہو سکتا ہے جو احکام معربات سے ہے۔

تشریح :- قولہ لَاتِ الْإِضَافَةُ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ترکیب میں یہ شرط کیوں ہے کہ
 اضافت کیساتھ نہ ہو ؟ جواب یہ کہ اضافت مضاف کو منصرف یا اس کے حکم میں کر دیتی ہے تو وہ مضاف ایک
 کو اس کی ضد یعنی غیر منصرف بنانے میں کیسے مؤثر ہو سکے گی۔ خیال رہے کہ اضافت سے یہاں مراد مرکب تقیدی
 ہے یعنی وہ ترکیب ہے کہ جس میں دوسرا جزو پہلے جزو کی قید ہو خواہ وہ ترکیب اضافی ہو جیسے رسول اللہ یا توسیفی
 ہر جیسے العلم نور۔

قولہ لَانِ الْإِعْلَامِ - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ترکیب میں یہ شرط کیوں ہے کہ اسناد کے ساتھ
 نہ ہو ؟ جواب یہ کہ غیر منصرف معرب ہوتا ہے اور جس اسم میں اسناد ہو وہ معرب ہوتا ہے اس لئے جس علم میں
 اسناد ہوگی وہ غیر منصرف نہ ہوگا مثلاً تابط شرأ جملہ ہے جس میں اسناد ہے وہ ایک شخص کا نام ہو گیا ہے پس
 وہ جس طرح پہلے معنی تھا اسی طرح علم ہونے کے بعد بھی معنی ہوگا۔

قولہ عَلَى قِصَّةٍ غَرِيبَةٍ - واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص جنگل سے لکڑی کا گٹھیا بغل میں دبا کر مکات
 پہنچا اور جب اس کی بیوی نے گٹھیا کھولا تو اس سے ایک زہریلا سانپ برآمد ہوا جس سے وہ بے ساختہ
 جمع پڑی اور منہ سے یہ جملہ نکلا تابط شرأ یعنی اس نے شر کو بغل میں دبا لیا جب یہ واقعہ مشہور ہو گیا تو
 لوگ اس کو اسی نام سے پکارنے لگے اور اب یہ ہر شریر و بد معاش کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ بھی شرانہ
 و بد معاشی ہوتی ہے۔

فَأَنَّ قُلْتَ كَانَتْ عَلَى الْمُصَنَّفِ أَنْ يَقُولَ وَأَنَّ لَا يَكُونُ الْجَزْءُ الثَّانِي مِنَ الْمَرْكَبِ صَوْرًا وَلَا
 مَقْصِدًا بَلْ فِي الْعُطْفِ يَخْرُجُ مَثَلُ سَبْوِيهِ وَنَفْطُوِيهِ وَمَثَلُ خَمْسَةِ عَشْرَ وَسَنَةً عَشْرَ عَشْرِينَ
 قُلْنَا كَأَنَّهُ اسْتَفْنَى فِي ذَلِكَ مِمَّا ذَكَرَ لَا يَمَّا بَعْدَ انْهَامَنْ قِبَلِ الْبَيِّنَاتِ وَأَمَّا الْأَعْلَامُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَى الْإِسْنَادِ
 فَلَمْ يَذْكُرْ بِأَنَّهَا أَصْلًا فَلِذَلِكَ احتاجَ إِلَى إِخْرَاجِهَا

ترجمہ: — پس اگر آپ سوال کریں کہ مصنف پر یہ کہنا ضروری تھا کہ مرکب کا جز ثانی صوت نہ ہو اور نہ متضمن ہو کسی حرف عطف کو تاکہ تعریف سے سیویہ اور لفظیہ کی شکل نکل جائے اور خمسہ عشر دستہ عشر کی شکل بھی نکل جائے جبکہ دونوں علم ہوں۔ ہم جواب دیں گے کہ مصنف نے گویا دونوں قیدوں کے بیان نہ کرنے میں اس پر اکتفا کیا ہے جو بعد میں بیان کریں گے کہ دونوں ترکیب بنیات کے قبیل سے ہیں اور رہے وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہیں تو انہوں نے ان کے معنی ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس لئے اس کے نکالنے کی ضرورت پیش آئی۔

ترجمہ: — قولہ فان قلت۔ شارح کی طرف سے ماتن کا یہ سوال ہے کہ ترکیب صوتی جیسے سیویہ و لفظیہ اور ترکیب بنائی جیسے خمسہ عشر دستہ عشر کو اگر کسی کا علم بنا دیا جائے تو وہ غیر منصرف نہیں ہوتے پس مصنف کو یہ بھی کہنا چاہئے وائے لایکونہ الجنہ الثانی من المركب صوتاً ولا متضمناً بحرف العطف خیال رہے کہ علم ہونے کی قید جس طرح خمسہ عشر دستہ عشر میں ملحوظ ہے اسی طرح سیویہ و لفظیہ میں بھی لیکن اس کو صرف اول میں اس لئے بیان کیا گیا کہ سیویہ و لفظیہ کا علم ہونا مشہور ہے کیونکہ وہ نحو کے دو امام کے نام ہیں اور خمسہ عشر دستہ عشر عدد کے لئے موضوع ہیں اس لئے ان کا علم ہونا معلوم نہیں۔ سیویہ کی وجہ تسمیہ تفصیل کے ساتھ آگے بیان کی جائیگی لیکن لفظیہ کی یہ ہے کہ لفظ کے معنی آبد ہے اور ان کے جسم پر چونکہ کافی آبلہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے ان کے منہ سے بے ساختہ وہ دیر کی آواز نکلتی تھی اس لئے ان کو لفظیہ کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: — یہ جواب ہے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر منصرف معرب ہے اور ترکیب صوتی اور ترکیب بنائی معنی ہیں اور ان دونوں کو چونکہ بعد میں بحث معنی میں بیان کیا جائے گا اس لئے یہاں ان کو مابعد کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے چھوڑ دیا گیا۔

ترجمہ: — اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ خمسہ عشر اور سیویہ کا ذکر بحث معنی میں ایک طرح نہیں بلکہ اول کے معنی ہونے کا ذکر ملاحظہ ہے اور دوم کے معنی ہونے کا ذکر اشارہ ہے وہ اس طرح کہ فان تضمنت الجنہ الثانی حرفاً ثانیاً خمسہ عشر والا فاعربہ الثانی اخر یعنی جز ثانی اگر کسی حرف کو متضمن ہو تو دونوں معنی ہوں گے ورنہ جز اول کو اعرباب دیا جائے گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ ترکیب سے پہلے معنی نہ ہو ورنہ اپنے بناء پر قائم رہے گا جیسے سیویہ و لفظیہ وغیرہ۔

ترجمہ: — قولہ واما الاعلام۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مرکب صوتی اور مرکب بنائی کو ماتن نے اس لئے نہیں

نکالا کہ وہ معنی ہیں اور غیر منصرف معرب ہے تو ان اعلام کو کیوں نکالا جن کے اندر اسناد ہوتی ہے جب کہ وہ بھی ہیں۔ جواب یہ کہ وہ اعلام کہ جن کے اندر اسناد ہوتی ہے وہ بھی اگرچہ معنی ہیں لیکن ان کو یہاں اس لئے نہیں لیا کہ ان کے بناء کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے برخلاف مرکب بنائی و مرکب صوتی کہ وہ بحث معنی میں مذکور ہیں اس لئے یہاں ان کو نہیں نکالا گیا۔

ترجمہ: — قولہ فان قلت۔ شارح کی طرف سے ماتن کا یہ سوال ہے کہ ترکیب صوتی جیسے سیویہ و لفظیہ اور ترکیب بنائی جیسے خمسہ عشر دستہ عشر کو اگر کسی کا علم بنا دیا جائے تو وہ غیر منصرف نہیں ہوتے پس مصنف کو یہ بھی کہنا چاہئے وائے لایکونہ الجنہ الثانی من المركب صوتاً ولا متضمناً بحرف العطف خیال رہے کہ علم ہونے کی قید جس طرح خمسہ عشر دستہ عشر میں ملحوظ ہے اسی طرح سیویہ و لفظیہ میں بھی لیکن اس کو صرف اول میں اس لئے بیان کیا گیا کہ سیویہ و لفظیہ کا علم ہونا مشہور ہے کیونکہ وہ نحو کے دو امام کے نام ہیں اور خمسہ عشر دستہ عشر عدد کے لئے موضوع ہیں اس لئے ان کا علم ہونا معلوم نہیں۔ سیویہ کی وجہ تسمیہ تفصیل کے ساتھ آگے بیان کی جائیگی لیکن لفظیہ کی یہ ہے کہ لفظ کے معنی آبد ہے اور ان کے جسم پر چونکہ کافی آبلہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے ان کے منہ سے بے ساختہ وہ دیر کی آواز نکلتی تھی اس لئے ان کو لفظیہ کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: — رجبے بعلبک اس لئے کہ وہ ایک شہر کا نام ہے جو مرکب ہے بعل سے جو ایک بت کا نام ہے اور بک سے جو اس شہر کے مالک کا نام ہے دونوں کو ایک نام کر دیا گیا بغیر یہ کہ ان دونوں کے درمیان قصد کیا جائے نسبت اضافیہ کا یا اسنادیہ کا یا ان دونوں کے علاوہ کا۔

ترجمہ: — یعنی بعلبک ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مرکب ہے بعل اور بک سے بعل ایک بت کا نام ہے جس کو حضرت الیاس علیہ السلام کی امت پوجتی تھی رب تعالیٰ کا ارشاد ہے اَنْدَعُوْنَ بَعْلًا وَتَذَرُوْا اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ۔ اور بک اس ملک کے بادشاہ کا نام ہے جو بعل بت کا پجاری تھا پس عابد و معبود کا نام ملا کہ ملک شام کے ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا۔

ترجمہ: — راء و الف و نون) جو اسباب منع صرف سے شمار ہوتے ہیں ان دونوں کا نام مزید تان رکھا جاتا کیونکہ دونوں حروف زائد سے ہیں اور ان دونوں کا نام مضارع تان یعنی مشابہ تان بھی رکھا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کو تانیث کے دونوں الفون کیساتھ مشابہت حاصل ہے ان دونوں پر تان تانیث کے داخل ہونے

ترجمہ: — راء و الف و نون) جو اسباب منع صرف سے شمار ہوتے ہیں ان دونوں کا نام مزید تان رکھا جاتا کیونکہ دونوں حروف زائد سے ہیں اور ان دونوں کا نام مضارع تان یعنی مشابہ تان بھی رکھا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کو تانیث کے دونوں الفون کیساتھ مشابہت حاصل ہے ان دونوں پر تان تانیث کے داخل ہونے

میں اور نحویوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ الف دونوں کا غیر منصرف کا سبب ہونا اس وجہ سے ہے کہ دونوں مزید تان ہیں اور فرع ہیں مزید علیہ کے اور یا اس وجہ سے کہ دونوں شاہد ہیں تانیث کے دونوں الفوں کے اور راجح یہی دوسرا قول ہے۔

تشریح: قولہ المبدأ وفتان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حسان میں الف دونوں موجود ہیں اور علمیت بھی کہ وہ ایک مدح رسول جلیل القدر صحابی کا نام ہے لیکن وہ غیر منصرف نہیں بلکہ منصرف پڑھا جاتا ہے جواب یہ کہ الف دونوں پر الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد وہ الف دونوں ہیں جو غیر منصرف کے اسباب سے شمار ہوتے ہیں اور وہ وہ ہیں جو اسم کے آخر میں لاحق ہوں اور اس کے حروف اصلی سے زائد ہوں اور حسان میں الف دونوں زائد نہیں بلکہ نون اصلی ہے کہ اس کا مادہ حسن ہے۔

قولہ تسمیات مزید تین۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ الف دونوں کو مزید تان بھی کہا جاتا ہے اور مضارع تان بھی، اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ کہ اس کو مزید تان نجات کوئی کہتے ہیں وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ الف دونوں حروف زوائد سے ہیں یا یہ کہ وہ تین حروف اصلیہ پر زائد ہوتے ہیں جیسے عثمان و سکران اور اس کو مضارع تان نجات بھری کہتے ہیں وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مضارع بھری شاہد ہے اور وہ چونکہ تانیث کے دونوں الف یعنی الف مقصورہ و الف محدودہ کیساتھ اس امر میں مشابہ ہیں کہ جس اسم میں الف مقصورہ و الف محدودہ لاحق ہوتے ہیں اس میں تار تانیث نہیں آتی اسی طرح جس اسم میں الف دونوں لاحق ہوتے ہیں اس میں تار تانیث نہیں آتی اس لئے ان دونوں کو مضارع تان یعنی مشابہ تان کہا جاتا ہے خیال رہے کہ تسمیات یہاں بمعنی توصفان ہے کیونکہ الف دونوں پر زائد ہونے یا شاہد ہونے کا اطلاق بطور صفت نہ بطور تسمیہ نہیں۔

قولہ للنحاة خلافت۔ نجات کوئی کے نزدیک چونکہ الف دونوں کا نام مزید تان ہے اس لئے ان کے نزدیک الف دونوں کا غیر منصرف کا سبب ہونا زائد ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ زائد مزید علیہ کی فرع ہوتا ہے پس ان سے اسم میں فرقت پائی جائیگی اور نجات بھری کے نزدیک الف دونوں کا نام مضارع ہے پس ان کے نزدیک الف دونوں کا سبب ہونا الف مقصورہ و الف محدودہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ الف دونوں مشابہ ہوئے اور الف مقصورہ و الف محدودہ مشابہ اور ظاہر ہے مشابہ بہ کی فرع ہوتا ہے پس ان سے اسم میں فرقت پائی جائیگی۔

قولہ والراجح۔ قول دوم راجح اس لئے ہے کہ قول اول پر ندمان کا غیر منصرف ہونا لازم آتا ہے

جب کہ وہ بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس کے آخر میں تار تانیث لاحق ہوتی ہے جس کی وجہ سے الف دونوں کا تانیث کے الف مقصورہ و الف محدودہ کے ساتھ مشابہت زائل ہو جاتی ہے پس وہ منصرف ہو جاتا ہے لیکن قول اول پر ندمان کے آخر میں چونکہ الف دونوں زائد تان موجود ہیں اس لئے وہ غیر منصرف ہو جائے گا۔

ثُمَّ أَنَّهُمَا إِن كَانَتَا فِي اسْمٍ بَعِيٍّ بِمَا يُقَابِلُ الصِّفَةَ فَإِنَّ الْأَسْمَاءَ الْمُقَابِلَةَ لِلْفِعْلِ وَالْحَرْفِ أَمَّا أَنْ لَا يَدُلَّ عَلَى ذَاتِهِ مَا لَوْ حُطَّ مَعَهَا صِفَةٌ مِنَ الصِّفَاتِ كَرَجُلٍ وَفَرْسٍ أَوْ يَدُلَّ كَأَحْمَدٍ وَضَلَّحٍ وَمَضْرُوبٍ فَالْأَوَّلُ يَسْتَمِي اسْمًا وَالثَّانِي صِفَةً فَالْمُرَادُ بِالْأَسْمَاءِ الْمَذْكُورِ طَهْنًا هُوَ هَذَا الْمَعْنَى لَا الْأَسْمَاءَ الشَّامِلَةَ لِلْأَسْمَاءِ وَالصِّفَةِ فَشَرْطُ أَنَّ شَرْطُ الْأَلْفِ وَالنُّونِ فِي مَعْنِيهِمَا مِنَ الصِّفَةِ وَافْرَادُ الضَّمِيرِ بِاعْتِبَارِ تَنَاهَا سَبَبٌ وَاحِدٌ أَوْ شَرْطُ ذَلِكَ الْأَسْمَاءُ فِي امْتِنَاعِهَا مِنَ الصِّفَةِ الْعَلَمِيَّةِ تَحْقِيقًا لِلزُّمَرِ خَرَابَتُهَا أَوْ لِمَتَنَعِ دُخُولِ النَّاسِ عَلَيْهَا فَيَتَحَقَّقُ شَبْهًا بِالْفِي التَّانِيثِ كَعِمْرَانَ

ترجمہ: پھر وہ دونوں (اگر اسم میں ہوں) اسم سے مراد وہ ہے جو صفت کے مقابل ہو کیونکہ اسم جو فعل و حرف کے مقابل ہے وہ یا تو کسی ایسی ذات پر دلالت نہ کرے گا جس کے ساتھ کوئی صفت ملحوظ ہو صفات میں سے جیسے رجل و فرس یا دلالت کرے گا جیسے احمد و ضارب و مضروب پس اول کا نام اسم رکھا جائیگا اور دوم کا صفت تو اسم مذکور سے مراد یہاں ہی معنی ہے وہ اسم نہیں جو اسم اور صفت دونوں کو شامل ہے (تو اس کی شرط) یعنی الف و نون کی شرط ان دونوں کے غیر منصرف کے سبب ہونے میں اور تن میں ضمیر کو مفرد اس اعتبار سے لایا گیا ہے کہ دونوں ایک سبب ہیں یا اس اسم کی شرط اس کے غیر منصرف ہونے میں (علمیت ہے) تاکہ ان دونوں کے زیادہ ہونے کا لزوم متحقق ہو جائے یا تاکہ ان دونوں پر تار کا دخول ممکن ہو جائے پس ان دونوں کی مشابہت تانیث کے دونوں الفوں کیساتھ متحقق ہو جائیگی (جیسے عمران)

تشریح: قولہ یعنی بہ ما یقابل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم اس کلمہ کو کہتے ہیں جس کا معنی مستقل ہو اور وہ ہم میں کسی زمانہ کے ساتھ مقرر نہ ہو اور یہ معنی صفت کو بھی شامل ہے پس دونوں کے درمیان اوصاف سے تقابل درست نہ ہوا جواب یہ کہ اسم سے یہاں مراد عام نہیں جو مذکور ہوا بلکہ اس سے مراد اسم ذات ہے جو اسم صفت کے مقابل ہوتا ہے۔ اسم صفت وہ اسم ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرے جیسا میں اس کی کوئی صفت ملحوظ ہو جیسے ضارب کہ وہ ایسی ذات پر دال ہے جس میں اس کی صفت ضرب ملحوظ

ہے اور اسم ذات وہ اسم ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرے جس میں اس کی کوئی صفت ملحوظ نہ ہو جیسے رجل و فرس
قولہ علی ذات ما۔ ذات کی قید سے مصدر نکل گئے جیسے ضرب و قتل اور ملاحظہ معہا کی قید سے
رجل و فرس اور اسم ظرف و اسم آلہ بھی نکل گئے اور معہا میں لفظ مع مصاحبت کے لئے آیا ہے جو ملاحظہ ذات
و ملاحظہ صفت کے برابر ہونے پر دلالت کرتا ہے یعنی عام ہے کہ اصل ملاحظہ ذات ہو یا ملاحظہ صفت۔
قولہ ای شرط الالف والنون۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں شرط کی ضمیر خبر در کا مرجع

الف و نون کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ ضمیر مرجع کے مطابق نہیں کیونکہ ضمیر واحد ہے اور مرجع دو ہیں جواب یہ کہ الف
و نون اگرچہ وجود میں دو ہیں لیکن سبب ہونے میں ایک ہیں کیونکہ یہ شرط ان کے سبب ہونے کی ہے جو
دونوں مل کر ہیں اسی وجہ سے بشرط میں شرط کی اضافت ضمیر واحد کی طرف کی گئی ہے اور کانتا فی اسم میں
کانتا کو متنیہ لایا گیا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مرجع الف و نون نہیں بلکہ وہ اسم ہو جس کے آخر میں الف و
نون لاحق ہوتے ہیں لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے اسی وجہ سے اس کو بعد میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ سابق
میں تمام شرائط اسباب کی طرف راجع ہیں اس لئے یہاں بھی مناسب ہوا کہ اس کی اضافت سبب یعنی الف
و نون زائد تان کی طرف ہو۔

قولہ فی منہما من الصرف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ندماں میں الف و نون زائد تان موجود
ہیں لیکن علییت نہیں جواب یہ کہ علییت جو الف و نون زائد تان کی شرط ہے وجود کے لئے نہیں بلکہ غیر منفرد
کا سبب ہونے کے لئے ہے۔

قولہ تحقیقا للزوم۔ ماقبل میں چونکہ یہ بتایا گیا تھا کہ الف و نون کو کوئیں مزید تان کہتے ہیں
اور بعض میں مضارع تان یعنی مشابہ تان کہتے ہیں اس لئے یہاں دونوں مذہبوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے
مذہب اول کی طرف تحقیقا للزوم زیادہ تھا سے اور مذہب دوم کی طرف یعنی دخول التاء سے اول کا حاصل یہ کہ
الف و نون میں علییت کی شرط اس لئے لگائی جاتی ہے کہ وہ دونوں اسم کو لازم ہو جائے کیونکہ علم میں بقدر
امکان تغیر نہیں ہوتا۔ جس سے ان دونوں میں اتنی قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ غیر منصرف کا سبب بن
سکے اور دوم کا حاصل یہ کہ علییت کی وجہ سے تار تائین کا حق متنع ہو جاتا ہے کیونکہ علم میں بقدر امکان
قید زائد لاحق نہیں ہوتی پس ان کو الف مقصورہ و الف ممدودہ کے ساتھ تار تائین کے لاحق ہونے میں
مشابہت نہ ہو جائیگی کیونکہ الف مقصورہ و الف ممدودہ کو بھی تار تائین کا لاحق ہونا متنع ہے اس لئے
کہ الف خود ہی تائین پر دال ہے پس اس پر تار تائین کا لاحق فضول ہوگا۔

اور کانتا فی صفت فانتفاء فعلانہ ای ان کا الالف والنون فی صفت فانتفاء فعلانہ
یعنی امتناع دخول تاء التائین علیہ لیتی مشابہتہا لالفی التائین علی حالہا ولذا انصرف عریان
مع انہ صفت لانت مونث عریانہ

ترجمہ: (یا) وہ الف و نون (صفت) میں رہوں تو انتفاء فعلانہ ہے، یعنی الف و نون اگر صفت میں
ہوں تو اس کی شرط انتفاء فعلانہ ہے یعنی اس پر تار تائین کے دخول کا متنع ہونا ہے تاکہ الف و نون کی مشابہت
تائین کے دونوں الفوں کے ساتھ اپنے حال پر باقی رہے اسی وجہ سے عریان منصرف ہے باوجودیکہ وہ صفت
ہے کیونکہ اس کی مؤنث عریانہ آتی ہے۔

تشریح: قولہ کانتا۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ فی صفت کا عطف فی اسم پر نہیں بلکہ وہ
معمول ہے کانتا فعل ناقص کا اور پورا جملہ معطوف ہے ماقبل میں کانتا فی اسم بشرط العلمیہ معطوف علیہ پر صرف
کانتا کو مقرر مانا گیا ہے ان شرط کو نہیں وجہ یہ کہ کانتا کا حذف شائع ہے لیکن ان شرط کا نہیں جیسے مشہور ہے
ان خیرا فخیرا اور حرف اواحدا لامرین کے لئے نہیں بلکہ تقسیم کے لئے آیا ہے پس اس سے الف و نون زائد تان
کا دو قسموں میں متقسم ہونا معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ الف و نون زائد تان اسم ذات میں ہوتے ہیں دوسری یہ کہ
وہ دونوں اسم صفت میں ہوتے ہیں۔

قولہ ای ان کا الالف۔ الالف والنون سے کانتا میں ضمیر متنیہ کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور
شرط انتفاء فعلانہ سے جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں فانتفاء فعلانہ جزا ہے شرط مذکور کی لیکن جزا
ہمیشہ جملہ ہوتا ہے اور یہ جملہ نہیں جواب یہ کہ انتفاء فعلانہ سے پہلے لفظ شرط مبتدا ہے جو بقرینہ سابق عبارت
سے حذف کر دیا گیا ہے اور فاجزائیہ خبر پر داخل کر دیا گیا ہے۔

قولہ یعنی امتناع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں فعلانہ اگر فا کے فتح کیساتھ ہے تو عریان
کو غیر منصرف ہو جانا چاہئے کیونکہ وہ بضم فا صیغہ صفت ہے جس میں الف و نون زائد تان اور انکی شرط
انتفاء فعلانہ بھی موجود ہیں کیوں کہ اس کی مؤنث عریانہ بضم عین آتی ہے اس کے باوجود وہ منصرف پڑھا جاتا
ہے اور اگر فعلانہ بضم فا ہے تو ندماں کو غیر منصرف ہو جانا چاہئے کیونکہ اس کی مؤنث ندماۃ فتح کے ساتھ آتی
ہے حالانکہ وہ منصرف پڑھا جاتا ہے۔ جواب یہ کہ انتفاء فعلانہ سے مراد یہ ہے کہ اس کی مؤنث کے آخر

میں تار تانیث کا لائق متمتع ہو خواہ وہ فتح کے ساتھ ہو یا ضمہ کیساتھ اور عربان و ندیمان کی مونت پر چول کر تار تانیث کا لائق متمتع نہیں اس لئے وہ دونوں منصرف ہیں واضح ہو کہ الف و ذون زائد تان اگر صفت میں ہوں اور فعلی کے وزن پر ہو تو صفت ہمیشہ مفتوح العین آتی ہے اور اگر اس کی مونت فعلانہ کے وزن پر ہو تو وہ کبھی بضم نا آتی ہے جیسے عسریان اور کبھی بفتح نا آتی ہے جیسے ندیمان لیکن بکسر نا کبھی نہیں آتی اور اگر الف و ذون زائد تان اسم میں ہوں تو اسم تینوں صورتوں کے ساتھ آتا ہے جیسے شعبان بفتح نا اور عسریان بکسر فار اور ثعلبان بضم فار

وَقِيلَ شَرْطُهُ وَجُودُ فَعْلٍ لِأَنَّهُ مَتَى كَانَتْ مَوْنَتُهُ فَعْلِي لَا يَكُونُ فَعْلَانَةً فَيَقْبِي مِثَابَهَتَهَا لَا فَعْلِي الثَّانِيَةِ عَلَى خَالِهَا

ترجمہ: — اور بعض نے کہا کہ اس کی شرط وجود فعلی ہے، کیونکہ جب اس کی مونت فعلی ہوگی تو فعلانہ نہ ہوگی پس الف و ذون زائد تان کی مشابہت تانیث کے دونوں الفوں کے ساتھ اپنے حال پر بانی رہے گی۔

تشریح: — قولہ شرط۔ اس عبارت سے قیل وجود فعلی کا ماقبل کے ساتھ ربط قائم کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ کہ الف و ذون زائد تان اگر اسم ذات میں ہوں تو اس کی شرط جہور نجات کے نزدیک انتفاع فعلانہ ہے اور بعض نجات کے نزدیک وجود فعلی ہے دونوں کا ماں اگرچہ بظاہر ایک ہے جس کی مونت اگر فعلی کے وزن پر ہو تو اس کی مونت فعلانہ کے وزن پر نہ آئیگی لیکن رجن میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ تفصیل آگے مذکور ہے۔

قولہ لَانَّهُ مَتَى۔ اس عبارت سے دونوں شرطوں کے درمیان تلازم کو بیان کیا گیا ہے کہ جس کی مونت فعلی کے وزن پر ہو تو اس کی مونت فعلانہ کے وزن پر نہ آئے گی اسی طرح اس کا برعکس کیونکہ جس کی مونت فعلی کے وزن پر ہو تو اس کے اخیر میں تار تانیث کا لاحق ہونا متمتع ہوتا ہے یہی حال انتفاع فعلانہ کا ہے کہ جس کی مونت فعلانہ کے وزن پر نہ ہو تو اس کے اخیر میں تار تانیث کا لاحق ہونا متمتع ہوتا ہے پس دونوں کی مشابہت تانیث کے دونوں الفوں یعنی الف مقصورہ و الف مدودہ کے ساتھ برقرار رہتی ہے۔

زَمِنْ ثَمَّ أَيْ وَمِنْ أَجْلِ الْمَخَالَفَةِ فِي الشَّرْطِ اُخْتَلَفَ فِي رَحْمَنِ فِي أَنَّهُ مَنْصَرَفٌ أَوْ غَيْرُ مَنْصَرَفٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ مَوْنَتٌ لَارْحَمِي وَلَا رَحْمَانَةٌ لِأَنَّهُ صِفَةٌ خَاصَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى لَا يُطْلَقُ عَلَى غَيْرِهِ تَعَالَى لِأَعْلَى مَذْكَرٍ وَلَا عِلَى مَوْنَتِهِ فَعْلِي مَذْهَبٌ مِنْ شَرْطِ انْتِفَاءِ فَعْلَانَةٍ فَهُوَ غَيْرُ مَنْصَرَفٍ وَعِلْمُهُ مَذْهَبٌ مِنْ شَرْطِ وَجُودِ فَعْلِي فَهُوَ مَنْصَرَفٌ

ترجمہ: — (اور اسی وجہ سے) یعنی شرط میں مخالفت کی وجہ سے رجن میں اختلاف ہوا) اس امر میں کہ وہ منصرف ہے یا غیر منصرف کیونکہ اس کی کوئی مونت نہیں نہ رجمی ہے اور نہ رحمانہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر نہیں ہوتا نہ مذکر پر اور نہ مونت پر پس اس شخص کے مذہب پر کہ جس نے انتفاع فعلانہ کی شرط لگائی ہے وہ غیر منصرف ہے اور اس شخص کے مذہب پر کہ جس نے وجود فعلی کی شرط لگائی ہے وہ منصرف ہے۔

تشریح: — قولہ اَمَى وَمِنْ أَجْلِ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ثَمَّ کی وضع اشارہ کرنے کے لئے ہے مکان کی طرف جیسا کہ متن میں آگے مرقوم ہے اَمَّا ثَمَّ وَهَذَا وَهَذَا لِلْمَكَانِ اور یہاں اس سے کس مکان کے طرف اشارہ کیا گیا ہے جواب یہ کہ ثَمَّ بفتح ثا و تشدید میم اگرچہ مکان جسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے لیکن اس سے یہاں بطور استعارہ حکم سابق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے آخر میں ہا سکتے وقف اور وصف دونوں حالتوں میں لاحق ہوتا ہے جس سے ثَمَّ کی حرکت بنائیہ محفوظ ہو جاتی ہے۔

قولہ فِي أَنَّهُ مَنْصَرَفٌ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ رجن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جواب یہ کہ اختلاف رجن کے صفت ہونے میں نہیں بلکہ اس کے منصرف و غیر منصرف ہونے میں ہے پس جس کے نزدیک انتفاع فعلانہ کی شرط ہے اس کے نزدیک رجن غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مونت رحمانہ نہیں آتی اور جس کے نزدیک وجود فعلی کی شرط ہے اس کے نزدیک رجن منصرف ہے کیونکہ اس کی مونت رجمی نہیں آتی۔

قولہ لِأَنَّهُ صِفَةٌ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماقبل میں دونوں شرطوں کے درمیان یہ ملازم بیان کیا گیا ہے کہ جس کی مونت اگر فعلی کے وزن پر آئے تو اس کی مونت فعلانہ کے وزن پر نہ آئے گی اور اگر فعلانہ کے وزن پر آئے تو فعلی کے وزن پر نہ آئے گی تو دریافت ہے کہ رجن کی مونت اگر رحمانہ نہیں

یہ کہ اضافت سے صرف اتنا ظاہر ہے کہ وہ اسم ایسے وزن پر ہو جو فعل کا وزن شمار کیا جائے ممکن ہے وہ فعل کیساتھ خاص نہ ہو اس لئے کہا گیا کہ غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے اس اسم کا فعل کے وزن کے ساتھ خاص ہونا ضروری ہے پس ہذا القدر میں واو بمعنی فاعل ہے جو بعد کی تفریح کے لئے آیا ہے۔

قولہ فی اللغة العربیۃ۔ فعل چونکہ لغت عربیہ ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ لغت عجمیہ میں بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ زدہ در زماں گذشتہ بعینہ ضرب کا معنی ہے اس لئے ان مختص کے بعد فی اللغة العربیۃ کی قید کو بیان کیا گیا کہ وہ وزن جس پر اسم ہے لغت عربیہ میں فعل کیساتھ خاص ہو تا کہ فسر عین متحقق ہو سکے کیونکہ اسم میں اصل یہ ہے کہ وہ ایسے وزن پر نہ ہو جو فعل کے ساتھ خاص ہو پس اگر وہ ایسے وزن پر ہوگا تو فسر ہو جائیگا۔ ان مختص سے پہلے لفظ اثما کا اضافہ اس قاعدہ کی وجہ سے ہے کہ عطف اگر بذریعہ او ہو تو معطوف علیہ پر اثما کا دخول النسب ہے کما قال المصنف فی بحث العطف

قولہ بمعنی انہ۔ یہ جواب اس سوال کا کہ وزن فعل اسم میں پایا جائے گا یا نہیں اگر اسم میں پایا جائے تو فعل کے ساتھ خاص نہ ہوگا کیونکہ شئی کا خاصہ شئی میں پایا جاتا ہے دوسرے میں نہیں اور اگر اسم میں نہ پایا جائے تو وہ غیر منصرف میں موثر نہ ہو سکے گا کیونکہ اس کے لئے اسم ہونا ضروری ہے۔ جواب یہ کہ فعل کے ساتھ خاص ہونے کا یہ معنی نہیں کہ وہ اسم میں پایا ہی نہ جائے بلکہ یہ ہے کہ وہ اسم میں ابتداءً نہ پایا جائے بلکہ فعل سے منقول ہو کر اسم میں پایا جائے جیسے شمر نام ہے مجاہد بن یوسف کے گھوڑے کا جو منقول ہے شمر فعل ماضی معروف سے وہ مشتق ہے شمر بمعنی تیز گدازنے سے۔ وہ گھوڑا بھی چونکہ بہت تیز چلا کرتا تھا اس لئے اس کو شمر کہا جاتا تھا پس وہ غیر منصرف ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے اسی طرح بذریعہ نام ہے پانی کا جو منقول ہے بذریعہ فعل ماضی معروف سے وہ مشتق ہے تذیر سے جس کا معنی ہے اسراف و فضول خسری کرنا مناسبت یہ کہ پانی کو ہر شخص بلا روک و ٹوک خرچ کرتا ہے قاموس میں ہے کہ وہ نام آٹا مکہ مکرمہ کے ایک کنواں یعنی زمزم کا اسی طرح عثر بمعنی پھسلنا و گر پڑنا فعل ماضی معروف ہے جو منقول ہے بلند جگہ کے لئے مناسبت یہ کہ اندھیری رات میں چلنے والا بلند جگہ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اسی طرح خضم بمعنی منہ بھر کر کھانا کھانا فعل ماضی معروف ہے جو منقول ہے بنی تیم کے ایک شخص عمر کے لئے مناسبت یہ کہ وہ شخص بھی منہ بھر کر بہت سا کھانا کھا یا کرتا تھا۔

واما نحو بقمما سما لصیغ معروف وهو الحذف و شملہ علماء موضع بالشام فهو من الأسماء العجمیۃ

المنقولۃ الی العربیۃ فلا یقدح فی ذلک الاختصاص

ترجمہ:۔۔۔ اور لیکن بقم کی مثل ایک شہور رنگ اور وہ دم الاخوین کے نام اور شلم شام میں ایک جگہ کے علم ہونے کی حالت میں تو وہ منقول ہیں اسما عجمیہ سے عربیہ کی طرف پس ان اسموں کے غیر منصرف ہونے میں اختصاص بالفعل پر کوئی قدح و اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

تشریح:۔۔۔ قولہ واما نحو بقم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ وزن فعل وہ ہے جو ابتداءً فعل میں پایا جائے پھر اس سے اسمیت کی طرف نقل کیا جائے لیکن بقم اور شلم میں ایسا نہیں ہے کیونکہ بقم نام ہے ایک سرخ رنگ لکڑی کا جس کو عربی میں دم الاخوین اور ہندی میں بنجیٹہ کہا جاتا ہے جس کا درخت بڑا ہوتا ہے اور پتے بادام کی طرح ہوتے ہیں اس سے کپڑے رنگتے ہیں اور شلم عبرانی زبان میں نام ہے بیت المقدس کا کمال الرضی پس دونوں نقل سے پہلے بھی اسم میں پائے جاتے ہیں۔ جواب یہ کہ یہ دونوں اسماء عجمیہ سے ہیں جو لغت عربیہ کی طرف نقل کئے گئے ہیں حالانکہ مراد یہ ہے کہ لغت عربیہ میں فعل سے اسم کی طرف نقل کیا جائے خیال رہے کہ بقم اسمائیں اسماء اور شلم علماء میں علماء دونوں بہ ترتیب بقم اور شلم سے حال واقع ہیں۔

وَقُلْ صُوبَ عَلَى الْبِنَاءِ الْمَفْعُولِ إِذَا جُعِلَ عَلَماً شَخْصٍ فَإِنَّهُ أَيْضًا غَيْرُ مَنْصُوفٍ لِلْعِلْمِيَّةِ وَوَنَاسِ الْفَعْلِ وَإِنَّمَا قِيْدُ نَا بِالْبِنَاءِ الْمَفْعُولِ فَإِنَّهُ عَلَى الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ غَيْرُ مَنْصُوفٍ بِالْفَعْلِ وَلَمْ يَنْهَبْ إِلَى مَنَعِ صَوْنِهِ إِلَّا لِبَعْضِ النِّحَاةِ

ترجمہ:۔۔۔ (اور) جیسے (صوب) مبنی للمفعول کی بناء پر جب کہ اس کو کسی شخص کا علم کر دیا جائے کیونکہ وہ بھی غیر منصرف ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے اور ہم نے اس کو مبنی للمفعول کے ساتھ اس لئے قید کیا ہے کہ وہ مبنی للفاعل کی بناء پر فعل کے ساتھ شخص نہیں اور اس کے غیر منصرف ہونے کی طرف صرف بعض نيات ہی گئے ہیں۔

تشریح:۔۔۔ قولہ عَلَى الْبِنَاءِ الْمَفْعُولِ۔ صوب بھی شمر کی طرح جب کہ وہ کسی کا علم ہو تو غیر منصرف ہے علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے اور یہاں عَلَى الْبِنَاءِ الْمَفْعُولِ کی قید احترازی ہے جو تقابل کے لئے بیان کی گئی ہے جب کہ شمر کے بعد عَلَى صِيغَةُ الْمَعْلُومِ کی قید اتفاقی ہے کیونکہ شمر معروف ہو یا مجہول دونوں صورتوں میں فعل کے ساتھ

خاص ہے اور ضرب مجہول ہو تو فعل کیساتھ خاص ہے اور معروف ہو تو نہیں کیونکہ وہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے فرس و مجرد اسی وجہ سے اس کو صرف بعض نحوی ہی غیر منصرف کا قول کئے ہیں سوال ضرب کو شمر سے مؤخر کیا گیا جب کہ ضرب ثلاثی مجرد ہے اور شمر ثلاثی مزید جواب ایک وجہ یہ کہ شمر فعل معروف ہے اور ضرب فعل مجہول اور معروف کو مجہول پر شراکت حاصل ہے دوسری وجہ یہ کہ شمر بالفعل غیر منصرف ہے کہ اس میں وزن فعل اور علمیت موجود ہیں لیکن ضرب اس وقت غیر منصرف ہو گا جب کہ اس کو کسی کا علم فرض کیا جائے۔

أَوْ يَكُونُ غَيْرَ مُفْتَقٍ وَ لَكِنْ يَكُونُ فِي أَوَّلِهِ أَيْ فِي أَوَّلِ وَزْنِ الْفِعْلِ وَأَوَّلِ مَا كَانَتْ عَلَى وَزْنِ الْفِعْلِ زِيَادَةً أَيْ زِيَادَةً حُرُفٍ أَوْ حُرُفٍ مُرَادٌ مِنْ حُرُوفِ أَتَيْنَ كَزِيَادَتِهِ أَيْ مِثْلُ زِيَادَةِ حُرُفٍ أَوْ حُرُفٍ مُرَادٌ فِي أَوَّلِ الْفِعْلِ

ترجمہ :- (یا ہو) فعل کیساتھ غیر مخصوص لیکن ہو اس کے شروع میں، یعنی وزن فعل کے شروع میں یا اس کے شروع میں جو فعل کے وزن پر ہو (زیادت) یعنی کسی حرف کی زیادت یا حروف آتین میں سے کوئی حرف زائد ہو اس کی زیادت کی طرح، یعنی صرف کی زیادت کی طرح یا فعل کے شروع میں کوئی حرف زائد ہو۔

تشریح :- قولہ غیر مفتق۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ تن میں لفظاً و محمول ہے انفصال حقیقی پر جب کہ منع غلو پر عمل کرنا اولیٰ ہے کیونکہ دونوں شقوق کے درمیان نسبت عموم و خصوص من وجہ کی ہے جس میں ایک مادہ اجتماع کا ہوتا ہے اور دو مادے افتراق کے ہوتے ہیں۔ شمر میں شق اول موجود ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہے شق ثانی نہیں کہ اس کے شروع میں حروف آتین میں سے کوئی نہیں اور امر میں شق ثانی موجود ہے کہ اس کے شروع میں حروف آتین میں سے ہمزہ ہے شق اول نہیں کہ وہ فعل کیساتھ خاص نہیں اور زید و نیکر میں دونوں شقیں موجود ہیں کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے شروع میں حروف آتین میں سے یا رہے۔

قولہ ای فی اول۔ اس عبارت سے تن میں فی اولہ کی ضمیر مجرد کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے کہ مرجع وزن فعل بھی ہو سکتا ہے اور موزوں یعنی وہ اسم بھی جو وزن فعل پر ہو لیکن اول بطور مجاز ہے اور

دوم بطور حقیقت۔ بطور مجاز اس لئے کہ زیادت حقیقتاً اسی اسم پر ہوتی ہے جو فعل کے وزن پر ہو کیونکہ زیادت اگر وزن فعل پر ہو تو زیادتہ الشیء علی لفظ لازم آئیگی اس لئے کہ وزن فعل اسی وقت متحقق ہو گا جب کہ کسی حرف کی زیادت حروف آتین میں سے ہو پھر اگر اس پر زیادت غیر منصرف کے لئے ہو تو زیادت پر زیادت لازم آئیگی جو ممنوع ہے اور اس کو بطور حقیقت پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ ظاہر کے موافق ہے کیونکہ مختلف کی ضمیر مرفوع کا مرجع وزن فعل متعین ہے اس لئے فی اولہ کی ضمیر مجرد کا مرجع وزن فعل قرار دینا ظاہر کے موافق ہے۔

قولہ ای فی زیادۃ حرف۔ اس تفسیر سے یہ اشارہ ہے کہ تن میں زیادت پر تین حرف مضاف الیہ کے غرض ہے یا یہ کہ زیادت مصدر معنی زائد ہے اور یہ چونکہ صفت ہے جس کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اس لئے اس سے پہلے حرف موصوف کو مقدر مانا گیا۔

قولہ ای مثل زیادتہ۔ کاف کی تفسیر مثل سے یہ اشارہ ہے کہ یہ کاف اسی ہے جو معنی مثل ہے اور وہ ترکیب میں زیادت کی صفت ہے اور ماقبل میں زیادت کی جیسے دو تفسیر بیان کی گئی اسی طرح یہاں بھی نہ یادتہ میں ضمیر کا مرجع دو قرار دیا گیا ہے۔

غیر قابلہ ای حال کونہ وزن الفعل اؤ ما کانت علی وزنہ غیر قابلہ للتاء لانتہ یخرج الونہ لہذا التاء لاختصاصہا بالاسم عنہ اؤ وزن الفعل ولوقالت غیر قابلہ للتاء قیاساً وبالاعتبار الذی امتنع من الموصوف لاجلہ لم یرد علیہ اربع اذ اسمی بہ فانت لحوق التاء بہ للتدکیر فلا یكون قیاساً ولا اسود فانت عی التاء فی اسود للحمیۃ الا شئ لیس باعتبار الوصف الاصلی الذی لاجلہ لا یتنوع من الموصوف بل باعتبار غلبۃ الاسمۃ العارضیۃ

ترجمہ :- (دراں حالیکہ قبول نہ کر سکے) یعنی وزن فعل ہونے کے وقت یا جو فعل کے وزن پر ہو (دراں حالیکہ تار کو) قبول نہ کر سکے کیونکہ اس تار کی وجہ سے وزن فعل کے اوزان سے نکل جائیگا اس لئے کہ تار اسم کے ساتھ خاص ہے اور اگر مصنف کہتے کہ وہ وزن فعل بطور قیاس اور اس اعتبار سے کہ جس کی وجہ سے غیر منصرف ہونا تار کو قبول نہ کر سکے تو مصنف پر اربع کا اعتراض وارد نہ ہوتا جب کہ اس کو کسی کا نام رکھ دیا جائے کیونکہ اربع کے ساتھ تار کا لاحق ہونا تذکیر کی وجہ سے ہے پس وہ بطور قیاس نہ ہوا اور نہ اسود کا اعتراض

ہو تا کیونکہ اسودۃ میں تار کا آتا مونث سانپ کے لئے اس وصف اصلی کے اعتبار سے نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہوا بلکہ اس اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے جو عارض ہوئی۔

تشریح: — قولہ اُنّی حال کون۔ تن میں غیر قابل حال ہے فی اولہ کی ضمیر مجرور سے جس کا مرجع باخلاف
 توہین وزن فعل ہے یا وہ اسم ہے جو وزن فعل پر ہوا اور ذوالحال اگرچہ اکثر فاعل ہوتا ہے یا مفعول لیکن
 وہ کبھی مضاف الیہ مجرور بھی ہوتا ہے جس کو اگر مضاف کی جگہ پر رکھا جائے تو فاعل یا مفعول ہو سکے اور
 معنی میں نسادہ ہوا اور اول اگرچہ لفظ مجرور ہے لیکن مضاف مفعول ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے بَلِّغْ
 نَبِیَّکُمَا اَبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا مِیْن حَنِیْفًا اَبْرٰہِیْمَ سے حال واقع ہے حالانکہ ابراہیم مضاف الیہ ہے ملہ مفعول
 کا اسی طرح اِنّے یا کُلّے لَحْمًا اَخِیْہِ مِثًا مِثًا میں میٹا حال ہے اخیر سے

قولہ لانہ یخرج۔ یہ دلیل ہے وزن فعل کا تار کے قبول نہ کرنے کی جس کا حاصل یہ کہ تار سے یہاں مراد تار تائید ہے جو اسم کیساتھ خاص ہے اور وزن فعل جو تار کو قبول کرے گا اس کی مشابہت فعل کے ساتھ کمزور ہو جائیگی اور اسم کے ساتھ قوی ہو جائے گی پس وہ غیر منصرف میں مؤثر نہ ہو سکے گا حالانکہ اس کی تاثیر غیر منصرف میں فعل کیساتھ مشابہت کی وجہ سے تھی اس لئے وہ تار کو قبول نہ کرے گا۔ قولہ و لوقال۔ اس عبارت سے شارح نے ماتن پر دو اعتراضات کر کے یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر وہ ایسا کہتے تو ان پر آنے والے دو نول اعتراضات وارد نہ ہوتے ایک اعتراض یہ کہ اربع کو اگر کسی کا علم قرار دیا جائے تو وہ علیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا حالانکہ وہ تار کو قبول کرتا ہے قرآن مجید میں ہے فخذوا ربعة من الطیر پس اگر ماتن غیر قابل للتار قیاساً کہتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا کیونکہ اربع تار کو بطور قیاس نہیں بلکہ قیاس کے خلاف قبول کرتا ہے اس لئے کہ تار قیاساً تائید کے لئے آتی ہے اور یہ تذکرہ کے لئے آتی ہے کہ سیاقی فی بحث الاعداد دوسرا اعتراض یہ کہ اس غیر منصرف صفا اور وزن فعل کی وجہ سے حالانکہ وہ تار کو قبول کرتا ہے کیونکہ مادہ سانپ کے لئے اسودہ کہا جاتا ہے پس اگر ماتن یہ کہتے غیر قابل للتار باعتبار الذی اصنع من الصوفیہ لاجلہ تو یہ اعتراض نہ ہوتا کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس اعتبار سے تار کو قبول نہ کرے جس کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہے یعنی تار کو وضع کے اعتبار سے قبول نہ کرے اور اسودہ تار کو غلبہ اسمیت کی وجہ سے قبول کرتا ہے اس لئے کہ انفل صیغہ صفت کی مؤنث وضع کے اعتبار سے فعلا کے وزن پر آتی ہے پس اسودہ کی مؤنث اسودہ آئے گی اسودہ نہیں۔ ماتن کی طرف سے دو نول کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ قیاساً اور بالاعتبار دو نول قید

جو کہ مشہور ہیں اس لئے ان کو صراحتاً بیان نہیں کیا اور للتاریں الف لام سے دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ومن ثم أئو من أجل اشتراط عدم قبول التاء امتنع أحمد عن الصرف لوجود الزيادة المذكورة
مع عدم قبول التاء والصرف يعمل بقوله التاء لحي يعمل للناقصة القوية على العمل والسير

ترجمہ: — (اور یہ ہیں سے) یعنی تار کو قبول نہ کرنے کی شرط لگانے کی وجہ سے (متن ہوا احمر) منصرف ہونے سے کیونکہ زیادہ مذکورہ تار کو قبول نہ کرنے کیساتھ پائی جاتی ہے (اور منصرف ہوا بیل) اس لئے کہ وہ تار کو قبول کرتا ہے کیونکہ بیل اس ادنیٰ کے لئے آتا ہے جو کام اور چلنے پر قوت رکھتی ہے۔

تشریح :- بیانہ من ثلث۔ یہ تفریع ہے شرط مذکور غیر قابل للتأخر پر وجوداً و عدماً۔ وجوداً جیسے امر میں ہمزہ حروف اتین سے اس کے شروع میں ہے اور تاء کو قبول نہیں کرتا پس وہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث مخرجاتی ہے احمرہ نہیں اور عدماً جیسے یعمل کہ سیر و عمل پر قوی اونٹ کو کہا جاتا ہے اس کے شروع میں اگرچہ یا زائد ہے لیکن وہ چونکہ تاء کو قبول کرتا ہے اس لئے وہ منصرف ہے۔ کیونکہ اس کی مؤنث یعملۃ آتی ہے جو سیر و عمل پر قوی از مثنیٰ کو کہا جاتا ہے البتہ یعمل اگر کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو غیر منصرف ہو جائے گا کیونکہ وہ اس وقت تاء کو قبول نہیں کرتا۔

قولہ عن الصرف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اگر کو متنع کہا گیا ہے جب کہ سیٹھوں سرخ
چیزیں موجود ہیں۔ جواب یہ کہ اگر کا متنع ہونا وجود میں نہیں بلکہ منصرف ہونے میں ہے

وَمَا نَبِيَّهِ عِلْمِيَّةٌ مُوْتَرَّةٌ أَيْ كُلُّ اسْمٍ غَيْرُ مُصَرَّفٍ تَكُونُ فِيهِ عِلْمِيَّةٌ مُوْتَرَّةٌ فِي مَنَعِ الْمَصْرِفِ بِالسَّبِيهِ
الْمَحْضَةِ أَوْ مَعَ الشَّرْطِ بِسَبَبٍ آخَرَ وَاحْتِرَازَ بَدَلِ مَا تَجَامَعُ الْفِي التَّائِيَةِ وَصِغَةً مُتَقَبَلَةً الْجُمُوعُ
فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهَا كَانَ فِي مَنَعِ الْمَصْرِفِ لَا تَأْتِيهِ فِيهِ لِلْعِلْمِيَّةِ إِذَا تَكْرَّرَ بَيَانُ يَوْزِلُ الْعِلْمُ بِوَاحِدٍ
مِنَ الْجَمَاعَةِ الْمُسَمَّاةِ بِهِ نَحْوُ هَذَا زَيْدٌ وَرَأَيْتُ زَيْدًا آخَرًا فَإِنَّهُ أَرِيدَ بِهِ الْمُسَمَّى بِزَيْدٍ
أَوْ يُجْعَلُ عِبَارَةً عَنِ الْوَصْفِ الْمَشْهُورِ صَاحِبُهُ بِهِ نَحْوُ قَوْلِهِمْ لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوسَى أَيْ لِكُلِّ مُعْطِلٍ
مُحَقَّقُ صُرُوفٍ

ترجمہ:۔۔۔ اور وہ جس میں علیت موثر ہو) ہر وہ اسم غیر منصرف جس کے منع حرف ہونے میں علیت موثر ہو محض سبب یا شرط کیساتھ کسی دوسرے سبب کی وجہ سے اور منصرف نے موثرہ کی قید سے اس علیت سے احتراز فرمایا جو تائید کے دو اقوال الف ممدودہ والف مقصورہ یا صیغہ منتهی الجموع کے ساتھ جمع ہو کیونکہ ان سے دونوں میں سے ہر ایک منع صرف ہونے میں کافی ہے جس میں علیت کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی جب اس کو نکرہ کیا جائے، بایں طور کہ علم کو اس نام والی جماعت میں سے کسی ایک فرد کیساتھ تاویل کی جائے جیسے ہذا زید وراثت زید آخر کیونکہ اس سے زید کا معنی مراد ہے یا بایں طور کہ اس علم کو اس وصف سے عبارت ہو کہ صاحب وصف اس وصف سے مشہور ہو جیسے اہل حق کا قول ہے لکل فرعون موسیٰ یعنی ہر باطل پرست کے لئے موت پرست ہوتا ہے تو منصرف ہو جائیگا۔

تشریح:۔۔۔ بیان مافیہ علیہ۔ غیر منصرف کے کل احوال بالتحقیق گذر چکے اب اس کے بعد ایک ضابطہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس اسم میں علیت موثر ہو اگر اس کو نکرہ کر دیا جائے تو منصرف ہو جائے گا۔ علیت کے موثر ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ صرف علت ہو دوسری یہ کہ تاثیر علت کے لئے وہ شرط بھی ہو اول جیسے عدل تقدیری و وزن فعل کہ ان کی تاثیر علیت کیساتھ شرط نہیں اور علیت جمع منتهی الجموع والف مقصورہ والف ممدودہ کیساتھ بھی موثر نہیں ہوتی کیونکہ ان میں سے ہر ایک دو علتوں کے قائم مقام ہے اور علیت وصف کے ساتھ بھی جمع نہیں آتی کیونکہ وصف عموم کا متقاضی ہے اور علیت خصوص کا دوم جیسے تائید، عجم، ترکیب، الف و لون زائد تان جب کہ اسم میں ہوں ان کی تاثیر علیت کے ساتھ مشروط ہے پس اس صورت میں اسم نکرہ کر دینے کے بعد منصرف ہو جائیگا کیونکہ تنکیر سے علیت زائل ہو جائی ہے پس اس سے دوسری علت کی تاثیر بھی زائل ہو جاتی ہے جس کیلئے یہ شرط تھی کیونکہ شرط فوت ہونے سے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے اذافات الشرط فاته المشروط۔ پس جب اسم میں کوئی علت باقی نہ رہے گی تو وہ منصرف ہو جائے گا اور پہلی صورت میں اس لئے کہ تنکیر سے علیت زائل ہو جاتی ہے جس سے صرف ایک علت باقی رہ جاتی ہے جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں اس لئے وہ منصرف ہو جاتا ہے۔ اور عبارت میں ما موصول بھی ہو سکتا ہے اور موصوفہ بھی اگر موصوفہ ہو تو علیت موثرہ موصوفہ و صفت مل کر اس کا صلہ ہوگا اور موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا اور فیہ اس کی خبر ہے اور اگر ما موصوفہ ہو تو علیت موثرہ اس کی صفت ہوگا اور موصوفہ اپنی صفت سے مل کر مبتدا اور فیہ اس کی خبر ہے۔

قولہ ائی کل اسم۔۔۔ جواب ہے اُس سوال کا کہ مافیہ علیت موثرہ قضیہ مہملہ ہے جو مناطق کے

نزدیک بمنزلہ قضیہ جزئیہ ہوتا ہے پس اصل عبارت یہ ہوگی بعض الاسم غیر منصرفہ اذ انکثر صوٹے۔ حالانکہ یہ حکم عام ہے کہ جس اسم غیر منصرف کو بھی نکرہ کر دیا جائے وہ منصرف ہو جائیگا جواب یہ کہ قضیہ مہملہ کا استعمال کبھی محاورات و مجالس میں ہوتا ہے اور کبھی علوم میں اور مناطق کے نزدیک جو قضیہ مہملہ بمنزلہ قضیہ جزئیہ ہوتا ہے وہ مجالس و محاورات میں استعمال ہونے سے علوم میں نہیں کیونکہ علوم میں وہ بمنزلہ قضیہ کلیہ ہوتا ہے کہ اس لئے کہ علوم کے مسائل کلیہ ہوتے ہیں۔

قولہ علیہ۔۔۔ غیر منصرف چار قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ ہے جس میں علیت ہی نہیں ہوتی جیسے عدل تحقیقی مثلاً ثلث و ثلثت و آخر و جمع دوسرا وہ ہے جس میں علیت ہو مگر غیر منصرف کا سبب نہ ہو جیسے الف مقصورہ مثلاً صلیٰ اور الف ممدودہ مثلاً حمراء اور جمع منتهی الجموع مثلاً مصابیح جب کہ وہ کسی کا علم بنا دیا جائے تیسرا وہ ہے جس میں علیت سبب ہو مگر کسی دوسرے سبب کی شرط نہ ہو جیسے عدل تقدیری مثلاً عروذ فرار و وزن فعل مثلاً احمر و غیرہ چوتھا وہ ہے جس میں علیت سبب بھی ہو اور کسی دوسرے سبب کی شرط بھی جیسے تائید بالتار مثلاً ظلم اور الف و لون زائد تان مثلاً عثمان و عثمان۔ پہلی قسم شروع ہی سے نکرہ ہے اس لئے اس کو نکرہ بنانا ممکن نہ ہوگا دوسری قسم کو نکرہ بنانا اگرچہ ممکن ہے لیکن وہ نکرہ ہونے کے بعد بھی غیر منصرف ہی رہے گی اس لئے یہاں علیت کی قید سے پہلی قسم کو خارج کر دیا گیا اور موثرہ کی قید سے دوسری قسم کو کیونکہ اس میں علیت تو ہے لیکن موثر نہیں یہ قاعدہ صرف تیسری اور چوتھی قسم پر جاری ہوگا۔

قولہ موثرہ۔۔۔ ماقبل میں موثر معرفہ کو کہا گیا ہے اور علیت کو اس کی شرط تاثیر بیاں علیت ہی کو موثر کہا گیا اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ موثر تو حقیقہ معرفہ ہی ہے لیکن علیت کو موثر مجازاً کہا گیا ہے یا یہ کہ علیت سے مجازاً تعریف علمی مراد ہے یا یہ عبارت دوسرے نحوی کی اصطلاح پر مبنی ہے جو علیت ہی کو موثر کہتے ہیں تعریف کو نہیں۔

قولہ یانہ یوول۔۔۔ شارح نے علم کو نکرہ بنانے کی دو صورتیں بیان کیا ہے ایک یہ کہ علم سے مراد وہ ذات لیا جائے کہ جماعت میں سے جس کا یہ نام ہو جیسے زید سے خاص زید مراد نہ ہو بلکہ ہر وہ آدمی مراد ہو کہ جماعت میں سے جس کا نام زید ہو مثلاً ہذا زید میں خاص زید مراد ہے لیکن رایت زید آخر میں زید سے ہر وہ آدمی مراد ہے جس کا نام زید ہو اب یہ نکرہ ہو جائے گا کیونکہ متعدد آدمی کو ایسا دیکھا گیا جس کا نام زید ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ علم سے مراد وہ وصف لیا جائے جس سے

علم والا مشہور ہو جیسے فرعون خدائی کا دعویٰ کرنے والا ایک بادشاہ کا نام ہے اس لئے وہ مبطل کے وصف سے مشہور ہو گیا اور حضرت موسیٰ ایک پیغمبر کا نام ہے جو خدائی کا دعویٰ کرنے والا فرعون کو ہلاک کیا اس لئے وہ حق کے وصف سے مشہور ہو گیا پس اگر فرعون بول کر مبطل مراد لیا جائے اور موسیٰ بول کر حق مراد لیا جائے تو فرعون و موسیٰ نکرہ بن جائیں گے چنانچہ کہا جاتا ہے بکثرت فرعون موسیٰ اس میں فرعون و موسیٰ دونوں نکرہ ہیں کیونکہ فرعون سے مبطل اور موسیٰ سے حق مراد ہے پس اس مقولہ کا معنی ہوا بکثرت مبطل حق۔

لِبَيَانِ أَيْ ظَهَرَ حِينَ بَيَّنَّ أَسْبَابَ مَنَعِ الصَّرْفِ وَشَرَاطِهَا فِيمَا سَبَقَ مِنْ أَنَّهَا أَيْ الْعِلْمِيَّةُ لَا تَجَامَعُ مَوْثَرَةً إِلَّا مَا أَيْ السَّبَبُ الَّذِي هِيَ الْعِلْمِيَّةُ شَرْطُ فِيهِ وَذَلِكَ فِي التَّانِيثِ بِالنَّاءِ لَفْظًا أَوْ مَعْنَى وَالْجُمْلَةُ وَالْتَرْكِيبُ وَالْأَلْفُ وَالنُّونُ الْمَزِيدَتَيْنِ فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْ هَذِهِ الْأَسْبَابِ الْأَرْبَعَةِ مَشْرُوطٌ بِالْعِلْمِيَّةِ إِلَّا الْعَدْلُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ اسْتِثْنَاءً وَقَائِلِي مِنَ الْاسْتِثْنَاءِ الْأَوَّلِ أَيْ لَا تَجَامَعُ غَيْرَ مَا هِيَ شَرْطُ فِيهِ إِلَّا الْعَدْلُ وَوَزْنُ الْفِعْلِ فَإِنَّ الْعِلْمِيَّةَ تَجَامَعُهَا مَوْثَرَةً كَمَا فِي عَمٍّ وَاحِدٍ وَلَسْتُ شَرْطًا فِيهَا مَا فِي ثَلَاثٍ وَاحِدَةٍ

ترجمہ: — اس دلیل کی وجہ سے جو روشن ہوئی، یعنی ظاہر ہوئی جب کہ مصنف نے ماقبل میں ہر مکرر کے اسباب اور ان کے شرائط بیان فرمایا یعنی وہ، یعنی علمیت و موثر ہو کر جمع نہیں ہوتی مگر اس کے ساتھ یعنی اس سبب کے ساتھ کہ وہ، یعنی علمیت و اس سبب میں شرط ہو اور علمیت کا شرط ہونا تانیث بالتاء میں ہے عام ہے تار لفظی ہو یا معنوی اور مجملہ و ترکیب و الف و نون زائد تان میں کیونکہ ان چاروں اسباب میں سے ہر ایک علمیت کیساتھ مشروط ہے و بجز عدل و وزن فعل کے، یہ استثناء ہے اس سے جو استثناء اول سے باقی رہا یعنی علمیت اس سبب کے علاوہ کہ جس میں علمیت شرط ہے کہ دوسرے سبب کیساتھ جمع نہیں ہوتی بجز عدل و وزن فعل کہ علمیت ان دونوں کیساتھ موثر ہو کر جمع ہوتی ہے جیسے کہ عمر و احمد میں ہے حالانکہ علمیت ان دونوں میں شرط نہیں جیسے کہ ثلاث و احمد میں ہے۔

تشریح: — بیان تانہ لایتین۔ لام حرف جار ہے اور ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور تین فعل ماضی معروف باب تفعیل سے بمعنی ظہر ہے جس کا تا عل غیر ستر ہے جو ماک کی طرف راجع ہے اور جملہ فعلیہ بتقدیر اول مل ہوگا اور بتقدیر دوم صفت اور ما ماضی صلا یا صفت سے مل کر لام حرف جار کا محذور ہوگا اور وہ متعلق ہوگا

مرب نعل کا یہ دلیل ہے دعویٰ مذکور کی جس کا حاصل یہ کہ جس غیر منصرف میں علمیت موثر ہو اس کو اگر نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف اس لئے ہو جائیگا کہ بعض میں علمیت شرط ہے اور اس کو نکرہ کر دینے کے بعد علمیت ختم ہو جاتی ہے جس سے دوسرا سبب بھی ختم ہو جاتا ہے جس کے لئے علمیت شرط ہے کیونکہ شرط کے بغیر مشروط کا وجود نہیں ہوتا اور جس میں علمیت شرط نہیں وہ منصرف اس لئے ہو جائے گا کہ نکرہ کر دینے کے بعد علمیت ختم ہو جاتی ہے اور صرف ایک سبب باقی رہتا ہے جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں بیاتہ من انتہا۔ من بیان ہے اس ماکا جولما تین میں ہے اور با ان کا اسم ہے جس کا مرجع علمیت ہے اور اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے اور موثرہ حال ہے تجماع کی ضمیر فاعل سے اور الاماری سے

الاحرف استثناء ہے اور ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور ہی مبتدا ہے اور شرط اس کی خبر اور فیہ متعلق ہے اس مقدمہ کیساتھ جو شرط کی صفت ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع ما ہے جس سے مراد سبب ہے اور مبتدا اپنی خبر سے مل کر ما کا صلہ ہے یا اس کی صفت اور موصول اپنے صلہ یا موصوف اپنی صفت سے مل کر مستثنیٰ ہے اس کا مستثنیٰ منہ محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے لا تجماع العلمیۃ سبباً من الاسباب حال کونہا موثرۃ الا السبب الذی اویباً ہی شرط فیہ

قولہ و ذلک۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علمیت کی شرط کتنے اسباب میں اور کس کس میں ہے جواب یہ کہ علمیت کی شرط چار اسباب میں ہے وہ یہ ہیں دا، تانیث بالتاء تار عام ہے لفظی ہو یا معنوی (۳) مجملہ (۳) ترکیب (۴) الف و نون زائد تان جب کہ اسم میں ہوں۔

قولہ استثناء تھا۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تین میں مستثنیٰ نہ سبباً من الاسباب ہے جو عبارت میں محذوف ہے اور وہ ایک ہے اور مستثنیٰ دو ہیں اکس الاما ہی شرط فیہ اور دوسرا الا العدل و وزن الفعل اور ایک مستثنیٰ نہ کا دو مستثنیٰ اگر عطف کیساتھ ہوں تو جائز ہے لیکن یہاں عطف کے بغیر ہے جو ممنوع ہے۔ جواب یہ کہ مستثنیٰ نہ بھی یہاں دو ہیں کیونکہ پہلا استثناء تجماع علل سے ہے اور دوسرا باقی ماندہ سے اصل عبارت یہ لا تجماع موثرۃ جمیع العلل الاما ہی شرط فیہ لا تجماع موثرۃ غیر ما ہی شرط فیہ الا العدل و وزن الفعل۔ استثناء کے بعد صرف تین اسباب باقی رہ جاتے ہیں جن کے ساتھ علمیت پائی نہیں جاتی ایک جمع ہے دوسرا تانیث بالف مقصورہ و ممدودہ کیونکہ یہ خود دو سبب کے قائم مقام ہے تیسرا وصف ہے کیونکہ وہ عموم کا مقتضی ہے اور علمیت خصوص کا اور وہ اسباب کہ جن کے ساتھ علمیت موثر بن کر پائی جاتی ہے یہ ہیں (۱) عدل (۲) وزن فعل (۳) تانیث بالتاء عام ہے

تاریخی ہو یا معنوی (۴) الف و ذن زائد تان (۵) بحر (۶) ترکیب ان چھ میں سے دو یعنی عدل و وزن فعل کے لئے علیت موثر ضروری ہیں جیسے عمر واحد میں لیکن شرط نہیں جیسے ثلث واحد میں البتہ باقی چار کے لئے علیت شرط ہے۔

وهذا العدل ووزن الفعل متضادان لاث الاسماء المفدولة بالاستقراء على اوزان مخصوصة ليس شئ منها من اوزان الفعل المتعبر في منع الصرف فلا يكون معها اى لا يوجد معها شئ من الامور الدالة بين مجموع هذين السببين وبين احدهما فقط لا الاحدهما فقط لا مجموعهما

ترجمہ: — (اور وہ دونوں) یعنی عدل اور وزن فعل (متضاد ہیں) کیونکہ اسماء مفدولہ باستقراء اوزان مخصوصہ پر منحصر ہیں کہ ان میں سے کوئی فعل کے اُن اوزان سے نہیں ہے جو منع صرف میں معتبر ہیں پس اس کے ساتھ نہ ہوگا، یعنی علیت کے ساتھ کوئی چیز نہ پائی جائے گی اس امر سے جو ان دو سیوں کے اور دو سیوں میں سے صرف ایک کے درمیان دائرہ ہے (مگر صرف ان دو میں سے ایک) نہ کہ دونوں کا مجموعہ۔

تشریح: — بیانہ دھما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دعویٰ مذکور تسلیم نہیں کیونکہ ممکن ہے ایک اسم لیا ہو جس میں علیت و عدل و وزن فعل تینوں موجود ہوں اور جب اس کو نکرہ کر دیا جائے تو علیت زائل ہو جائے گی لیکن وہ منصرف نہ ہوگا بلکہ غیر منصرف ہی رہے گا کیونکہ اس میں دو سبب ایک عدل و دوسرا وزن فعل موجود ہیں جواب یہ کہ عدل و وزن فعل دونوں متضاد ہیں کیونکہ فعل کا وزن قیاسی ہے اور عدل کا غیر قیاسی پس علیت دونوں میں سے ایک ہی کیسا تھ ہو سکتی ہے تو جب علیت زائل ہو جائے گی تو صرف ایک علت باقی رہے گی جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں۔

قولہ لان الاسماء۔ یہ دلیل ہے عدل اور وزن فعل کے متضاد ہونے کی جس کا حاصل یہ کہ فعل کا وزن قیاسی ہے اور عدل کا وزن غیر قیاسی۔ استقراء کے مطابق عدل کے اوزان چھ ہیں جن میں سے کسی وزن پر بھی کوئی فعل نہیں آتا وہ چھ اس نظم میں مذکور ہیں۔ اوزان عدل راجحی توشش شمر۔ مفعول و فعل مثلاً شلت و عمر۔ فعل است اچھا اس فعال ست چون ثلث۔ دیگر فعال داں چون قطام فعل سمر۔ خیال رہے کہ عدل اور وزن فعل کے درمیان تضاد باعتبار مفہوم نہیں جیسا کہ علیت و وصفت کے درمیان ہے بلکہ باعتبار مصداق ہے کیونکہ کلام عرب میں کوئی کلمہ بھی ایسا دیکھا نہیں گیا ہے جس میں عدل و وزن فعل دونوں جمع ہوں

اگرچہ عقلاً جمع ہونا ممکن ہے کیونکہ جب نحووں نے ان الفاظ کے تتبع و تلاش کیا جس میں عدل مانا گیا ہے تو وہ صرف چھ وزن پر ہیں جو مذکور ہوئے۔

قولہ اى لا يوجد معها۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ تن میں کون فعل تام ہے جو خبر کا محتاج نہیں اور شئ من الاصول الدائر سے جواب ہے کہ اس سوال کا کہ تن میں لایکون کی خبر مرفوع کا مرفوع مطلق سبب ہے یا عدل و وزن فعل دونوں یا ان دونوں میں سے ایک۔ بتقدیر اول معنی ہوگا لایکون شئ من الاسباب الاحدھما یعنی علیت کیساتھ کوئی سبب بھی موجود نہ ہوگا مگر عدل اور وزن فعل میں سے ایک۔ یہ صراحت باطل ہے اس لئے کہ علیت کے ساتھ مع، تانیث، ترکیب، بحر، الف و ذن زائد تان بھی پاسے جاتے ہیں بتقدیر دوم ضمیر مرجع کے مطابق نہ ہوگی کیونکہ ضمیر واحد ہے اور مرجع دو اور بتقدیر سوم معنی ہوگا لایکون احدھما الا احدھما ظاہر ہے یہ استثناء الشئ بنفسہ ہے جو باطل ہے۔ جواب یہ کہ ضمیر کا مرجع شئ من الامور الدائر ہے یعنی وہ امر ہے جو عدل و وزن فعل دونوں کے مجموعہ یا ان دونوں میں سے ایک کے درمیان دائرہ ہے الا احدھما کے بعد فقط کا ذکر احتراز کے لئے ہے کیونکہ احدھما عام ہے جو احدھما مع الآخر کو شامل ہے اور بدو ان الآخر کو بھی اور لا مجموعہما کا ذکر مزید وضاحت کے لئے ہے۔

فأذا انكر غير المنصوف الذي أحد أسبابه العلية بقى بلا سبب أى لم يبق فيه سبب من حيث هو سبب فيما هي شرط فيه من الأسباب الأربعة المذكورة لانه قد انتفى أحد السببين الذي هو العلية بذاتها والسبب الآخر المشروط بالعلية من حيث وصفه سبب فلا يبقى فيه سبب من حيث هو سبب أى على سبب واحد فيما هي ليست بشرط فيه من العدل ووزن الفعل هذا

ترجمہ: — (پس جب نکرہ کیا جائے) اس غیر منصرف کو کہ جس کے اسباب میں سے ایک علیت ہے (تو وہ بلا سبب باقی رہے گا) یعنی اس غیر منصرف میں کوئی سبب اس حیثیت سے باقی نہیں رہے گا کہ وہ اس مقام میں مذکورہ چاروں اسباب میں سے ایک سبب ہے کہ جس میں علیت شرط ہے کیوں کہ دو سیوں میں سے ایک سبب جو کہ بذاتہا علیت ہے اور دوسرا سبب جو کہ علیت کیساتھ مشروط تھا اپنے وصف سببیت کے اعتبار سے منتفی ہو گئے ہیں اس میں سبب ہونے کی حیثیت سے کوئی سبب باقی نہ رہا یا ایک سبب پر اس اسم میں کہ جس میں علیت شرط نہیں یعنی عدل اور وزن فعل میں اس کو محفوظ کر لو۔

تشریح: — بیانہ فاذا انکر۔ قاعدہ مذکورہ پر چونکہ سوال وارد ہوا تھا اس لئے اس کا جواب دینے کے بعد مانتے ہوئے اسی قاعدہ کو بطور خلاصہ بیان فرماتے ہیں کہ جس غیر منصرف میں علیت موثر ہو اس کو اگر نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جائیگا اگر اس میں علیت شرط ہے تو وہ بلا سبب باقی رہے گا اور اگر شرط نہیں صرف موثر ہے تو سبب واحد پر باقی رہے گا اول جیسے تائید بالاعمال عام ہے تاں لفظی ہو یا معنوی۔ غمہ۔ ترکیب الف و ذلک زائد تان۔ دوم جیسے عدل۔ وزن فعل۔

قولہ ما من حیث ہو۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علیت اگر شرط ہو تو نکرہ کر دینے کے بعد وہ بلا سبب نہیں رہے گا جیسے علیت تائید کے لئے شرط ہے لیکن اس کے زائل ہونے کے بعد تائید زائل نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے جواب یہ کہ علیت جس سبب کے لئے شرط ہے اس کے زائل ہونے کے بعد سبب ہوتا زائل ہو جاتا ہے یعنی اس کی تاثیر زائل ہو جاتی ہے ذات سبب نہیں

قولہ ہذا۔ اس کا اشارہ بیان مذکور ہے۔ تقدیر عبارت میں مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا اس سے پہلے خذ مقدر ہے یعنی خذ ہذا بعض نے کہا مقدر ہے یعنی مرنہذا بعض نے کہا احفظ مقدر ہے یعنی احفظ ہذا۔ اس کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ کوئی اہم شئی مذکور ہو

وقد قيل على قوله وهما متضادان ان اصمت بكسرتين علما للفاضة من اوزان الفعل مع وجود العدل فيه فانه امر من صمت يصمت وقياسه ان يحكي بضمين فلما جاء بكسرتين علم انه معدول عنه والجواب ان هذا امر غير محقق لجواز در و اصمت بكسرتين وان لم يشتهر فالاوزان التي تحقق فيه العدل تحقيقا كان او تقديرا لم تجتمع من وزن الفعل واليضا قد عرفت فيما تقدم ان مجرذ وجود اصل محقق لا يكفي في اعتبار العدل التحقيقي بدون اقتضاء منع الضرر اياه واعتباري وج الصيغة عن ذلك الاصل وهما لا يقتضيه لوجود السببين في اصمت ودر والعدل وهما العينية والتائيدية

ترجمہ: — اور بعض نے مصنف کے قول وهما متضادان پر سوال کیا ہے کہ اصمت کسرتین کیساتھ علم کی صورت میں جنگل کے لئے فعل کے اوزان سے ہے باوجودیکہ اس میں عدل ہے کیونکہ وہ امر سے صمت يصمت کا اور اس کا قیاس یہ ہے کہ ضمتین کے ساتھ آئے ہیں جب اصمت کسرتین کے ساتھ آیا تو معلوم ہوا کہ وہ

معدول ہے ضمتین سے اور جواب یہ ہے کہ یہ امر تحقیقی نہیں ہے کیونکہ اصمت کاسرتین کے ساتھ وارد ہونا جائز ہے اگرچہ مشہور نہیں ہے پس وہ اوزان کہ جن کے اندر عدل تحقیقی یا تقدیری ثابت ہو وہ وزن فعل کے ساتھ جمع ہوں گے اور نیز آپ نے مابقی میں جان لیا کہ منع صرف کے عدل کا تقاضہ کئے بغیر اور اس اصل سے منع کے اعتبار کئے بغیر عدل تحقیقی کے اعتبار کرنے میں محض اصل محقق کا وجود کافی نہیں اور یہاں اصمت کا تقاضہ نہیں کرتا کیونکہ اصمت میں عدل کے علاوہ دو سبب موجود ہیں اور وہ دونوں علیت و تائید ہیں۔

تشریح: — قولہ وقد قيل۔ اس عبارت سے شارح نے مصنف کے قول وهما متضادان پر سوال پیدا کر کے اس کا جواب دیا ہے سوال یہ کہ عدل اور وزن فعل میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ اصمت ایک جنگل کا نام ہے جس میں دونوں جمع ہیں وزن فعل ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہ اضرب کے وزن پر باب ضرب یضرب کا امر ہے جس کا پہلا حرف ہمزہ ہے حرف اتین سے لیکن عدل اس لئے کہ اس کا اصلی صیغہ جو قیاس کے مطابق ہونا چاہئے وہ اصمت ہے انصر کے وزن پر کیونکہ صموت باب نصر نمر کا مصدر ہے پس جب اصمت کو نکرہ کیا جائے گا تو اس میں دو سبب باقی رہیں گے ایک عدل اور وزن فعل

قولہ والجواب۔ جواب سوال مذکور کے دو ہیں ایک یہ کہ اصمت کا انصر کے وزن پر ہونا غیر یقینی ہے کیونکہ جائز ہے کہ وہ اضرب کے وزن پر باب ضرب یضرب کا امر ہو کیونکہ صموت کا باب نصر نمر سے مصدر ہونا اگرچہ مشہور ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ وہ باب ضرب یضرب کا بھی مصدر ہو جس طرح بقار باب سمع سمع کا مصدر ہے اور باب ضرب یضرب کا بھی پس جب اصمت اضرب کے وزن پر بھی ہو سکتا ہے تو اس میں عدل ہونا ثابت نہ ہوا اور نہ عدل و وزن فعل کا جمع ہونا لازم آیا کیونکہ وہ اوزان کہ جن کے اندر عدل تحقیقی یا تقدیری ثابت ہو وہ وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہ تسلیم ہے کہ اصمت جو اضرب کے وزن پر ہے اس کا اصلی صیغہ انصر کے وزن پر ہے لیکن اصلی صیغہ کے ثابت ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں عدل مانا جائے جیسا کہ گذرا کہ اصلی صیغہ کا وجود عدل تحقیقی کے اعتبار کے لئے کافی نہیں کیونکہ عدل تحقیقی ہو یا تقدیری بدرجہ مجبوری مانا جاتا ہے وہ یہ کہ اہل عسرب کے نزدیک وہ غیر منصرف پڑھا جاتا ہو اور اس میں عدل مانے بغیر منصرف ہونا ممکن نہ ہو تو مجبوراً اس میں عدل مانا جاتا ہے اور اصمت میں کوئی مجبوری نہیں کیونکہ عدل مانے بغیر بھی اس میں دو سبب موجود ہیں ایک علیت اور دوسرا تائید معنوی۔

تدقیق: — اشارہ الی استثناء مثل احم علما اذا انکر عن هذا القاعدۃ علی قولہ سیبویہ بقولہ

وَخَالَفَ سَبُوءِيَةَ الْأَخْفَشِ الْمَشْهُورَ هُوَ أَبُو الْحَسَنِ تَلْمِذُ سَبُوءِيَةَ

ترجمہ: — پھر مصنف نے امر جیسے اسم کے بحالت علم جب کہ نکرہ کیا جائے بہ قول سبوءیہ اس قاعدہ سے استثناء کی طرف اپنے قول سے اشارہ فرمایا اور سبوءیہ نے مخالفت کی اخفش کی اخفش جو مشہور ہے ابو الحسن ہے جو سبوءیہ کا شاگرد ہے۔

تشریح: — قولہ ثمرانہ اشارہ۔ یہ تمہید ہے مصنف کے آنے والے قول کی اور جواب ہے اس سوال کا کہ جس غیر منصرف میں علیت مؤثر ہو اس کو اگر نکرہ کر دیا جائے تو اس کا منصرف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ امر جیسے اسم کو اگر کسی کا علم بنا دیا جائے تو اس میں علیت مؤثر ہوگی پھر اگر اس کو نکرہ کر دیا جائے تو منصرف نہ ہو بلکہ وزن فعل اور وصفیت اصلہ کی وجہ سے غیر منصرف ہی رہے گا جواب یہ کہ امر جیسے اسم کو نکرہ کر دینے کے بعد اخفش کے نزدیک منصرف ہو جائیگا لیکن سبوءیہ کے مذہب پر غیر منصرف ہی رہے گا پس سبوءیہ کے مذہب پر امر جیسا اسم بمنزلہ مستثنیٰ ہے اور مصنف نے آنے والے قول سے اسی استثناء کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

بیانہ خالف سبوءیہ۔ سبوءیہ اور اخفش کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ امر جیسا اسم جب کہ کسی کا علم بنا دیا جائے پھر اگر اس کو نکرہ کر دیا جائے تو اس کی وصفیت اصلہ کا جو علیت کی وجہ سے زائل ہو چکی تھی دوبارہ اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ سبوءیہ کے نزدیک اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے اور اخفش کے نزدیک نہیں۔ سبوءیہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ وصفیت اصلہ جو علیت کی وجہ سے زائل ہو چکی تھی چونکہ وصفیت موم کو چاہتی ہے اور علیت خصوص کو اس کو جب نکرہ کر دیا گیا تو اس کی علیت زائل ہو جائے گی اور زائل شدہ وصفیت لوٹ آئے گی کیونکہ اس کا مزاجم اب کوئی نہ رہا اور اخفش یہ دلیل دیتے ہیں کہ وصفیت اصلہ جب علیت کی وجہ سے زائل ہو چکی تو پھر اس کا اعتبار دوبارہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے اعتبار کئے کے ضرورت داعیہ لازم ہے جو یہاں مفقود ہے۔

قولہ المشہور۔ اخفش لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی آنکھیں چھوٹی اور بینائی کمزور ہو خوبوں میں اس نام کے تین شخص گذرے ہیں ایک ابو الخطاب عبد الحمید بن عبد الحمید ہیں جو سبوءیہ کے استاد تھے دوسرا ابو الحسن سعید بن سعدہ ہیں جو سبوءیہ کے شاگرد تھے اور عمر میں ان سے بڑے ان کی وفات باختلاف روایت ۳۱۵ھ یا ۳۱۶ھ میں ہوئی ان کو اخفش اوسط کہا جاتا ہے تیسرے ابو الحسن علی بن

سلمان بن جن کی وفات باختلاف روایت ۳۱۵ھ یا ۳۱۶ھ میں بنام بغداد ہوئی ان کو اخفش اصغر کہا جاتا ہے یہ مبرد کے شاگرد تھے اور یہاں اخفش سے اوسط مراد ہیں اور وہی چونکہ اس لقب سے زیادہ مشہور ہیں اس لئے یہاں اس کو اوسط کیساتھ مقید نہیں کیا گیا۔ خیال رہے کہ استاد ذال معجہ کیساتھ عربی ہے اور ذال مہملہ کے ساتھ فارسی ہے کافی الباسولی اور یہاں دونوں طرح مروی ہے۔

وَلَمَّا كَانَ قَوْلُ التَّلْمِذِ أَظْهَرَ مَعَ مَوَاقِفِهِ لِمَا ذَكَرَهُ مِنَ الْفَاعِلِ بِمَا جَعَلَهُ أَصْلًا وَأَسْلَمًا الْمَخَالَفَةُ إِلَى الْأَسَازِ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مَسْتَحْسِنٍ تَبَيَّنَ عَلَى ذَلِكَ فِي الْأَصْرَافِ مِثْلَ أَمْرٍ عَلَمًا إِذَا نَكَّرَ وَالْمَرَادُ بِمِثْلِ أَمْرٍ مَا كَانَ مَعْنَى الْوَصْفِيَّةِ فِيهِ قَبْلَ الْعِلْمِيَّةِ ظَاهِرًا غَيْرَ خَفِيِّ فَبَدَخَلُ فِيهِ سَكَرَاتُ وَامْثَالُهُ

ترجمہ: — اور جب کہ شاگرد کا قول اظہر تھا باوجودیکہ اخفش کا قول اس قاعدہ کے موافق ہے جس کو مصنف نے بیان فرمایا تو مصنف نے اخفش کے قول کو اصل قرار دیا اور مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کر دی اگرچہ شاگرد کے قول کو اصل بنا کر مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کرنا مستحسن نہیں۔ انہوں نے ایسا کیا شاگرد کے قول کے اظہر ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے راعمر جیسے اسم بحالت علم منصرف ہونے میں جب کہ نکرہ کیا جائے اور دخل امر سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں وصفیت کا معنی علیت سے قبل ظاہر وغیر خفی ہو پس اس اختلاف میں سکران اور اس کے امثال بھی داخل ہو گئے۔

تشریح: — قولہ ولما کان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مخالفت کی نسبت سبوءیہ کی طرف نہیں بلکہ اخفش کی طرف کرنی چاہئے تھی کیونکہ سبوءیہ استاد ہیں اور اخفش اس کا شاگرد۔ جواب یہ کہ شاگرد کا قول چونکہ اظہر ہونے کے علاوہ قاعدہ مذکورہ کے موافق بھی ہے اس لئے اس کو اصل قرار دیکر مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کر دی گئی۔ قاعدہ مذکورہ کے موافق ہونا تو ظاہر ہے لیکن اظہر اس لئے کہ وصفیت اصلہ علیت کی وجہ سے ساقط و معدوم ہو گئی ہے جو اس کے بعد دوبارہ معدوم نہیں کرتی اور سبوءیہ کے مذہب پر معدوم کرنا لازم آتا ہے کیونکہ انہوں نے علیت کے زائل ہونے کے بعد وصفیت اصلہ کے اعتبار کو جائز قرار دیا ہے۔

قولہ استند المخالفة۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ممکن ہے مخالفت کی نسبت شاگرد کی طرف ہو کیونکہ جائز ہے مخالف کا فاعل اخفش ہو اور مفعول سبوءیہ ہو مفعول کو یہاں فاعل پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے

کے سبب یہ استاذ ہے جس کو تقدم شرعی حاصل ہے جواب یہ کہ تن میں اعتباراً للصفة الأصلية مفعول لہ ہے جو متکثر ہے لام کی تقدیر کے ساتھ اور اس نے نصب کی شرط میں سے فعل ومفعول دونوں کے فاعل کا ایک ہونا اور ظاہر سے صفت اصل کے اعتبار کا فاعل یعنی اعتبار کرنے والا سیبویہ ہیں تو خالف کا فاعل بھی سیبویہ ہی ہوں گے اخفش نہیں اگرچہ یہ مستحسن نہیں ہے۔

قولہ والفرق - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ سیبویہ واخفش کے درمیان اختلاف جس طرح امر میں ہے اسی طرح سکران میں بھی پس یہاں صرف امر کو بیان کیا گیا سکران کو نہیں جواب یہ کہ تن میں صرف امر نہیں بلکہ مثل امر مرقوم ہے جس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں علیت سے پہلے وصفی معنی ظاہر ہو اور اس میں وصف کے علاوہ کوئی دوسرا سبب بھی موجود ہو جیسے امر میں وصف کے علاوہ وزن فعل ہے اور سکران میں الف ووزن زائد تان ہے اور ثلث میں عدل پس جب ان اسموں کو علم بنا دیا جائے تو وصف اصلی زائل ہو جائے گا کیونکہ علم وصف کے منافی ہے پس وہ اسم علیت اور دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف ہی رہیں گے۔ لیکن جب ان کو نکرہ کر دیا جائے تو اخفش کے نزدیک منصرف ہو جائیں گے اور سیبویہ کے نزدیک غیر منصرف ہی رہیں گے جیسا کہ گذرا۔

یخرج عنه أفعال التأكيد نحو جمع فائده منصرفة عند التأكيد بالاتفاق لضعف معنى الوصفية فيه قبل العملية لكونه بمعنى كل وكذلك أفعال التفضيل المجرى عن من التفضيلية فائده بعد التأكيد منصرفة بالاتفاق لضعف معنى الوصفية فيه حتى صار أفعالاً اسماً وان كان معه من فلا ينصرف بالاختلاف لظهور معنى الوصفية فيه بسبب من التفضيلية اعتباراً للصفة الأصلية أي انما خالف سيبويه الأخفش لاجل اعتبار الوصفية الأصلية بعد التأكيد فائده لتأثير الوصفية بالتكثير لم يبق فيه مانع من اعتبار الوصفية فاعتبرها وجعله غير منصرف للصفة الأصلية وسبب آخر كون الفعل والألف والنون المزيدين

ترجمہ: — اور اس سے فعل تاکید خارج ہو گیا جیسے اجمع کہ وہ وقت تک کہ بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس میں علیت سے قبل وصفیت کے معنی کا ضعف ہے اس لئے کہ اجمع کل کے معنی میں ہے اور اسی طرح فعل تفضیل بھی خارج ہو گیا جو من تفضیل سے خالی ہے اس لئے کہ وہ تکیر کے بعد بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ

اس میں وصفیت کا معنی ضعیف ہے یہاں تک کہ فعل اسم ہو گیا اور اگر فعل کے ساتھ من ہو وہ بغیر اختلاف کے غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں وصفیت کا معنی من تفضیل کے سبب ظاہر ہے ووصفیت اصل کے اعتبار کرنے کی وجہ سے یعنی سیبویہ نے اخفش کی مخالفت وصفیت اصل کے اعتبار کرنے کی وجہ سے کیا ہے (تکیر کے بعد) اس لئے کہ علیت جب تکیر سے زائل ہو گئی تو اس میں وصفیت کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع باقی نہ رہا پس سیبویہ نے وصفیت اصل کے اعتبار کیا اور مثل امر کو صفت اصل اور دوسرا سبب جیسے وزن فعل اور الف ووزن زائد تان کی وجہ سے غیر منصرف بنا دیا۔

تشریح: — قولہ يخرج عنه - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ سیبویہ واخفش کے درمیان مثل امر میں اختلاف ہے لیکن اجمع میں ان کا کیا خیال ہے یہ جواب یہ کہ اجمع فعل التأكيد سے ہے جس کو اگر علم بنا کر نکرہ دیا جائے تو بالاتفاق وہ منصرف ہو جائے گا کیونکہ اس میں علیت سے پہلے وصفی معنی ظاہر نہیں بلکہ وہ کل کے معنی میں متعل ہو تا ہے پس وہ قید مذکور ہی سے خارج ہے اسی طرح وہ اسم تفضیل بھی جو من کے بغیر متعل ہو جیسے اکرم کہ اس کو بھی علم بنا کر اگر نکرہ کر دیا جائے تو وہ بھی بالاتفاق منصرف ہو جائیگا کیونکہ من تفضیل سے ہونے کی وجہ سے اس میں وصفی معنی ظاہر نہیں البتہ وہ اسم تفضیل جو من کے ساتھ متعل ہو اگر اس کو کسی کا علم بنا دیا جائے اور پھر نکرہ کر دیا جائے تو بالاتفاق غیر منصرف رہے گا کیونکہ نکرہ ہوجانے کے بعد اس میں وصفی معنی ظاہر ہے۔

قولہ ای انما خالف - تن میں خالف جن پانچ امور کا متقاضی تھا اس عبارت سے ان میں سے تین امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایک یہ کہ خالف کا فاعل سیبویہ ہے اور دوسرا اس کا مفعول اخفش ہے اور تیسرا وجہ مخالفت کہ جس کو مفعول لکھا جاتا ہے وہ اعتبار وصفیت اصل ہے کیونکہ مخالفت فعل اقتیادہ ہے جو غایت ووجہ پر موقوف ہوا کرتی ہے کافی الحکمہ باقی دو میں سے ایک محل مخالفت ہے جس کی طرف مثل امر سے اشارہ کر دیا گیا ہے اور دوسرا وقت مخالفت ہے جس کی طرف آگے بعد التکیر سے اشارہ کیا جائے گا۔

یخرج عنه أفعال التأكيد نحو جمع فائده منصرفة عند التأكيد بالاتفاق لضعف معنى الوصفية فيه قبل العملية لكونه بمعنى كل وكذلك أفعال التفضيل المجرى عن من التفضيلية فائده بعد التأكيد منصرفة بالاتفاق لضعف معنى الوصفية فيه حتى صار أفعالاً اسماً وان كان معه من فلا ينصرف بالاختلاف لظهور معنى الوصفية فيه بسبب من التفضيلية اعتباراً للصفة الأصلية أي انما خالف سيبويه الأخفش لاجل اعتبار الوصفية الأصلية بعد التأكيد فائده لتأثير الوصفية بالتكثير لم يبق فيه مانع من اعتبار الوصفية فاعتبرها وجعله غير منصرف للصفة الأصلية وسبب آخر كون الفعل والألف والنون المزيدين

بل بقی فیہا شائبة من الوصفية لان الاسود اسم للحيۃ السوداء والارقم اسم للحيۃ التي فیہا سواد وبياض وفيہا شائبة من الوصفية فلا يلزم من اعتبار الوصفية فیہا اعتبار ما ہا فی آخر بعد التکثیر لانہا قد زالت بالکلیۃ

ترجمہ:۔۔۔ پس اگر آپ سوال کریں کہ جس طرح وصفت اصلہ کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع نہیں اسی طرح اس کے اعتبار کرنے پر کوئی باعث بھی تو نہیں پس سیویہ نے وصفت اصلہ کا اعتبار کیوں کیا ؟ اور خلاف اصل یعنی غیر منصرف ہونے کی طرف کیوں گئے ؟ بعض لوگوں نے جواب میں یہ کہا کہ وصفت اصلہ کے اعتبار کرنے پر باعث اسود وارقم کا غیر منصرف ہونا ہے باوجودیکہ اس وقت یعنی جب کہ سانپ کا نام ہوان دونوں سے وقتاً زائل ہے اس جواب میں بحث ہے کیونکہ ان دونوں سے وصفت پورے طور پر زائل نہیں ہوتی بلکہ وصفت کی بڑی دونوں میں باقی ہے اس لئے کہ اسود نام ہے کالے سانپ کا اور ارقم نام ہے اس سانپ کا جس میں سیاہی و سفیدی دونوں ہوں اور اسود وارقم دونوں میں وصفت کی بڑی باقی ہے پس ان دونوں میں وصفت کے اعتبار کرنے سے امر میں نکرہ کر دینے کے بعد وصفت کا اعتبار کرنا لازم نہیں آتا اس لئے کہ وصفت پورے طور پر زائل ہو گئی ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ فان قلت۔۔۔ اخفش کا قول چونکہ قاعدہ مذکورہ کے موافق ہونے کے علاوہ زیادہ ظاہر بھی ہے اس لئے شارح ان کی طرف سے سیویہ پر یہ سوال وارد کرتے ہیں جس کا حاصل یہ کہ سیویہ نے تکثیر کے بعد وصفت اصلہ کا اعتبار اس لئے کیا ہے کہ اس کے اعتبار کرنے سے مانع علیت تکثیر سے وہ زائل ہو چکی تو دریافت ہے کہ اس کے اعتبار کرنے سے جس طرح کوئی مانع نہیں اسی طرح اس کے اعتبار کرنے پر کوئی باعث بھی تو نہیں نیز وصفت اصلہ کے اعتبار کرنے پر اسم کا غیر منصرف ہونا لازم آتا ہے جو خلاف اصل ہے حالانکہ اسم کا منصرف ہونا اصل ہے۔

قولہ قیل۔۔۔ یہ جواب ہے سیویہ کی طرف سے سوال مذکور کا جس کا حاصل یہ کہ وصفت اصلہ کے اعتبار کرنے پر باعث اسود وارقم کا غیر منصرف ہونا ہے کیونکہ اسود جو نام ہے کالے سانپ کا اور ارقم نام ہے چٹکڑا سانپ کا دونوں سے وصف زائل ہو گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے اندر وصف کا اعتبار ہے یعنی غلبہ اسمیت کی وجہ سے وصف اگرچہ زائل ہو گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے اندر وصف کا اعتبار ہے اسی طرح مثل امر میں بھی علیت کی وجہ سے وصف زائل ہونے کے باوجود اس کا اعتبار کیا جائیگا خیال رہے کہ جواب

۳۲۹
کہ ترمیم سے بیان کرنے میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جیسا کہ اس کے وجہ ضعف کا بیان فیہ بحث سے آگے مذکور ہے۔

قولہ تہ بحت۔۔۔ اس عبارت سے جواب مذکور کے ضعف کو بیان کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ کہ مثل امر کو اسود وارقم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اسود وارقم میں وصف اگرچہ زائل ہو گیا ہے لیکن پورے طور پر نہیں بلکہ کچھ نہ کچھ باقی ہے کیونکہ اسود کالے سانپ کا نام ہے اور ارقم چٹکڑا سانپ کا پس دونوں میں وصفی معنی کچھ نہ کچھ موجود ہے لیکن مثل امر میں علیت کی وجہ سے وصفی معنی پورے طور پر زائل ہو جاتا ہے

واما الاخفش فذهب الى انه منصرف فان الوصفية قد زالت بالعلية والعلية بالتکثیر والذات لا یعتبر من غیر ضروری فلم یبق فیہ الا سبب واحد هو وزن الفعل والالف والنون وهذا القول اظهر

ترجمہ:۔۔۔ اور لیکن اخفش تو امر کے منصرف ہونے کی طرف گئے ہیں اس لئے کہ وصفت علیت سے زائل ہو گئی اور علیت تکثیر سے اور زائل کا اعتبار بلا ضرورت نہیں کیا جاتا۔ پس امر میں صرف ایک سبب باقی رہا اور وہ وزن فعل ہے اور سکران میں الف و وزن زائد تان ہے اور یہ قول اخفش کا زیادہ ظاہر ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ واما الاخفش۔۔۔ یہ اخفش کے دعویٰ مذکور کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ کہ علیت سے وصفت پورے طور پر زائل ہو جاتی ہے اور تکثیر سے علیت زائل ہو جاتی ہے اور جو پورے طور پر زائل ہو جائے اس کا اعتبار بلا ضرورت نہیں ہوتا نیز اسم میں اصل منصرف ہونا ہے اور وصف کا اگر اعتبار کیا جائے تو اسم کا غیر منصرف ہونا لازم آئیگا جو خلاف اصل ہے پس امر و سکران میں صرف ایک سبب ہوگا امر میں وزن فعل اور سکران میں الف و وزن زائد تان جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

ولما اعتبر سيويه الوصف الاصل بعد التکثیر وان كان زائلاً لم يزمه ان يعتبر في حاله العلية ايضاً فيمنع نزع حاليه من الصرف للوصف الاصل والعلية فاجاب عنه المصنف ولا يلزمه اي سيويه من اعتبار الوصف الاصل بعد التکثیر في مثل آخر علماء باب حاتم اي كل علم كان في الأصل وصف مع بقا العلية بان اعتبر فيه ايضاً الوصفية الاصلية وحكم بمنع

ترجمہ:۔ اور سیویہ نے جب تنکیر کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کیا اگرچہ وصف اصلی زائل ہو چکا تو سیویہ کو لازم ہوا کہ وہ علمیت کی حالت میں بھی اس کا اعتبار کرے پس حاتم جیسا کلمہ وصف اصلی اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائیگا تو مصنف نے سیویہ کی جانب سے اپنے قول سے جواب دیا اور اس کو (یعنی سیویہ کو) مثل احمر میں بت علمیت نکرہ کر دینے کے بعد وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے سے باب حاتم لازم نہیں آتا یعنی باب حاتم ہر وہ علم ہے جو بقا علمیت کیساتھ اصل میں وصف ہو باقی طور کہ اس میں بھی وصفیت اصلیہ کا کیا جائے اور علمیت و وصفیت اصلیہ کی وجہ سے اس کے غیر منصرف ہونے پر حکم لگایا جائے۔

تشریح:۔ قولہ لہما لایلزم۔ تن میں و لایلزم سے چونکہ سیویہ پر وارد ہونے والے سوال کا جواب دیا گیا ہے اس لئے اس عبارت سے اس وارد ہونے والے سوال کو بیان کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ کہ سیویہ نے جب مثل احمر میں تنکیر کے بعد بھی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا ہے تو ضروری ہوا کہ علمیت کے وقت بھی وہ اس کا اعتبار کرے پس باب حاتم میں مثل احمر کی طرح وصف اصلی اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا کیونکہ حاتم ماخوذ ہے حکم سے جو استوار اور حکم کرنے اور کام کو کسی پر واجب کرنے کے معنی میں ہے جب کہ باب حاتم باتفاق منصرف ہے۔

قولہ فاجاب عنہ۔ جواب سوال مذکور کا یہ کہ باب حاتم کو مثل احمر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ وصف زائل کا غیر منصرف کا سبب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی مانع نہ ہو اور باب حاتم میں مانع موجود ہے اور وہ حکم واحد میں دو متضاد ایک علمیت و دوسرا وصف اصلی کے اعتبار کا لازم ہونا اور یہ مانع مثل احمر میں موجود نہیں کیونکہ اس میں وزن نعل اور وصف اصلی کا اعتبار ہے علمیت اور وصف اصلی کا اعتبار نہیں پس مثل احمر میں وصف زائل کے اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باب حاتم میں بھی وصف زائل کا اعتبار کیا جائے۔

قولہ ای کل علم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ سوال مذکور جس طرح حاتم سے واقع ہوگا اسی طرح زائد و غابد و ناصر سے بھی پس تن میں صرف حاتم ہی کو کیوں بیان کیا گیا؟ جواب یہ کہ تن میں باب حاتم مذکور ہے جس سے مراد ہر وہ علم ہے جو اصل میں وصف ہو اور بقا علمیت کے ساتھ اس میں وصف اصلی کا بھی اعتبار کیا جائے اور یہ ہر ایک کو شامل ہے۔

لما یلزم فی باب حاتم علی تقدیر منعہ من الصرف من اعتبار المتضادین یعنی الوصفیۃ والعلمیۃ فان العلم للخصوص والوصف للعموم فی حکم واحد وهو منع صرف لفظ بخلاف ما اذا اعتبرت الوصفیۃ الاصلیۃ مع سبب آخر کما فی اسود وارقم

ترجمہ:۔ کیونکہ باب حاتم میں اس کے غیر منصرف ہونے کی تقدیر پر دو متضاد (یعنی وصفیت اور علمیت) کا اعتبار لازم آتا ہے اس لئے کہ علم خصوص کا متقاضی ہے اور وصف عموم کا (ایک حکم میں) اور وہ لفظ واحد کے غیر منصرف ہونے میں برخلاف جبکہ وصفیت اصلیہ کا اعتبار دوسرے سبب کیساتھ کیا جائے جیسے اسود وارقم میں ہے۔

تشریح:۔ بیانہ لہما لایلزم۔ تن کے اندر لایلزم میں لزوم منفی ہے اور عدم لزوم نفی اور لما یلزم سے اسی نفی کی دلیل دی گئی ہے اور میں اعتبار المتضادین بیان ہے ماکا اور فی حکم واحد متعلق ہے اعتبار کے ساتھ اور شرح میں علی تقدیر منعہ من الصرف سے یہ اشارہ ہے کہ باب حاتم میں اعتبار متضادین کا لزوم مطلقاً نہیں بلکہ اس تقدیر پر ہے کہ اس کو غیر منصرف پڑھا جائے۔

قولہ فان العلم۔ یہ دلیل ہے علمیت و وصفیت کے متضاد ہونے کی جس کا حاصل یہ کہ علم خصوص کا مقتضی ہے اور وصف عموم کا اور ظاہر ہے کہ ہر ایک دوسرے کا ضد ہے کیونکہ خصوص تعین کو لازم ہے اور عموم عدم تعین کو لیکن یہاں تضاد سے مراد مطلق تقابل ہے کیونکہ تضاد میں دونوں امر کا وجودی ہونا لازم ہے جو یہاں مفقود ہے اور تقابل سے بھی مراد تقابل بالعرض ہے تقابل بالذات نہیں کیونکہ علمیت و وصفیت میں تقابل بالذات یعنی علم و موصوف کے اعتبار سے ہے جو مدلول کے تعین و عدم تعین کو مستلزم ہیں اور تعین و عدم تعین علم و موصوف کی صفات سے ہیں۔

قولہ وهو منع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عمر کے غیر منصرف ہونے میں علمیت کا اعتبار کیا گیا ہے اور آخر کے غیر منصرف ہونے میں وصف کا اعتبار کیا گیا ہے پس ایک حکم یعنی غیر منصرف ہونے میں علمیت و وصفیت کا اعتبار نوع نہ ہوا حالانکہ علمیت و وصفیت کا تضاد ہے۔ جواب یہ کہ تن میں حکم واحد مرکب تو صنفی نہیں بلکہ مرکب اضافی ہے معنی یہ ہے کہ ایک لفظ کے حکم میں دو متضاد کا اعتبار منوع ہے اور ظاہر ہے عمر اور آخر دو الگ الگ لفظ ہیں جس میں سے ایک میں وصفیت اور دوسرے میں علمیت کے اعتبار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فَأَنَّ قُلْتَ التَّضَادُّ إِنَّمَا هُوَ بَيْنَ الْوَصْفَةِ الْمَحَقَّةِ وَالْعِلْمِيَّةِ لَا بَيْنَ الْوَصْفَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَالْعِلْمِيَّةِ فَلَوْ اعْتَبِرْتُ الْوَصْفَةَ الْأَصْلِيَّةَ لَمْ يَلِزَمِ اجْتِمَاعُ التَّضَادُّ قُلْنَا لَقَدْ يَرَى أَحَدُ الضَّادَيْنِ بَعْدَ زَوَالِهِ مَعَ ضِدِّ آخَرٍ فِي حِكْمٍ وَاحِدٍ وَإِنَّ لَمْ يَكُنْ مِنْ قِبَلِ اجْتِمَاعِ التَّضَادُّ لَكِنَّهُ شَبِيهُ بِهِ فَاعْتَبَرُوهَا مَعَ غَيْرِ مُسْتَحْنِ

ترجمہ: — پس اگر آپ سوال کریں کہ تضاد صرف وصفیت محققہ اور علمیت کے درمیان ہوتا ہے وصفیت اصلیت نائلہ اور علمیت کے درمیان نہیں تو اگر مثل خاتم کے غیر منصرف ہونے میں وصفیت اصلیت اور علمیت کا اعتبار کیا جائے تو وہ تضاد کا جمع ہونا لازم نہ آئے گا پس ہم جواب دیں گے کہ وہ ضدوں میں سے ایک کا اس کے زائل ہونے کے بعد ضد آخر کیساتھ حکم واحد میں فرض کرنا اگرچہ اجتماع ضدین کے قبل سے نہیں لیکن یہ اس کے مشابہ ہے پس وصفیت و علمیت کا ایک ساتھ اعتبار کرنا غیر مستحسن ہوا۔

تشریح: — قولہ فَاِنَّ قُلْتَ - اخفش کی جانب سے شارح کا یہ سوال ہے کہ وصفیت محققہ و موجودہ اور علمیت موجودہ میں تضاد ہوتا ہے لیکن یہاں علمیت موجودہ اور وصفیت نائلہ ہے جس میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ قولہ قُلْنَا - یہ جواب بھی بیویہ کی جانب سے شارح دیتے ہیں کہ وصفیت نائلہ کو مؤثر ماننا گویا اس کو موجود ماننا ہو پس باب خاتم میں جب علمیت کیساتھ وصفیت نائلہ کو مؤثر مانا جائے تو وہ وصفیت حکماً موجود ہوگی پس اس صورت میں اجتماع ضدین اگرچہ حقیقہ نہیں لیکن اس کے مشابہ ضرور ہوگی لہذا علمیت کے ساتھ وصفیت اصلیت کو مؤثر ماننا غیر مستحسن ہوا۔ اسی وجہ سے میں میں اعتبار ضدین کہا گیا اجتماع ضدین نہیں۔

وَجَمِيعُ الْبَابِ أَيْ بَابُ غَيْرِ الْمَنْصُوفِ بِاللَّامِ أَيْ بِدَوَالِ لَامِ التَّعْرِيفِ عَلَيْهِ أَوْ الْإِضَافَةِ أَيْ الْإِضَافَةِ إِلَى غَيْرِهَا يَصِيرُ مَجْدُورًا بِالْكَسْرِ أَيْ بِصُورَةِ الْكَسْرِ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا

ترجمہ: — رادر تمام باب (یعنی باب غیر منصرف رلام) یعنی لام تعریف کا اس پر داخل ہونے کی وجہ سے دیا اشتقاق کی وجہ سے (یعنی غیر منصرف کے علاوہ کی جانب اضافت کی وجہ سے) مجدور دیا جائے گا (یعنی مجدور ہوگا) کسرہ کیساتھ (یعنی کسرہ کی صورت میں لفظاً ہو یا تقدیراً)۔

تشریح: — قولہ اَيْ بَابُ غَيْرِ الْمَنْصُوفِ - اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں باب پر الف لام مضاف کے عوض ہے یا بعد فارغی کلمہ ہے جواب غیر منصرف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کا مضاف الیہ ماضیہ مؤثرہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ کام سابق سے دیم ہوتا ہے کیونکہ حکم مذکور عام ہے تمام غیر منصرف کو خواہ اس میں مؤثر علمیت ہو یا کوئی دوسرا سبب ہو۔

قولہ اَيْ بِدَوَالِ - دخول کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں اللام مضاف الیہ ہے جس کا مضاف منصرف ہے یاں قدر یہ کہ غیر منصرف پر کسرہ محض لام سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے دخول سے ہوتا ہے اور التعریف کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ القلم لا محذور میں احسد پر لام تو داخل ہے لیکن کسرہ نہیں جواب یہ کہ لام سے یہاں مراد لام تعریف ہے اور احمد پر لام جارہ داخل ہے پس متن میں لام پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی لام التعریف یا بعد فارغی ہے جو لام تعریف کی طرف اشارہ کرتا ہے

قولہ اَيْ اِضَافَةٌ إِلَى غَيْرِهَا - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اگلت مال زفر میں زفر غیر منصرف ہے جو مضاف الیہ واقع ہے لیکن اس پر کسرہ نہیں ہے۔ جواب یہ کہ اضافت سے یہاں مراد مضاف ہونا ہے کہ مضاف الیہ ہونا اور زفر مضاف الیہ ہے نہ کہ مضاف اس لئے اس پر کسرہ نہیں آتا۔

قولہ اَيْ بِصُورَةِ مَجْدُورًا - اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ انحرار یہاں میردوت کے معنی کو شامل ہے جو معنی لوٹنا یا پلٹنا آتا ہے اس کی وجہ یہ کہ غیر منصرف پر لام یا اضافت کی وجہ سے جو کسرہ آتا ہے وہ کسرہ کے منقطع ہونے کے وقت نہیں بلکہ رفتہ رفتہ کسرہ کی طرف پلٹ آتا ہے ورنہ ضدین کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے۔

قولہ اَيْ بِصُورَةِ الْكَسْرِ - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کسر مبنی کی حرکت کو کہتے ہیں اور غیر منصرف مرب ہے جواب یہ کہ کسر سے یہاں مراد کسر کی صورت ہے اور ظاہر ہے کسر کی صورت کسرہ ہے اور کسرہ مرب کی حرکت کو بھی کہتے ہیں۔

قولہ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مررت بالجملی میں جملی غیر منصرف ہے اس پر لام تعریف داخل ہے اس کے باوجود اس پر کسرہ نہیں آتا جواب یہ کہ کسرہ سے مراد لام ہے کہ لفظی ہو یا تقدیری اول جیسے مررت بالمساجد و مساجد کم - ردوم جیسے مررت بالجملی و جمیلکم۔

فَاِنْ شَاءَ لَمْ يَكْتَفِ بِقَوْلِهِ يَنْجُو لَانَّ الْإِنْجِي أَسَاقِدُ يَكُونُ بِالْفَتْحِ وَلَا بِأَنَّ يَقُولُ يَنْجُو لَانَّ الْكَسْرَ يَطْلُقُ

على الحركات البناءية ايضا

ترجمہ: — اور مصنف نے اپنے قول بنجر پر اس لئے اکتفا نہیں فرمایا کہ انجر کبھی فتح کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ نیکر کہنے پر اس لئے اکتفا نہیں فرمایا کہ کسر کا اطلاق حرکات بنائیہ پر بھی ہوتا ہے۔

تشریح: قولہ وانما یکلف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جو اسم فاعل ہو گا وہ لامی لہ کسرہ کے ساتھ ہو گا پس ماتن کو صرف بنجر لکھنا چاہئے جواب یہ کہ کسر چونکہ حرکت بنائیہ کو کہتے ہیں پس اس سے یہ دہم ہوتا ہے کہ لام تعریف داخل کے ساتھ ہے۔

قولہ ولا بان یقول۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جب ایسا معاملہ ہے تو ماتن کو صرف نیکر لکھنا چاہئے تھا جواب یہ کہ کسر چونکہ حرکت بنائیہ کو کہتے ہیں پس اس سے یہ دہم ہوتا ہے کہ لام تعریف داخل ہونے یا مضاف ہونے سے غیر منصرف بنی ہو جاتا ہے۔

وللخلاف في ان هذا الاسم في هذه الحالة منصرف أو غير منصرف فيفسهم من ذهب إلى انه منصرف مطلقا لا تعدى انصرفه انما كانت مشابهة الفعل فلما ضعف هذا التباين بدخول ما هو من خواص الاسم اعني اللام أو الاضافة قويت جهة الاسمية فرجع إلى اصله الذي هو الصرف فلذلك الكسر دون التنوين لانه لا يجمع مع اللام والاضافة

ترجمہ: — اور نحووں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حالت میں یہ اسم منصرف ہے یا غیر منصرف تو ان میں سے کچھ نحوی اس طرف گئے ہیں کہ وہ مطلقاً منصرف ہے کیونکہ اس کا غیر منصرف ہونا صرف اس کا فعل سے مشابہت کی وجہ سے تھا۔ پس جب وہ مشابہت خواص اسم کے دخول سے ضعیف ہو گئی مراد بتا ہوں خواص اسم سے لام یا اضافت کو تو اسم ہونے کی جہت قوی ہو گئی پس وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ آیا جو کہ وہ منصرف ہونا ہے تو اس پر کسرہ داخل ہو گا تنوین نہیں کیونکہ تنوین لام و اضافت کیساتھ جمع نہیں آتی۔

تشریح: — قولہ وللخلاف۔ یہ جواب اس سوال کا کہ صورت مذکورہ میں اسم غیر منصرف ہی رہتا ہے یا منصرف ہو جاتا ہے جواب یہ کہ اس کے متعلق نحووں کے تین مذہب ہیں ایک مذہب کا یہ کہنا ہے کہ وہ اسم مطلقاً منصرف ہو جاتا ہے دو سبب بانی یا بانی نہ رہیں دلیل یہ دیتے ہیں کہ اسم کا غیر منصرف ہونا فعل

کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا اور وہ مشابہت لام تعریف کے داخل ہونے اور مضاف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہو جاتی ہے اور اسمیت کی جہت قوی ہو جاتی ہے پس اسم اپنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے یعنی منصرف ہو جاتا ہے لیکن اس حالت میں اس پر صرف کسرہ آتا ہے تنوین اس لئے نہیں کہ وہ لام تعریف کا مدخول اور مضاف ہے جس پر تنوین قطعاً نہیں آتی۔

قولہ من خواص الاسم۔ یہ بیان ہے ماہویں لفظ کا اصل عبارت یہ ہے بدخول خواص الاسم اور خواص اسم کا بیان اعنی اللام او الاضافة ہے پس اصل عبارت یہ ہوگی بدخول اللام او الاضافة دخول تامة ہے لام کی پس یہ از قبیل اضافۃ الصفة الی الموصوف ہے خواص اسم سے مراد یہاں صرف لام و اضافت کو لیا گیا ہے جب کہ ان کے علاوہ اسناد الیہ وغیرہ بھی ہے اس کی وجہ یہ کہ فعل کیساتھ مشابہت صرف لام و اضافت ہی کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے اسناد وغیرہ سے نہیں اور یہاں صرف ضعیف ہی کو بتانا مقصود ہے اس لئے صرف لام و اضافت کو بیان کیا گیا لیکن لام و اضافت سے فعل کے ساتھ مشابہت اس لئے ضعیف ہوتی ہے کہ وہ لفظ معنی دونوں میں افزائز ہوتے ہیں لفظ میں اس لئے کہ ان سے تنوین ساقط ہو جاتی ہے اور معنی میں اس لئے کہ ان سے تعریف کافی تہ حاصل ہوتا ہے۔

ومنهم من ذهب إلى انه غير منصرف مطلقاً والمنوع من غير المنصرف بالاصالة هو التنوين وسقوط الكسر انما هو بتبعية التنوين وحيث ضعف مشابهة للفعل لم تبق إلا في سقوط التنوين دون تابعه الذي هو الكسر فعاد الكسر إلى حاله وسقط التنوين لامتناعه من الصرف

ترجمہ: — اور ان میں سے کچھ نحوی اس طرف گئے ہیں کہ وہ مطلقاً غیر منصرف ہے اور غیر منصرف بالاصالة صرف تنوین بمنوع ہے اور کسرہ کا ساقط ہونا صرف تنوین کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے اور جب فعل کے ساتھ اس کی مشابہت ضعیف ہو گئی تو وہ موثر صرف سقوط تنوین میں ہوگی اس کے تابع میں نہیں جو کہ وہ کسرہ ہے پس کسرہ اپنی حالت پر لوٹ آیا اور تنوین اسم کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گئی۔

تشریح: — قولہ ومنهم من ذهب۔ دوسرے مذہب کا یہ کہنا ہے کہ وہ اسم مطلقاً غیر منصرف ہی رہتا ہے خواہ اس میں دونوں سبب بانی یا بانی نہ رہیں دلیل یہ دیتے ہیں کہ غیر منصرف میں اصالتاً تنوین معنی

ہے اور اس کے تابع ہو کر کسرہ متبع ہے۔ لام تعریف داخل ہونے یا مضاف ہونے سے فعل کیساتھ مشابہت
ضعیف ہو جاتی ہے ضم نہیں ہوتی پس مشابہت ضعیف کی وجہ سے تونین متبع رہتا ہے کسرہ نہیں کیونکہ جب مشابہت
ضعیف ہو جاتی ہے تو کسرہ کا امتناع تونین کے امتناع کا تابع نہیں ہوتا پس تونین ساقط تو ہو گئی کسرہ
نہیں پہلے اور دوسرے مذہب میں فرق یہ ہوا کہ پہلے مذہب پر تونین کا متبع ہونا لام تعریف داخل ہونے یا
مضاف ہونے کی وجہ سے ہے اور دوسرے مذہب میں غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ہے پہلے مذہب پر کسرہ کا زوال
منصرف ہونے کی وجہ سے ہے اور دوسرے مذہب پر غیر منصرف کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ الْعَلَيْنِ إِنَّ كَانَتْ بَاقِيَتَيْنِ مِنَ الْأَمْرِ أَوْ الْأَصَافَةِ كَانَ لِاسْمٍ غَيْرِ الْمَنْصُوفِ وَإِنْ
خَالَفَتْهُمَا أَوْ خَالَفَتْ أَحَدَهُمَا كَانَ مَنْصُوفًا وَيَأْتِي ذَلِكَ أَنَّ الْعِلْمِيَّةَ تَزُولُ بِالْأَمْرِ وَالْأَصَافَةِ
فَإِنَّ كَانَتْ الْعِلْمِيَّةُ شَرْطًا لِلْسَبَبِ الْآخَرِ خَالَفَتْهُمَا كَمَا فِي إِبْرَاهِيمَ وَإِنَّ لَمْ تَكُنْ شَرْطًا كَمَا فِي أَحَدٍ
خَالَفَتْ أَحَدَهُمَا وَإِنَّ لَمْ تَكُنْ هُنَاكَ عِلْمِيَّةً كَمَا فِي أَحَدٍ بَقِيَتِ الْعَلَاتِ عَلَى حَالِهَا وَهَذَا
الْقَوْلُ أَنْسَبُ بِمَا عُرِفَ بِهِ الْمُصَيِّفُ غَيْرَ الْمَنْصُوفِ

ترجمہ: — اور ان میں سے کچھ نحوی اس طرف گئے ہیں کہ دونوں علت اگر لام یا اضافت کیساتھ باقی رہیں تو وہ
اسم غیر منصرف ہوگا اور اگر دونوں ایک ساتھ زائل ہو گئیں تو وہ اسم منصرف ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علیت لام
یا اضافت کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے تو اگر علیت دوسرے سبب کی شرط ہے تو دونوں علت ایک ساتھ زائل ہو
گی جیسے ابراہیم میں اور اگر شرط نہیں جیسے احمد میں تو ان میں سے ایک علت زائل ہوگی اور اگر وہاں علیت نہ ہو
احمر میں تو دونوں علت اپنے حال پر باقی رہیں گی اور یہ قول اس کیساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے جس سے منصف نے
غیر منصرف کی تعریف بیان فرمائی۔

تشریح: — قولنا وَمِنْهُمْ مَنْ ذَهَبَ کا یہ کہنا ہے کہ لام تعریف داخل ہونے اور مضاف ہونے
اگر دو سبب باقی رہیں تو اب بھی وہ غیر منصرف رہے گا جیسے الاحمر میں وزن فعل اور وصف اگر باقی ہیں تو وہ غیر منصرف
رہے گا اور اگر دو سبب باقی نہ رہیں یعنی دونوں سبب زائل ہو جائیں یا ایک سبب زائل ہو تو منصرف ہو جائے
گا کیونکہ علیت لام تعریف کے داخل ہونے یا مضاف ہونے کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہے پس اگر علیت دوسرے
سبب کی شرط ہو تو دونوں سبب زائل ہو جائیں گے جیسے ابراہیم میں اور اگر شرط نہ ہو تو صرف ایک سبب زائل

ہوگا جیسے احمر کم میں علیت اضافت کی وجہ سے زائل ہو گئی اور صرف ایک سبب وزن فعل باقی ہے۔

قولنا وَهَذَا الْقَوْلُ الْأَنْسَبُ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جب ایسے اسم سے متعلق تین مذہب ہیں ان
میں سے کونسا مذہب منصف کے بیان کردہ تعریف کے زیادہ مطابق و مناسب ہے جواب یہ کہ منصف نے غیر منصرف
کی جو تعریف لکھی ہے اس سے یہ تیسرا مذہب زیادہ مناسب ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا غیر المنصرف ما فیہ
العلتان یعنی غیر منصرف وہ ہے جس میں دو سبب ہوں یا ایک سبب جو دو سبب کے قائم مقام ہو اس میں دو سبب
کا باقی رہنا غیر منصرف ہونے کا مدار ہے اور یہی تیسرا مذہب ہے کہ دو سبب اگر باقی ہوں تو اب بھی وہ غیر منصرف
رہے گا ورنہ منصرف ہو جائے گا۔



مجمع المرفوعات لا المرفوعات لا توصف بالاسم وهو مذکور لا یعقل ويجمع هذا الجمع مطرد أصغر المذكور
الذي لا یعقل كالتعريفات للذکور من الخيل وجمال سحليات أي ضخامة وكالأيام الخاليات

ترجمہ: — مرفوعات جمع ہے مرفوع کی مرفوعہ کی نہیں اس لئے کہ اس کا موصوف اسم ہے اور وہ مذکور لا
یعقل ہے اور اس مذکور کی صفت جو لا یعقل ہے قاعدہ کے اعتبار سے ہمیشہ یہ جمع آتی ہے جیسے صافیات
جمع صافن مذکور گھوڑے کے لئے اور جمال سحليات یعنی مونے اونٹ اور جیسے ایام خالیات۔

تشریح: — بیاننا المرفوعات۔ اس سے پہلے جو گذرا علم نحو کے مقدمہ کا بیان تھا لیکن اب اس کے مقاصد
کو بیان کیا جاتا ہے کہ علم نحو کے مقاصد تین ہیں (۱) مرفوعات (۲) منصوبات (۳) مجردات۔ مجردات کو
اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ کلام میں عمدہ واقع ہے یعنی کلام کا تام ہونا اسی پر موقوف ہونا ہے منصوبات و
مجردات پر نہیں مرفوعات ترکیب کے اعتبار سے خبر ہے مبتدا محذوف کی یا مبتدا ہے خبر محذوف کا یعنی لفظہ

المرفوعات والمرفوعات بنده باد مضاف الیه ہے مبتدا مخدوف کی خبر کا یعنی ہندہ ذکر المرفوعات یا باب المرفوعات
 قولہ جمع المرفوعۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مرفوعات نہ مرفوع کی جمع ہو سکتی ہے اور نہ مرفوعہ کی لیکن
 مرفوع کی اس لئے نہیں کہ مرفوعات جمع مونث سالم ہے جس کا واحد مونث ہوتا ہے اور مرفوع مذکر ہے اور مرفوعہ
 کی جمع اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس کا موصوف اسم ہے جو مذکر ہے پتہ پنجہ کہا جاتا ہے اسم مرفوع واسم منصوب
 واسم مجرور جواب یہ کہ مرفوعات مرفوع ہی کی جمع ہے کیونکہ یہ اسم کی صفت ہے اور اسم مذکر لا یقبل ہے جس
 کے اوصاف کی جمع الف و تاء کے ساتھ آتی ہے جیسے الخیول الصافات میں قبول جمع ہے خیل بمعنی مذکر
 گھوڑے کی اور اس کی صفت صافات جمع ہے صاف کی اور صافن اس مذکر گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگ
 اور چوتھے کے کھریڑے ہو۔

قولہ جماع کسجلات۔ جماع بکسر جیم جمع ہے جل کی جو مذکر اونٹ کو کہا جاتا ہے اس کی صفت کسجلات
 جو بکسر سین و فتح بار جمع ہے بجل بر وزن قطر کی جس کا معنی ہے فسرہ دراز ایک بجل بفتح سین ہے جو بمعنی
 سبحان الشرائع ہے وہ یہاں درست نہیں اس مثال کا عطف جو کہ مثال اول پر ہے اس لئے اس کو کاف تخیل
 سے بیان نہیں کیا گیا۔ اور ایام خالیات کو کاف تخیل سے بیان کرنے میں یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مذکر لا یقبل
 کبھی ذی روح ہوتا ہے اور کبھی یغزی روح پہلی دونوں مثال ذی روح کی ہیں اور یہ یغزی روح کی ہے۔

هو ای المرفوع الدال علیہ المرفوعات لأن التعلیل إنما یکون للماهیة لا للأفراد ما اشتمل علی
 اسم اشتمل علی علم الفاعلیة الکی علامۃ کون الاسم فاعلاً وھی الفعۃ والواو والالف

ترجمہ:۔۔۔ دوہ۔ یعنی مرفوع کہ جس پر مرفوعات دلالت کرتا ہے کیونکہ تعریف مرف مہایت کی ہوتی ہے افراد کی
 نہیں (ہے جو شتمل ہو) یعنی وہ اسم ہے جو شتمل ہو ر فاعلیت کی علامت پر یعنی اسم کے فاعل ہونے کی علامت
 پر اور وہ ضم اور واو اور الف ہیں۔

تشریح:۔۔۔ قولہ ای المرفوع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تن میں ضمیر ہو کا مرجع مرفوعات نہیں ہو سکتا
 کیونکہ ضمیر مرجع کے مطابق نہیں اس لئے کہ ضمیر واحد مذکر ہے اور مرفوعات جمع مونث ہے اور مرجع مرفوع بھی
 نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ ماقبل میں مذکور نہیں جواب یہ کہ مرجع مرفوع ہی ہے جس پر مرفوعات دلالت
 کرتا ہے۔

قولہ لأن التعریف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مرجع مرفوعات بھی ہو سکتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے
 ضمیر مرجع اور خبر کے درمیان دائرہ ہو تو خبر کی رعایت ادنی ہوتی ہے اور یہاں خبر لفظ ما ہے جو مذکر ہے جو
 مذکر ہے جس کی وجہ سے ضمیر کو مذکر لا یا گیا ہے جواب یہ کہ مرجع اگر مرفوعات ہو تو تعریف افراد کی لازم آنے کی
 جو مرفوع ہے کیونکہ مرفوعات جمع ہے اور جمع افراد پر دلالت کرتی ہے جب کہ تعریف افراد کی نہیں بلکہ مہایت
 کی ہوتی ہے اس لئے مرجع مرفوع ہی ہو گا اگرچہ وہ مراد مذکور نہیں۔ مرفوعات جمع اس لئے لکھا گیا تاکہ وہ مرفوعات
 مرفوع کی انواع کثیرہ ہونے پر دلالت کرے۔

قولہ ای اسم اشتمل۔ اسم کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ مرفوع کی تعریف جاری زیدی
 زید کی دال پر صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہے جواب یہ کہ تعریف میں ما سے
 مراد اسم ہے قرینہ اس پر بحث اسم ہے۔ اسم کو نکرہ بیان کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ تن میں ما موصول نہیں
 بلکہ موصوفہ ہے اور موصوف کے لئے چونکہ صفت لازم ہوتی ہے اس لئے اس کے بعد اشتمل کو بھی لکھا
 گیا۔

قولہ ای علامۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علم تین معنوں کے لئے آتا ہے ایک جو شئی معین
 کے لئے موصوع ہو جیسا کہ بحث معرفہ و نکرہ میں ہے دوسرا جبل یعنی پہاڑ کے لئے جیسے قرآن کریم میں ہے ولما
 الجبال انشلت فی البو کا خلا میں اعلام بمعنی جبال ہے تیسرا علامۃ کے معنی میں اور یہاں ان میں سے کونسا معنی مراد ہے
 جواب یہ کہ تیسرا معنی علامت مراد ہے پہلا دوسرا نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

قولہ کون الاسم فاعلاً۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ماتن نے علم الفاعلیت کہا جب کہ علم الفاعل مفعول
 ہے جواب یہ کہ رافع اسم کے فاعل ہونے کی علامت ہے نہ کہ فاعل کی جیسا کہ بحث اعراب میں گذرا۔ فالرفع
 علم الفاعلیت۔ رفع اعراب کی ایک قسم ہے جو معانی معنورہ یعنی فاعلیت و مفعولیت و اضافت پر دلالت کرتا ہے
 فاعل و مفعول و مضاف الیہ پر نہیں البتہ علم الرفع کہنا چاہئے تھا کہ وہ مختصر ہے لیکن علم الفاعلیت اس لئے کہا گیا
 تاکہ یہ اشارہ ہو کہ مرفوعات میں اصل فاعل ہے خیال رہے کہ فاعل سے مراد عام ہے کہ فاعل حقیقی ہو یا فاعل
 محکی فاعل حقیقی تو ظاہر ہے لیکن فاعل محکی مبتدا و خبر وغیرہ ہیں۔

قولہ وھی الفعۃ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ وہ علامت کتنے اور کون کون ہے؟ جواب یہ کہ وہ علامت
 تین ہیں ایک ضمیر جو معرب بالحرکت مفرد ہوتا ہے جیسے جاری زیدی دوم واو ہے جو معرب بالحرک مفرد
 بن ہوتا ہے جیسے جاری البوک میں سوم الف ہے جو معرب بالحرکت تثنیہ بن ہوتا ہے جیسے جاری

والمراد باشتمال الاسم علیہا ان یکون موصوفاً بها لفظاً أو تقدیراً أو محلاً ولا شکی ان الاسم موصوف بالرفع المحلی اذ معنی الرفع المحلی انہ فی محل لو کان ثبوتہ معلوم لکان موصوفاً لفظاً أو تقدیراً کیف یختص الرفع بمعاد الرفع المحلی وهو یثبت مثلاً عن احوال الفاعل اذا کان مضمراً متصلاً کما سبغی

تذکرہ: اور اسم کا فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسم اس علامت سے موصوف ہو لفظاً یا تقدیراً یا محلاً اور کوئی شک نہیں کہ اسم رفع محلی کیساتھ موصوف ہو اس لئے کہ رفع محلی کا معنی یہ ہے کہ وہ محل پر ہو کہ اگر وہاں کوئی معرب ہو تو وہ مرفوع ہو گا عام ہے لفظاً یا تقدیراً پس رفع محلی کے علاوہ کیساتھ کسے خاص ہو گا حالانکہ نحوی مثلاً فاعل کے احوال سے بحث کرتا ہے جبکہ وہ ضمیر متصل ہو جیسا کہ اس کا بیان وجوب تقدیر و تاخیر کی بحث میں آئے گا۔

تشریح: قولہ والمراد - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اشتمال کا معنی ہے مرکب ہونا پس مرفوع کی تقدیر جاری زید میں زید پر صادق نہ آئے گی کیونکہ زید رفع سے مرکب نہیں جواب یہ کہ اشتمال کے تین معنی ہیں ایک معنی عام ہونا ہے جس کو اشتمال الکی علی الافراد کہتے ہیں چنانچہ بولا جاتا ہے حیوان فرس و دھار وغیرہ پر مشتمل ہے دوسرا معنی مرکب ہونا ہے جس کو اشتمال الکل علی الاجزاء کہتے ہیں چنانچہ بولا جاتا ہے کلام متعدد کلمات پر مشتمل ہے تیسرا معنی موصوف ہونا ہے جس کو اشتمال الموصوف علی الصفہ کہتے ہیں چنانچہ بولا جاتا ہے زید علم و ہنر کتاب پر مشتمل ہے یہاں بھی تیسرا معنی مراد ہے کہ زید موصوف ہے جو رفع پر مشتمل ہے۔

قولہ لفظاً أو تقدیراً أو محلاً - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مرفوع کی تعریف جاہلی موسیٰ میں ہوگی پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہ فاعلیت کی علامت رفع پر مشتمل نہیں اسی طرح جاہلی ہولاء میں ہولاء پر بھی صادق نہیں آتی کیونکہ وہ بھی علامت رفع پر مشتمل نہیں جواب یہ کہ فاعلیت کی علامت پر اشتمال عام ہے کبھی لفظاً ہوتا ہے جیسے جاہلی زید میں اور کبھی تقدیراً ہوتی ہے جیسے جاہلی موسیٰ میں اور کبھی محلاً ہوتی ہے جیسے جاہلی ہولاء میں۔

قولہ ولا شکی - یہ علامہ رضی اور شارح ہندی کے اس جواب کا رد ہے جو انہوں نے اس سوال کے

جواب میں کہا تھا کہ تعریف مذکور جاہلی ہذا میں ہذا پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہ رفع کی علامت پر مشتمل نہیں جواب میں یہ کہا گیا کہ رفع کی علامت پر اشتمال صرف معربات میں ہوتا ہے اور ہذا مبنیات سے ہے۔ علامہ ہالی نے اس کا رد فرمایا کہ وہ اسم رفع محلی پر مشتمل ہے کیونکہ رفع محلی کہتے ہیں اسم کا ایسے محل پر ہونا کہ اگر وہاں کوئی معرب ہو تو وہ رفع لفظی یا تقدیری پر مشتمل ہو کیونکہ وجوب تقدیر و تاخیر کے بیان میں مصنف نے خود ہی احوال کے احوال سے بحث فرمایا ہے جبکہ وہ ضمیر متصل ہو۔

قولہ انی من المرفوع أو ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ الفاعل وانما قدما لانه اصل المرفوع عند الجہود والائتہ جزء الجملة الفعلیۃ الی حی اصل الجملة ولان عاملہ اقوی من عامل المبتدأ

تذکرہ: (پس اس میں سے) یعنی مرفوع میں سے یا اس میں سے جو مشتمل ہو فاعلیت کی علامت پر مرفوع ہے اور مصنف نے اس کو اس لئے مقدم فرمایا کہ وہ جہود کے نزدیک مرفوعات کی اصل ہے کیونکہ وہ جملہ فعل کا جزو ہے جو تمام جملوں کی اصل ہے اور اس لئے کہ اس کا عامل مبتدا کے عامل سے زیادہ قوی ہے۔ تشریح: بیانہ فہمہ - فاس میں عاطفہ ہے جو از قبیل عطف تقسیم پر تعریف مقسم ہے اور من ابتداء ہے بیانہ نہیں کیونکہ من بیانہ بمعنی الذی ہوتا ہے جس کے بعد ہو کی تقدیر لازم ہوتی ہے پس اس تقدیر پر مبادت یہ ہوگی الذی ہوا المرفوع الفاعل یعنی مرفوع صرف فاعل ہے حالانکہ یہ مراد باطل ہے کیونکہ مرفوع مبتدا و خبر وغیرہ بھی ہیں اور من ابتداء کبھی اتصالیہ ہوتا ہے اور کبھی غیر اتصالیہ لیکن یہ غیر اتصالیہ ہے کیونکہ غیر اتصالیہ کو الی کے بالمقابل آتا ہے جیسے سر من البقرة الی الکوفہ اور ظاہر ہے یہاں صحیح نہیں اور اتصالیہ میں مدلول کا امر کی ہونا ضروری ہے جو یہاں موجود ہے۔ فہمہ الفاعل جملہ اسمیہ ہے جس میں مبتدا و خبر اور خبر مقدم ہے حصر کے لئے پس اس کا معنی ہے مرفوع ہی میں سے فاعل ہے منصوب یا مجرد میں سے نہیں۔

قولہ انی من المرفوع - یعنی ضمیر مجرد کا مرجع مرفوع بھی ہو سکتا ہے جو معروف ہے اور ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ بھی جو تعریف ہے۔ مرفوع کو مقدم اس لئے کیا گیا کہ وہ مفرد محض ہے اور ما اشتمل سے ترکیب مستفاد اور ظاہر ہے مفرد کو مقدم حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ وہ سابق کے مطابق ہے کیونکہ سابق میں ہو کا مرجع بھی مرفوع ہے اور دیا گیا ہے جب کہ ما اشتمل بھی درست ہے کیونکہ وہ تعریف ہے جس سے مقصود وہی معروف ہوتا ہے بلکہ تعریف کو مرجع قرار دینا انساب ہے اس لئے کہ ضمیر سے وہی زیادہ قریب ہے اور مرجع بھی کہ مرفوع کا ذکر ما قبل

میں ضمناً ہے

قولہ وإنما قلنا۔ یہ جواب ہے اُس ال کا کہ مرفوع کی انواع کثیر ہیں ان میں سب سے پہلے فاعل کو قبول مقدم کیا گیا ہے جواب یہ کہ مرفوعات کے نزدیک مرفوعات میں اصل فاعل ہے اور سببویہ کے نزدیک اصل مبتدا ہے اور مضف کے نزدیک چونکہ مرفوع کا مذہب مختار ہے اس لئے انہوں نے فاعل کو سب سے پہلے بیان فرمایا مرفوع کی ایک دلیل یہ ہے کہ فاعل جملہ فعلیہ کا جز ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں میں اصل ہے کیونکہ وہ افادہ واستفادہ میں زیادہ ظاہر ہے اور اس لئے بھی کہ جملہ سے مقصود ایک دوسرے کیساتھ ارتباط ہے اور وہ جملہ فعلیہ سے بخوبی حاصل ہے اس لئے کہ اس کا جز اول فعل ہوتا ہے جو شروع سے فاعل کیساتھ ارتباط کا مقتضی ہے برخلاف اسم کہ وہ مستقل بذاتہ ہوتا ہے جو بذاتہ ارتباط کا مقتضی نہیں۔ دوسری دلیل یہ کہ فاعل کا عامل لفظی ہے جو فعل یا شبہ فعل ہوتا ہے اور مبتدا کا عامل معنوی ہوتا ہے جو عوامل لفظیہ سے مجرہ ہے۔ عامل لفظی عامل معنوی سے زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ موجود و مسموع ہوتا ہے اور معنوی معدوم و معقول اور ظاہر ہے موجود و مسموع، معدوم و معقول سے زیادہ قوی ہوتا ہے پس عامل کا قوی ہونا معمول کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔

وقيل أصل المرفوعات المبتدأ لانه باق على ما هو الأصل في المبتدأ إليه وهو التقدّم بخلافه الفاعل ولانه يحكم عليه بكل حكم جامد أو مشتق فكان أقوى بخلافه الفاعل فإنه لا يحكم عليه إلا بالمشق

ترجمہ: — اور بعض نے کہا کہ مرفوعات کی اصل مبتدا ہے کیونکہ وہ اس پر باقی ہے جو مسند الیہ میں اصل ہے اور وہ مقدم ہونا ہے برخلاف فاعل اور اس لئے کہ مبتدا پر جامد یا مشتق میں سے ہر ایک کا حکم لگایا جاتا ہے پس وہ زیادہ قوی ہوا برخلاف فاعل کہ اس پر صرف مشتق ہی کا حکم لگایا جاتا ہے۔

تشریح: — قولہ وقيل۔ اس کے قائل سببویہ ہیں انہوں نے کہا کہ مرفوعات میں اصل مبتدا ہے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ مسند الیہ میں اصل تقدیم ہے اور مبتدا اپنی اصل پر قائم ہے اور فاعل اس اصل سے چٹا ہوا ہے دوسری دلیل یہ کہ مبتدا کی طرف جامد بھی مسند ہوتا ہے اور مشتق بھی اول جیسے ہذا اجزؤا میں اور دوم جیسے زيد قائم میں اور فاعل کی طرف صرف مشتق ہی مسند ہوتی ہے پس مبتدا کو جو فضیلت تعدد حاصل ہے وہ فاعل کو نہیں۔ سببویہ کے قول کو کلام ترمیض سے اس لئے بیان کیا گیا کہ انہی دونوں دلیلوں میں ضعف ہے اول میں اس لئے کہ مسند الیہ

میں جو اصل تقدیم ہے وہ اس مسند الیہ میں ہے جو فاعل کے علاوہ ہو کیونکہ فاعل میں تاخیری اصل ہے اس لئے کہ وہ معمول ہے فعل کا جس میں تاخیری اصل ہے اور اس لئے بھی کہ فاعل کو مؤخر مبتدا کے ساتھ التباس سے بچنے کے لئے کیا گیا ہے کہ مبتدا مقدم ہوتا ہے۔ اور دوم میں اس لئے کہ مسند الیہ کی طرف ہر ایک کا مسند ہونا قوت کی نہیں بلکہ ضعف کی دلیل ہے اسی وجہ سے بتوہم نے مادہ لا مشابہہ بلیس کو عامل قرار نہیں دیا ہے کیونکہ ان کا دخول اسم و فعل دونوں پر ہوتا ہے پس قوت، اختصاص سے مستفاد ہوتی ہے عموم سے نہیں۔

وهذا في الفاعل ما أي اسم حقيقة أو حكماً يلد خل فيه مثل قوله عجبتني إن ضربت زيداً أسند اليه الفعل بالأصل لا بالتبعية ليخرج عن الحدّ توابع الفاعل وكذلك المراد في جميع حد ودالمرفوعات والمنصوبات والجزورات غير التابع بقرينة ذكر التوابع بعده

ترجمہ: — (اور وہ) یعنی فاعل (الیہ) اسم رہے، عام ہے حقیقہ ہو یا حکماً تاکہ اس میں بخوبی کے قول عجبتني ان ضربت زيداً کی مثل داخل ہو جائے جس کی جانب فعل کی اسناد کی جائے) بالاصل لا بالتبعية تاکہ فاعل کے توابع تعریف سے خارج ہو جائیں اسی طرح مرفوعات و منصوبات و جزورات کی تمام تعریفوں میں تابع کا غیر مراد ہے اس قرینہ سے کہ توابع کا ذکر ان انواع یعنی مرفوعات و منصوبات و جزورات کے بعد آئیگا۔

تشریح: — قولہ ما أي الفاعل۔ اس عبارت سے ضمیر کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ یعنی فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اسناد بطور قیام ہوا اور اس پر مقدم بھی جیسے قال الرسول میں الرسول اسم ہے جس کی طرف قال کی اسناد ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس پر مقدم بھی۔

قولہ ما أي اسم۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ما میں اسم سے متبادر موصول ہوتا ہے جو وہ اپنے صلہ سے مل کر خبر معرّفہ ہے اور ہوا اس کا مبتدا بھی معرّفہ ہے قاعدہ ہے کہ مبتدا اور خبر جب کہ دونوں معرّفہ ہوں تو ان دونوں کے درمیان ضمیر فصل کا لانا ضروری ہوتا ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔ جواب یہ کہ ما اسم یہاں موصول نہیں بلکہ موصوفہ ہے جس سے مراد اسم نکرہ ہے۔

قولہ حقيقة أو حكماً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فاعل کی تعریف اپنے افراد کو جامع نہیں کیونکہ اس سے عجبتني ان ضربت زيداً میں ان ضربت زیداً خارج ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسم نہیں اس لئے کہ اسم مفرد ہوتا ہے اور وہ جملہ ہے جواب یہ کہ تعریف میں اسم سے مراد عام ہے کہ حقیقہ ہو یا حکماً اور مثال مذکور میں

ان ضربت زید اگرچہ حقیقتاً اسم نہیں لیکن حکماً اسم ضرور ہے کہ ان مصدریہ نے فعل کو مصدر کے حکم میں کر دیا ہے
 قولہ بالاصالة - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ فاعل کی تعریف جاء فی زید و بکر میں بکر کو بھی شامل
 ہے کیونکہ فعل کی اسناد جس طرح زید کی طرف ہے اسی طرح بکر کی طرف بھی حالانکہ وہ فاعل نہیں بلکہ اس کو تابع و معطوف
 کہا جاتا ہے جواب یہ کہ تعریف میں اسناد سے مراد اسناد بالاصالة ہے اور مثال مذکور میں بکر کی طرف اسناد
 بالاتباع ہے یہی حال فاعل کے علاوہ دوسرے مرفوعات اور منصوبات و مجرورات کی تعریفات میں ہے۔
 قولہ بالقرینۃ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسناد سے مراد اسناد اصالة لینا مجانبہ ہے اور مجاز تعریفات
 میں مجبور ہے جواب یہ کہ قرینہ جب موجود ہو تو تعریفات میں مجاز کا استعمال مجبور نہیں اور یہاں قرینہ موجود ہے
 کہ توابع کا بیان مرفوعات و منصوبات و مجرورات کے بعد مذکور ہے۔

أَوْ شَبَّهَ أَى مَا يَشْبَهُ فِي الْعَمَلِ وَرَأَيْتُمَا قَالَهُ ذَلِكُمْ لِنَدَاؤِ فَاعِلِ اسْمِ الْفَاعِلِ وَالصِّفَةِ الْمَشَبَّهِ
 وَالْمَصْدَرِ وَاسْمِ الْفِعْلِ وَافْعِلِ التَّفْصِيلِ وَالظَّرْفِ

ترجمہ :- (یا شبہ فعل کی) یعنی اس کی جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو اور مصنف نے شبہ فعل کو اس نے
 فرمایا تاکہ یہ تعریف اسم فاعل و صفت شبہ و مصدر و اسم فعل و فاعل تفصیل و ظرف کے فاعل کو شامل ہو
 جائے۔

تشریح :- بیانہ آو کلمہ او یہاں تشبیک کے لئے نہیں بلکہ محدود کی تقیم کے لئے آیا ہے جس سے یہ
 اشارہ ہے کہ فاعل کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس کی طرف فعل کی اسناد ہو اور دوسری وہ ہے جس کی طرف
 شبہ فعل کی اسناد ہو۔

قولہ اى ما يشبه - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تن میں مذکور مثال زید قائم ابوہ میں ابوہ فاعل
 ہے لیکن اس کی طرف شبہ فعل کی اسناد نہیں ہوتی بلکہ شبہ فعل کی ہوتی ہے جو کہ قائم ہے کیونکہ شبہ اس نسبت
 کو کہتے ہیں جو مشبہ و مشبہ بہ کے درمیان پائی جائے جواب یہ کہ شبہ سے یہاں مراد مشابہہ ہے یعنی مصدر بول
 کر اسم فاعل مراد ہے اور مشابہہ چونکہ صفت واقع ہوتا ہے اس لئے اس سے پہلے ماموضوہ کو بیان کیا گیا جس
 کی طرف مشابہہ کی ضمیر و مضاف الیہ راجع ہے مشابہہ کو شبہ فعل مضارع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ما
 اسم موصوفہ مکرر ہے اور مشابہہ ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے صفت معرفہ ہونا لازم آتا ہے اس لئے

من کو فعل مضارع سے تعبیر کیا گیا کہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ خبریہ ہو گا اور جملہ خبریہ مکررہ کی صفت واقع
 ہو سکے گا۔

قولہ فی العمل - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مایشبہ میں مشابہت سے کیا مراد ہے اگر مشابہت
 حدث پر دلالت کرنے میں ہے تو فی الدار زید میں زید پر تعریف صادق نہ آئے گی کیونکہ اس کی طرف نہ فعل کے
 اسناد ہے اور نہ ہی شبہ فعل کی اس لئے کہ طرف فعل کی طرح حدث پر دلالت نہیں کرتا جب کہ اسناد کے لئے
 بخزوری ہے کہ وہ حدث پر دلالت کرے اور اگر مشابہت حرکات و سکنات و عدد و حروف میں ہے تو یہاں
 زید میں زید پر تعریف صادق نہ آئے گی کیونکہ یہاں اسم فعل حرکات و سکنات و عدد و حروف میں فعل کے
 مشابہ نہیں اور اگر مشابہت مشتق ہونے میں ہے تو انجینی ضرب زید عمر میں زید پر تعریف مذکورہ صادق نہ آئے گی
 بلکہ اس کی طرف اگرچہ مصدر کی اسناد ہے لیکن مصدر فعل کی طرح مشتق نہیں ہوتا۔ جواب یہ کہ مشابہت
 سے مراد عمل میں ہے یعنی جیسا عمل فعل کرتا ہے ویسا ہی عمل کوئی بھی کرے خواہ وہ ظرف ہو یا مصدر ہو یا اسم
 فعل وغیرہ ہو پس اس میں ظرف - اسم فعل و صفت شبہ - مصدر اسم تفضیل کے فاعل بھی داخل ہو جائیں گے۔

أَوَّلًا أَى الْفِعْلِ أَوْ شَبَّهَ عَلَيْهِ أَى عَلَى ذَلِكُمُ الْأَسْمِ وَاحْتَرَضَ بِهِ نَعْوَزَ يَدِ فِي زَيْدٍ مُّؤَبَّرٍ لِأَنَّهُ
 قَدْ اسْتَدَّ إِلَيْهِ الْقِعْلُ لِأَنَّهُ اسْتَدَّ إِلَى ضَمِيرِهِ أَسْنَادُ إِلَيْهِ فِي الْحَقِيقَةِ لَكِنَّهُ مُؤَخَّرٌ عَنْهُ وَالْمَادُّ
 تَقْدِيمُهُ عَلَيْهِ وَجَوَابُ الْخُرُوجِ عَنْهُ الْمَبْدَأُ أَوَّ الْقَدَمِ عَلَيْهِ خَبْرٌ نَعْوَزَ يَدِ مَوْضِعٌ يَكْرَهُ

ترجمہ :- (در اول حالیکہ مقدم ہوں) فعل یا شبہ فعل (اس پر) یعنی اس اسم پر اور مصنف نے قدم علیہ کی
 نسبت زید جو زید ضرب میں ہے کی مثل سے احتراز فرمایا کیونکہ یہ اس میں سے ہے جس کی طرف فعل کی اسناد کی
 آئی ہے اس لئے کہ کسی قسم کی ضمیر کی طرف اسناد حقیقتاً اس قسم کی طرف اسناد ہے لیکن وہ فعل اس اسم سے مؤخر
 ہے اور فعل یا شبہ فعل کا اس اسم پر مقدم ہونے سے مراد جو بنا مقدم ہونا ہے تاکہ اس تعریف سے وہ مبتدا
 ثابت ہو جائے جس پر اس کی خبر مقدم ہے جیسے کریم من یکریم۔

تشریح :- قولہ اى الفاعل - اس تفسیر سے یہ اشارہ ہے کہ تن میں قدم کی ضمیر مرفوعہ کا مرجع فعل و شبہ
 فعل میں سے ہر ایک ہے دونوں نہیں کہ ضمیر مرجع میں مخالفت لازم آئے اور اى علی ذلک الاسم سے بھی تن
 میں علیہ کی ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کا مرجع اسم ہے جو ما اسناد الیہ میں لفظ ما سے استفاد

ہے زلک مرجع میں داخل نہیں بلکہ اس کو محض اسم کی نشاندہی کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

قولہ ولحقہ زید۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف میں قدم علیہ کے بیان کرنے کا کس فائدہ ہے؟
جواب یہ کہ اس قید سے زید ضرب میں زید پر جو تعریف صادق آتی ہے وہ خارج ہو جائے کیونکہ ضرب بھی فعل ہے جس کی اسناد زید کی طرف کی جاتی ہے۔

قولہ لان الاسناد۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثال مذکور میں ضرب کی اسناد زید کی طرف نہیں بلکہ ضرب کی طرف ہے جواب یہ کہ اسناد اگرچہ ضمیر کی طرف ہے لیکن ضمیر کا مرجع جو زید ہے اس لئے اسناد حقیقہ زید ہی کی طرف ہوتی۔

قولہ والمراۃ تقدیمہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ فاعل کی تعریف کریم من یکرمکے میں من یکرمک پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ ایسا اسم ہے جس کی طرف کریم شبہ فعل کی اسناد ہے اور مقدم بھی حالانکہ وہ مبتدا ہو کر ہے اور کریم خبر مقدم۔ جواب یہ کہ تعریف میں فعل یا شبہ فعل کی تقدیم سے تقدیم وجوبی مراد ہے اور مثال مذکور میں کریم کی تقدیم جوازی ہے۔ متن میں تقدیم کا ذکر اگرچہ مطلق ہے لیکن اس سے تقدیم وجوبی اس قاعدہ سے مستفاد ہوا کہ المطلق اذا اطلق علی الفاعل الکامل یعنی مطلق کا جب بھی اطلاق کیا جائے تو فرد کامل پر کیا جائے گا۔ ظاہر ہے تقدیم کا فرد کامل تقدیم وجوبی ہے۔

قائے قلت قد یجب تقدیمہ اذا کان المبتدأ ذکراً والخبر مفعلاً نحو فی الدار رجلٌ قلت المراد وجوب تقدیم نوعہ ولین نوع الخبر مما یجب تقدیمہ بخلاف نوع ما أسند الی الفاعل

ترجمہ:۔ پس اگر آپ سوال کریں کہ خبر کو مقدم کرنا کبھی واجب ہوتا ہے جب کہ مبتدا مذکر اور خبر مفعول ہو جیسے فی الدار رجلٌ تو جواب میں کہوں گا کہ وجوباً مقدم کرنے سے مراد اس کی نوع کا وجوباً مقدم کرنا ہے اور خبر کی نوع اس میں سے نہیں ہے جس کی نوع کا مقدم کرنا واجب ہو برخلاف ما اسند الی الفاعل کی نوع کہ اس کی نوع کا مقدم کرنا واجب ہے۔

ترجمہ:۔ قولہ فان قلت۔ مذکورہ عبارت پر شارح کا یہ سوال ہے کہ مانا کہ فاعل کی تعریف میں تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے لیکن بعض صورتوں میں خبر کی تقدیم بھی مبتدا پر وجوبی ہوتی ہے جب کہ مبتدا مذکر اور خبر مفعول ہو جیسے فی الدار رجلٌ میں۔

قولہ قلت۔ جواب بھی شارح خود ہی دیتے ہیں کہ خبر کی تقدیم مبتدا پر تقدیم فردی ہے لیکن فاعل کی تعریف میں فعل یا شبہ فعل کی تقدیم سے مراد تقدیم نوعی ہے یعنی خبر کے بعض افراد بعض صورتوں میں وجوباً مقدم ہوتے ہیں لیکن فعل و شبہ فعل کے تمام افراد فاعل پر وجوباً مقدم ہوتے ہیں کیونکہ تقدیم کا ذکر فاعل کی تعریف میں مذکور ہے خبر کی تعریف میں نہیں اور قاعدہ ہے کہ تعریف اور اس کا اجزاء رشتی کو لازم ہوتے ہیں اور یہ صرف تقدیم نوعی مراد لئے لکھے ہو سکتا ہے تقدیم فردی سے نہیں۔

علی جہت قیامہ آئی اسناد او افعالاً علی طریقۃ قیام الفعل أو شبہہ بہ بالفاعل فاعل یقو قیامہ بہ ان یكون علی صیغۃ المعلوم أو علی مانی حکمہا کا اسم الفاعل والصلۃ الشبہہ

ترجمہ:۔ (اس کے قیام کے طور پر) یعنی ایسی اسناد جو فعل یا شبہ فعل کے قیام کے طریقہ پر واقع ہو (اس کے ساتھ) یعنی فاعل کیساتھ پس فعل یا شبہ فعل کا فاعل کے ساتھ قیام کا طریقہ یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل صیغہ معلوم یا اس صیغہ پر جو صیغہ معلوم کے حکم میں ہو جیسے اسم فاعل اور مفعول شبہ۔

تشریح:۔ قولہ آئی اسناد او افعالاً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ علی جہت قیامہ کو اسناد کا مفعول مطلق قرار دیا گیا ہے حالانکہ مفعول مطلق اپنے فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے جو یہاں مفعول ہے جواب یہ کہ علی جہت قیامہ سے پہلے اسناد عبارت میں مخدوف ہے اس کے بعد واقع کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ علی واقع کا صمد آتا ہے اسناد کا نہیں کیونکہ اس کا صمد بار والی آتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے أسند بہ واسنہ الیہ اور علی طریقہ سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں جہت بمعنی طور و طریقہ ہے فوق و تحت و امام و خلف و یمن و یسار نہیں اور قیام کے بعد فعل و شبہ فعل سے ضمیر کے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے۔

قولہ فطریقۃ قیامہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ فاعل کی تعریف ما ضرب زید میں زید پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس کی طرف فعل کی اسناد بطریق قیام نہیں بلکہ بطریق سلب ہے جواب یہ کہ بطریق قیام سے مراد یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل بصیغہ معلوم ہو خواہ مثبت ہو یا منفی اور ظاہر ہے یہ مثال مذکور میں موجود ہے۔

قولہ او علی مانی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف زید قائم ابوہ میں ابوہ پر صادق نہیں آتی حالانکہ وہ فاعل ہے اس لئے کہ اس کی طرف قائم کی اسناد نہ بصیغہ معلوم ہے اور نہ بصیغہ مجہول کیونکہ دو صفت ہیں فعل کی اور قائم اسم فاعل ہے اسی طرح حسن زید پر بھی تعریف صادق نہیں آتی اس لئے کہ حسن

صفت مشبہ ہے جو نہ بصیغہ معلوم ہوتا ہے اور نہ بصیغہ مجہول جواب یہ کہ بطریق قیام سے مراد عام ہے کہ بصیغہ معلوم ہو یا جو اس کے حکم میں ہو اور ظاہر ہے قائم اور حسن زید کی طرف منسوب ہونے میں صیغہ معلوم کے حکم میں ہیں۔

ترجمہ: — (جیسے) زید ہے (قائم زید) میں پس یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف فعل کی اسناد کی گئی ہے (اور) جیسے ابوہ ہے (زید قائم ابوہ) میں پس یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہے
تشریح: — قولہ زید فی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مان کو مثل قائم زید سے فاعل کی مثال دینا مقصود ہے لیکن ظاہر ہے یہ اس کی مثال نہیں ہو سکتی اسی طرح زید قائم ابوہ بھی۔ جواب یہ کہ پہلی مثال میں مثل کا مضاف الیہ قائم زید نہیں بلکہ زید ہے جو عبارت میں محذوف ہے اسی طرح دوسری مثال میں مضاف الیہ ابوہ ہے جو بقرینہ سیاق کلام محذوف ہے۔

ترجمہ: — اور مصنف اختر از فرمایا علی جہت قیام بہ کی قید سے مفعول مالم یتم فاعل سے جیسے زید جو مرکب زید صیغہ مجہول پر کی مثال میں ہے اور اس قید کی حاجت صرف اس شخص کے منہب پر ہے جو مفعول مالم یتم فاعل کو فاعل میں داخل نہیں کرتا جیسے مصنف علیہ الرحمہ لیکن اس شخص کے منہب پر جو مفعول مالم یتم فاعل کو داخل کرتا ہے جیسے صاحب مفصل تو اس قید کی کوئی حاجت نہیں بلکہ واجب ہے کہ فاعل کی تعریف کو اس قید سے مقید کیا جائے۔

تشریح: — قولہ واحترز۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں علی جہت قیام بہ کی قید کا کیا فائدہ ہے؟ جواب یہ کہ اس قید سے مفعول مالم یتم فاعل کو فاعل کی تعریف سے خارج کرنا مقصود ہے جیسے ضرب زید میں زید کہ اس کی طرف فعل کی اسناد بصیغہ مجہول ہے۔

ترجمہ: — (اور اصل) فاعل میں یعنی وہ چیز کہ جس پر فاعل کا ہونا مناسب ہے اگر کوئی مانع منع نہ کرے (یہ ہے کہ فاعل متصل ہو فعل سے) اس سے جو فاعل کی طرف اسناد کی جاتی ہے۔
تشریح: — بیانہ والاصل۔ فاعل کی تعریف کے بعد اب اس کے احکام کو بیان کیا جاتا ہے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اصل فاعل میں یہ ہے کہ وہ فعل کے بعد بلا فصل واقع ہو یعنی فعل کے مفعولات میں سب سے مقدم ہو کہ فاعل اپنے فعل کے جر کے مشابہ ہوتا ہے جس طرح کل اپنے وجود و تصور میں جسز کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح فعل اپنے وجود و تصور میں فاعل کا محتاج ہوتا ہے وجود میں تو ظاہر ہے لیکن تصور میں فاعل کا محتاج اس لئے ہوتا ہے کہ فعل میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ حدث۔ زمانہ۔ نسبت فاعل ماکہ طرف۔ جز کے بغیر چونکہ کل کا تصور نہیں ہوتا ہے اسی طرح فاعل کے بغیر فعل کا تصور نہیں ہوتا پس فاعل، فعل کے لئے جسز

مثل زید فی قائم زید فہذا امثالہ لما أسند الیہ الفعل ومثل ابوہ فی زید قائمہ ابوہ فہذا

مثال لما أسند الیہ شبہ الفعل

ترجمہ: — (جیسے) زید ہے (قائم زید) میں پس یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف فعل کی اسناد کی گئی ہے (اور) جیسے ابوہ ہے (زید قائم ابوہ) میں پس یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہے
تشریح: — قولہ زید فی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مان کو مثل قائم زید سے فاعل کی مثال دینا مقصود ہے لیکن ظاہر ہے یہ اس کی مثال نہیں ہو سکتی اسی طرح زید قائم ابوہ بھی۔ جواب یہ کہ پہلی مثال میں مثل کا مضاف الیہ قائم زید نہیں بلکہ زید ہے جو عبارت میں محذوف ہے اسی طرح دوسری مثال میں مضاف الیہ ابوہ ہے جو بقرینہ سیاق کلام محذوف ہے۔

ترجمہ: — (اور اصل) فاعل میں یعنی وہ چیز کہ جس پر فاعل کا ہونا مناسب ہے اگر کوئی مانع منع نہ کرے (یہ ہے کہ فاعل متصل ہو فعل سے) اس سے جو فاعل کی طرف اسناد کی جاتی ہے۔
تشریح: — بیانہ والاصل۔ فاعل کی تعریف کے بعد اب اس کے احکام کو بیان کیا جاتا ہے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اصل فاعل میں یہ ہے کہ وہ فعل کے بعد بلا فصل واقع ہو یعنی فعل کے مفعولات میں سب سے مقدم ہو کہ فاعل اپنے فعل کے جر کے مشابہ ہوتا ہے جس طرح کل اپنے وجود و تصور میں جسز کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح فعل اپنے وجود و تصور میں فاعل کا محتاج ہوتا ہے وجود میں تو ظاہر ہے لیکن تصور میں فاعل کا محتاج اس لئے ہوتا ہے کہ فعل میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ حدث۔ زمانہ۔ نسبت فاعل ماکہ طرف۔ جز کے بغیر چونکہ کل کا تصور نہیں ہوتا ہے اسی طرح فاعل کے بغیر فعل کا تصور نہیں ہوتا پس فاعل، فعل کے لئے جسز

والأصل فی الفاعل آئی ما ینبغی أن یکون الفاعل علیہ ان لم یمنع مانع أن یتلی الفعل المستند الیہ

کے مشابہ ہو گیا اور جزو چونکہ کل سے متصل ہوتا ہے اس لئے جو جزو کے مشابہ ہو گا وہ بھی اس سے متصل ہو گا یعنی فاعل اپنے فعل سے متصل ہو گا۔

قولہ فی الفاعل۔ یہ چونکہ مجہم تھا کہ اصل جو فعل سے متصل ہونا ہے فاعل میں ہے یا مفعول میں اس لئے شارح نے اس کو واضح فرمایا کہ یہ فاعل میں ہے اس قرینہ سے یہ بحث فاعل کی ہے۔
قولہ ائی مابینتی۔ لفظ اصل پانچ معنوں میں مستعمل ہوتا ہے (۱) مابینتی علیہ شیئی یعنی اصل وہ ہے جس پر کسی شیئی کا قیام ہو خواہ حسی ہو جیسے دیوار پر چھت کا قیام یا عقلی ہو جیسے دلیل پر حکم کا قیام (۲) مقیس علیہ (۳) وضع جیسے کافیہ میں ہے الوصف شعوطة اُن یكون فی الاصل (۴) کثیر الوقوع (۵) مابینتی وادنی اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہے جس کو مقتضائے طبعی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور وہ کبھی عرض عارض سے واجب ہے و موکد ہو جاتا ہے اور کبھی زائل بھی جس طرح پانی کی برودت، برف کے اتصال سے موکد ہو جاتی ہے اور غن سے زائل اسی طرح فعل کے بعد فاعل کا بلا فصل واقع ہونا کبھی واجب ہو جاتا ہے اور کبھی متشع جیسا کہ وجوب تقدیم و تاخیر کے بیان میں آگے مذکور ہے۔

قولہ ان لم یفتح۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اصل کے معنی اگر شینی وادنی ہے تو فاعل کو مقدم کرنا بھی ادنیٰ ہو گا اور اس کی تاخیر بھی جائز ہو گی جب کہ مرتب زید غلامہ میں زید فاعل ہے لیکن اس کی تاخیر جائز نہیں ہے کیونکہ فاعل کو موخر کرنے سے اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم آتا ہے جو ممنوع ہے جواب یہ کہ فاعل کو معمولات فعل پر مقدم کرنا اس صورت میں ادنیٰ ہو گا جب کہ کوئی مانع موجود نہ ہو اور یہاں مانع اضمار قبل الذکر موجود ہے۔

قولہ المسند الیہ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متن میں صرف فعل کو بیان کیا گیا جب کہ فاعل جس طرح فعل سے متصل ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل سے بھی متصل ہوتا ہے جواب یہ کہ فعل سے یہاں مراد مسند الی الفاعل ہے خاص بول کر عام مراد ہے اور ظاہر ہے فاعل کی طرف مسند جس طرح فعل ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل بھی اسی درجے میں آنے والی ہے نہیں کیا گیا جب کہ وہ فقیر ہے کیونکہ مظهر کو مفعول جگہ رکھنے سے ممکن فی الذہن میں زیادتی پیدا ہوتی ہے اور یہ نتیجہ بھی حاصل ہے کہ فعل اس حکم میں اصل ہے۔

ای یكون بعداً من غیر ان یقتضی علیہ شیء آخر من معمولاتہ لانه کالجزء من الفعل

لشدۃ احتیاج الفعل الیہ ویدل علی ذلک اسکان اللام فی ضربت لانه لدفع لوالی اذبح
حرکاتہ فیما هو بمنزلۃ کلمۃ واحدۃ

ترجمہ:۔۔۔ یعنی فاعل فعل کے بعد ہو اس کے بغیر کہ فعل کے معمولات میں سے کوئی دوسری شیئی فاعل پر مقدم ہو کیونکہ فاعل جو فعل کی مانند ہے اس لئے کہ فعل فاعل کا سخت محتاج ہوتا ہے اور فاعل کا فعل کے جزو ہونے پر ضربت میں لام کا ساکن ہونا دلالت کرتا ہے کیونکہ لام کا ساکن ہونا اس لفظ میں چار حرکتوں کے تسلسل کو در کرنے کے لئے ہے جو ایک کلمہ کے منزلہ میں ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ ای یكون۔ فاعل کا فعل سے متصل ہونا چونکہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ ہے کہ فاعل مقدم ہو فعل پر اور متصل ہو دوسرا وہ ہے کہ فاعل موخر ہو فعل سے اور متصل ہو اس لئے شارح نے دوسری قسم کو واضح فرمایا کہ فاعل جو فعل سے متصل ہو اس طرح کہ فعل کے بعد فاعل ہی مذکور ہو اس کے معمولات میں سے فاعل کے علاوہ کوئی دوسرا مقدم نہ ہو

قولہ من معمولاتہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فاعل میں اصل اگر فعل سے متصل ہونا ہے تو بارکات تعالیٰ کے قول کفی باللہ شہیداً میں اسم جلالہ فاعل ہے وہ فعل سے متصل کیوں نہیں بیچ میں بارہا مل کیوں ہے؟ جواب یہ کہ متصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ فعل و فاعل کے درمیان فعل کا کوئی دوسرا معمول فاعل کے علاوہ نہ ہو اور اسم جلالہ پر بار زائدہ ہے ظاہر ہے وہ فعل کے معمولات سے نہیں۔

قولہ لانه کالجزء۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ فعل و فاعل حقیقہً دو جدا جدا کلمہ ہیں لیکن فاعل اپنے فعل کے جزو کے مشابہ ہے کیونکہ کل جس طرح اپنے وجود و تصور میں جزو کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح فعل اپنے وجود و تصور میں فاعل کا محتاج ہے جیسا کہ گذرا البتہ مفعول کہ فاعل اگرچہ اس کا بھی محتاج ہوتا ہے لیکن وجود میں تصور میں نہیں اس لئے کہ فعل کے معنی جو تین گزرے وہ مفعول کو شامل نہیں یدل علی ذلک میں ذلک کا مشار الیہ کون الفاعل کا بخیر ہے مطلب یہ کہ ضربت میں لام کلمہ کا سکون فاعل کا جزو کے مشابہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ جو کلمہ واحدہ کے منزل میں ہو اس پر یہیم چار حرکتیں نہیں آئیں۔

لانه لا یقتضی تقدّم الفاعل علی سائر معمولات الفعل جازاً ضرب غلامہ نريد
لقد مرجع الضمیر و هو نريد تسمیة فلا یلزم الاضمار قبل الذکر مطلقاً بل لفظاً فقط

وذلك جائز

ترجمہ:۔ (پس اسی) اصل کی وجہ سے جو فعل کے تمام معمولات پر فاعل کے تقدم کو مقتضی ہے (جائز) ہے ضرب علامہ زید کی ترکیب کیونکہ ضمیر کا مرجع اور وہ زید رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے پس اضمار قبل الذکر مطلقاً لازم نہ آئے گا بلکہ صرف لفظاً لازم آئے گا اور وہ جائز ہے۔

تشریح:۔ بیاناً فلذالک۔ قابل سے تفریح اور لام برائے تعلیل ہے جس کا تعلق جائز موخر ہے اور اس کی تقدیم محض صرح کے لئے ہے اور ذلک کا اشارہ الیہ اصل مذکور ہے معنی یہ ہوا کہ پہلی مثال کے جائز ہونے اور دوسری مثال کے متعین ہونے کا علم اصل مذکور کے علم پر متفرع اور اس سے حاصل ہے تفصیل یہ ہے کہ پہلی مثال ضرب علامہ زید میں زید فاعل اگرچہ ضرب فعل سے لفظ کے اعتبار سے متصل نہیں کیونکہ مرجع میں علامہ زید فاعل ہے لیکن رتبہ کے اعتبار سے وہ ضرور متصل ہے پس اضمار قبل الذکر مطلقاً لازم نہ آیا البتہ لفظاً ضرور لازم آیا مگر وہ جائز ہے لیکن دوسری مثال ضرب علامہ زید میں فاعل اگرچہ فعل سے لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے متصل ہے لیکن چونکہ اس کے ساتھ مفعول کی ضمیر لاحق ہے اس لئے اضمار قبل الذکر لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے لازم آیا جو ممنوع ہے۔ خیال رہے کہ اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر عمدہ یعنی فاعل میں جائز ہوتا ہے اور مثال مذکور فضلہ یعنی مفعول میں ہے اسی وجہ سے تنازع فعلان کے وقت فعل ثانی کو عمل دیا جاتا ہے اور مفعول کی ضمیر نہیں لائی جاتی جبکہ اس کا مفسر اسم ظاہر موجود ہو۔ اور اضمار قبل الذکر لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے پانچ مقاموں میں جائز ہے (۱) ضمیر رب میں جیسے رتبة رجلاً لقیث (۲) ضمیر ضم میں جیسے رتبة رجلاً زید (۳) ضمیر شان و قصہ میں جیسے رتبة زید قائمہ و محی کھنڈ ضامن بنة (۴) باب تنازع فعلان میں جیسے ضربی واکرمی زید (۵) بدل منظر از منظر میں جیسے ضربہ زید کذا فی جامع الغوص۔

قولہ لتقدم مرجع۔ یہ دلیل ہے اس ترکیب کے جائز ہونے کی جس کا حاصل یہ کہ اس ترکیب کو ممنوع ہونا چاہئے کیونکہ اس میں علامہ کی ضمیر کا مرجع زید موخر ہے جس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو ممنوع ہے لیکن اصل مذکور سے معلوم ہوا کہ زید اگرچہ لفظ کے اعتبار سے ضمیر سے موخر ہے لیکن رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے کیونکہ وہ فاعل ہے جو مقدم ہوتا ہے اور ضمیر مفعول کے ساتھ لاحق ہے۔ اور جو اضمار قبل الذکر ممنوع ہے وہ لفظ کے علاوہ رتبہ کے اعتبار سے بھی موخر ہونے سے۔

واعتنع ضرب علامہ زید الآخر مرجع الضمیر وھو زید لفظاً ورتبہ فیلزم الإختصار قبل الذکر لفظاً ورتبہ وذلک غیر جائز خلاف للاختفش واثبت جتی ومنتدھما فی ذلک قول الشاعر شعر جزئی ربہ عتی عتی مدنی بن حاتم جراء الکلاب العادیات وقد فعلت واجب عنہ بآت ہذا الضرورة الشعر أو المراد عدم جواز فی سعة الکلام وبانہ لا یسلم ان الضمیر یرجع الی العدی بل الی المصدر الذی یدلک علیہ الفعل ائی جزئی رب

الجناء

ترجمہ:۔ اور اور نا جائز ہے ضرب علامہ زید کی ترکیب کیونکہ ضمیر کا مرجع اور وہ زید لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے موخر ہے پس اضمار قبل الذکر لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں۔ اخفش اور عثمان ابن جنی خلاف ہیں اور اس کے جواز میں ان دونوں کی دلیل شاعر کا قول ہے۔ ترجمہ شعر کا یہ ہے عدی بن حاتم کا رب اے میری طرف سے ایسی جزا دے جو عادی سمجھنے والے کتوں کو دی جاتی ہے اور وہ بے شک سے دے بھی چکا۔ دلیل مذکور کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ ضرورت شعری کی وجہ سے ہے اور اضمار قبل الذکر کے جائز ہونے سے مراد شعر کلام میں ہے اور اس طرح بھی جواب دیا گیا ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ضمیر عدی کی طرف راجع ہے بلکہ اس مصدر کی طرف راجع ہے جس پر فعل دلالت کرتا ہے یعنی عبزی رب الجراء۔

تشریح:۔ بیاناً واعتنع۔ اس کا فاعل ترکیب ہے جس طرح جائز کا فاعل بھی ترکیب ہے۔ اس ترکیب کے ممنوع ہونے کی وجہ مفعول کی ضمیر کا فاعل کیساتھ لاحق ہونا ہے کیونکہ ضمیر مرجع کے تقدم کو مقتضی ہے اور مرجع یہاں مفعول ہے جو موخر ہے پس ضمیر کا ذکر لفظ و رتبہ دونوں اعتبار سے پہلے لازم آیا جو ممنوع ہے لفظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے لیکن رتبہ کے اعتبار سے اس لئے کہ وہ فاعل کے ساتھ لاحق ہے جس کا مقام مقدم ہے اور مرجع مفعول ہے جس کا مقام موخر ہے۔

قولہ خلاف للاختفش۔ اضمار قبل الذکر جو ممنوع ہے وہ مہور نجات کے نزدیک لیکن اخفش و عثمان ابن جنی جواز کے قائل ہیں وہ دلیل میں زیادہ بن معاویہ کے اس شعر کو پیش کرتے ہیں کہ جزئی رب بنی بن رتبة فاعل متصل ہے جس کی ضمیر عدی بن حاتم مفعول کی طرف راجع ہے جو لفظ و رتبہ دونوں اعتبار

سے موخر ہے اور زیادہ بن معاویہ ان شعرا میں سے ہیں کہ جن کا کلام اہل عرب کے نزدیک سند ہے۔ شعر میں کلام عادیات سے مجازاً شریہ انسان مراد ہیں مناسبت ظاہر ہے کہ کتا جس طرح ہر دو بار سے نکالا جاتا ہے اسی طرح شریہ انسان بھی۔ معنی حقیقی بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

قولہ ابن جنی۔ اخفش کی وجہ تسمیہ گذر چکی لیکن جنی کی یہ ہے کہ وہ بچپن میں کہیں پھینک دیا گیا تھا جب وہ لوگوں کے ہاتھ آئے تو کہنے لگے کہ وہ جن کی اولاد سے ہے یہ جبکہ یا اس میں نسبت کی ہو لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ عرب سے گئی کا۔

قولہ وأجیب عنہ۔ جمہور کی طرف سے دلیل مذکور کا دو جواب دیا گیا ہے ایک یہ کہ شعر میں ضمیر کے مرجع کو جو موخر کیا گیا ہے وہ ضرورت شعری کی وجہ سے کیونکہ اس کے برعکس کرنے سے شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ الضرورات تبيح المحذورات اور وہ کہا گیا ہے کہ اضمار قبل الذکر ممنوع ہے وہ نہ کلام میں اور نہ نظم کلام میں ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ ضمیر کا مرجع عدی بن حاتم نہیں بلکہ وہ مصدر ہے جس پر جزی فعل دلالت کرتا ہے اصل عبارت یہ ہے جزی رب الجناہ جس طرح باری تعالیٰ کا قول ہے اعدوا لہم اقرب للتقویٰ میں ہو کا مرجع عدل ہے جو اعدوا سے مستفاد ہے

وإذا انتفى الاعراب الدال على فاعلية المفعول بالوضع لفظاً فيهما أي في الفاعل المتكلم ذكر كصريحاً في ضمن الأمثلة والمفعول المتكلم ذكر في ضمن الأمثلة

ترجمہ: — اور جب منتفی ہو اعراب جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر وضع کے اعتبار سے دلالت کرتا ہے (لفظی طور پر ان دونوں میں) یعنی فاعل میں کہ جس کا ذکر پہلے مراۃ اور مثالوں کے ضمن میں بھی گذرا اور مفعول میں کہ جس کا ذکر مثالوں کے ضمن میں پہلے گذرا۔

تشریح: — بیانتہ وإذا انتفی۔ فاعل کا دو سراحکم یہ ہے کہ اس کو مفعول پر مقدم کرنا ضروری ہے اس کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ فاعل و مفعول میں سے ہر ایک سے اعراب لفظی اور قرنیہ دونوں منتفی ہوں جیسے ضرب موسیٰ عیسیٰ اور شمت سعدی سبکی میں فاعل و مفعول پر نہ اعراب لفظی ہے اور نہ کوئی قرنیہ ہے۔ علی کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرتے ہیں یہاں فاعل کو مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ التال ختم ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ جو مقدم ہے وہ فاعل ہوگا اور جو موخر ہے وہ مفعول ہوگا۔

قولہ الدال۔ ماقبل میں مطلق اعراب کی تعریف بیان کی گئی تھی اور یہاں اس اعراب کی بیان کی جاتی ہے جو فاعل و مفعول پر ہوتا ہے کہ اعراب وہ ہے جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر باعتبار وضع دلالت کرے جیسے ضرب زید خالداً میں رفع باعتبار وضع فاعل ہونے پر اور نصب باعتبار وضع خالداً کے مفعول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ آی فی الفاعل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں فیہما کی ضمیر مجرور کا مرجع فاعل و مفعول کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ فاعل اگرچہ ماقبل میں مذکور ہے لیکن مفعول نہیں پس اضمار قبل الذکر لازم آیا جو ممنوع ہے جواب یہ کہ مرجع ماقبل میں کبھی مراۃ مذکور ہوتا ہے اور کبھی ضمناً اور مفعول اگرچہ ماقبل میں مراۃ مذکور نہیں لیکن مثالوں کے ضمن میں مذکور ہے کیونکہ شئی کی مثال اس کا فرد ہوتی ہے اور فرد کا ذکر کلی کے ذکر کو مستلزم ہوتا ہے۔

والقرنیۃ ای الأمر الدال علیہا لا بالوضع اذ لا یعہد أن یطلق علی ما وضع بیانہ شیء أن فی قرنیۃ علیہ فلا یدفع علیہ أن ذکر الأعراب مستغنی عنہ اذ القرنیۃ شاملۃ لہ وھی اقل لفظیۃ نحو ضربت موسیٰ جلی أو معنویۃ نحو اکل الکثریٰ یحییٰ

ترجمہ: — اور قرنیہ (یعنی وہ امر جو فاعل و مفعول پر وضع کے بغیر دلالت کرے اس لئے کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس امر پر جو کسی شئی کے مقابل میں وضع کیا گیا ہو اس بات کا اطلاق کیا جائے کہ وہ اس پر قرنیہ ہے پس قرنیہ کے بیان پر وارد نہ ہوگا کہ اعراب کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ قرنیہ اعراب کو شامل ہے اور قرنیہ باللفظی ہوگا جیسے ضربت موسیٰ جلی یا معنوی ہوگا جیسے اکل الکثریٰ یحییٰ۔

تشریح: — قولہ آی الأمر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اعراب قرنیہ میں داخل ہے کیونکہ قرنیہ وہ ہے جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرے اور یہی معنی اعراب کا ہے جواب یہ کہ قرنیہ وہ ہے جو دونوں وضع دلالت کرے اور اعراب وہ ہے جو باعتبار وضع دلالت کرے دونوں ایک دوسرے کا غیر اس قرنیہ کا یہ معنی جو مذکور ہوا باعتبار مقام و بحث ہے کہ وہ فاعل و مفعول کا قرنیہ ہے کیونکہ قرنیہ حقیقتہً وہ امر ہے جو مطلق شئی پر دلالت کرے عام ہے کہ وہ شئی فاعلیت و مفعولیت ہو یا کوئی دوسری شئی ہو۔ اعراب لفظی کے ساتھ خاص کیا گیا قرنیہ کو نہیں اس کی وجہ یہ کہ قرنیہ لفظیہ کے انتفاء سے التباس پیدا نہیں ہوتا

جبکہ قرینہ معنویہ کا انتفاء نہ ہو جائے برخلاف اعراب لفظی کے اس کے انتفاء سے التباس پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اعراب کو لفظی کیساتھ خاص کیا گیا۔

قولہ ^۱وَمَا لَظْفِيَّةٍ - قرینہ کی دو قسمیں ہیں لفظیہ و معنویہ قرینہ لفظیہ جیسے ضربت موسیٰ میں تائید ثانیہ جلی کے فاعل ہونے پر قرینہ ہے اور قرینہ معنویہ جیسے اکل الکثریٰ بجلی میں اکل کا معنی بجلی کے فاعل ہونے پر قرینہ ہے۔

أَوْ كَانَ الْفَاعِلُ مَضْرُوعًا مَقْدُومًا بِالْفِعْلِ بَارِزًا أَفْزَرْتُ نَزِيدًا أَوْ مُسْتَكْنًا كَزَيْدٍ ضَرْبٌ غَلَاظُهُ بَشَرًا أَنْ يَكُونَ الْمَفْعُولُ مُتَأَخِّرًا عَنِ الْفِعْلِ لِئَلَّا يَنْقُصَ بَشَرُ نَزِيدٍ أَفْزَرْتُ

ترجمہ: — (یا ہو وہ) فاعل و ضمیر متصل فعل کے ساتھ بارز ہو جیسے ضربت زید یا مستتر ہو جیسے زید ضرب غلامہ اس شرط کے ساتھ کہ مفعول مؤخر ہو فعل سے تاکہ مضاف کی بات زید ضربت کی فعل سے ٹوٹ نہ جائے۔

تشریح: — بیانہ اذکان - دوسری صورت یہ ہے کہ فاعل ایسی ضمیر ہو جو فعل کے ساتھ متصل ہو عام ہے کہ وہ ضمیر بارز ہو جیسے قرأت القرآن میں یا مستتر ہو جیسے غوث الاعظم اعان مریدہ - اس صورت میں فاعل کو متذکرنا اس لئے ضروری ہے کہ متصل منفصل نہ ہو جائے کیونکہ اگر ضروری نہ ہو تو جائز ہو گا کہ مؤخر بھی ہو پس اس سے ضمیر منفصل ہو جائیگا جب کہ مقصود منفصل ہونا ہے۔

قولہ ^۲الْفَاعِلُ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کان فعل ناقص ہے جس کی خبر مفعول موجود ہے لیکن اسم کیا ہے؟ جواب یہ کہ کان کا اسم اس میں ضمیر مستتر ہو ہے جو راجع ہے الفاعل کی طرف جیسا کہ قرینہ بحث اس پر وال ہے۔ اور بالفعل کی تقدیر سے متصلاً کلمہ کو بیان کیا گیا ہے لیکن فعل کا ذکر بطور تفصیل ہے بطور تخصیص نہیں کیونکہ حکم مذکور فعل کے علاوہ شبہ فعل میں بھی پایا جاتا ہے۔

قولہ ^۳بَارِزًا - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ متصل بمعنی مضموم ہے اور یہ مرف ملفوظ میں مضموم ہے مضموم مستتر میں نہیں جبکہ حکم مذکور مستتر میں بھی جاری ہے جواب یہ کہ متصل سے مراد ہے غیر مستقل فی التلفظ یعنی جو تلفظ میں غیر کا محتاج ہو عام ہے کہ وہ بارز ہو جیسے ضربت زید یا مستتر مستکن ہو جیسے زید ضربت غلامہ میں۔

قولہ بشرط أن يكون - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ زید ضربت میں فاعل ضمیر متصل ہے لیکن وہ مفعول پر مقدم نہیں۔ جواب یہ کہ حکم مذکور اس شرط کے ساتھ ہے کہ مفعول فعل سے مؤخر ہو اور مثال مذکور میں مفعول فعل پر مقدم ہے۔

أَوْ قَدْ مَفْعُولُهُ أَيْ مَفْعُولُ الْفَاعِلِ بَعْدَ الْبَشَرِ تَوْسُطُهَا بَيْنَهُمَا فِي صَوَرَتِي التَّقْدِيمِ وَالتَّأَخِيرِ نَحْوَ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ الْأَعْمَلُ أَوْ مَعْنَاهَا نَحْوُ مَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَجَبَتْ تَقْدِيمُهُ أَيْ تَقْدِيمُ الْفَاعِلِ عَلَى الْمَفْعُولِ فِي جَمِيعِ هَذِهِ الصُّوَرِ

ترجمہ: — (یا واقع ہو اس کا مفعول) یعنی فاعل کا مفعول والا کے بعد اس شرط کے ساتھ کہ التقدیم و تاخیر کی دونوں صورتوں میں فاعل و مفعول کے درمیان ہو جیسے ما ضرب زید الأعمار یا الا کے معنی کے) جیسے انما ضرب زید عمرا (تو اس کی تقدیم واجب ہوگی) یعنی فاعل کو ان تمام صورتوں میں مفعول پر مقدم کرنا۔

تشریح: — بیانہ اذوقع - تیسری صورت یہ کہ مفعول فاعل کا الا کے بعد واقع ہو جیسے ما ضرب زید الأعمار جو تہی صورت یہ کہ مفعول فاعل کا معنی الا کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب زید عمرا ان دونوں صورتوں میں فاعل کو مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ تاخیر سے حصر مطلوب فوت ہو جائے جیسا کہ تفصیل آگے مذکور ہے۔

قولہ ^۴أَيْ مَفْعُولُ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں مفعول کی ضمیر کا مرجع فعل ہے یا فاعل اگر فعل ہے تو اضرار قبل الذکر لازم آئے گا کیونکہ وہ ماقبل میں مذکور نہیں اور اگر مرجع فاعل ہے تو اضافت صحیح نہ ہوگی کیونکہ مفعول فعل کا ہوتا ہے فاعل کا نہیں جواب یہ کہ مرجع فاعل ہے جیسا کہ قرینہ بحث اس پر وال ہے اور اضافت صحیح ہے کیونکہ اس کے لئے ادنیٰ مناسبت کافی ہے جو یہاں موجود ہے وہ یہ کہ فاعل و مفعول دونوں ایک عامل کے دو معمول ہونے میں شریک ہیں۔

قولہ ^۵شَرْطُ تَوْسُطِهَا - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ما ضرب الأعمار زید میں مفعول الا کے بعد واقع ہے لیکن فاعل مفعول پر مقدم نہیں جواب یہ کہ حکم مذکور اس شرط کے ساتھ ہے کہ الا فاعل و مفعول کے وسط میں واقع ہو اور مثال مذکور میں الا دونوں کے شروع میں واقع ہے۔

قولہ ^۶التَّقْدِيمِ - تقدیم و تاخیر پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی فی صورة وجوب تقدیم الفاعل و امتناع تاخیر الفاعل - ہر ایک دوسرے کو اگرچہ لازم ہے لیکن اول سے مراۃ صورت واجبہ کو بیان کرنا

مقصود ہے اور دوم سے صورت ممتنعہ کو۔ صورت واجبہ جیسے ماضرب زید بالاعمر اور صورت ممتنعہ جیسے ماضرب عمر بالزید۔

قولہ ائی تقدیم الفاعل۔ اس عبارت سے ضمیر کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور اس کو بھی کہ تقدیم فاعل کا مقدم علیہ مفعول ہے اور شرط و جزا کے بعد کی وجہ سے چونکہ یہ دم ہوتا تھا کہ جیسا کہ تعلق صرف صورت اخیرہ کیساتھ ہے اس لئے فی جمیع ہذہ الصور سے اس کا ازالہ کیا گیا کہ جزا کا تعلق صرف صورت اخیرہ کیساتھ نہیں بلکہ چاروں صورتوں کے ساتھ ہے۔

امانی صورتہ استفاء الاعراب فیہما والقدیمیۃ فللتحریر عن الالتباس و امانی صورتہ کوئی الفاعل ضمیر امتصلاً فلما فاتہ الاتصال الانفصال و امانی صورتہ وقوع المفعول بعد الا لکن بشرط توسطہا بینہما فی صورتہ التقدیم والتاخیر فلما ینقلب الحصر المطلوب فان المفہوم من قولہ ماضرب زید الاعمر انحصاراً ضارباً بیدہ فی عمرہ مع جواز ان یکون عمرہ مضروباً لشخص آخر والمفہوم من قولہ ماضرب عمر الاعمر انحصاراً مضروباً بیدہ فی عمرہ فی عمرہ مع جواز ان یکون عمرہ ضارباً لشخص آخر فلو انقلب احدہما بالآخر لا ینقلب الحصر المطلوب

ترجمہ: — لیکن فاعل و مفعول میں اعراب اور قرینہ کے منتفی ہونے کی صورت میں فاعل کا مقدم ہونا تو التباس سے بچنے کے لئے ضروری ہے لیکن فاعل کا ضمیر متصل ہونے کی صورت میں مقدم ہونا تو اتصال کے انفصال سے منافی ہونے کی وجہ سے ہے اور زہارا کے بعد مفعول کے واقع ہونے کی صورت میں مقدم ہونا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ الا تقدیم و تاخیر کی صورتوں میں فاعل و مفعول کے درمیان ہوتا تو اس لئے ضروری ہے کہ حصر مطلوب بدل نہ جائے کیونکہ قائل کے قول ماضرب زید الاعمر کا مفہوم ہے زید کی ضاربیت کا عمر میں منحصر ہونا اس امر کے جائز ہونے کیساتھ کہ عمر و شخص آخر کا مضروب ہو اور قائل کا قول ماضرب عمر الاعمر کا مفہوم ہے عمر کی مضروبیت کا زید میں منحصر ہونا اس امر کے جائز ہونے کے ساتھ ہے کہ زید شخص آخر کا ضارب ہو پس اگر دونوں میں سے ایک دوسرے سے بدل جائے تو حصر مطلوب بدل جائیگا

تشریح: — قولہ امانی صورتہ۔ متن میں جس ترتیب سے چاروں دعوے مذکور تھے اسی ترتیب سے

یہاں بھی ان کی دلیل بیان کی جاتی ہے دلیل دعویٰ اول کی یہ ہے کہ اعراب لفظی اور قرینہ جب دونوں عبارت سے منتفی ہو جائیں جیسے تحت سعدی سلمیٰ میں تو فاعل و مفعول کے درمیان التباس پیدا ہو جائے گا اس لئے ضروری ہوا کہ فاعل کو مقدم کیا جائے۔

قولہ امانی صورتہ کوئی الفاعل۔ دلیل دعویٰ ثانی کی یہ ہے کہ فاعل اگر ایسی ضمیر ہو جو فعل کیساتھ متصل ہو جیسے علت غیبیہ میں تو فاعل کو مقدم کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر ضروری نہ ہو تو موخر کرنا بھی ممکن ہوگا جس سے متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا جو مقصود کے خلاف ہے کیونکہ مقصود فاعل کا متصل ہونا ہے۔

قولہ امانی صورتہ وقوع المفعول۔ دلیل دعویٰ ثالث کی یہ ہے کہ مفعول جب الا کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب زید الاعمر میں تو فاعل کا مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ حصر مطلوب فوت نہ ہو جائے کیونکہ مثال مذکور سے مقصود یہ ہے کہ زید کی ضاربیت بکر میں منحصر ہے اس لئے کہ حصر الا کے بعد ہوتا ہے پس معنی یہ ہوا کہ زید نے بکر ہی کو مارا کسی دوسرے کو نہیں۔ لیکن ہے بکر کو کسی دوسرے نے بھی مارا ہو پس اگر فاعل کو موخر اور مفعول کو مقدم کر کے یوں کہا جائے ماضرب بکر الاعمر تو مطلوب مذکور فوت ہو جائے گا اور اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ بکر کی مضروبیت زید میں منحصر ہے یعنی بکر کو صرف زید ہی نے مارا کسی دوسرے نے نہیں لیکن ہے زید نے کسی دوسرے کو بھی مارا ہو۔

فانما قلنا بشروط توسطہا بینہما فی صورتہ التقدیم والتاخیر لانہ لو قیل م المفعول علی الفاعل مع الا فیقال ماضرب الاعمر ان یذ لنا ظاہراً ان معناه انحصاراً ضارباً بیدہ فی عمرہ و اذ الحصر انما ہونی مایلی الا فلا ینقلب الحصر المطلوب فلا یجب تقدیم الفاعل لکن لم یستحسنا بعضہم لانہ بن قبیل قصر الصفۃ قبل تمامہا

ترجمہ: — اور ہم نے تقدیم و تاخیر کی دونوں صورتوں میں الا کے فاعل و مفعول کے درمیان ہونے کی شرط کیساتھ اس لئے کہا کہ اگر مفعول کو الا کے ساتھ فاعل پر مقدم کیا جائے تو ماضرب الاعمر ان یذ کہا جائے گا پس ظاہر ہے کہ اس کا معنی ہوگا کہ زید کی ضاربیت عمر میں منحصر ہے اس لئے کہ حصر اس میں ہوتا ہے جو الا سے متصل ہو پس حصر مطلوب نہ بدلے گا تو فاعل کی تقدیم واجب نہ ہوگی لیکن بعض نحویوں نے

اس کو مستحسن نہیں سمجھا ہے اس لئے کہ وہ قصر صفت قبل تمامہا کے قبیل سے ہے

تشریح: قولہ **وَإِنَّمَا قُلْنَا لَاشْرَطَ**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دعویٰ ثالث کو بشرط توسط کے ساتھ کیوں مقید کیا گیا؟ جواب یہ کہ مفعول کو اگر فاعل پر مقدم کر کے اس طرح کہا جائے کہ **مَضْرِبُ الْأَعْمَرِ زَيْدٌ** کو قصر مطلوب فوت نہ ہوگا کیونکہ **إِلَّا** سے جو متصل ہوتا ہے حمزہ سا میں ہوتا ہے پس اس کا معنی **بَعْدُ** ہوگا **مَضْرِبُ زَيْدٍ** **لَا** **فَرَّادٍ** وجب اس صورت میں قصر مطلوب فوت نہ ہوگا تو فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب بھی نہ ہوگا البتہ بعض نحوی مثلاً **أَخْفَشَ وَجْهَ الْقَاهِرِ** و سکاکی وغیرہ نے مستحسن کہا ہے کیونکہ اس صورت میں صفت کا حمزہ اس کے تمام ہونے سے پہلے لازم آتا ہے اس لئے کہ صفت اس وقت تمام ہوتی ہے جب کہ اس کا موصوف مستلزم مذکور ہو جیسے **مَضْرِبُ زَيْدٍ** **لَا** **فَرَّادٍ** میں صفت **مَضْرِبُ** کیساتھ مستلزم مذکور ہے لیکن **مَضْرِبُ الْأَعْمَرِ زَيْدٌ** میں صفت **مَضْرِبُ** کیساتھ مستلزم مذکور نہیں اس لئے اس میں صفت تمام نہیں۔

وَإِنَّمَا قُلْنَا الظَّاهِرُ أَنَّ مَعْنَاهُ كَذَلِكَ الاحتمال ہے کہ اس کا معنی فلاں ہے اس لئے کہ احتمال ہے اس کا معنی یہ ہو ماضی **أَحَدُ الْأَعْمَرِ زَيْدٌ** پس یہ معنی فاعل و مفعول میں سے ہر ایک کی صفت کے دوسرے میں انحصار کا فائدہ دے گا اور وہ بھی خلاف مقصود ہے۔

ترجمہ: اور ہم نے یہ کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنی فلاں ہے اس لئے کہ احتمال ہے اس کا معنی یہ ہو ماضی **أَحَدُ الْأَعْمَرِ زَيْدٌ** پس یہ معنی فاعل و مفعول میں سے ہر ایک کی صفت کے دوسرے میں انحصار کا فائدہ دے گا اور وہ بھی خلاف مقصود ہے۔

تشریح: قولہ **وَإِنَّمَا قُلْنَا الظَّاهِرُ**۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثال مذکور **مَضْرِبُ الْأَعْمَرِ زَيْدٌ** کے معنی زید کی ضاربیت عمر میں منحصر ہونے کو بظاہر کیوں کہا گیا؟ جواب یہ کہ مثال مذکور چونکہ اس معنی کا بھی احتمال رکھتی ہے کہ **مَضْرِبُ أَحَدِ الْأَعْمَرِ زَيْدٌ** یعنی کسی نے کسی کو نہیں مارا مگر زید نے عمرو کو اس میں زید کی ضاربیت عمر میں اور عمرو کی مضروبیت زید میں منحصر ہو جائیگی جو کہ یہ بھی خلاف مقصود ہے سوال مذکور کے جب دو معنی ممکن ہیں تو معنی اول کو بظاہر کیوں کہا گیا؟ جواب معنی اول چونکہ بدلہ مستفاد ہوتا ہے اس لئے اس کو بظاہر کہا گیا۔

وَأَمَّا وَجُوبُ تَقْدِيمِهِ عَلَيْهِ فِي صَوْنِ تَوَقُّعِ الْمَفْعُولِ بَعْدَ مَعْنَى إِلَّا لَأَنَّ الْحَصْرَ بَيْنَهُمَا فِي الْجُزْءِ

الْآخِرِ فَلَمْ يَأْتِ الْفَاعِلُ لَا تَقْلِبُ الْمَعْنَى قَطْعًا

ترجمہ: اور لیکن مفعول کے **إِلَّا** کے معنی کے بعد واقع ہونے کی صورت میں اس سے فاعل کی تقدیم کا ضروری ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قصر یہاں جزو اخیر میں ہے پس اگر فاعل کو مؤخر کر دیا جائے تو لامحالہ معنی بدل جائے گا۔

تشریح: قولہ **وَأَمَّا وَجُوبُ تَقْدِيمِهِ**۔ یہ دلیل ہے دعویٰ رابع کی اور یہ چونکہ دعویٰ ثالث کی دلیل سے بھی مستفاد ہوتی ہے اس لئے اس کو بطور اختصار بیان کیا گیا۔ حاصل یہ کہ مفعول اگر معنی **إِلَّا** کے بعد واقع ہو تو فاعل کو مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ قصر مطلوب فوت نہ ہو جائے اس لئے کہ معنی **إِلَّا** کلمہ **أَمَّا** ہے جس کے آخری جزو میں حمزہ ہوتا ہے پس **أَمَّا مَضْرِبُ زَيْدٍ** **عَمْرٌ** کو اگر یوں کہا جائے **أَمَّا مَضْرِبُ عَمْرٍ** **زَيْدٌ** تو قصر مطلوب لامحالہ فوت ہو جائے گا۔

وَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ أَيْ بِالْفَاعِلِ ضَمِيرٌ مُتَعَلِّقٌ نَحْوُ رَبِّ زَيْدٍ أَوْ مَعْنَى الْفَاعِلِ بَعْدَ إِلَّا المتوسط **تَوَقُّعُ مَعْنَاهُ فِي صَوْنِ تَوَقُّعِ التَّقْدِيمِ** والتاخير نحو **مَضْرِبُ عَمْرٍ** **لَا** **زَيْدٌ** و **فَانْدَتْ** **هَذَا** **الْقَيْدِ** **مِثْلُ مَا عَرَفْتَ** **أَنَّمَا** **تَوَقُّعُ الْفَاعِلِ بَعْدَ مَعْنَاهُ أَيْ مَعْنَى إِلَّا** نحو **لَمَّا مَضْرِبُ عَمْرٍ** **زَيْدٌ**

ترجمہ: اور جب متصل ہو اس کے، یعنی فاعل کے (ساتھ مفعول کی ضمیر) جیسے **مَضْرِبُ زَيْدٍ** **أَعْلَامُ** ریا داغ ہو یا فاعل **إِلَّا** کے بعد جو تقدیم و تاخیر کی دونوں صورتوں میں فاعل و مفعول کے وسط میں ہوتا ہے جیسے **مَضْرِبُ عَمْرٍ** **لَا** **زَيْدٌ** اور **إِلَّا** کے وسط میں ہونے کی قید کا فائدہ اس کی مثل ہے جو ابھی پہچان چکے (یا) واقع ہو فاعل و اس کے معنی (یعنی **إِلَّا** کے معنی کے بعد جیسے **أَمَّا مَضْرِبُ عَمْرٍ** **زَيْدٌ**۔

تشریح: بیانہ **أَذِ اتَّصَلَ**۔ فاعل کا یہ تیسرا حکم ہے کہ اس کو مؤخر کرنا بھی ضروری ہے اس کی بھی چار صورتیں ہیں پہلی یہ کہ فاعل کے ساتھ مفعول کی طرف راجع ہونے والی ضمیر متصل ہو جیسے **مَضْرِبُ زَيْدٍ** **أَعْلَامُ** میں غلام فاعل ہے جس کی ضمیر ضرور زید مفعول کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر وہ ضروری نہ ہو تو جائز ہوگی پس فاعل کا مقدم کرنا بھی جائز ہوگا چنانچہ کہا جائیگا

ضرب غلام زید پس اس سے اضماع قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم آتیگا جو ممنوع ہے

بیانہ اودق - دوسری صورت یہ ہے کہ فاعل الا کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب غلام زید تیسری صورت یہ کہ فاعل معنی الا کے بعد واقع ہو جیسے اضماع ضرب غلام زید دونوں کی وجہ ماقبل سے ظاہر ہے کہ فاعل کو اگر مؤخر کرنا ضروری نہ ہو تو محض مطلوب فوت ہو جائیگا

قولہ المتوسط - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماضرب الا زید غلام اس فاعل الا کے بعد واقع ہے لیکن اس کے باوجود فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا ضروری نہیں جواب یہ کہ اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ فاعل جو الا کے بعد ہو ضروری ہے الا فاعل و مفعول کے وسط میں ہر مثال مذکور میں الا وسط میں نہیں ہے

او اتصل مفعولہ بہ بان یكون المفعول ضمیراً متصلاً بالفعل وهو ای الفاعل غیر ضمیر متصل بہ نحو ضربک زید وجب تاخیرہ ای تاخیر الفاعل عن المفعول فی جمیع هذه الصور

ترجمہ - دیا متصل ہو اس کا مفعول فعل کے ساتھ (یاں طور کہ مفعول ایسی ضمیر ہو جو متصل ہو فعل سے راو رہ) یعنی فاعل (فعل کیساتھ ضمیر متصل نہ ہو) جیسے ضربک زید (تو واجب ہے اس کی) یعنی فاعل کی تاخیر مفعول سے ان تمام صورتوں میں -

تشریح: - بیانہ او اتصل - چوتھی صورت یہ ہے کہ مفعول ایسی ضمیر ہو جو فعل سے متصل ہو اور فاعل اس سے متصل ہو جیسے ضربک زید میں کاف ضمیر مفعول ضرب فعل سے متصل ہے اور زید فاعل ضرب فعل سے متصل ہے۔ اس صورت میں فاعل کو اگر مؤخر کرنا ضروری نہ ہو تو ضمیر متصل مفعول ہو جائے گی جو مقصود کے خلاف ہے

قولہ بان یكون المفعول - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ضرب غلام زید میں مفعول فعل کیساتھ متصل ہے لیکن اس کے باوجود فاعل کو مؤخر کرنا ضروری نہیں جواب یہ کہ مفعول کا فعل کے ساتھ متصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفعول ضمیر ہو جیسے ضربک زید میں اور مثال مذکور میں مفعول ضمیر نہیں بلکہ اسم ظاہر ہے -

قولہ ای تاخیر - اس عبارت سے متن میں ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور اس کو کہ تاخیر فاعل کا مؤخر عنہ مفعول ہے اور یہ چونکہ وہم ہوتا تھا کہ وجب تاخیر صرف صورت اخیرہ کے ساتھ

متعلق ہے تو فی جمیع هذه الصور سے اس کا ازالہ کیا گیا کہ وجب تاخیر کا تعلق صرف صورت اخیرہ کے ساتھ نہیں بلکہ چاروں صورتوں کیساتھ ہے -

الثانی صورت اتصال ضمیر المفعول بہ لئلا يلزم الاضماع قبل الذکر لفظاً ورتبہ واما فی صورۃ وقوعہ بعد الا اضماعاً لئلا ينقلب الحصر المطلوب واما فی صورۃ نہ کون المفعول ضمیراً متصلاً والفاعل غیر متصل لئلا فاقۃ الاتصال الانفصال بتوسط الفاعل الغیر المتصل بینہ وبتوسط الفعل بخلاف ما اذا کان الفاعل ایضاً ضمیراً متصلاً لئلا حیثین مجب تقدیم الفاعل نحو ضربک

ترجمہ: - لیکن مفعول کی ضمیر کے فاعل کیساتھ متصل ہونے کی صورت میں مفعول سے فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا اس لئے ہے کہ اضماع قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم نہ آئے اور لیکن فاعل کے الایا اس کے معنی کے بعد واقع ہونے کی صورت میں فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا اس لئے ہے کہ محض مطلوب فوت نہ ہو جائے اور لیکن مفعول کی ضمیر متصل اور فاعل کی غیر متصل ہونے کی صورت میں فاعل کی تاخیر کا ضروری ہونا اس لئے ہے کہ اتصال، انفصال کے منافی ہے اس واسطے کہ فاعل غیر متصل، مفعول اور فعل کے درمیان ہو اس کے برخلاف جب کہ فاعل بھی ضمیر متصل ہو پس اس وقت فاعل کی تقدیم ضروری ہوگی جیسے ضربک

تشریح: - قولہ الثانی صورۃ - ماقبل میں جس طرح تمام دعویوں کو بیان کرنے کے بعد ہر ایک کی دلیل تفصیل کیساتھ بیان کی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ سابق دلیلوں پر تھوڑی توجہ ہی سے موجودہ دلیلیں حاصل ہو جاتی ہیں اس لئے یہاں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے البتہ ہر دعویٰ کیساتھ دلیل قدر تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے -

قولہ بخلاف ما اذا - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول اگر ضمیر متصل ہو تو فاعل کو مؤخر کرنا ضروری ہے لیکن فاعل بھی اگر ضمیر متصل ہو تو اب کیا کرنا چاہئے؟ جواب یہ کہ فاعل بھی اگر ضمیر متصل ہو تو ایسی صورت میں اس کو مفعول پر مقدم کرنا ضروری ہے جیسے ضربک -

وقد یحذف الفعل الرابع للفاعل لقيام قرینۃ دالۃ علی تعین المحذوف جوازا ای حذف

جائزاً فی ذلک انما کان جواباً لسوال محققین قال من قام سائلاً عن یقوم بم
القیام فیجوز ان تقول نرید بحذف قام ای قام نرید یجوز ان تقول قام نرید بلکن

توضیح:۔۔۔ اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فعل جو فاعل کو رفع دیتا ہے و بوقت قرینہ جو تعین محذوف پر
دلالت کرتا ہے (بطور جواز) یعنی حذف جائز (زید کی شل میں) یعنی اس شل میں جو سوال محقق کا جواب ہو جس
کے جواب میں کہا گیا جس نے کہا من قام؟ سوال کرنے والا ہو اس شخص کے متعلق جس کے ساتھ قیام قائم ہے
پس جائز ہے قام کو حذف کر کے کہے زید یعنی قام زید اور جائز ہے کہ قام کو ذکر کر کے قام زید۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ وقد یحذف۔ فاعل کا جو تھا حکم یہ ہے کہ فاعل کا فعل بوقت قرینہ کبھی جوازاً محذوف
ہوتا ہے اور کبھی وجوباً۔ جوازاً جیسے زید کی شل میں جو من قام کے جواب میں بولا جاتا ہے یعنی جب سائل
من قام سے سوال کرے تو جبب کو قام کے ذکر کے بغیر جائز ہے صرف زید کہے کیونکہ قرینہ حذف فعل پر سوال
محقق من قام موجود ہے۔ خیال رہے کہ قیام میں لام وقت کے لئے ہے تعلیل کے لئے نہیں کیونکہ اگر تعلیل
کے لئے ہو تو قرینہ کا حذف کی علت ہونا لازم آئے گا اور علت سے چونکہ معلول کا تحلف نہیں ہوتا اس لئے
حذف جائز نہیں بلکہ واجب ہو جائیگا جو درست نہیں۔

قوله الرفع للفاعل۔ اس عبارت سے دو سوالوں کے جوابات ہیں ایک سوال یہ کہ حذف کو فعل
کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جب کہ حذف شبہ فعل کا بھی ہوتا ہے دوسرا سوال یہ کہ حذف فعل احکام فعل سے
ہے حالانکہ بحث احکام فاعل سے متعلق ہے۔ جواب سوال اول کا یہ کہ فعل کے اوپر الف لام عہد خارجی کا ہے
جو اس امر پر دال ہے کہ فعل سے یہاں مراد رفع ہے عام ہے کہ وہ فعل ہو یا شبہ فعل جواب سوال دوم کا
یہ ہے کہ فعل چونکہ فاعل کو رفع دیتا ہے اس لئے وہ اس حیثیت سے متعلقات فاعل سے ہوا اور متعلقات
کے احوال چونکہ شئی کے احوال ہونے ہیں اس لئے فعل کے احوال ہی فاعل کے احوال ہوئے البتہ یہ فاعل کا
حال بالواسطہ ہے اور ما قبل میں جو گذرا بلا واسطہ ہے۔

قوله دالة علی۔ قرینہ کبھی تعین معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے مشترک میں اور کبھی تعین حذف
دلالت کرتا ہے کیونکہ قرینہ کا معنی موقع استعمال کے اعتبار سے بدلتے رہتا ہے اور یہاں ہی دوسری
قسم مراد ہے جیسا کہ بحث حذف اس پر دال ہے۔

قوله ای حذفاً جائزاً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں جوازاً منصوب ہے اور منصوب

کی کل بارہ قسمیں ہیں اور یہ ان میں سے کونسی قسم ہے؟ جواب یہ کہ مفعول مطلق ہے یحذف فعل کا لیکن باعتبار حذف
موصوف کے اور مصدر کا عمل چونکہ ذات نہیں ہوتا اس لئے جوازاً بھی جائز مراد لیا گیا اور حذف بھی اگرچہ مصدر
ہی ہے لیکن وہ چونکہ موصوف ہے اور صفت موصوف پر محمول ہوتی ہے اور جب کوئی شئی کسی پر محمول ہو وہ
ذات ہوتی ہے اس لئے حذف ذات ہی ہے

وإنما قد رالفعل دون الخبر لأن تقدیر الخبر یوجب حذف الجملة وتقدیر الفعل حذف
أحد جزأینها والتقلیل فی الحذف أولى

توضیح:۔۔۔ اور فعل کو مقدر کیا گیا نہ خبر کو اس لئے کہ خبر کو مقدر ماننا حذف جملہ کو واجب کرتا ہے اور
فعل کو مقدر ماننا جملہ کے دو جزوں میں سے ایک جز کے حذف کو واجب کرتا ہے اور حذف میں تقلیل
اولیٰ ہے۔

تشریح:۔۔۔ قوله إنما قد رالفعل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ سوال ملفوظ سے یہ معلوم ہے کہ قام فعل
محذوف ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ زید کے بعد محذوف ہو پس وہ حذف فعل کے قبل سے نہ ہو اور جواب یہ کہ زید کے
بعد اگر قام کو محذوف مانا جائے تو زید مبتدا ہوگا اور قام اپنی ضمیر مرفوع فاعل سے مل کر خبر ہوگا اور اگر زید
سے پہلے قام محذوف مانا جائے تو زید فاعل ہوگا بتقدیر اول حذف جملہ ہوگا اور بتقدیر دوم حذف فعل اول
حذف میں چونکہ تقلیل اولیٰ ہوتی ہے اس لئے زید سے پہلے قام فعل کو محذوف مانا جاتا ہے کیونکہ جملہ کے
دو جزوں میں سے ایک کا حذف اولیٰ ہے دو جزوں کے حذف سے

وإذا حذف الفعل جازاً فیما کان جواباً لسوال مقدراً نحو قول الشاعر فی مرقیة یزید بن ہشام
لیس علی البناء للمفعول یزید مرفوع علی انہ مفعول ما لم یسم فاعلاً ضارعاً فی عاقر
ذیل وهو فاعل الفعل المحذوف ای بیکہ ضارعاً بقریة السوال وهو من بیکہ واما
علی مراد بالبناء لیس یزید علی البناء للفاعل ونصب یشید فلیس مما نحن فیہ لخصوصية متعلق
بضارع ای بیکہ من یشید ولا یجوز من مقادیر الخصاء لانہ کان ظہیراً للجزء والاذلاء
واخر البیت یختبط حتماً تطیع الطوائع والختیط السائل من غیر وسیلۃ والا طاحۃ الاھل

والطواغ جمع مطبوخ علی غیر النقیاس کلوا جمع ملقحة واما تعلق بمختلط واما مصدریہ یعنی دیکھ
ایضا من یال بغیر ویدت من اجل اهل الی المہلکات مالہ واما یوسل بہ الی تحصیل المال لانه کان
معطى السائلین بغیر وسیلہ

ترجمہ: — اور اسی طرح فعل جوازی طرہ پر اس مثال میں حذف کیا جاتا ہے جو سوال مقدر کا جواب ہو جیسے
یزید بن ہشام کے مرثیہ میں شاعر کا قول ہے لیکن (یزید) مفعول (یزید) مفعول مالم یسم فاعلہ
ہونے کی بنا پر (ضارع) یعنی عاجز و ذلیل اور سوال مقدر کے قرینہ کی وجہ سے فعل محذوف کا فاعل ہے یعنی یکے
ضارع اور سوال مقدر من یکیک ہے اور لیکن ایک روایت کی بنا پر لیکن یزید معنی للفاعل اور یزید کے نصب کے
ساتھ تو وہ اس قبیل سے نہیں ہے جس میں ہماری بحث ہے (خصوصہ) ضارع سے متعلق ہے یعنی یزید بن ہشام
پر ہر وہ شخص جو مفعول کے انتقام لینے سے عاجز و ذلیل اور تنگ ہو اس لئے کہ یزید بن ہشام عاجز و
اور ذلیل کی پشت پناہ تھا اور بیت کا آخر ہے و مختلط مما تطیع الطواغ اور مختلط سائل بے وسیلہ ہے اور افعال
ہلاک کرنا ہے اور طواغ جمع ہے مطبوخ کی خلاف قیاس پر جیسے لواط جمع ہے ملقحہ کی اور مختلط سے متعلق
ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی یزید بن ہشام پر وہ شخص بھی روئے جو بے وسیلہ سوال کرتا ہے اس وجہ سے کہ اس
کے مال و اسباب کو آفتاب وغیرہ نے ہلاک کر ڈالا ہے کیونکہ وہ سائلوں کو بے وسیلہ دیتے تھے

تشریح: — قولہ کذا یحذف — یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حذف جانز کی دو مثالیں کیوں بیان
کی گئیں؟ جواب یہ کہ حذف فعل کا قرینہ بھی ملغونا و محقق ہوتا ہے اور کبھی مقدر بھی پہلی مثال سوال محقق
کی ہے جو من قائم ہے اور دوسری مثال سوال مقدر کی ہے جو من یکیک ہے۔

قولہ قولہ الشاعر — لفظ قول سے اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ اس شعر کو حذف
جوازی کی مثال میں بیان کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں فعل کو حذف بھی کر سکتے ہیں اور ذکر بھی حالانکہ ممنوع
ہے کیونکہ اس سے وزن بحر سے ساقط ہو جاتا ہے جواب یہ کہ اس کو یہاں اس حیثیت سے بیان کیا گیا
ہے کہ وہ ایک فصیح و بلیغ شاعر کا قول ہے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ شعر ہے پس اس میں حذف بھی ہو سکتا
ہے اور ذکر بھی اور اس شعر کے قائل میں اختلاف ہے بعض نے فرار بن ہشام کو کہا ہے جیسا کہ مطول میں ہے
بعض کا خیال ہے کہ حارث بن ہشام ہے جیسا کہ رمنی میں ہے کچھ لوگوں نے ان کی ماں کو کہا ہے جیسا کہ
مثال میں ہے

قولہ علی البناء للمفعول — اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ لیکن اگر معنی للفاعل ہو جیسا کہ بعض کا
خیال ہے تو وہ اس بحث سے خارج ہو جائے گا کیونکہ سوال مقدر پر وہ نہیں بلکہ معنی للمفعول دلالت کرتا ہے
اس لئے کہ فاعل کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے ایک التباس پیدا ہو جاتا ہے معنی جب یہ کہا جاتا ہے کہ یزید پر
ردیا جائے تو یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ من یکیک یعنی اس پر کون روئے شاعر نے جواب دیا کہ ضارع یعنی وہ
شخص روئے جو لوگوں کی دشمنی کے سبب عاجز و ذلیل و تنگ ہو خیال رہے کہ لیکن مشتق ہے بکار سے اور
بکار اگرچہ فعل لازم ہے جس سے فعل مجہول نہیں آتا لیکن اس کو علی حرف جار کے ذریعہ متعدی کر دیا گیا ہے اصل
عبارت یہ ہے لیکن علی یزید پھر علی کو وزن شعری کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

قولہ واما علی سردایہ — قن کی عبارت میں چار احتمالات ممکن ہیں (۱) لیکن فعل مجہول ہو اور
یزید اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ اور ضارع فعل محذوف یکیک کا فاعل ہو (۲) لیکن فعل معروف ہو اور یزید
اس کا مفعول اور ضارع فاعل ہو (۳) ضارع مبتدا محذوف کی خبر ہو (۴) ضارع ایک فعل مجہول کا مالم یسم
فاعلہ ہو اور یزید منادی ہو اصل میں یا یزید تھا۔ یہاں صرف پہلا احتمال مراد ہے بقیہ تینوں احتمالات بحث سے
خارج ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

قولہ متعلق — خصوصہ میں لام برائے وقت ہے جو متعلق ہے ضارع کے ساتھ پس یہ مفعول فیہ ہے
لیکن فعل مجہول کا ممکن ہے لام برائے سبب ہو پس اس تقدیر پر وہ لیکن کا مفعول نہ ہوگا اور خصوصہ الی
اسم من ہے لیکن جمع یعنی خصم کے معنی میں ہے اس سے پہلے مقاومت مضاف مقدر ہے اور ائی یکیک من
یذل سے تفسیر ہے ضارع کی جس سے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ خصوصہ جار مجرور کا متعلق ضارع ہے اور وہ
اس کا عامل ہے کیونکہ شئی کا متعلق اس کا عامل ہوتا ہے لیکن ضارع اسم فاعل ہے جس کے عامل ہونے کے لئے
یہ ضروری ہے کہ اس سے پہلے اسم موصول حرف نفی وغیرہ کا اعتماد ہو اور یہاں اس سے پہلے کوئی اعتماد مذکور نہیں
جواب یہ کہ ضارع اگرچہ اسم فاعل ہے لیکن وہ اپنے معنی اصلی پر نہیں بلکہ من یذل و یجز کے معنی میں ہے جس سے
پہلے اسم موصول وغیرہ کا مذکور ہونا کوئی ضروری نہیں لیکن اس تقدیر پر خصوصہ میں لام بمعنی عن ہوگا۔

بیانہ مختلط — مختلط معطوف ہے ضارع پر اور ضارع جطر فعل محذوف کا فاعل ہے اسی طرح
مختلط بھی فعل محذوف کا فاعل ہوگا۔ مختلط کہتے ہیں سائل بے وسیلہ کو اور مما تطیع میں شاعر اصل من مانتھا
جس میں اس لئے تعلیل ہے جو مختلط کے ساتھ متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے اور تطیع مشتق ہے اطاعت بمعنی
اہلاک سے اور طواغ بمعنی مہلکات و حوادث زمانہ خلاف قیاس جمع ہے مطبوخ کی کیونکہ قیاس کے مطابق جمع

مطہات ہے مگر وہ مستقل نہیں جس طرح واقع خلاف قیاس جمع ہے ملقو کی اور قیاس کے مطابق جمع ملقات ہے۔ طراح فاعل ہے تطیع کا جس کا مفعول مالہ محذوف ہے معنی یہ کہ یزید پر وہ شخص روئے جو بے وسیلہ اس وجہ سے سوال کرتا ہے کہ آفات نے اس کے مال و اسباب کو ہلاک کر دیا ہے

وَقَدْ يُحذفُ الْفَاعِلُ الْمُرْتَكِبُ دَالِجَةً عَلَى تَعْيِيهِ وَجُوبًا أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا فِي مِثْلِ قَوْلِهِ تَعَالَى وَإِنَّ أَحَدًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ آتَى فِي كُلِّ مَوْضِعٍ حَذْفُ الْفَاعِلِ ثُمَّ يُسْتَرْفَعُ الْإِبْهَامُ النَّاشِ مِنَ الْحَذْفِ فَإِنَّهُ لَوْ كَبُرَ الْمُسْتَرْجَمُ بَقِيَ الْمُسْتَرْجَمُ بِلِ صَادِحًا بِحَذْفِ الْفَاعِلِ الْمُسْتَرْجَمِ فِيهِ إِبْهَامٌ بَدَلًا مِنْ حَذْفِ الْفَاعِلِ يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُسْتَرْجَمٍ كَقَوْلِهِ جَاءَ نِي رَجُلٌ أَيْ خَرِيدٌ فَقَدْ بَرَأَ الْإِيَّةِ وَإِنَّ اسْتِجَارَةَ أَحَدٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتِجَارَةً فَاحِدٌ نِيهَا فاعِلُ فَعْلٍ مُحذوفٌ وَجُوبًا وَهُوَ اسْتِجَارَةُ لِي الْأَوَّلُ الْمُسْتَرْجَمُ اسْتِجَارَةً

الثاني

ترجمہ: — اور کبھی فعل کو حذف کیا جاتا ہے جو فاعل کو رفع دیتا ہے بوقت قرینہ جو فعل کے تعین پر دلالت کرتا ہے ربط و وجوب یعنی حذف واجب کے طور پر رب تعالیٰ کے قول (وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ) میں (یعنی ایسی جگہ پر جہاں فعل کو حذف کر دیا گیا ہو پھر اس کی تفسیر کی جائے تاکہ وہ ابہام ختم ہو جائے جو حذف سے پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ اگر مفسر بالفتح کو بیان کیا جائے تو مفسر بالکسر مفسر بالکسر باقی نہ رہے گا بلکہ لغو ہو جائے گا برخلاف وہ مفسر جس میں حذف کے بغیر ابہام پیدا ہو تو جائز ہے اس کے اور اس کے مفسر بالکسر کے درمیان جمع کرنا جیسا کہ آپ کا قول ہے جاری رجلٌ آتَى زَيْدٌ پس آیت کی تقدیر ہے وَإِنْ اسْتَجَارَكَ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتِجَارَةً تو اس میں اُحَدٌ فاعل ہے فعل محذوف وجوباً کا اور فعل محذوف وجوباً اسْتِجَارَةً اول ہے جس کی تفسیر استجارہ ثانی سے کی گئی ہے۔

تشریح: — قولہ وَقَدْ يُحذفُ ف۔ یہ اس کا حاصل عطف ہے جو مصنف کے قول وجوباً کا جواز پر ہے کہ فاعل کو رفع دینے والے فعل کو کبھی وجوباً بھی حذف کیا جاتا ہے جب کہ قرینہ تعین فعل پر دلالت کرے جیسے آیت کریمہ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ میں اُحَدٌ پر ان حرف شرط کا دخول حذف فعل پر قرینہ ہے کہ وہ فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں اور یہاں اُحَدٌ اسم پر داخل ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان شرط کے بعد فعل ہے جو عبارت میں محذوف ہے اور اس کی تفسیر آگے استجارہ کرتا ہے لیکن یہ جہور کے نزدیک ہے اور اخفش حرف لہ

کے دخول کو ایسے اسم پر جائز قرار دیتے ہیں کہ جس کی خبر ہو اس تقدیر پر آیت کریمہ حذف وجوبی کی مثال نہ بن سکے گی۔

قولہ أَيْ حَذْفًا وَاجِبًا۔ اس تفسیر کی وجہ ماقبل میں جواز کی تفسیر اُحَدٌ محذوفاً جازاً کے بیان میں گذر چکی ہے اور قولہ تعالیٰ کی تقدیر قول ناس سے اخرا کے لئے ہے اور آیت کریمہ اس سے بدل اسکل واقع ہے یا اس کا مفعول ہے۔

قولہ آتَى فِي كُلِّ مَوْضِعٍ۔ یعنی قاعدہ مذکورہ مثال مذکور ہی کیسا تھ خاص نہیں بلکہ ہر ایسی ترکیب میں ہے کہ جس میں فاعل کو رفع دینے والا فعل حذف کر دیا گیا ہو اور حذف سے جو ابہام پیدا ہوا ہے اس کو دور کرنے کے لئے تفسیر کر دی گئی ہے جیسے آیت کریمہ میں اُحَدٌ کو رفع دینے والا فعل کو حذف کر کے اس کی تفسیر استجارہ سے کر دی گئی ہے کہ اگر دونوں بیان کر دے جائیں تو مفسر مفسر نہ ہو سکے گا بلکہ لغو ہو جائیگا۔

قولہ بِخِلَافِ الْمُسْتَرْجَمِ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفسر بالکسر اور مفسر بالفتح کا اجتماع ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے جیسے جاری رجلٌ آتَى زَيْدٌ میں دونوں جمع ہیں جواب یہ کہ اجتماع اس وقت ممنوع ہے جب کہ مفسر ابہام کو دور کرے کہ وہ ابہام حذف سے ہی پیدا ہوا ہو اور مثال مذکور میں جو ابہام ہے وہ حذف کی وجہ سے نہیں بلکہ رجل کے نکرہ کی وجہ سے جو زید سے اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے برخلاف آیت کریمہ کہ اس میں حذف اس کے ابہام پیدا ہوا ہے۔

وَأَمَّا وَجِبَ حَذْفُهُ لِأَنَّهُ مُسْتَرْجَمٌ قَائِمٌ مَقَامَهُ مُعْنًى عَنْهُ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ مَرْفُوعًا بِالِابْتِدَاءِ لَا مَتَاعَ دَخُولِ حَرْفِ الشَّرْطِ عَلَى الْأَسْمَاءِ لِأَنَّهَا لَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا حَرْفُ الْفِعْلِ

ترجمہ: — اور استجارہ اول کا حذف اس لئے واجب ہے کہ اس کا مفسر بالکسر اس کا قائم مقام ہے جو اس سے بے نیاز کر دیتا ہے اور جائز نہیں ہے کہ اُحَدٌ مرفوع ہو ابتداء کی وجہ سے اس لئے کہ اسم پر حرف شرط کا دخول متنع ہے بلکہ اس کیلئے فعل ضروری ہے۔

تشریح: — قولہ وَأَمَّا وَجِبَ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اس صورت میں حذف فعل واجب کیوں ہے؟ جواب یہ کہ حذف پر قرینہ موجود ہونے کے علاوہ فعل محذوف کا قائم مقام بھی موجود ہے پس اگر فعل کو بیان کر دیا جائے تو مفسر بالفتح اور مفسر بالکسر کا اجتماع لازم آئیگا جو ممنوع ہے کیونکہ اس صورت میں

مفسر بالکسر کا ذکر فضول ہو جائے گا۔

قولہ ولا یحذف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ آیت کریمہ حذف فعل وجوبی کی مثال نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن ہے احد مبتدا ہو اور فعل اس کی خبر ہو اور یہ ان حرف مشبہ بالفعل ہے جو مشتق سے مخفف ہو گیا ہے اور وہ مبتدا و خبر پر داخل ہوتا ہے۔ جواب یہ کہ یہ ان حرف شرط ہے جو فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں وہ یہاں اسم پڑا فعل ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد فعل محذوف ہے اور احد اس کا فاعل ہے اور یہ ان حرف مشبہ بالفعل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے بعد فاعل اس کی جڑا مذکور ہے جو ان کے شرطیہ ہونے پر قرینہ ہے آیت کریمہ کا معنی یہ ہے اے محبوب مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دیدیجئے۔

لہ

وَقَدْ يَحْذَرُ فَاِنَّ الْفَعْلَ وَمَعَادُونَ الْفَاعِلِ وَحْدًا فِي مَثَلِ نَعْمَ جَوَابًا لَّنِ قَالَهُ اَقَامَ نَزِيدٌ اَي نَعْمَ قَامَ نَزِيدٌ فَحَذَرْتُ الْجَمْلَةَ الْفَعْلِيَّةَ وَذَكَرْتُ نَعْمَ فِي مَقَامِهَا

ترجمہ: — اور کبھی دونوں حذف کئے جاتے ہیں (یعنی فعل و فاعل ایک ساتھ) صرف فاعل نہیں رہنے کی مثال میں بحالت جواب اس شخص کے لئے کہ جس نے اقام زید کہا (یعنی نعم قائم زید پس جملہ فعلیہ کو حذف کر کے نعم کو اس کی جگہ پر بیان کر دیا گیا۔

تشریح: — بیانہ وقد یحذف فان۔ اس مقام پر تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ محذوف صرف فعل رافع ہو اس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا دوسری یہ کہ محذوف صرف فاعل ہو اس سے سکوت کیا گیا ہے جو عدم جواز پر قرینہ ہے کیونکہ سکوت مقام بیان میں دلیل عدم ہوتی ہے تیسری صورت جیسا کہ یہاں مذکور ہے یہ ہے کہ محذوف فعل اور فاعل دونوں ایک ساتھ ہوں جیسے نعم جو اقام زید کے جواب میں محمول ہے۔ جائز ہے فعل و فاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کر کے صرف نعم کہا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ قائم زید کہا جائے۔

قولہ دون الفاعل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جب صرف فعل محذوف ہو سکتا ہے اور فعل و فاعل دونوں تو صرف فاعل کو بھی محذوف ہونا چاہئے۔ جواب یہ کہ صرف فاعل محذوف نہیں ہو سکتا کیونکہ نسبت الی فاعل تا فعل کے معنی کا جز ہے تو اگر صرف فاعل محذوف ہو اور فعل مذکور تو فعل موجود ہوگا بغیر نسبت کے جو ممنوع ہے۔ لیکن اگر فعل محذوف ہو فاعل نہیں یا دونوں محذوف ہوں تو کوئی نقص لازم نہیں آتا ہے۔

وهذا الحذف جائز بقریۃ السؤال لا واجب لعدم قیام ما یؤدی مؤداً فی مقامہ کالمفسر نیز م فی الکلام استدراکاً فانما قد مر ان الجملة الفعلية لا الاسمية بان یقال ائی نعم نَزِيدٌ قَامَ لیکون الجواب مطابقاً للسؤال فی کونہ جملة فعلية

ترجمہ: — اور یہ حذف بقریۃ سوال جائز ہے واجب نہیں اس لئے کہ قائم زید کی جگہ پر کسی ایسی چیز کا قیام نہیں جو مفسر کی مانند اس کے مفہوم کو ادا کر سکے کہ کلام میں نعم کے ساتھ محذوف کے ذکر کرنے میں بلا فائدہ زیادتی لازم آتی ہے اور جملہ فعلیہ مقدر مانا گیا اسمیہ نہیں اس طرح نہیں کہا گیا ائی نعم زید قائم تاکہ جملہ فعلیہ ہونے میں جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔

تشریح: — قولہ وهذا الحذف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ حذف جائز نہیں بلکہ سابق کی طرح حذف واجب ہے کیونکہ جس طرح مفسر بالفتح کو حذف کر کے اس کی جگہ پر مفسر بالکسر کو رکھا جاتا ہے اسی طرح فعل و فاعل کو حذف کر کے اس کی جگہ پر نعم کو رکھا جاتا ہے جواب یہ کہ حذف جائز اس لئے ہے کہ اس پر قرینہ سوال مذکور ہے اور حذف واجب اس لئے نہیں کہ محذوف کا قائم مقام کوئی لفظ نہیں ہوتا کیونکہ جب کوئی لفظ کسی کا قائم مقام ہو تو اس کے ہوتے ہوئے حذف واجب ہوتا ہے تاکہ کلام میں استدراک لازم نہ آئے اور نعم حرف ہے جو نہ فعل کا قائم مقام ہو سکتا ہے اور نہ فاعل کا اور نہ دونوں کا کیونکہ محذوف غیر مستقل ہے اور فعل و فاعل دونوں مستقل اور غیر مستقل، مستقل کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور یا محذوف نہ بھی اگرچہ غیر مستقل ہے جو ادعو مستقل کے قائم مقام ہوتا ہے لیکن اس کا قائم مقام ہونا اسمائی ہے پس اس پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

قولہ انما قد مر البجلة۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نعم کے بعد قائم زید جملہ فعلیہ کیوں محذوف مانا جاتا ہے؟ جب کہ زید قائم جملہ اسمیہ بھی محذوف مانا جاسکتا ہے جواب یہ کہ سوال کو جو جملہ فعلیہ سے بیان کیا گیا ہے اس لئے جواب ہے اس میں بھی جملہ فعلیہ کو محذوف مانا جاتا ہے تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔

وَرَأَى اَتَانًا مِّنَ الْفُلُوحِ اِذَا التَّنَائُحُ مَجْدِي فِي غَيْرِ الْفَعْلِ اَيْ اَتَانٌ حَزَنٌ يَدُ مَعْطٍ وَتَكْرِيْمٌ

عمراد بکر کریم و شریف ابوہ و اقتصّر علی الفعل لا مآلتہ فی العمل و انشا قال الفعلان مع ان التنازع قد يقع فی اکثر من فعلین اقتصاراً علی اقل مراتب التنازع و هو الاثنان

ترجمہ: — اور جب تنازع کریں دو فعل بلکہ دو عامل اس لئے کہ تنازع فیہ فعل میں بھی جاگی ہوتا ہے جیسے زید معطوف مکرم عمراد بکر کریم و شریف ابوہ اور مصنف نے فعل پر اس لئے اقتصار فرمایا کہ وہ عمل میں اصل ہے اور مصنف نے فعلان بصیغہ تثنیہ فرمایا وجود یکہ تنازع کبھی دو فعل سے زائد میں بھی ہوتا ہے مراتب تنازع کے اقل پر اکتفا کرتے ہوئے اور وہ اقل دو ہیں۔

تشریح: — بیانہ اذا تنازع۔ اس سے قبل فاعل کی جو پانچ حالتیں بیان کی گئیں وہ فاعل فیہ تنازع کی تھیں لیکن یہ چھٹی حالت فاعل تنازع کی ہے جس کا حاصل یہ کہ دو فعل جب اپنے بعد واقع ہونے والے اسم ظاہر میں تنازع کریں تو وہ تنازع کبھی اسم ظاہر کے فاعل ہونے میں ہوتا ہے یعنی اس امر میں کہ دونوں فعل اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہے جیسے ضربی واکرمی زید اور کبھی تنازع اس امر میں ہوتا ہے کہ دونوں اسم ظاہر کو مفعول بنا چاہے جیسے ضربی واکرمی زید۔ خیال رہے کہ تنازع لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی چنانچہ کہا جاتا ہے تنازع القوم اختلفوا و تنازع القوم انشی تخیاذ ابوہ اور یہاں متعدی مراد ہے کہ تنازع جس طرح مرفوع میں ہوتا ہے اسی طرح منصوب و مجرور میں بھی۔ لیکن اس کو یہاں صرف بحث مرفوع میں بیان کیا گیا بحث منصوب و مجرور میں نہیں اس کی وجہ یہ کہ مرفوع کثیر الوقوع ہوتا ہے جو فعل لازم و فعل متعدی دونوں میں واقع ہے اور منصوب صرف فعل متعدی میں واقع ہے اور مجرور صرف فعل لازم میں

قولہ بل العاملان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع جس طرح فعل میں ہوتا ہے اسی طرح مشبہ فعل میں بھی جیسے زید معطوف مکرم عمراد بکر کریم معطوف مکرم میں سے ہر ایک مقتضی ہے کہ عمر کو مفعول بنا اور بکر کریم و شریف ابوہ میں کریم و شریف میں سے ہر ایک مقتضی ہے کہ ابوہ کو فاعل بنا ہے جواب یہ کہ فعل سے مجازاً عامل مراد ہے جو از قبیل اطلاق خاص و مراد عام ہے خیال رہے کہ بل یہاں ترقی کے لئے آیا ہے اعراض کیلئے نہیں ورنہ تنازع کا فعل میں واقع نہ ہونا لازم آئے گا۔

قولہ اقتصّر۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تنازع سے جب مطلق عامل مراد ہے تو تنازع الفعلان کیوں کہا گیا؟ تنازع العاملان کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ فعل چونکہ عمل میں اصل ہے کہ وہ بلا شرط عمل کرتا ہے اور شبہ فعل کو عمل کرنے کے لئے شئی آخر پر اعتقاد ضروری ہے اس لئے فعل کے تنازع کو بیان کیا گیا

قولہ وانما قال۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع کبھی دو فعل سے زائد میں بھی واقع ہوتا ہے بخاری شریف میں ہے تسخون و تمجدون و تکبرون و برکون صلوٰۃ ثلاثا و ثلاثین پس اس کو دو فعل کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا؟ جواب یہ کہ دو کا ذکر یہاں تخصیص کے لئے نہیں بلکہ اقل مراتب کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ تنازع کے لئے کم سے کم دو فعل کا ہونا ضروری ہے البتہ کبھی دو سے زائد بھی ہو سکتے ہیں۔

ظاہر ائی اسما ظاہر اوقاتاً بعدہا ای بعد الفعلین اذ المتقدم علیہما أو المتوسط بینہما معمولی للفعل الاول اذ هو یستحق قبل الثاني فلا یكون فیہ مجال التنازع

ترجمہ: — (ظاہر میں) یعنی اسم ظاہر میں جو واقع ہو (ان دو کے بعد) یعنی دو فعل کے بعد کیونکہ جو دونوں فعلوں پر مترم یا ان دونوں کے وسط میں ہو گا وہ فعل اول کا معمول ہو گا اس لئے کہ وہ فعل ثانی سے قبل اس کا مستحق ہے پس اس میں تنازع کا کوئی مجال نہیں۔

تشریح: — قولہ ائی اسما ظاہر ا۔ اس تفسیر سے یہ اشارہ ہے کہ ظاہر ا ایسا اسم ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے اور یہاں اس کا موصوف اسم ہے اور واقعاً کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ بعد ہا ظرف ہے جو اس کے ساتھ متعلق ہے اور وہ بھی صفت ہے اسمائی۔

قولہ اذ المتقدم۔ یہ دلیل ہے اسم ظاہر کا دونوں فعل کے بعد واقع ہونے کی جس کا حاصل یہ کہ اسم ظاہر اگر دونوں فعل کے بعد واقع نہ ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دونوں پر مقدم ہو گا جیسے زید ضربی واکرمی یا دونوں کے وسط میں ہو گا جیسے ضربی زید واکرمی دونوں صورتوں میں اسم ظاہر فعل اول کا معمول ہو گا اس لئے کہ وہ مقدم ہے اور قاعدہ ہے افضل للمتقدم پس ان کے اندر تنازع نہ ہو گا کیونکہ تنازع کے لئے ہر ایک کا بدلیت کے طور پر معمول ہونا ضروری ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے

و معنی تنازعہما فیہ انہما بحسب المعنی یتوجہان الیہ و یصح ان یتکون ہو مع و تو معنی فی ذلک الموضع معمولاً لکل واحد منهما علی البدل فیحشد لیتصور تنازعہما فی الضمیر المتصل لأن المتصل الواقع بعدہما یتکون متصلاً بالفعل الثاني و هو مع کونہ متصلاً بالفعل الثاني لا یجوز ان یتکون معمولاً للفعل الاول کما لا یخفى

متوجہ:۔ اور اسم ظاہر میں تنازع فعلان کا معنی یہ ہے کہ دونوں فعل باعتبار معنی اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اور یہ صحیح ہو کہ وہ اسم ظاہر باوجود اس جگہ پر واقع ہونیکے دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کا بدلیت کے طور پر معمول ہو سکے پس اس وقت ضمیر متصل میں تنازع فعلان مقصور نہ ہوگا اس لئے کہ ضمیر متصل جو دونوں کے بعد واقع ہوگی وہ فعل ثانی کے ساتھ متصل ہوگی اور وہ باوجود فعل ثانی کے ساتھ متصل ہونے کے جائز نہیں ہے کہ فعل اول کا معمول ہو سکے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

تشریح:۔ قولہ ومعنی تنازعہما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع نام ہے کسی چیز میں باہم جھگڑا کرنے کا اور یہ جاندار کی صفت ہے اور فعل جاندار نہیں پس اس کی طرف تنازع کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔ جواب یہ کہ تنازع کا یہ معنی جو مذکور ہوا لغوی ہے جو یہاں مراد نہیں بلکہ مراد اصطلاحی معنی ہے اور وہ یہ کہ دونوں فعل باعتبار معنی اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اور وہ بدلیت کے طور پر ہر ایک کا معمول ہو سکے پس تنازع میں دو امر ضروری ہوں گے ایک عامل کی طرف سے دوسرا معمول کی طرف سے عامل کی طرف سے یہ کہ ہر ایک عامل اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہو معمول کی طرف سے یہ کہ اسم ظاہر کا ہر ایک کے لئے معمول ہونا صحیح ہو اور یہ ضمیر متصل میں مقصور نہیں ہے اس لئے کہ ضمیر متصل جو دونوں فعلوں کے بعد واقع ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ فعل ثانی سے متصل ہوتی ہے اس لئے کہ فعل اول سے متصل ہونے کی صورت میں دونوں فعل کے بعد نہیں بلکہ فعل ثانی سے پہلے ہوگا اور جب یہ فعل ثانی سے متصل ہے تو معمول اسی کا ہوگا فعل اول کا نہیں کہ اس کے معمول ہونے کے لئے فعل ثانی سے جدا کرنا پڑے گا اور وہ اس تقدیر پر ضمیر متصل نہیں بلکہ منفصل ہو جائیگی جو مقصود کے خلاف ہے

قولہ بحسب المعنی۔ اس عبارت سے جو توجہاں سے پہلے ہے اس دم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ توجہ مانو ذہبے مواجہت سے اور مواجہت جاندار کے ساتھ خاص ہے اور ظاہر ہے فعل جاندار نہیں حاصل ازالہ کا کہ توجہ سے مراد محب معنی و مفہوم ہے اور یہ جاندار کے علاوہ کو بھی شامل ہے

وَأَمَّا الضَّمِيرُ الْمَفْصُلُ الْوَاقِعُ بَعْدَ هُمَا نَحْوِ مَا ضَرَبَ دَاكِرْمُ الْإِنَا فَبِهِ تَنَازَعٌ لَكِنْ لَا يُمْكِنُ قَطْعُهُ بِنَا
هُوَ طَرِيقُ الْقَطْعِ عِنْدَ هُمَا وَهُوَ إِضْمَارُ الْفَاعِلِ فِي الْأَوَّلِ عِنْدَ الْبَصَرِ يَنْوِي فِي الثَّانِي عِنْدَ الْكُفْيَةِ
لَا أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ إِضْمَارُهُ مَعَ الْإِنَا لِأَنَّهُ حَرْفٌ لَا يَصِحُّ إِضْمَارُهُ وَلَا يَدُونُهُ لِفَسَادِ الْمَعْنَى لِأَنَّهُ يُفِيدُ
نَفْيَ الْفَعْلِ عَنِ الْفَاعِلِ وَالْمَقْصُودُ اثْبَاتُهُ لَهُ وَمَرَادُ الْمُصَنِّفِ بِالتَّنَازُعِ هُنُمَا مَا يَكُونُ طَرِيقُ قَطْعِهِ
إِضْمَارُ الْفَاعِلِ وَلِهَذَا اخْتَصَّهُ بِالِاسْمِ الظَّاهِرِ

تدجہ:۔ اور لیکن ضمیر منفصل جو دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو جیسے ما ضرب داکرم الا اناس میں تنازع ہوگا لیکن اس کا قطع اس طریقہ سے ممکن نہیں جو خوبیوں کے نزدیک واقع ہے اور وہ بصریوں کے نزدیک فعل اول میں فاعل کی ضمیر لانا ہے اور کوئیوں کے نزدیک فعل ثانی میں ضمیر لانا ہے کیونکہ الا کے ساتھ اس کی ضمیر لانا ممکن نہیں اس لئے کہ الا ایک الیسا حرف ہے جس کی ضمیر لانا صحیح نہیں اور نہ الا کے بغیر فساد معنی کی وجہ سے ضمیر لانا صحیح ہے کیونکہ الا کے بغیر ضمیر لانا فاعل سے فعل کی نفی کا فائدہ دیتا ہے حالانکہ مقصود فاعل کے لئے فعل کو ثابت کرنا ہے اور تنازع سے یہاں مصنف کی مراد وہ تنازع ہے جس کے قطع کا طریقہ فاعل کی ضمیر لانا ہے اسی وجہ سے مصنف نے تنازع کو اسم ظاہر کیساتھ خاص فرمایا۔

تشریح:۔ قولہ وَأَمَّا الضَّمِيرُ الْمَفْصُلُ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تنازع اسم ظاہر کے ساتھ کیوں خاص ہے ضمیر مرفوع کے ساتھ کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ ضمیر مرفوع کی دو قسمیں ہیں متصل و منفصل ضمیر متصل میں تنازع نہ ہونیکے لئے کہ وہ مکی لیکن ضمیر منفصل میں جب کہ الا کے ساتھ ہو جیسے ما ضرب داکرم الا اناس میں تنازع اگرچہ مقصور ہے لیکن اس کا قطع ممکن نہیں اس لئے کہ بصریوں کے مذہب پر قطع کا طریقہ فعل ثانی کو عمل دینا اور فعل اول میں ضمیر لانا ہے اور کوئیوں کے مذہب پر فعل اول کو عمل دینا ہے اور فعل ثانی میں ضمیر لانا ہے اور یہاں یہ کسی کا طریقہ جاری نہیں ہوتا کیونکہ دونوں مذہبوں پر الا اناس کا تمام ضمیر لانا ہوگا یا صرف اناس کا بر تقدیر اول فعل میں الا کی ضمیر لانا لازم آئیگا حالانکہ حرف کی ضمیر نہیں لائی جاتی اور بر تقدیر دوم فساد مقصود لازم آئے گا اس لئے کہ شکم کا مقصود ضرب داکرم کا اثبات ہے اور اس تقدیر پر اس کی نفی لازم آتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

قولہ الا اناس۔ ضمیر منفصل کو الا کیساتھ اس لئے مقید کیا گیا کہ بدون الا میں ایک نقص لازم آتا ہے اور الا کے ساتھ میں دو نقص لازم آتے ہیں ایک تو وہی ہے جو مذکور ہوا اگر صرف کا اضمار لازم آتا ہے جو ممنوع ہے اور دوسرا وہ ہے جو بدون الا میں بھی لازم آتا ہے وہ ہے نائب مناب کا متحد ہو جانا اس لئے کہ کسی شئی کی ضمیر اس کا نائب ہوتی ہے جیسے ضرب داکرم ہو میں اگر ہو کہ ضرب کا معمول بنایا جائے تو اکرم میں اس کی ضمیر لائی جائیگی اور اگر اس کو اکرم کا معمول بنایا جائے تو ضرب میں اس کی ضمیر لائی جائے گی اور وہ بھی ہوگی تو نائب مناب میں اتحاد لازم آئیگا جو ممنوع ہے اسی وجہ سے مطلقاً یہ کہہ دیا گیا کہ ضمیر منفصل میں تنازع نہیں ہوتا۔

وَأَمَّا التَّنَازُعُ الْوَاقِعُ فِي الضَّمِيرِ الْمَفْصُلِ فَعَلَى مَذْهَبِ الْكُفَى يَقْطَعُ بِالْحَذْفِ وَأَمَّا عَلَى مَذْهَبِ الْفُصَّاحِ

فیعلا ن معاً واما علی مذہب غیرہا فلا یکن قطعہ لات طریق القطع عندہم الاضار و ہر محتج
کما عرفت

ترجمہ: — اور لیکن وہ متنازع جو ضمیر منفصل میں واقع ہے تو کسائی کے مذہب پر حذف سے قطع کیا جائے
گا اور لیکن فرار کے مذہب پر دونوں فعل ایک ساتھ عامل ہوں گے لیکن ان دونوں کے مذہب پر تو قطع متنازع
مکن نہیں اس لئے کہ نحو یوں کے نزدیک قطع کا طریقہ ضمیر لانے ہے اور وہ محال ہے جیسا کہ آپ پہچان چکے۔
تشریح: — قولہ واما التنازع: — یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ضمیر منفصل میں اگر متنازع ہو جائے تو اس
کا قطع کیا مکن ہے یا نہیں؟ جواب یہ کہ کسائی و فرار کے مذہب پر قطع مکن ہے لیکن اس کے طریقہ قطع میں اختلاف
ہے کسائی کے مذہب پر حذف سے قطع کیا جائیگا کہ ان کے نزدیک حذف جائز ہے اضمار نہیں اور فرار کے مذہب
پر دونوں فعلوں کو عمل دیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک بوقت ضرورت معمول واحد پر دو علتوں کا توار د جائز ہے
ان دو کے علاوہ دوسرے مذہب پر قطع مکن نہیں ہے کیونکہ ان کے مذہب پر طریقہ قطع اضمار ہے اور وہ
اس تقدیر پر متنع ہے جیسا کہ گذرا۔

فقد یكون أى تنازع الفعلين فى الفاعلية بان يقتضى كل منهما أن يكون الاسم الظاهر مفعولاً
لله فيكونان متفقين فى اقتضاء الفاعلية مثل ضربى وكرمى زيدا

ترجمہ: — (پس) تنازع فعلان و کبھی فاعلیت میں ہوتا ہے، بایں طور کہ دونوں فعل میں سے ہر ایک مقتضی
ہے کہ اسم ظاہر اس کا فاعل ہو پس دونوں اقتضاء فاعلیت میں متفق ہوں (جیسے ضربی و کرمی زید)
تشریح: — بیانہ فقد یكون — یہ لفظ کے اعتبار سے جزار شرط ہے اور معنی کے اعتبار سے بیان اقسام
اور تا اس میں جزیائہ ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے پس اس صورت میں یہ لفظ و معنی دونوں اعتبار سے بیان اقسام
ہوگا اور جزار شرط مذکور کی مخدوف ہوگی یعنی اذا تنازع الفعلان ظاہراً بعد ہما فیجوز اعمال کل منہما یا اس کی جزار
یہ ہوگی فان اعلمت الثانی اور فی الفاعلیۃ کیونکہ خبر ہے اور فی المفعولیۃ کا معطوف علیہ بھی اسی طرح فی الفاعلیۃ
والمفعولیۃ کا بھی معطوف علیہ ہے اور مختلفین حال ہے فعلین سے اور اس کا عامل معنی فعل ہے جو یوں کہ
ضمیر ستر سے مستفاد ہے اور فی متنازع میں نابرا سے عطف ہے جس کے جملہ مدخول کا عطف فی الفاعلیۃ پر ہے۔

بیانہ فی الفاعلیۃ: فاعلیت عام ہے کہ وہ فاعل حقیقی ہو یا فاعل حکمی۔ فاعل حقیقی تو ظاہر ہے لیکن
فاعل حکمی مبتدا و خبر وغیرہ ہیں جیسا کہ گذرا۔ اسی طرح مفعولیت بھی عام ہے کہ مفعول حقیقی ہو یا مفعول حکمی۔ مفعول حقیقی
بھی ظاہر ہے لیکن مفعول حکمی وہ مفعول ہے جو حرف جر کے واسطے سے ہو پس متنازع فاعل و مفعول کے علاوہ دوسرے
معمولات میں بھی جاری ہوگا البتہ حال و تیز میں نہیں کہ وہ ہمیشہ نکرہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا اضمار درست نہیں
ہے کیونکہ ضمیر معرف ہوتی ہے اس لئے ضمیر معرف کی لائی جائیگی نکرہ کی نہیں کیونکہ شئی کی ضمیر اس کا نائب
ہوتی ہے۔

قولہ بان یقتضى: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دو فعلوں کا فاعلیت میں متنازع۔ سے کیا مراد ہے؟
جواب یہ کہ اس سے مراد ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہئے جسے ضربی و کرمی زید میں
ہر ایک فعل زید کو فاعل بنانا چاہتا ہے یعنی دونوں فعل زید کو فاعلیت کے مقتضی ہونے میں متفق ہیں

وقد یكون تنازعهما فی المفعولیۃ بان یقتضى كل منهما أن يكون الاسم الظاهر مفعولاً
لله فتفقین فی اقتضاء المفعولیۃ

ترجمہ: — (اور) کبھی تنازع فعلان و مفعولیت میں) ہوتا ہے بایں طور کہ دونوں فعل میں سے ہر ایک مقتضی
ہے کہ اسم ظاہر اس کا مفعول ہو پس دونوں اقتضاء مفعولیت میں متفق ہوں (جیسے ضربی و کرمی زید)
تشریح: — قولہ قد یكون تنازعهما: تنازع فعلان کی یہ دوسری قسم کا بیان ہے کہ دو فعلوں کا تنازع کبھی
مفعولیت میں ہوتا ہے یعنی دونوں فعلوں میں سے ہر ایک اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہئے جسے ضربی و کرمی
زید میں زید کو دونوں فعل مفعول بنانا چاہتے ہیں پس دونوں زید کو مفعولیت کے مقتضی ہونے میں متفق ہیں۔

وقد یكون تنازعهما فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ وذلك یكون علی وجهین أحدهما أن یقتضى كل منهما
فاعلیۃ اسم ظاہر ومفعولیۃ اسم ظاہر آخر فیکونان متفقین فی ذلك الاقتضاء مثل ضرب
وأهان زید عمر وأولیس هذا أقساماً ثالثاً من التنازع بل هو اجتماع القسمین الاولین وثانیهما أن
یقتضى أحد الفعلین فاعلیۃ اسم ظاہر والاخر مفعولیۃ ذلك اسم الظاہر بعینہ ولا شک
فی اختلاف اقتضاء الفعلین فی هذه الصور وهذا هو القسم الثالث القابل للأولین نقول

مختلفین لتخصیص هذه الصورة بالاسماء التي قد يكون تنازع الفعلين واقعا في الفاعلية والمفعولية
حالة كون الفعلين مختلفين في الاختصاص وذلك لا يتصور الا اذا كانت الاسماء الظاهر المتنازع فيه واحدا

ترجمہ: — (اور) کبھی تنازع نعلان (فاعلیت و مفعولیت میں) اور وہ دو طریقوں پر ہے جن میں سے ایک یہ ہے
کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک اسم ظاہر کی فاعلیت اور دوسرے اسم ظاہر کی مفعولیت کو مقتضی ہے پس دونوں اس
اختصاص میں متفق ہوں جیسے ضرب و اہان زید کے اور یہ تنازع کی تیسری قسم نہیں بلکہ پہلی دونوں قسموں کا مجموعہ
ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک ایک اسم ظاہر کی فاعلیت اور دوسرا فعل بعینہ اسی اسم
ظاہر کی مفعولیت کو مقتضی ہو اور یہ تیسری قسم ہے جو پہلی دونوں قسموں کا مقابل ہے پس مصنف کا قول در مختلفین
اسی صورت کو خاص کرتے کے لئے ہے یعنی تنازع نعلان کبھی فاعلیت و مفعولیت میں واقع ہوتا ہے درالما یک
دونوں فعل اختصاص میں مختلف ہوں اور یہ صرف اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب کہ اسم ظاہر جو تنازع فیہ ہے
ایک ہو۔

تشریح: — قولہ قد يكون - تنازع کی یہ تیسری قسم ہے کہ دو فعلوں کا فاعلیت و مفعولیت میں اس طرح
تنازع ہو کہ جس اسم ظاہر کو ایک فعل اپنا فاعل بنانا چاہے اسی اسم ظاہر کو دوسرا فعل بھی اپنا مفعول بنانا چاہے
اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس اسم ظاہر کو پہلا فعل اپنا فاعل بنانا چاہے اسی اسم ظاہر کو دوسرا فعل بھی اپنا
مفعول بنانا چاہے جیسے ضربی و ضربی زید اور دوسری صورت یہ کہ جس اسم ظاہر کو پہلا فعل اپنا مفعول بنانا چاہے اسی
اسم ظاہر کو دوسرا فعل بھی اپنا فاعل بنانا چاہے جیسے اکرمی و اکرمی زید اس طرح تنازع کی کل چار قسمیں ہو
بائیں گی۔

قولہ ذلك يكون - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دو فعلوں کا تنازع جب فاعلیت و مفعولیت
میں ہو یعنی جب ایک فعل اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہے اور دوسرا اس کو مفعول تو دونوں اختصاص میں مختلف ہوں
پھر اس کے بعد مختلفین کی قید کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ جواب یہ کہ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں فعل ایک
اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہیں اور دونوں ہی دوسرے اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہیں جیسے ضرب و اہان زید بکرا
دوسری صورت یہ کہ جس اسم ظاہر کو ایک فعل فاعل بنانا چاہے اسی اسم ظاہر کو دوسرا فعل مفعول بنانا چاہے جیسے
ضربی و ضربی زید پہلی صورت میں دونوں فعلوں کا تنازع اگرچہ فاعلیت و مفعولیت میں ہے لیکن اختصاص
مختلف نہیں اور دوسری صورت میں اختصاص بھی مختلف ہیں اور تنازع کی تیسری قسم بھی دوسری صورت ہے اس

لے مختلفین سے اس کو خاص کیا گیا برخلاف پہلی صورت کہ وہ پہلی دونوں قسموں کا مجموعہ ہے الگ سے کوئی دوسری
قسم نہیں۔

ترجمہ: — اور ثانیہ یومر دمثالا للقسام الثالثه اذا اخذ فعل من المثال الاول وفعل من المثال
الثاني حصل مثال للقسام الثالث وذلك يتصور على وجوه كثيرة مثله ضربی و ضربی زید و
اکرمی و اکرمی زید و اکرمی و اکرمی زید و اکرمی و اکرمی زید او غیر ذلك مما يكون الاسماء
مرفوعاً

ترجمہ: — اور تیسری قسم کی مثال کو اس لئے نہیں لایا گیا کہ جب ایک فعل مثال اول کا لیا جائے اور ایک
مثال ثانی کا لیا جائے تو تیسری قسم کی مثال حاصل ہو جائیگی اور وہ کثیر طریقوں پر متصور ہوتا ہے جیسے ضربی
و ضربی زید و اکرمی و اکرمی زید و ضربی و ضربی زید و اکرمی و اکرمی زید اور اس کے علاوہ بھی مثالیں اس میں
ہے ان اسم ظاہر مرفوع ہو۔

تشریح: — قولہ و انما یورد - یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تنازع نعلان کی متن جن تین قسمیں بیان کی
گئیں ان میں سے صرف پہلی دونوں قسموں کی مثال کو بیان کیا گیا لیکن تیسری قسم کی مثال کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟
جواب یہ کہ ایک فعل اگر مثال اول سے لیا جائے اور دوسرا فعل مثال ثانی سے لیا جائے تو تیسری قسم کی مثال
بناتی ہے جیسے ضربی و ضربی زید و اکرمی و اکرمی زید اسی وجہ سے الگ سے اس کی مثال بیان نہیں کی
گئی کہ متن میں اختصار مقصود ہے۔

یختار النحاة البصویرات اعمال الفعل الثاني لقریب مع تجوید اعمال الاول و یختار النحاة
الکوفیون الاول آئی اعمال الفعل الاول مع تجوید اعمال الثاني لیسبقه وللاحتراز عن الاخبار
قبل الذکر

ترجمہ: — پس اولی قرار دیا ہے (نجات و مصلوہوں نے عمل دنیا، فعل دثانی کو) اس کے قرب کی وجہ سے
فعل اول کو عمل دینے کی تجویز کے ساتھ اور اولی قرار دیا ہے نجات و مصلوہوں نے اول کو (یعنی فعل اول کے عمل دینے

کو فعل ثانی کے عمل دینے کی تجویز کیا تھا اس کے سابق اور ضار قبل الذکر سے احتراز کی وجہ سے

تشریح: — بیانہ فیختار۔ تنازع فعلان کے اقسام سے فارغ ہونے کے بعد اب ان مذاہب کو بیان کیا جاتا ہے جو فعل اول یا فعل ثانی کے عمل دینے سے متعلق ہیں جس کا حاصل یہ کہ بمریوں اور کو فیول کے نزدیک دونوں فعلوں کو عمل دینا جائز ہے لیکن بمریوں کے نزدیک فعل ثانی کو عمل دینا اولیٰ ہے اور کو فیول کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے ہر ایک کی دلیل ان کی جگہ پر آگے مذکور ہے۔

قولہ النحاة: — اس تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ بمریوں اسم منسوب ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے اس کا موصوف یہاں نجات ہے پس بمریوں سے مراد تمام اہل بمرہ ہیں بلکہ بمرہ کے خوین ہوئے اور وہ بھی کہ جس کا قول ان کے قول کے موافق ہو اور وہ یہ ہیں: سیبویہ۔ مبرد۔ یعقوب۔ اخفش۔ یونس۔ حقری۔ ابو علی بن مہران علی بن عیسیٰ کرمانی۔ ابو اسحاق زجاج۔ ابن درستیورہ وغیرہ۔

بیانہ البصیولت: جمع ہے بمری بالکسر کی جو منسوب ہے بمرہ کی طرف اور بمرہ ایک مشہور شہر کا نام ہے جس کو خلافت فاروقی میں عبید بن غزنوان نے ^{۱۱} آباد کیا تھا اس کو قبتہ الاسلام اور خزانۃ العرب بھی کہا جاتا ہے مشہور ولیہ حضرت رابع رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہیں کی باشندہ تھیں۔ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بمری بار کے نمرہ ساتھ ہو کیونکہ وہ بمرہ فتح بار کا اسم منسوب ہے لیکن بار کو کسرہ دیا گیا اس بمرہ سے امتیاز کے لئے جو بمرہ بمعنی سنگ مرمر کا اسم منسوب ہے ضم اس لئے نہیں دیا گیا کہ وہ مقل کو پیدا کرتا ہے۔

قولہ لغویہ: — یہ دلیل ہے بمریوں کے دعویٰ کی جس کا حاصل یہ کہ فعل ثانی معمول سے زیادہ قریب ہے اور قریب کا تقاضہ یہ ہے کہ اسم ظاہر جس سے زیادہ قریب ہو اسی کو عمل دیا جائے کہ عامل بمنزلة طالب ہوتا ہے اور معمول بمنزلة مطلوب اور مع تجویز سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں اختیار اولیت و ترجیح کے معنی میں ہے قطع و جستا کے معنی میں نہیں یہاں اس کو دلیل کے بعد بیان کیا گیا جبکہ آگے دلیل سے پہلے بیان کیا گیا وجہ یہ کہ دلیل یہاں مختصر ہے جو تقدم کا مقتضی ہے اور مابعد میں طول ہے جو تاخر کا خواستگار ہے۔

قولہ و یختار النحاة۔ اس عبارت سے حاصل عطف کو بیان کیا گیا ہے چونکہ الکو فیول کا عطف بمریوں پر ہے اور ناول کا عطف الثانی پر ہے۔ اول و ثانی چونکہ دونوں ہمیشہ صفت واقع ہوتے ہیں اس لئے دونوں سے پہلے فعل کو مقدر مانا گیا۔

بیانہ الکو فیول: جمع ہے کوئی کی اور وہ منسوب ہے کو فہ کی طرف۔ کو فہ ایک مشہور شہر کا نام ہے جس کو سیدنا مولیٰ علی کریم اللہ وجہ نے کچھ دنوں کے لئے اپنی دار الحکومت بنایا تھا اور وہیں کے لوگوں نے سیدنا

امام حسین اور ان کے رفقاء کو دھوکہ سے ہلاک نہایت بے دردی سے شہید کیا تھا اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت قاضی عیاض جیسے نقیہ اعظم وہیں پیدا ہوئے۔

قولہ لبتق: — یہ دلیل ہے کو فیول کے دعوے کی جس کا حاصل یہ کہ ہر فعل اپنے معمول کو طلب کرنا چاہتا ہے پس فعل اول طلب میں سابق و اول ہوا اور سابق کا احتیاج لاحق کے احتیاج سے مقدم ہوتا ہے پس اول کو عمل دلانا اولیٰ ہوا ارشاد باری تعالیٰ ہے السابقون اولناک المقربون اور یہ دلیل چونکہ اتنی قوی نہیں جو اولیت کا باعث ہو سکے جیسا کہ آگے کا ہر مذہب البمریوں کے تحت مذکور ہو گا اس لئے مزید قوت کے لئے دوسری دلیل بیان کی جاتی ہے کہ فعل اول کو اگر عمل دیا جائے تو ضار قبل الذکر لازم نہ آئے گا جب کہ فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو لازم آتا ہے اور وہ اگرچہ عمدہ میں جائز ہے لیکن اولیٰ اس کا نہ ہونا ہے۔

فان عملت الفعل الثانی کیا ہو مذہب البصریون و بدو ^{۱۲} جملة المذہب المختار ^{۱۳} الاكثر استعمالا ^{۱۴} آخرت الفاعل فی الفعل الاول اذا انتفى الفاعل لجواز الاضمار قبل الذکر فی العمدة بشرط التفسیر وللزوم التکرار بالذکر و امتناع المحذوف علی رفیع الاسم الظاہر الواقع بعد الفعلین ^{۱۵} ائی علی موافقتہ افراد اثنیۃ و جمعاً و تذکیراً و تانیثاً لانه مرجع الضمیر و الضمیر ^{۱۶} انک یكون موافقاً للمرجع فی هذا الامور

ترجمہ: — پس اگر آپ عمل دیں، فعل و ثانی کو، جیسا کہ وہ بمریوں کا مذہب ہے اور مصنف نے بمریوں کے مذہب سے شروع فرمایا کیونکہ یہی مذہب مختار اور استعمال کے اعتبار سے اکثر ہے و تو فاعل کی ضمیر لائے، فعل (اول میں) جب کہ فعل اول فاعل کو مقتضی ہو کیونکہ عمدہ میں اضمار قبل الذکر شرط تفسیر جائز ہے اور فاعل کو بیان کرنے سے تکرار لازم آتی ہے اور حذف کرنا متعین ہے (بموافق) اسم و ظاہر، جو دو فعلوں کے بعد واقع ہو یعنی اسم ظاہر کی موافقت پر مفرد و تشبہ و جمع و تذکیر و تانیث سے کیونکہ وہ مرجع ہے ضمیر کا اور ضمیر کا ان امور میں مرجع کے موافق ہونا ضروری ہے۔

تشریح: — بیانہ فان عملت۔ بمریوں کے نزدیک اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول کے لئے ضمیر لائی جائیگی کیونکہ تنازع ختم کرنے کے تین طریقے ہیں ۱۱، حذف ۱۲، اظہار ۱۳، اضمار۔ حذف اس لئے جائز نہیں کہ اس سے فاعل کا حذف بغير قائم مقام کے لازم آتا ہے جو ممنوع ہے اور اظہار اس لئے جائز نہیں کہ اس

سے تکرار لازم آتی ہے جو قیاس ہے پس اضماع متین ہو گیا کہ اس سے اگرچہ اضماع قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن وہ عمدہ میں بشرط تفسیر ہے اس لئے جائز ہے مثلاً ضربی واکرمنی زید و ضربانی واکرمنی الزیدان وضربی واکرمنی الزیدان جب کہ فعل ثانی بھی فاعل کا مقتضی ہو لیکن اگر مفعول کا مقتضی ہو تو اس کی مثال ہے ضربی واکرمنی زید و ضربانی واکرمنی الزیدان وضربی واکرمنی الزیدان۔

قولہ کما هو مذہب البصریین۔ بصریوں کے لئے مذہب کہا گیا جب کہ کو فیول کے لئے آگے مختار کہا گیا ہے یعنی کما ہو مختار الکوفین۔ اس کی وجہ غالباً اشارہ مقصود ہے کہ بصریوں نے اس قول کو اختیار کر کے اس پر عمل کیا ہے اور کو فیول نے قول کو اگرچہ اختیار کیا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا ہے کیونکہ ان کی بیان کردہ دلیل خود ان کے نزدیک ضعیف ہے اس لئے کہ ایک دلیل ان کی یہ ہے کہ فعل کا رتبہ چونکہ مقدم ہے کیونکہ تنازع دو فعلوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر عطف سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے معطوف علیہ کا مقام معطوف پر مقدم ہے اس لئے فعل اول کو عمل دلانا اولیٰ ہے۔ اس میں یہ نقص ہے کہ فعل اول اگرچہ نفس استحقاق میں مقدم ہے لیکن دونوں فعلوں کا تعلق معقول سے مساوی ہے جیسا کہ معنی تنازع سے ظاہر ہے۔

قولہ ویداء بد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مصنف نے بصریوں کے مذہب کو پہلے کیوں بیان فرمایا جواب یہ کہ یہی مذہب مختار ہے اور قرآن کریم اور فقہاء کے کام میں بکثرت مستعمل بھی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ھاؤم اقرؤا کتابہ میں اقرؤا کو عمل دیا گیا ہے جو فعل ثانی ہے کیونکہ اگر فعل اول کو عمل دیا جائے تو اقرؤہ ہونا چاہئے تھا اسی قبیل سے یہ شعر بھی ہے وکتا مدماً کان متونھا + جری فوقھا واستشعرت لون مذہب۔ مصوٹائی میں لون مذہب کو استشعرت کا مفعول بنایا گیا ہے اور جری میں اس کی ضمیر مانی گئی ہے جو لون مذہب کی طرف راجع ہے۔

قولہ اذا انقضیٰ یعنی فعل اول میں فلاں وقت ہو گا جب کہ وہ فاعل کا مقتضی ہو جیسے ضربانی واکرمنی زید۔ کیونکہ عمدہ میں اضماع قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے جیسے قرآن کریم میں ہے فتھاوی وقل ہوا الشاہد اور اگر مفعول کا مقتضی ہو تو اضماع درست نہ ہو گا بلکہ حذف کیا جائیگا کیونکہ اس سے اضماع قبل الذکر لازم آتا ہے جو فضلہ میں جائز نہیں جیسے ضربی واکرمنی زید جب کہ مفعول کا اظہار ضروری نہ ہو اور اگر ضروری ہو مثلاً فعل افعال قلوب سے ہو تو اظہار ضروری ہو گا جیسے حسنی منطلقاً وحبیب زیداً منطلقاً۔

قولہ بشرط۔ اس کے متعلق حاشیہ زینی زادہ میں تحریر ہے کہ تفسیر اگر غائص تفسیری ہو یعنی تفسیر ہونے کے علاوہ فاعل یا مفعول وغیرہ نہ ہو جیسے آیت کریمہ فضھن سبع سنوت میں سبع سنوت غائص تفسیر

ہے تو اضماع قبل الذکر فاعل و مفعول وغیرہ ہر ایک کے لئے جائز ہے کیونکہ مفسر اس کے مرجع ہونے پر نص ہے اور اگر تفسیر غائص نہ ہو یعنی تفسیر ہونے کے علاوہ فاعل یا مفعول وغیرہ بھی ہو جیسے ضربانی واکرمنی الزیدان فی الرجلان تفسیر ہونے کے علاوہ ادہا ہاں کا فاعل بھی ہے تو اضماع قبل الذکر صرف فاعل کے لئے جائز ہے دوسروں کے لئے نہیں کیونکہ اضماع قبل الذکر تالیف نہیں جتنا کہ فاعل کا حذف ہے اس لئے کہ جملہ میں اس کا مفسر موجود ہے اگرچہ اس پر نص نہیں بعض لوگ عمدہ میں بھی اضماع قبل الذکر کو ناجائز قرار دیتے ہیں اس لئے کہ مفسر کا مرجع ہونا متعین نہیں ہے۔

قولہ الواقع۔ اس قید کا ذکر بیان واقع کے لئے ہے کہ اسم ظاہر اگر دونوں فعلوں کے بعد مذکور نہ ہو بلکہ دونوں سے پہلے یا بیچ میں مذکور ہو تو تنازع متحقق نہ ہو گا جیسا کہ گذرا اور ظاہر سے پہلے الاسم کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ الظاہر اسم قال ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے جس کا موصوف یہاں الاسم ہے اور ای علی موافقت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں وقوع بمعنی موافقت ہے کیونکہ تنازع اشتراک کو لازم ہے اور لانا مرجع الضمیر سے دلیل ہے اس بات کی کہ ضمیر مفرد و متغیہ و جمع ہونے میں اسم ظاہر کے موافق کیوں ہوگی۔

دوون الحذف لا یجوز حذف الفاعل الا اذا سئل شیء مسدداً خلافاً للکسائی فی انہ لا یضمیر الفاعل بل یحذف فیہ تحریراً عن الاضمار قبل الذکر و یظهر اثر الخلاف فی نحو ضربانی واکرمنی الزیدان عند البصریین وضربی واکرمنی الزیدان عند الکسائی۔

ترجمہ:۔۔۔ نہ حذف فاعل، اس لئے کہ فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں مگر جب کہ کسی چیز کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے (برخلاف کسائی) کیونکہ وہ فاعل کی ضمیر میں لاتے بلکہ اس کو اضماع قبل الذکر سے احراز کے لئے حذف کر دیتے ہیں اور اختلاف کا اثر ضربانی واکرمنی الزیدان جیسی مثال میں ظاہر ہوتا ہے یہ بصریوں کے نزدیک ہے اور کسائی کے نزدیک ضربی واکرمنی الزیدان ہے۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ دوون الحذف فی۔ اس عبارت سے مذہب کسائی کو بیان کیا جاتا ہے خلافاً مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا اصل عبارت یہ ہے ینحالف لقولہ بالاضمار قولہ الکسائی خلافاً یعنی اضماع کا قول کسائی کے قول کے خلاف ہے مطلب یہ کہ بصریوں کا جو قول ہے اگرچہ وہی امام کسائی کا بھی قول ہے کہ فعل ثانی کو

عمل دیا جائے لیکن اس کے عمل دینے کے طریقہ میں اختلاف ہے بصریوں کے نزدیک اسم ظاہر کے موافق فعل اول میں ضمیر لائی جائیگی اور امام کسائی کے نزدیک حذف کیا جائیگا۔ امام کسائی چونکہ اضمار قبل الذکر کو مطلقاً منع کرتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک فاعل کا حذف اولیٰ ہے اور فاعل کا حذف اگرچہ کلام میں واقع ہے لیکن ذہبی چوں کہ اس طرف بہر حال سبقت کرتا ہے اس لئے وہ بمنزلہ مذکور ہوتا ہے۔

بیانہ للکسائی۔ امام کسائی کا اصل نام علی بن حمزہ ہے اور کنیت ابو الحسن ہے ان کو کسائی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وقت احرام انہوں نے کسار یعنی چادر استعمال کیا تھا یا وہ کثرت سے چادر استعمال میں رکھتے تھے آپ کا انتقال بمقام رختی یا طرس ۸۹ھ کو ہوا تھا آپ علم نحو و لغت و قرأت کے امام ملے جاتے تھے اور خلیفہ ہارون رشید اور ان کے صاحبزادے کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل سماتا

قولہ یظهر۔ بصریوں کے نزدیک فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول کے لئے اس کے موافق ضمیر لانا ضروری ہوگا جیسے ضربانی و اگر منی الزیدان اور امام کسائی کے نزدیک بھی اگرچہ فعل ثانی کو عمل دیا جاتا ہے لیکن فعل اول کے لئے ضمیر لانا درست نہ ہوگا کیونکہ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو ان کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہے اور نہ اظہار درست ہوگا کہ اس سے تکرار لازم آتی ہے جو بھی ممنوع ہے پس حذف ہی اولیٰ ہوگا جیسے ضربانی و اگر منی الزیدان

وَجَا زَ اِیْ اَعْمَالِ الْفِعْلِ الثَّانِي مَعَ اقْتِضَاءِ الْفِعْلِ الْاَوَّلِ الْفَاعِلَ خَلَا فَا لْفَاءُ اَعْمَالُ الْاَوَّلِ اَعْمَالُ الْفِعْلِ الثَّانِي عِنْدَ اقْتِضَاءِ الْاَوَّلِ الْفَاعِلَ لَا تَلْزَمُ عَلَى تَقْدِيرِ اَعْمَالِهِ مَا لِاَضْمَارٍ قَبْلَ الذِّكْرِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْجُمْهُورِ اَوْ حَذْفِ الْفَاعِلِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْكَسَائِيِّ بَلْ يَجِبُ عِنْدَ اَعْمَالِ الْفِعْلِ الْاَوَّلِ فَا تَقْتَضِي الثَّانِي الْفَاعِلَ اَضْرَتَهُ وَاِنَّ اَقْتِضَى الْمَفْعُولَ حَذْفُهُ اَوْ اَمْسَرَتْهُ نَقُولُ ضَرْبِي وَاَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ وَلَا يَلْزَمُ حَيْثُ ذُنُوحُ

ترجمہ:۔۔۔ (اور جائز ہے) فعل ثانی کو عمل دینا فعل اول کا فاعل کے مقتضی ہونے کے ساتھ درمیان اختلاف ہے کیونکہ فعل ثانی کو عمل دینا فعل اول کا فاعل کے مقتضی ہونے کے وقت جائز نہیں اس لئے کہ اس کے عمل دینے کی تقدیر پر آیا اضمار قبل الذکر لازم آئیگا جیسا کہ وہ مذہب جمہور ہے یا حذف فاعل جیسا کہ وہ مذہب کسائی ہے بلکہ ان کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا ضروری ہے پس فعل ثانی اگر فاعل کا مقتضی ہو تو آپ اس کی ضمیر

لائے اور اگر مفعول کا مقتضی ہو تو اس کو حذف کر دیجئے یا ضمیر لائے آپ کہیں گے ضربانی و اگر منی الزیدان اور اس وقت محذور لازم نہ آئیگا۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ و جائز۔ اس عبارت سے امام فرار کے مذہب کو بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ کہ تمام نحوئی فعل اول کو عمل دلانا مطلقاً جائز مانتے ہیں اور امام فرار کے علاوہ دوسرے نحوئی فعل ثانی کو بھی عمل دلانا مطلقاً جائز مانتے ہیں البتہ فعل ثانی کو اگر عمل دلا یا جائے اور فعل اول فاعل چاہتا ہو تو کسائی فعل اول کے فاعل کو محذوف مانتے ہیں اور جمہور فعل اول میں فاعل کی ضمیر لاتے ہیں لیکن فہر کا مذہب یہ ہے کہ فعل اول کو عمل دلانا مطلقاً جائز ہے عام ہے فعل ثانی فاعل کو چاہتا ہو یا مفعول کو لیکن فعل ثانی کو عمل دلانے کے لئے یہ شرط ہے کہ فعل اول فاعل کا مقتضی نہ ہو۔

قولہ ائی اعمال۔ اس عبارت سے جائز کی ضمیر مرفوع کے مریع کو بیان کیا گیا ہے اور مع اقتضار سے یہ اشارہ ہے کہ فعل اول اگر فاعل کا مقتضی ہو تو امام فرار کا اس میں اختلاف ہے اور اگر فعل اول مفعول کا مقتضی ہو تو کوئی اختلاف نہیں ان کے نزدیک بھی فعل ثانی کو عمل دلانا جائز ہے۔

بیانہ للفقہاء۔ امام فرار کا اصل نام بھی بن زیاد ہے اور کنیت ابو ذر یا ہے ان کو فہر اس لئے کہا جاتا ہے کہ فرار بروزن فعلان ہے جو فری یعنی قطع و برید بھت اصلاح سے ماخوذ ہے اور وہ کلام میں بھت اصلاح کافی ترمیم کیا کرتے تھے آپ علم نحو و لغت اور دیگر فنون ادب میں امام تھے اور امام محمد علیہ الرحمہ شاگرد امام اعظم علیہ الرحمہ کے خال زاد بھائی بھی تھے آپ کا انتقال ۱۳۳ھ سال کی عمر میں ۳۰ھ کو مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں ہوا۔

قولہ فانہ لایجوز۔ اس عبارت سے اختلاف کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ فعل اول اگر فاعل کا مقتضی ہو تو فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں کیونکہ اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو فعل اول کے لئے یا تو ضمیر لائی جائیگی جیسا کہ جمہور بصریین کا مذہب ہے پس اس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو ممنوع ہے یا فاعل کو حذف کیا جائیگا جیسا کہ امام کسائی کا مذہب ہے یہ بھی مطلقاً ممنوع ہے پس ضروری ہوا کہ فعل اول کو عمل دیا جائے اگر فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو تو اس میں اس کی ضمیر لائی جائے گی اور اگر فعل ثانی مفعول کا مقتضی ہو تو اس کو حذف کیا جائے گا یا اس کی ضمیر لائی جائے گی جیسے ضربانی و اگر منی الزیدان۔

قولہ کساہو مذہب۔ ہو کا مریع اضمار قبل الذکر ہے اور جمہور پر الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد جمہور بصریین ہیں اس کا ذکر یہاں امام کسائی کو خارج کرنے کے لئے ہے اور کساہو مذہب الکسائی

میں ہوا کہ مریج حذف فاعل ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

وقیل ما روی عنہ تشریک الرافعیین أو اضاراً بعد الظاہر کما فی صورتہ تاخیر الیٰ صاحب تفرقہ ضربی
واکرمی زیداً ہو وضوئی واکرمی زیداً اھو وروایۃ المتن غید مشہورۃ عند

تدجماء: اور بعض کا قول ہے کہ امام فرار سے تشریک رافعیین یا اسم ظاہر کے بعد اس کی ضمیر منفعول
لانا مروی ہے جیسا کہ تاخیر ناصب کی صورت میں آپ کہیں گے ضربی واکرمی زید ہو وضوئی واکرمی زید اھو اور
متن کی روایت امام فرار سے مشہور نہیں۔

تشریح: قولہ وقیل بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تنازع ختم کرنے کا طریقہ تشریک رافعیین ہے یعنی
دونوں فعلوں کو اسم ظاہر کا رافع قسار دیا جائے جیسے ضربی واکرمی زید جب کہ زید کو دونوں کا فاعل تصور
کیا جائے یا اسم ظاہر کے بعد اس کی ضمیر لائی جائے تاکہ اضماع قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم نہ آئے جیسے ضربی واکرمی
زید ہو اور یہی روایت ان سے ناصب کو تاخیر کرنے کے متعلق بھی ضروری ہے جیسے ضربی واکرمی زید ہو خیال
رہے کہ یہ تردید یا تو شک راوی کی بنا پر ہے یا بطور تیسرے ہے۔ بھریوں نے تردید کے دونوں شقوں کو مسترد
کیا ہے اول کو اس طرح کہ خویش ہر عامل علت مستفاد کے نزل میں ہوتا ہے اور دو علت مستفاد کا اجتماع جس
طرح ایک معلول پر ممنوع ہے اسی طرح دو رافع کا اجتماع ایک اسم ظاہر پر ممنوع ہے اور دوم کو اس طرح کہ
اضمار اسم ظاہر کے بعد عصب کے استعمال کے خلاف دیکھا گیا ہے۔

قولہ روایۃ المتن: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تشریک رافعیین کی روایت بھی اگر امام فرار
سے منقول ہے تو متن میں اس کو بھی بیان کرنا چاہیے تھا صرف پہلی روایت کو کیوں بیان کیا گیا؟ جواب یہ کہ
متن کی روایت چونکہ غیر مشہور ہے اور یہ مشہور ہے اس لئے متن میں صرف غیر مشہور کو بیان کیا گیا تاکہ وہ مشہور
ہو جائے۔

وحذف فی المفعول حتیٰ نہ عن التکرام لو ذکر وعن الاضار قبل الذکر فی الفضلۃ لو اضمراستغنی عن
آل وان لم یستغن عن الظہر ائی المفعول من حسی منطلقاً وحسب نہ ییداً منطلقاً لانہ لا یجوز حذف
احد مفعولی یا بہ حسب ولا یجوز اضاراً مثلاً یلزم الاضار قبل الذکر فی الفضلۃ

تدجماء: اور مفعول کو حذف کر دیجئے (تکرام سے بچنے کے لئے) اگر مفعول کو ذکر کیا جائے اور فضل میں اضمار
قبل الذکر سے بچنے کے لئے اگر مفعول کی ضمیر لائی جائے (اگر اس کا ذکر ضروری نہ ہو ورنہ) یعنی اگر اس کا ذکر ضروری
ہو (آپ ظاہر کر دیجئے) مفعول کو جیسے حسی منطلقاً وحسب زیداً منطلقاً کیونکہ باب حسب کے دو مفعولوں
میں سے ایک کا حذف بھی جائز نہیں اور نہ اس کا اضمار بھی جائز ہے تاکہ فضل میں اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔
تشریح: بیانہ حذف المفعول: اس کا عطف ما قبل میں اضمرت الفاعل پر ہے جس کا حاصل
یہ کہ فعل ثانی کو عمل دینے کی تصریح پر فعل اول اگر مفعول کا مقتضی ہو تو مفعول کو حذف کر دیا جائے تو تکرار لازم آئے
گی جو ممنوع ہے اور اگر اس کی ضمیر لائی جائے مثلاً ضربی واکرمی زید ہو فضل میں اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم
آئے گا جو ممنوع ہے پس حذف متین ہو گیا۔

بیانہ استغنی: یہ جملہ شرط ہے جس کے لئے جزا کا ہونا ضروری ہے اور یہاں اگرچہ بظاہر اس
کی جزاء معلوم نہیں ہوتی لیکن قول مذکور حذف المفعول چونکہ اس کی جسما پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس
کو بیان کرنا ضروری سمجھا نہیں گیا۔ خیال رہے کہ استغناء سے یہاں مراد ذکر سے استغناء ہے نفس مفعول
سے نہیں کیونکہ استغناء متعدی ہے جو مفعول کا متاع ہوتا ہے

قولہ ای وان لم یستغن: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ رافع لا احواف استغناء ہے جس کے بعد اسم
مذکور ہوتا ہے لیکن یہاں اس کے بعد اظہرت فعل مذکور ہے جواب یہ کہ رافع لا احواف استغناء نہیں بلکہ احواف
لا احواف شرط دہنی کا مجموعہ ہے جو قاعدہ یہ ملوں سے آتا ہو گیا ہے اس کی جزاء اظہرت ہے۔ لاجگ میں لم کے
آیا ہے جو یستغن عن فعل پر داخل ہوا ہے وہ معطوف ہے استغنی عن فعل پر اس کو اس لئے حذف کیا گیا
کہ معطوف علیہ اس پر وال ہے اور لم چونکہ عامل ضعیف ہے جو مفعول کے بغیر مذکور نہیں ہوتا اس لئے اس کو
بھی حذف کر کے اس کی جگہ پر لا کر رکھ دیا گیا۔

بیانہ اظہرت: یعنی فعل اگر افعال قلوب سے ہو تو اس کے مفعول کو ظاہر کر دیا جائے گا کیونکہ
ان کا ایک مفعول پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے حسی وحسب زیداً منطلقاً میں دونوں فعل افعال قلوب سے
ہیں جن میں سے پہلا فعل کا مفعول اول یا متکمل اور دوسرے فعل کا مفعول زید وجود ہے لیکن تنازع مفعول
ثانی میں ہے کہ منطلقاً کو دونوں ہی اچھا مفعول بنانا چاہئے ہیں بھریوں کے مذہب پر اگر فعل ثانی کو عمل
دیا جائے اور فعل اول کے لئے مفعول کی ضمیر لائی جائے مثلاً حسی یا یہ وحسب زیداً منطلقاً تو فضل میں اضمار
قبل الذکر لفظاً ورتبہ لازم آئے گا اور اگر حذف کر دیا جائے تو افعال قلوب کا ایک مفعول پر اکتفا کرنا لازم

آیگا جو کہ یہ بھی ممنوع ہے اسی وجہ سے اس کو ظاہر کر کے یوں کہا جائیگا حسبی مطلقاً و حسبی زیداً مطلقاً لیکن افعال قلوب کا ایک مفعول پر اکتفا کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ اس کا پہلا مفعول بمنزلہ مسند الیہ ہوتا ہے اور دوسرا مفعول بمنزلہ مسند اور ظاہر ہے دونوں میں سے ہر ایک کا ذکر دوسرے کے لئے لازم ہے کہ مسند کے بغیر مسند الیہ اور مسند الیہ کے بغیر مسند کا تحقق نہیں ہوتا جیسا کہ عنقریب بحث فعل میں آئیگا۔

لے
وَأَنَّ أَعْمَلَتِ الْفِعْلَ الْأَوَّلَ كَمَا هُوَ مُخْتَارُ الْكُوفِينَ أَصْرَتِ الْفَاعِلُ فِي الْفِعْلِ الثَّانِي لِوَاقْتِضَائِهِ مَحْوُ ضَرْبِي وَكَرْمِي تَرِيدٌ إِذَا جَعَلْتَنِي تَرِيدٌ أَفَاعِلٌ ضَرْبِي وَأَصْرَتِ فِي الْكُرْمِي ضَرْبِي رَاجِعاً إِلَى تَرِيدِهَا لِقَدَمِهَا بِتَبَةِ فَلَا مَحْدُورَ فِيهِ حِينَئِذٍ لِحَذْفِ الْفَاعِلِ وَلَا الْإِضْمَارِ قَبْلَ الَّذِي كَرْمٌ لَفْظاً وَرَابِعَةً بَلْ لَفْظاً فُتْطَوُّ وَهُوَ جَائِزٌ

ترجمہ: — (اور اگر آپ عمل دیں) فعل (اول کو) جیسے کہ وہ کو فیول کا مذہب مختار ہے تو فاعل کی ضمیر (لائے) فعل (ثانی میں) اگر فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو جیسے ضربی واکرمی زید جب کہ زید کو ضربی کا فاعل بنائیں اور اکرمی میں ایسی ضمیر لائیں جو راجع ہو زید کی طرف کیونکہ زید رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے پس اس وقت اس میں کوئی خرابی نہ ہوگی نہ حذف فاعل اور نہ اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبہ بلکہ اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آئے گا جو جائز ہے۔

تشریح: — بیان اللہ وَأَنَّ أَعْمَلَتِ۔ یہ معطوف ہے فَإِنَّ أَعْمَلَتِ الثَّانِي پر جس کا حاصل یہ کہ کو فیول کے مذہب پر اگر فعل اول کو عمل دیا جائے عام ہے وہ فاعل کا مقتضی ہو یا مفعول کا تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی جب کہ فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو جیسے ضربی واکرمی زید جب کہ فعل اول بھی فاعل کا مقتضی ہو اور ضربیت واکرمی زیداً جب کہ فعل اول مفعول کا مقتضی ہو دونوں صورتوں میں فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی اس لئے کہ تنازع ختم کرنے کے تین طریقے ہیں حذف۔ اظہار۔ اضمار پس اس تقدیر پر فعل ثانی کے فاعل کو اگر حذف کیا جائے تو فاعل کا حذف بغیر قائم مقام کے لازم آئیگا جو ممنوع ہے اور اگر ظاہر کیا جائے تو تکرار لازم آئیگا جو قبیح ہے پس اضمار متعین ہو گیا۔

قولہ لَوَاقْتِضَاءُ۔ یہ اس دہم کا ازالہ ہے کہ متن کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فعل اول کو اگر عمل دیا جائے تو فعل ثانی میں ہمیشہ ضمیر لائی جائے گی فعل ثانی عام ہے کہ فاعل کا مقتضی ہو یا مفعول کا

حالانکہ فعل ثانی اگر مفعول کا مقتضی ہو تو حذف بھی جائز ہوتا ہے حاصل ازالہ یہ کہ فعل ثانی میں ضمیر کا لانا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کہ وہ فاعل کا مقتضی ہو اور اگر مفعول کا مقتضی ہو تو کوئی ضروری نہیں۔ یہی حال قدرے ترمیم کے ساتھ آئندہ عبارت لواقضاء کا ہے نفس علی ذلک۔

قولہ لَتَقْدَمُ۔ یہ دلیل ہے دعویٰ مذکور کی کہ فعل اول کو اگر عمل دیا جائے تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لانا ضروری ہے حاصل یہ کہ تنازع ختم کرنے جو تین طریقے مذکور ہوئے اس تقدیر پر ان میں سے صرف ایک طریقہ یعنی فعل ثانی میں اضمار ہی درست ہوگا حذف فاعل اور اظہار نہیں تفصیل اوپر دان اعمالت کے تحت گذر چکی۔ البتہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آتا ہے لیکن وہ ممنوع نہیں۔

لے
وَأَصْرَتِ الْمَفْعُولُ فِي الْفِعْلِ الثَّانِي لِوَاقْتِضَائِهِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُخْتَارِ وَلَكِنْ تَحْذَرُ فِي ذَاتِ جَائِزٍ حَذْفُ ثَلَاثِيَتِهِمْ أَتِ مَفْعُولُ الْفِعْلِ الثَّانِي مُغَايِرٌ لِمَذْهُبِ الْكُوفِيِّ وَيَكُونُ الضَّمِيرُ حِينَئِذٍ رَاجِعاً إِلَى لَفْظِ تَقْدَمُ رَابِعَةً كَمَا تَقُولُ ضَرْبِي وَكَرْمِي تَرِيدٌ

ترجمہ: — (اور مفعول کی) ضمیر فعل ثانی میں لائے اگر فعل ثانی مفعول کا مقتضی ہو مذہب (مختار پر) اور مفعول ثانی کو حذف نہ کیجئے اگرچہ اس کا حذف جائز ہے تاکہ یہ دہم نہ ہو کہ فعل ثانی کا مفعول مذکور کا مقتضی ہے اور اس وقت ضمیر اس لفظ کی طرف راجع ہوگی جو باعتبار رتبہ مقدم ہے چنانچہ آپ کہیں گے ضربی واکرمی زید۔

تشریح: — قولہ أَصْرَتِ۔ اس تقدیر عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں المفعول کا عطف الفاعل پر ہے جس کا حاصل یہ کہ فعل ثانی اگر مفعول کا مقتضی ہو تو مذہب مختار پر اس میں اسم ظاہر کے موافق ضمیر لائی جائیگی جیسے ضربی واکرمی زیداً جب کہ فعل اول فاعل کا مقتضی ہو ضربیت واکرمی زیداً جب کہ فعل اول مفعول کا مقتضی ہو لیکن فعل ثانی میں مفعول کی ضمیر اس لئے لائی جائیگی اظہار میں تکرار لازم آتی ہے جو قبیح ہے اور حذف اگرچہ جائز ہے لیکن اس سے یہ دہم ہوتا ہے کہ فعل ثانی کا مفعول اسم ظاہر کا مغایر ہے اور اس لئے بھی کہ اضمار میں بقار ہے اور حذف میں فنار اور ظاہر ہے بقار کو فنار پر شرانت حاصل ہے پس اضمار ہی اولیٰ ہے

إِلَّا أَنْ يَنْتَهِجَ مَانِعٌ مِنَ الْأَضْمَارِ كَمَا هُوَ الْقَوْلُ الْغَيْرُ الْمُخْتَارُ نَتَقَرُّ
الْمَفْعُولَ فَإِنَّهُ إِذَا مَتَّعَ الْأَضْمَارُ وَالْحَذْفُ لَاسِيَةً إِلَّا إِلَى الْأَفْهَامِ نَحْوِ حَسْبِي وَحَسْبُهَا مُنْطَلِقَيْنِ الْغِيَا
مُنْطَلِقًا حَيْثُ أُعْجِلَ حَسْبِي فَجَعَلَ الزَّيْدُ الْفَاعِلَ لَهُ وَمُنْطَلِقًا مَفْعُولًا لَهُ وَأَضْمَرَ الْمَفْعُولَ الْأَوَّلَ فِي
حَسْبُهَا وَأَفْهَمَ الْمَفْعُولَ الثَّانِي وَهُوَ مُنْطَلِقَيْنِ لِمَا بَعْدَ وَهُوَ أَنَّ لَوَاضِعًا مُفْرَدًا أَخَالَفَ الْمَفْعُولَ الْأَوَّلَ
وَلَوَاضِعًا مُشْتَرَكًا خَالَفَ الْمَرْجِعَ وَهُوَ قَوْلُهُ مُنْطَلِقًا

ترجمہ: — مگر یہ کہ کوئی مانع رو کے (ضمائر سے جیسا کہ یہی قول مختار ہے اور حذف سے جیسا کہ یہی قول
غیر مختار ہے) تو ظاہر کر دیجئے (مفعول کو کیونکہ جب ضمائر اور حذف متع ہو جائے تو اظہار کے علاوہ کوئی چارہ
بچے حسنی و حسبہا منطلقین الزیدان منطلقاً جب حسنی کو عمل دیا جائے تو زیدان کو اس کا فاعل اور منطلقاً
کو مفعول کیا جائے گا اور حسبہا میں مفعول اول کی ضمیر لائی جائیگی اور مفعول ثانی کو جو کہ منطلقین ہے مانع کی
وجہ سے ظاہر کیا جائے گا اور مانع یہ ہے کہ اگر مفرد کی ضمیر لائی جائے تو وہ مفعول اول کے مخالف ہوگی اور اگر
تشبیہ کی ضمیر لائی جائے تو وہ مرجع اور وہ اس کا قول منطلقاً کے مخالف ہوگا۔

تشریح: — بیانہ ^۱ إِلَّا أَنْ يَنْتَهِجَ مَانِعٌ یہ استثناء مفرغ ہے اصل عبارت یہ ہے اَضْمَرَ عَلَى الْمُخْتَارِ
حَذْفَ عَلَى الْغَيْرِ الْمُخْتَارِ فِي الْأَوَاقَاتِ كُلِّهَا إِلَّا أَنْ يَنْتَهِجَ مَانِعٌ مِنَ الْأَضْمَارِ وَالْحَذْفُ نَتَقَرُّ
یعنی مذہب مختار پر مفعول کی ضمیر لائے اور مذہب غیر مختار پر حذف کیجئے تمام اوقات میں مگر اس وقت
میں کہ ضمائر سے کوئی رو کے تو ظاہر کر دیجئے جیسے حسنی و حسبہا الزیدان منطلقاً میں حسب کا فاعل الزیدان
ہے اور مفعول اول یا متکلم ہے اور حسبث کا فاعل اس میں ضمیر مفعول متصل ہے اور مفعول مفعول ہما ہے
پس دونوں فعلوں کا تنازع مفعول ثانی یعنی منطلقاً میں ہوا اور کو فیوں کے نزدیک چونکہ فعل اول کو عمل دیا
جاتا ہے اس لئے منطلقاً کو حسب کا مفعول ثانی قرار دیا گیا اور حسبث میں چونکہ حذف جائز ہے اور
نہی ضمائر اس لئے اس کے لئے مفعول ثانی کو ظاہر کر دیا گیا۔ اس سے تکرار لازم نہیں آئے گی کیونکہ مفعول
ثانی فعل اول میں مفرد ہے اور فعل ثانی میں مشنی لیکن حذف جائز اس لئے نہیں ہے کہ حسبث افعال قلوب
سے ہے کہ جن کا ایک مفعول پر اکتفا کرنا جائز نہیں اور ضمائر اس لئے جائز نہیں کہ ضمیر تشبیہ لائی جائے گی یا
واحد اگر تشبیہ لائی جائے تو وہ مرجع کے مطابق نہ ہوگی کہ مرجع منطلقاً مفرد ہے اور اگر ضمیر واحد لائی جائے تو

لَوَاضِعًا مُفْرَدًا خَالَفَ الْمَرْجِعَ وَهُوَ قَوْلُهُ مُنْطَلِقًا

وَلَا يَخْفَى أَنَّهُ لَا يَتَصَوَّرُ التَّنَازُعَ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ إِذَا احْتَطَّتِ الْمَفْعُولَةُ الثَّانِي اسْمًا دَلَّ عَلَى أَنَّ
ذَاتَ شَايِدًا لَا مُنْطَلِقَ فِيهِ غَيْرَ مَلَا حَظِيَّةٍ تَثْبِيْتِهِمْ وَأَنَّهُ لَا مُنْطَلِقَ فِيهِ غَيْرَ مَلَا حَظِيَّةٍ تَثْبِيْتِهِمْ وَأَنَّهُ لَا مُنْطَلِقَ فِيهِ
فِي الْمَفْعُولِ الثَّانِي لَا تِلْكَ الْأَوَّلَ يَقْتَضِي مَفْعُولًا مُفْرَدًا وَالثَّانِي مَفْعُولًا مُشْتَرَكًا فَلَا يَتَوَجَّهَانِ إِلَى امْرُؤٍ وَاحِدٍ
فَلَا تَنَازُعَ

ترجمہ: — اور مخفی نہ رہے کہ اس صورت میں تنازع تصور نہیں ہوتا مگر اس وقت جب کہ آپ مفعول
ثانی کو اس کے تشبیہ و مفرد ہونے کے اعتبار کے بغیر ایک ایسا اسم لیا کریں جو ایسی ذات پر دلالت کرتا ہو جو
انطلاق سے متصف ہے در نہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں مفعول کے بارے میں کوئی تنازع نہیں کیونکہ فعل
اول مفعول مفرد اور فعل ثانی مفعول مشتی کا تقاضہ کرتا ہے پس دونوں فعل امر واحد کی طرف متوجہ نہ
ہوئے لہذا تنازع نہ ہوا۔

تشریح: — قولہ لَا يَخْفَى أَنَّهُ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ترکیب مذکور میں تنازع ہی نہیں ہے
کیونکہ تنازع کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسم ظاہر دونوں فعلوں کا بدلیت کے طور پر معمول ہو سکے اور منطلقاً حسب
کا معمول تو ہو سکتا ہے لیکن حسبث کا نہیں کیونکہ حسبث کا پہلا مفعول مشنی ہے جو دوسرے مفعول کے مشنی ہو
کو مقتضی ہے حالانکہ منطلقاً مفرد ہے جواب یہ کہ منطلقاً میں تنازع اس تقدیر پر ہے کہ اس میں افراد و تشبیہ
جمع کا کوئی لحاظ نہ ہو بلکہ وہ ایک اسم ہے جو ایسی ذات پر دال ہے جو صفت انطلاق کیساتھ متصف ہے اگرچہ وہ
بظاہر افراد پر دال ہے۔

وَلَمَّا اسْتَدَلَّ الْكُوفِيُّونَ عَلَى أَوْلَوِيَّةِ أَعْمَالِ الْفِعْلِ الْأَوَّلِ بِقَوْلِهِ إِهْرَى الْقَيْسِ شَعْرًا وَلَوَانِهَا
أَعْنَى لِأَنِّي مَعِيشَةٌ كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ حَيْثُ قَالَ وَقَدْ تَوَجَّهَ الْفِعْلَانِ
أَعْنَى كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ إِلَى اسْمٍ وَاحِدٍ وَهُوَ قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ فَاتَّعْنَى الْأَوَّلُ رَفْعَهُ بِالْفَاعِلِيَّةِ
وَالثَّانِي نَصْبَهُ بِالْمَفْعُولِيَّةِ وَامْرُؤَ الْقَيْسِ الَّذِي هُوَ أَفْصَحُ شَعْرَاءِ الْعَرَبِ أَعْمَلَ الْأَوَّلُ
فَلَمْ يَكُنْ أَعْمَالُ الْأَوَّلِ أَوَّلِي لِمَا اخْتَارَهُ إِذْ لَا قَائِلَ بِتَسَاوِي الْأَعْمَالَيْنِ

ترجمہ : — اور جب کہ کوئیوں نے فعل اول کے اولیت پر امر و القیس کے قول سے استدلال پیش کیا
شعر و لو انما غم ترجمہ اور اگر میں تھوڑی سی معاش کی تحصیل کے لئے کوشش کرتا تو مجھے کافی ہوتا اور میں طلب
نہ کرتا تھوڑا مال کیونکہ کوئیوں نے کہا کہ دو فعل یعنی کفائی اور لم اطلب ایک اسم کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ
اسم ہے قلیل من المال تو فعل اول قاعلیت کی وجہ سے اس کا رفع چاہتا ہے اور فعل ثانی مفعولیت کی وجہ
سے اس کا نصب چاہتا ہے اور امر و القیس نے جو کہ شعر اعراب سے فیض تر شاعر ہے فعل اول کو عمل دیا
ہے پس اگر فعل اول کو عمل دینا اولی نہ ہوتا تو وہ اس کو اختیار نہ کرتا اس لئے کہ تساوی اعمالین کا کوئی
قائل نہیں۔

تشریح : — قولہ ولما استدلت کوئیوں نے چونکہ فعل اول کے اعمال کی اولیت پر امر و القیس
کے شعر سے استدلال پیش کیا ہے اس لئے مصنف بصریوں کی طرف سے اس استدلال کا جواب دینے
ہیں۔ استدلال کا حاصل یہ کہ مذکورہ شعر میں کئی فعل اول ہے جو قلیل کو فاعل بنانا چاہتا ہے اور لم اطلب
فعل ثانی ہے جو قلیل کو مفعول بنانا چاہتا ہے اور امر و القیس جو کہ شعر اعراب سے فیض تر شاعر ہے انہوں
نے جب فعل اول کو عمل دیا ہے کیونکہ قلیل رفع کیا تھا ضروری ہے تو فعل اول کو عمل دینا اگر اولی نہ ہوتا
تو وہ اختیار نہ کرتے۔

قولہ امر و القیس۔ وہ ابن جریر بن عمر دکنڈی ہیں جو عہد رسالت سے تقریباً چالیس سال قبل
کے شاعر تھے اس کو ملک ضلیل بھی کہا جاتا ہے۔ سبع معلقات میں پہلا معلقہ اسی کا ہے جو کیا نئی اشعار پر
مشتمل ہے۔

قولہ افصح شعراء۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ امر و القیس کے اس شعر کو سند کے طور پر
پیش کرنا کہاں تک درست ہے۔ یہ جواب یہ کہ امر و القیس عسرب کے عام شاعروں میں سے نہیں بلکہ فیض
بلغ شاعروں میں سے ایک عمدہ و کہنہ مشق شاعر ہیں جب ان کے کلام میں فعل اول کو عمل دیا گیا ہے تو اگر اس
کو عمل دینا اولی نہ ہوتا تو ایسا اختیار نہ کرتے۔

قولہ اذ لا قائل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ شعر میں فعل اول کو عمل دینے سے یہ لازم نہیں
آتا کہ اس کو عمل دینا اولی ہے کیونکہ ممکن ہے تساوی اعمالین کی تقدیر پر فعل اول کو عمل دیا گیا ہو اس لئے کہ
کسی کے لئے اگر دورا سے ہوں اور دونوں ہی مقصود تک پہنچانے والے ہوں تو اگر ان میں سے
ایک کو اختیار کیا جائے تو اس کو دوسرے پر اولیت ورجحان کی دلیل نہیں ہو سکتی جواب یہ کہ تساوی

اعمالین کا کوئی بخوی قائل نہیں ہے بجاوہ اس کو کیسے اختیار کرتے ؟

فاجاب المصنف عن طرف البصريين وقال امرئ القيس كفايتي ولم اطلب قليل من
المال ليس منه ائى من باب التنازع لفساد المعنى على تقدير توجه كل من كفايت
ولم اطلب الى قليل من المال لاستلزام عدم السعي لادنى معيشة واشفاء كفايت قليل من
المال وبوت طلبه المتاني لكل منهما وذلك لان لو جعل بدخلها المثبت شرطاً كانت اوجزاء
او معطوفاً على احد هما منفياً والنفي من ذلك مثبتاً فعلى هذا ينبغي ان يكون مفعول لم
اطلب محذوفاً ائى لم اطلب العز والمجد كما يدرك عليه البيه المتأخر ائى قوله شعرا
ولم ائسى المجد موثلاً۔ وقد يدعى المجد الموتى امثالى۔ وحشون يستقيم المعنى يعنى
انما لئسى لادنى معيشة ولا يكفى قليل من المال ولكن اطلب المجد الا تشيل الشايت
واسئى له

ترجمہ : — پس مصنف نے بصریوں کی طرف سے جواب دیا اور فرمایا اور امر و القیس کا قول : کفایتی
ولم اطلب قلیل من المال اس سے نہیں۔ یعنی باب تنازع سے نہیں رہو جو فساد معنی کفایتی ولم اطلب میں سے
ہر ایک کے قلیل من المال کی طرف ہونے کی تقدیر پر کیونکہ یہ توجہ تھوڑی سی معاش کے لئے عدم سعی اور قلیل
من المال کے کافی نہ ہونے اور شاعر کی اس طلب کے ثبوت جو عدم سعی اور انتفاع کفایت قلیل من المال میں
سے ہر ایک کا متانی ہے۔ کو مستلزم ہے اور یہ استلزام اس لئے ہے کہ حرف لوائے دخول کی وجہ سے مثبت
کو شرط ہو یا جزا یا ان میں سے کسی ایک پر معطوف ہو متقی کر دیتا ہے اور اس میں سے متقی کو مثبت کر دیتا ہے
پس اس تقدیر پر مناسب ہے کہ لم اطلب کا مفعول محذوف ہو یعنی لم اطلب العز والمجد جیسا کہ اس پر بعد والا
بیت دلالت کرتا ہے مراد لیتا ہوں شاعر کا قول شعر و لکنما۔ آخر ترجمہ اور بے شک میں پائیدار بزرگی کی تحصیل
کی کوشش کرتا ہوں اور تحقیق کہ مجھ جیسا انسان پائیدار بزرگی کو پالیتا ہے اور اس وقت معنی درست ہوگا
یعنی میں تھوڑی سی معاش کی تحصیل کے لئے کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی مجھ کو تھوڑا مال کفایت کرتا ہے
اور لیکن میں پائیدار و ثابت رہنے والی بزرگی کا طلبگار و کوشاں ہوں۔

تشریح : — قولہ فاجاب المصنف۔ بصریوں کی طرف سے مصنف علیہ الرحمہ نے استدلال

مذکور کا جواب دیا ہے کہ امر و القیس کا یہ قول تنازع کے باب سے نہیں ہے کیونکہ اگر تنازع کے باب سے مانا جائے تو شعر کے معنی میں فساد لازم آئیگا جیسا کہ تفصیل ایک ضابطہ پر آگے مذکور ہے۔
 قولہ علی تقدیر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ امر و القیس جب عرب کے شاعروں میں ایک

فیض تر شاعر ہے تو ان کے شعر میں فساد معنی کیوں لازم آتا ہے؟ جواب یہ کہ اس میں فساد معنی مطلقاً نہیں بلکہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے جب کہ اس کج باب تنازع سے مانا جائے کیونکہ اس صورت میں کفائی اور لم اطلب دونوں قلیل من المال کی طرف متوجہ ہوں گے جس سے اجتماع نقیضین لازم آئیگا جو محال ہے اس لئے کہ وہ کے دخول سے شعر کا معنی یہ ہوتا ہے لم اسع لادنی معیشتہ لم یکفینی قلیل من المال و طلبت قلیلاً من المال اس میں جملہ اخیر طلبت قلیلاً من المال ماقبل کے دونوں جملوں کے متناقض ہے لیکن جملہ اولی کے اس لئے کہ لم اسع لادنی معیشتہ بمعنی لم اطلب قلیلاً من المال ہے اور ظاہر ہے طلبت قلیلاً من المال فلم اطلب قلیلاً من المال کی نقیض ہے اور جملہ ثانیہ لم یکفینی قلیل من المال کے اس لئے متناقض ہے کہ یہ کفائی قلیل من المال کی نقیض ہے اور کفائی قلیل من المال جزاء ہونے کی وجہ سے لو انما اسعی لادنی معیشتہ شرط کے لئے لازم ہے اور شرط ملزوم اور لازم کی نقیض ملزوم کے منافی ہوتی ہے تو لم یکفینی قلیل من المال جو نقیض لازم ہے انما اسعی لادنی معیشتہ کے منافی ہوا جو ملزوم ہے اور جب انما اسعی لادنی معیشتہ کے منافی تو طلبت قلیلاً من المال کے بھی منافی ہوا کیونکہ انما اسعی لادنی معیشتہ بمعنی طلبت قلیلاً من المال ہے اور جب لم یکفینی قلیل من المال منیاً، طلبت قلیلاً من المال ہوا تو طلبت قلیلاً من المال منافی لم یکفینی قلیل من المال ہوا

قولہ ذلک۔ شعر کو اگر باب تنازع سے مانا جائے تو اس میں معنی کا فساد اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ لو کا مدخول شرط ہو یا جزاء یا ان میں سے کسی ایک پر معطوف ہو تو اگر وہ لفظاً مثبت ہو تو معنی منفی ہو جاتا ہے اور اگر لفظاً منفی ہو تو معنی مثبت ہو جاتا ہے جیسے لو اگر معنی اگر متک میں شرط و جزاء لفظاً مثبت ہیں اور معنی منفی کہ تعظیم متکلم اور تعظیم مخاطب دونوں مفقود ہیں یعنی نہ مخاطب نے تعظیم کی اور نہ ہی متکلم نے یونہی تو لم تکمینی لم اگر متک را اگر تم میری تعظیم نہ کرتے تو تیری تعظیم نہ کرتا میں شرط و جزاء لفظاً منفی ہیں اور معنی مثبت کہ اکرام مخاطب اور اکرام متکلم دونوں متحقق ہیں چنانچہ شعر مذکور اگر باب تنازع سے ہو تو انما اسعی لادنی معیشتہ چونکہ مثبت ہے پس اس سے منفی لم اسع لادنی معیشتہ متصور ہوگی اور کفائی اس کی جزاء مثبت ہے پس اس سے منفی لم یکفینی قلیل من المال متصور ہوگی اور لم اطلب اس پر معطوف منفی ہے پس اس سے ثبوت طلبت قلیلاً من المال متصور ہوگا پس اصل عبارت یہ ہوگی لم اسع لادنی معیشتہ لم یکفینی قلیل من المال و طلبت قلیلاً من المال یعنی میں متھوڑی معیشت کے لئے کوشش

نہیں کرتا اور نہ متھوڑا مال مجھ کو کافی ہے اور میں متھوڑا مال کو طلب کرتا ہوں ظاہر ہے یہ اجتماع نقیضین ہے جو لفظاً متضاد ہے معلوم ہوا کہ یہ شعر باب تنازع سے نہیں ہے۔

قولہ فعلی اھذا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ شعر جب باب تنازع سے نہیں یعنی قلیل من المال جب کفائی کا مفعول ہے تو لم اطلب کا مفعول کیا ہے؟ جواب یہ کہ مفعول محذوف ہے یعنی لم اطلب البعز والمجد پس شعر کا معنی قاعدہ مذکورہ کے مطابق یہ ہوا ما سمعت لادنی معیشتہ وما کفائی قلیل من المال و طلبت البعز والمجد امونٹل۔

قولہ کمایدل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مفعول کے محذوف ہونے پر قرینہ کیا ہے؟ جواب یہ کہ شعر لاحق ہے اور وہ ہے لکنما استی انما اس میں لکن استدراک کے لئے نہیں بلکہ لم اطلب سے جو طلست البعز والمجد مفہوم ہوا تھا اس کی تاکید کے لئے ہے جیسے لو جار فی زید لا کرتہ لکنہ لم یجی میں لو جار سے جو ما جار زید مفہوم ہوتا ہے اس کی تاکید کرتا ہے۔

مفعول ما لم یسم فاعلہ ائی مفعول فعل او شبه فعل لم یسم کو فاعلہ وانما لم یفصلہ عن الفاعل ولہ یقل ومنہ کما فصل المبتداء حیث قال ومنہا المبتداء لشدۃ اتصالہ بالفاعل متی ساء بعض النحاة فاعلاً کل مفعول حذف فاعلاً ائی فاعل ذلک المفعول وانما اُضيف الی المفعول لئلا یستلزم کونہ فاعلاً لتفعل متعلق بہ واقیم ہوا ائی المفعول مقامہ ائی مقام الفاعل فی اسناد الفعل او شبه الیہ

ترجمہ:۔ (مفعول ما لم یسم فاعلہ) یعنی ایسے فعل یا شبہ فعل کا مفعول کہ جس کا فاعل مذکور ہو اور مضاف نے مفعول ما لم یسم فاعلہ کو فاعل سے جدا کر کے ومنہ مفعول ما لم یسم فاعلہ نہیں فرمایا جس طرح کہ مبتداء کو جدا فرمایا جسا کہ فرمایا ومنہا المبتداء اس لئے کہ مفعول ما لم یسم فاعلہ کو فاعل کے ساتھ کافی اتصال ہے یہاں تک کہ بعض نحویوں نے اس کا نام فاعل رکھ دیا ہے رہر وہ مفعول ہے جس کا فاعل حذف کر دیا گیا ہو) یعنی اس مفعول کا فاعل اور فاعل کی نسبت مفعول کی طرف اس علاقہ کی وجہ سے کی گئی ہے کہ وہ ایسے فعل کا فاعل ہے جو مفعول سے تعلق رکھتا ہے اور قائم کر دیا گیا ہو اس کو) یعنی مفعول کو اس کے مقام پر یعنی فاعل کے مقام پر فعل یا شبہ فعل کی نسبت فاعل کی طرف کرتے ہیں،

تشریح: قولہ ائی مفعول۔ اس تفسیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں ملے مراد فعل یا شبہ فعل ہے اور ما کہا گیا عامل نہیں یعنی مفعول عامل لم یتیم فاعلہ اس کے وہ ظاہر الدلالہ تھا لیکن چونکہ اس سے یہ ہم ہوتا ہے کہ عامل سے متبادر فعل ہے پس اس سے شبہ فعل کا مفعول مالم یتیم فاعلہ خارج ہو جاتا ہے اس لئے مای کو بیان کیا گیا۔

قولہ نعم یتیم کو۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں لم یتیم فعل مجہول ہے جو تسمیہ سے ماخوذ ہے اور وہ متعدی ہوتا ہے دو مفعولوں کی طرف اور یہاں اس کا صرف پہلا مفعول فاعلہ مذکور ہے دوسرا نہیں جواب یہ کہ لم یتیم مجازاً از قبیل اطلاق ملزوم و ارادہ لازم (یعنی لم یزکوہ) کیونکہ ذکر تسمیہ یعنی نام نہاد دل کو لازم ہے۔

قولہ انما لم یفصل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مفعول مالم یتیم فاعلہ بھی مبتدا و خبر کی طرح مرفوعات کی الگ ایک قسم ہے پس جس طرح دوسری قسموں کو فتمہ الفاعل اور منہا المبتداء سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح اس کو بھی ومنہ مفعول مالم یتیم فاعلہ سے تعبیر کرنا چاہیے۔ جواب یہ کہ مفعول مالم یتیم فاعلہ کو فاعل کے ساتھ کافی گہرا ربطا ہے کہ اس کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس کے متعدد احکام میں شریک بھی مثلاً مستند الیہ ہونے میں اور عامل کے بعد بلا فعل واقع ہونے میں اور عامل کی تقدیم ضروری ہونے میں اسی وجہ سے شیخ عبد القادر جرجانی اور اکثر تفسیر یوں نے اس کو فاعل کے ساتھ موسوم کیا ہے خیال رہے کہ مفعول مالم یتیم فاعلہ متقدمین کی تعبیر ہے لیکن ابن مالک اور قاضی بیضاوی وغیرہ نے نائب فاعل سے تعبیر کیا ہے اور یہ چونکہ یہ نسبت اولت کے مختصر ہے اس لئے اب وہ اسی نام سے زیادہ مشہور ہے۔

بیانہ کل مفعول۔ تعریف میں فقط کل مستعمل نہیں ہوتا کہ وہ افراد کے لئے آتا ہے جب کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ کل کا ذکر یہاں تعریف کے لئے نہیں بلکہ مانعیت کے لئے ہے کیونکہ تعریف کا آغاز کل کے مدخول سے ہے کل سے نہیں پس اس میں کل مفعول بمنزلہ جنس ہے جس میں تمام مفاعیل داخل ہیں اور حذف فاعلہ بمنزلہ فصل بعید ہے کہ جس سے وہ تمام مفاعیل خارج ہو جائیں کہ فاعل حذف ہے نہ تسمیہ نہ تسمیہ ہو مقام بمنزلہ فصل قریب ہے جس سے وہ تمام مفاعیل خارج ہو گئے کہ جن کا فاعل حذف تو ہوتا ہے لیکن وہ قائم مقام نہیں ہوتے جیسا کہ آگے مذکور ہے۔ خیال رہے کہ فاعل کے حذف ہونے کی آئندہ وجہیں ہیں (۱) فاعل معلوم نہیں جیسے سرق المتاع (۲) خاصیت مقصود ہو جیسے شتم الخلیفہ (۳) اختصار مقصود ہو جیسے اقامت الصلوٰۃ (۴) غرض ماسخ فی

ہو جیسے قبل عدوک (۵) ابہام کی وجہ سے ضرب زید (۶) قوانی کی موافقت مقصود ہو جیسے وما المال والاھل اللادوانع ولایت یومناں یرد الوالدانع (۷) رعایت سمیع مقصود ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ وما لا احبر عندہ من نیر تجزی (۸) مخاطب کے جلتے (۹) وجہ سے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے اذ ابشر مانی البتور،

قولہ ائی فاعل ذلک۔ تفسیر سے فاعلہ کی ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور ائمہ اُصف سے جواب ہے اس سوال کا کہ فاعل کی ضمیر مجرور کا مرجع مفعول نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اگرچہ ماقبل میں مذکور ہے لیکن اس کی طرف اضافت درست نہیں کیونکہ فاعل فعل کا ہوتا ہے مفعول کا نہیں جواب یہ کہ اضافت کے لئے اولیٰ مناسبت کافی ہے اس لئے کہ فاعل کو فعل سے تعلق ہے اور فعل کو مفعول سے پس فاعل کو مفعول سے بواسطہ فعل تعلق ہوا۔

بیانہ اقیما ھو۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ فاعل جملہ میں جزاء اصلی ہوتا ہے جس کا حذف قطعاً جائز نہیں جواب یہ کہ اس کا حذف اس وقت جائز نہیں جب کہ کوئی دوسرا قائم مقام نہ ہو اور یہاں قائم مقام موجود ہوتا ہے۔ ہو ضمیر منفصل تاکید ہے اقیم میں ہو ضمیر مستتر کی کیونکہ دونوں کا مرجع مفعول ہی ہے اس کو محض اس دم کے ازالہ کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ اقیم فعل مجہول کا نائب فاعل ہو ضمیر مستتر نہیں بلکہ مقادہ ہے

وشرطہ ائی شرط مفعول مالم یتیم فاعلہ فی حذف فی فاعلہ واقامتہ مقام الفاعل اذ کان عامکہ لعلہ انہ تغیر صیغۃ الفعل الی فعل ائی الی الماضی المجرولہ او یفعل ائی الی المضارع المجرولہ فیتادل مثل الفعل واستفعل ویفعل وغیرھا من الافعال المجرولہ المزید فیھا

ترجمہ: — اور اس کی شرط (یعنی مفعول مالم یتیم فاعلہ کے فاعل کو حذف کرنے اور اس کو فاعل کی جگہ قائم کرنے میں جب کہ اس کا عامل فعل ہو شرط (یہ ہے کہ تغیر کر دیا جائے صیغہ فعل فعل کی طرف) یعنی ماضی مجہول کی طرف (یا یفعل) یعنی مضارع مجہول کی طرف پس ثل ویفعل میں سے ہر ایک شامل ہو گا افعیل واستفعل ویفعل وغیرھا افعال مجہولہ مزید فیھا کی مثل کو

تشریح: — قولہ ائی شرط۔ اس تفسیر سے شرط کی ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور فی

مذنب فاعل سے جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول مالم یتم فاعل کی ذات میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ تغیر کے بغیر ہی موجود ہوتا ہے جواب یہ کہ یہ شرط موجود ہونے میں نہیں بلکہ اس کے فاعل کے محذوف ہونے اور اس کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنے میں ہے۔

قولہ اذا اکانت۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اسم مفعول کے مفعول مالم یتم فاعل میں شرط مذکور نہیں پائی جاتی جیسے زید مضروب غلام جواب یہ کہ یہ شرط اس وقت ہے جب کہ عامل فعل ہو کیونکہ مشبہ فعل کے صیغہ کا حکم یہاں متروک ہے جو بالمقابل معلوم کر لیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مشبہ فعل کا صیغہ اسم مفعول کے صیغہ کی طرف بدل دیا گیا ہو۔ یعنی مثلاً مضارب کا صیغہ مضروب کی طرف بدل دیا گیا ہو۔

قولہ انی الی الماضی المجهول۔ یہ اور آنے والی تفسیر الی المضارع سے جواب ہے اس سوال کا کہ شرط مذکور ثانی مزید فیہ اور ربائی مجرد ربائی مزید فیہ کے مفعول مالم یتم فاعل میں نہیں پائی جاتی جیسے مذکور زید اور یقاتل زید جواب یہ کہ لعل ماضی مجهول کا علم اور یفعل مضارع مجهول کا علم ہے پس یہ تمام الیاب کے ماضی مجهول کو شامل ہو جائیگا یا یہ کہ لعل سے مراد مطلقاً ماضی مجهول ہے یونہی یفعل سے مراد مطلقاً مضارع مجهول ہے۔

ولا یقع موقع الفاعل المفعول الثانی من مفعول باب علت لانت مستداً الی المفعول الاول اسناداً تاماً فلوا سندا الفعل الیه ولا یكون اسناداً الا تاماً لزم کونه سندا وسندا الیه معلوم کون کل من الاسنادین تاماً بخلاف العجیبی ضربت زیداً عملاً لانت احد الاسنادین وهو اسناد المصدر بغير تام ولا المفعول الثالث من معانیل باب علت لانت حکم حکم المفعول الثانی من باب علت فی کونه سندا

ترجمہ :۔۔۔ اور واقع نہیں ہوتا فاعل کے مقام پر مفعول ثانی باب علت کے دو مفعول رکھا کیونکہ مفعول ثانی مفعول اول کی طرف سند باسناد تام ہوتا ہے پس اگر فعل کی اسناد مفعول ثانی کی طرف کی جائے جب کہ اس کی اسناد تام ہی ہوتی ہے تو مفعول ثانی کا ایک ساتھ سند و سند الیہ ہونا لازم آئیگا دونوں اسنادوں میں سے ہر ایک کا تام ہونے کے باوجود برخلاف العجیبی ضربت زیداً سندا اس لئے کہ اس کی دو اسنادوں میں سے ایک اور وہ مصدر کی اسناد تام نہیں ہے (اور نہ مفعول

والثالث باب علت کے معانیل رکھا کیونکہ اس کے مفعول ثالث کا حکم سند ہونے میں باب علت کے مفعول ثانی کے حکم کی طرح ہے۔

تشریح :۔۔۔ بیانہ لایقع۔ تعریف مذکور اقیم ہو مقام کی تید سے من مفعولوں کو اجمالی طور پر خارج کیا گیا تھا یہاں ان ہی مفعولوں کو تفصیلی طور پر خارج کیا جاتا ہے کہ باب علت کا مفعول ثانی فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتا البتہ مفعول اول قائم مقام ہو سکتا ہے اسی طرح باب علت کا مفعول ثالث بھی فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتا رد و لول کی وجہ آگے شرح میں مذکور ہے البتہ اس کے مفعول اول اور مفعول دوم فاعل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں لیکن مفعول دوم کو استعمال نہیں دیکھا گیا ہے۔ واضح ہو کہ باب علت سے مراد وہ وہ فعل یا شبہ فعل ہے جو ایسے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو جن میں سے اول مسند الیہ ہو اور دوم مستند ہو اسی طرح باب علت سے مراد وہ فعل یا شبہ فعل ہے کہ جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو

قولہ موقع الفاعل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ صحیح نہیں کہ باب علت کا مفعول ثانی واقع نہیں ہوتا بلکہ واقع ہے جیسے علت زیداً فاعلاً جواب یہ کہ باب علت کے مفعول ثانی کے واقع نہ ہونے سے مراد فاعل کی جگہ پر واقع نہ ہونا ہے

قولہ مفعول۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بن کا ماقبل مدخل کا جزد ہوتا ہے بیسے الما من ابو اور ظاہر ہے مفعول ثانی باب علت کا جزد نہیں جواب یہ کہ باب علت سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی من مفعول باب علت ہی حال ہے باب علت سے پہلے معانیل کی تقدیر کا

قولہ لانت مستداً۔ یہ دلیل ہے دعویٰ مذکور کی جس کا حاصل یہ کہ مفعول ثانی مفعول اول کی طرف سند باسناد تام ہوتا ہے پس اگر اس کو فاعل کا قائم مقام بنا یا جائے تو سند الیہ باسناد تام ہو جائیگا اور ایک ترکیب میں ایک اسم کا باسناد تام سند و سند الیہ دونوں ہونا لازم آئیگا جو منوع ہے البتہ باب علت کا مفعول اول فاعل کا قائم مقام ہو سکتا ہے جیسے حکم زیداً فاعلاً لیکن یہ متعین کے نزدیک ہے اور متاخرین اس کے مفعول دوم کو بھی فاعل کا قائم مقام ہونا جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک اسم کا باسناد تام سند و سند الیہ دونوں ہونا اس وقت منوع ہے جب کہ ایک جہت ہو اور یہاں دو جہت سے ہے کہ باعتبار مفعول اول سند باسناد تام ہے اور باعتبار فعل مجهول سند الیہ باسناد تام ہے جس طرح ایک اسم مضاف و مضاف الیہ دونوں ہوتا ہے ماقبل کے اعتبار سے مضاف الیہ اور مابعد کے اعتبار سے مضاف جیسے شرح مائتہ کے دریاچہ میں ہے افضل علماء الانام خیال رہے کہ اسناد کو جو تام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے

بیان واقع کے لئے کہ وہ تام ہی ہوتی ہے ناقص نہیں یا یہ کہ استاد سے یہاں مراد چونکہ نسبت ہے از قبیل ذکر خاص و ارادہ خاص اس لئے اس کو تام کیساتھ ذکر کیا گیا۔

بیانہ بخلاف العجبتی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ایک ترکیب میں ایک اسم کا مسند و مسند الیہ دونوں ہونا ممنوع نہیں بلکہ واقع ہے چنانچہ العجبتی ضرب زید غرامین ضرب اعجب فعل کا مسند الیہ بھی ہے اور زید کی طرف مسند بھی جواب یہ کہ مسند و مسند الیہ دونوں ہونا جو ممنوع ہے اسناد تام کے اعتبار سے اور یہاں دونوں اسناد تام ہونے کے اعتبار سے نہیں کیونکہ ضرب اعجب کا مسند الیہ یا اسناد تام ہے لیکن زید کی طرف مسند یا اسناد ناقص ہے کیونکہ ضرب مصدر ہے جس کی اسناد تام نہیں ہوتی۔

والمفعول له بلا لام لانّ النصب في شعوب العلية فلما استدل اليه لفات النصب والاشعار بخلاف ما اذا كان مع اللام نحو ضرب للتاديب والمفعول معه كذا في كل من المفعول له والمفعول معه كذا في ائى كالمفعول الثاني والثالث من باب علمت واعلمت في انهما لا يتبعان موقع الفاعل اما المفعول له فلما عرفت واما المفعول معه فلا تله لا يجوز اقامته مقام الفاعل مع الواو التي اصلها العطف وهي دليل الانفصال والفاعل كالجاء من الفعل ولا بد من الواو فانه لم يعرف حيث يكونه مفعولا معه

ترجمہ:۔ (اور مفعول له) لام کے بغیر اس لئے کہ مفعول له میں نصب علت ہونے کی خبر دیتا ہے پس اگر فعل کی اسناد مفعول له کی طرف کی جائے تو نصب اور خبر دینا فوت ہو جائیگا برخلاف جب کہ مفعول له لام کے ساتھ ہو جیسے ضرب للتاديب اور مفعول مع الیہ ہی ہیں یعنی مفعول له اور مفعول مع میں سے ہر ایک اسی طرح یعنی فاعل کے مقام میں واقع نہ ہونے میں باب علمت اور باب اعلمت کے مفعول ثانی اور مفعول ثالث کی طرح ہیں لیکن مفعول له اس بنا پر جو آپ پہچان چکے اور لیکن مفعول مع تو اس لئے کہ اس کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنا واؤ کے ساتھ کہ جس کی اصل عطف ہے، جائز نہیں اور واؤ انفصال کی دلیل ہے اور فاعل جزر فعل کی مانند ہوتا ہے اور بدولن واؤ بھی قاسم کرنا جائز نہیں کیونکہ اس وقت اس کا مفعول مع ہونا معلوم نہ ہو سکے گا

تشریح:۔ بیانہ والمفعول له۔ وہ معطوف ہے المفعول الثانی پر یعنی فاعل کی جگہ پر مفعول له

بھی واقع نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا علت ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جب اس کو فاعل کا قائم مقام بنایا جائے تو وہ مرفوع ہو جائیگا اور اس کا نصب زائل ہو جائے گا اور علت ہونے پر جو دلالت ہوتی ہے وہ دلالت ختم ہو جائیگی۔

قولہ بلا لام یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ مفعول له فاعل کی جگہ پر واقع نہیں ہوتا حالانکہ ضرب للتاديب میں للتاديب مفعول له ہے جو فاعل کی جگہ پر واقع ہے جواب یہ کہ مفعول له سے یہاں مراد وہ ہے جو بغیر لام ہو یعنی جس کے شروع میں لام جارہ مقرر ہو اور مثال مذکور میں لام جارہ مفلوظ ہے جو علت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس جس مفعول له کے شروع میں لام جارہ مفلوظ ہو وہ فاعل کی جگہ پر واقع ہو سکتا ہے۔

قولہ مقرب للتاديب۔ للتاديب میں لام جارہ زائدہ ہے اور حرف جر زائد کسی فعل یا شبہ فعل سے متعلق نہیں ہوتا پس جملہ کا جزر یعنی فاعل یا مفعول صرف مجرور ہوگا جار و مجرور دونوں نہیں پس اس مثال کی ترکیب یہ ہوگی ضرب فعل مجہول لام جارہ زائدہ ال حرف تعریف تاديب مجرور لفظاً، مرفوع تقدیراً بالحلاناب فاعل فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

قولہ ائى كل من المفعول له۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ تن میں کذا کے خبر المفعول له المفعول مع کی اور کذا لک میں ذلک کا مشاؤ الیہ صرف المفعول ہے الثانی اور الثالث نہیں کہ یہ دونوں اس کے مصداق ہیں پس المفعول کیساتھ اس کے مصداق مذکور ہے مشار الیہ نہیں۔

قولہ اما المفعول معه۔ مفعول مع فاعل کا قائم مقام نہ تو واؤ کے ساتھ ہو سکتا ہے اور نہ واؤ کے بغیر۔ واؤ کیساتھ اس لئے نہیں کہ وہ واؤ اصل میں عطف کے لئے ہے جو اپنے ماقبل کا مابعد سے منفصل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور فاعل، فعل کے لئے بمنزلہ جزر ہوتا ہے جو اتصال کی دلیل ہے اس لئے واؤ کے ساتھ مفعول مع کو اگر فاعل قائم مقام کر دیا جائے تو ایک وقت میں ماقبل سے اس کا اتصال و انفصال دونوں لازم آئیں گے جو باطل ہے اور واؤ کے بغیر فاعل کا قائم مقام اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس کے بغیر وہ مفعول مع نہ رہے گا اور مفروض کے خلاف لازم آئیگا کیونکہ کلام مفعول مع کے متعلق ہے خیال رہے کہ حال و مستثنی بھی فاعل کا قائم مقام نہیں ہوتے اسی طرح تمیز بھی مگر کسائی کے نزدیک تمیز کو نائب فاعل بنانا جائز ہے پس ان کے نزدیک طاب زید نفسا میں طیب نفس کہنا جائز ہے

فَادَّوَجِدَ الْمَفْعُولَ بِهِ فِي الْكَلَامِ مَعَ غَيْرِهِ مِنَ الْمَفَاعِيلِ الَّتِي يَجُوزُ وَقْعُهَا مَوْقِعَ الْفَاعِلِ تَعَيَّنَ أَوَّلُ الْمَفْعُولِ بِهِ لَهُ أَوَّلُ وَقْعِهِ مَوْقِعَ الْفَاعِلِ لَشَدَّةِ شَبْهِهِ بِالْفَاعِلِ فِي تَوَقُّعِ تَعْقُلِ الْفِعْلِ عَلَيْهِمَا فَإِنَّ الضَّرْبَ مَثَلًا كَمَا أَنََّّهُ لَا يُمَكِّنُ تَعْقُّلَهُ بِلَا ضَرْبٍ بَلْ كَذَلِكَ لَا يُمَكِّنُ تَعْقُّلَهُ بِلَا مَضْرُوبٍ بِخِلَافِ سَائِرِ الْمَفَاعِيلِ فَإِنَّهَا لَيْسَتْ بِهَذِهِ الصِّفَةِ

ترجمہ: — اور جب پایا جائے مفعول یہ کلام میں ان دوسرے مفعولوں کیساتھ کہ جن کا فاعل کی جگہ پر واقع ہونا جائز ہے تو متعین ہو جائے گا یعنی مفعول یہ (اس کے لئے) یعنی فاعل کی جگہ پر واقع ہونے کے لئے اس لئے کہ مفعول یہ فاعل کے ساتھ فعل کے تعقل کے فاعل و مفعول پر موقوف ہونے میں سخت مشابہت رکھتا ہے کیونکہ مثلاً ضرب کا تعقل ضارب کے ممکن نہیں اسی طرح اس کا تعقل بغیر مضروب کے ممکن نہیں برخلاف باقی مفعولات کہ وہ اس صفت کیساتھ نہیں۔

تشریح: — بیانہ اذ اوجد۔ جب ان مفعولوں کی نفی ہو گئی جو فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت نہیں تو اب ان مفعولوں کو بیان کیا جاتا ہے جو فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ یہ پانچ ہیں (۱) مفعول بہ (۲) مفعول فیہ زیاتی (۳) مفعول فیہ مکانی (۴) مفعول مطلق (۵) مفعول بواسطہ اور جب کلام میں مفعول پایا جائے اور اس کیساتھ چاروں یا بعض مفعولات پائے جائیں تو فاعل کے قائم مقام ہونے میں مفعول بہ ہی متعین ہوگا اس لئے کہ فاعل کیساتھ لفظی و معنوی مناسبت صرف مفعول بہ ہی کو حاصل ہے دوسرے مفعولات کو نہیں کیونکہ بعض مفعولات کو اگر لفظی مناسبت حاصل ہے تو معنوی نہیں اور اگر معنوی حاصل ہے تو لفظی نہیں لیکن مفعول بہ کو لفظی مناسبت یہ حاصل ہے کہ وہ فاعل کی علامت کو قبول کرتا ہے اگر کوئی مانع نہ ہو اور یہ معنوی یہ حاصل ہے کہ مطلق فعل کے مفہوم میں جس طرح نسبت الی فاعل تا داخل ہے اسی طرح فعل متعدی کے مفہوم میں بھی نسبت الی مفعول ما داخل ہے پس مطلق جس طرح تعقل فاعل پر موقوف ہے اسی طرح فعل متعدی بھی تعقل مفعول بہ پر موقوف ہوا مثلاً ضرب کا تعقل جس طرح ضارب کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح مضروب کے بغیر بھی ممکن نہیں پس مفعول بہ کو فاعل کیساتھ تعقل فعل کے لئے موقوف علیہ ہونے میں معنوی مناسبت حاصل ہوتی اور ظاہر ہے یہ تعقل مفعول فیہ زمانی و مکانی اور مفعول مطلق میں منقود سے البتہ لفظی مناسبت یہ حاصل ہے کہ وہ فاعل کی علامت کو قبول کرتے ہیں اگر کوئی مانع نہ ہو اور مفعول بواسطہ چونکہ حقیقتہً مفعول بہ ہی ہے اس لئے اس

میں معنوی مناسبت موجود تو ہے لیکن لفظی نہیں کہ وہ مجرور ہو چکی وجہ سے فاعل کی علامت کو قبول نہیں کرتا۔

قولہ فی الکلام۔ کلام کا ذکر بیان واقع کے لئے ہے کہ مفعول یہ کلام ہی میں پایا جاتا ہے اور مع غیرہ سے جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول یہ جب کلام میں پایا جائے تو وہ فاعل کے قائم مقام ہونے کے لئے متعین ہی ہے پھر تعین نہ کہنا فضول ہوا جواب یہ کہ اس سے مراد ہے کہ مفعول یہ اگر دوسرے مفعولوں کے ساتھ پایا جائے تو فاعل کے قائم مقام ہونے میں مفعول ہی متعین ہوگا یا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اذا وجد المفعول بہ بشرط ہے اور تعین نہ کہنا جو شرط پر مرتب نہیں کیونکہ جزاء اشتراک کا مقتضی ہے کہ مفعول یہ کیساتھ دوسرے مفعولات بھی پائے جائیں جو فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھ کے اور ظاہر ہے وہ جانب شرط میں مذکور نہیں جواب یہ کہ جانب شرط میں یہ عبارت محذوف ہے مع غیرہ من المفاعیل الی يجوز وقوعها موقِعَ الفاعل۔

قولہ يجوز وقوعها۔ مفعول یہ اگر باقی چاروں مفعولات کے ساتھ پایا جائے تو بیرون کے نزدیک مفعول یہ کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنا ضروری ہے اور دوسرے مفعولات کو مفعول اور کو فیون کے نزدیک ضروری نہیں البتہ قائم کرنا اولیٰ ہے جب کہ دوسرے مفعولات کو بھی قائم کرنا جائز ہے شرح کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح کے نزدیک کو فیون کا مسک مختار ہے۔

قولہ ائی المفعول بہ۔ اس عبارت سے تعین میں ضمیر مفعول کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور ائی وقوع سے جواب ہے اس سوال کا کہ لہ کی ضمیر مجرور کا مرجع اقامت ہے جو اقیم ہوئے مستفاد ہے پس ضمیر مرجع کے مطابق نہ ہوئی کہ ضمیر مذکر ہے اور مرجع مؤنث ہے جواب یہ کہ مرجع اقامت نہیں بلکہ وقوع ہے جو لایقع سے مستفاد ہے اور لشدہ مشبہ سے دلیل ہے تعین لہ کی جیسا کہ تفصیل گذر چکی۔

تقول ضرب زيد باقامة المفعول به مقام الفاعل يوم الجمعة ظرف زمان امام الامير ظرف مكان ضرباً شديداً مفعول مطلق للنوع باعتبار الصفة وفائد لا وصف الضرب بالقدر التبيين على ان المصدر لا يقوم مقام الفاعل بلا قد مخصوص اذ لا فائد له فيه دلالة الفعل عليه في دأمره جاراً ومجروراً شبيهة بالمفاعيل اقيم مقام الفاعل مثلها فتعين زيد

ترجمہ: — (چنانچہ آپ کہیں گے ضرب زيد) مفعول یہ کو فاعل کی جگہ پر رکھ کر يوم الجمعة ظرف زمان ہے و امام الامير طرف مکان ہے (ضرباً شديداً) مفعول مطلق باعتبار صفت نوع کے لئے ہے۔ ضرب

کوشد کیساتھ متفق کرنے میں فائدہ اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ مصدر قید مخصص کے بغیر فاعل کی جگہ پر قائم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس پر فعل دلالت کرتا ہے (رفی دارہ) جار مجرور ہے جو مفاعیل کے مشابہ ہے فاعل کی جگہ پر مفاعیل کی طرح آگیا جاتا ہے (پس زید متین ہو گیا)

تشریح:۔ بیان اللہ تعالیٰ اس سے حکم مذکور کی وضاحت مقصود ہے کہ زید مفعول بہ ہے جس کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا ہے جب کہ اس کے ساتھ وہ چاروں مفعولات بھی ہیں جو فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یوم الجمعہ ظرف زمان یعنی مفعول فیہ زمانی ہے اور امام الامیر ظرف مکان یعنی مفعول فیہ مکانی ہے اور ضرباً شدیداً مفعول مطلق توئی ہے اور فی دارہ مفعول بواسطہ ہے۔

قولہ ظرف زمان۔ ظرف زمان و مکان سے مراد زمان معین و مکان معین ہے اسی طرح مفعول مطلق غیر تاکید ہے کیونکہ جب ان میں سے ہر ایک فاعل کی جگہ پر ہوگا تو ہر ایک فاعل ہوگا اور فاعل محل فائدہ ہوتا ہے اور ان مفعولات میں اگر ان قیدوں کا لحاظ نہ ہو تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ خودی مطلق زمانہ پر اور مفعول مطلق تاکید پر وضعی طور پر دلالت کرتے ہیں اور مطلق مکان پر الترائی طور پر دلالت کرتے ہیں۔

قولہ مفعول مطلق۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول مطلق توئی بروزن فعلہ آتا ہے اور ضرباً شدیداً اس وزن پر نہیں پس وہ مفعول مطلق توئی نہ ہوا جواب یہ کہ مفعول مطلق توئی کبھی بروزن فعلہ آتا ہے جیسے صبتہ اور کبھی بطور اضافت جیسے جلست جلوس الامیر اور کبھی بطور صفت جیسے ضرباً شدیداً

قولہ وفائدہ وصف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مقصود یہاں صرف مفعول مطلق کی مثال ہے جو صرف ضرباً سے حاصل ہے پھر اس کے ساتھ شدیداً کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ جواب یہ کہ اس سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ مصدر قید مخصص کے بغیر فاعل کے قائم مقام نہیں ہوتا کیونکہ مصدر پر فعل خودی دلالت کرتا ہے پس اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا جب کہ فاعل محل فائدہ ہوتا ہے۔

قولہ جار و مجرور۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول فیہ مکانی کی ماتن نے دو مثالیں لکھی ہیں ایک امام الامیر اور دوسری فی دارہ اس کی وجہ ہے کہ جواب یہ کہ مفعول فیہ مکانی کی صرف ایک مثال امام الامیر ہے اور فی دارہ اس کی مثال نہیں بلکہ وہ جار و مجرور کی مثال ہے جو فضل ہونے میں ان مفعولات کے مشابہ ہے جو فاعل کے قائم مقام ہوتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ وہ بھی مفعول فیہ مکان ہے جیسا کہ جمہور نحوات بلکہ مفسد کا بھی یہی خیال ہے اس لئے اب یہ جواب دیا جائے کہ ایک مفعول فیہ مکانی بلا واسطہ ہوتا ہے اور دوسرا

بواسطہ امام الامیر بلا واسطہ کی مثال ہے اور فی دارہ بواسطہ کی مثال ہے۔

وان لم یکن ائی وان لم یوجد فی الکلام المفعول بہ فالجمع ائی جمع ما سوئی المفعول بہ سواء فی جواز وقوعها موقع الفاعل والمفعول الاول من باب اعطیت ائی الفعل المتعدي الى مفعولین ثانیہما غیر الاولی بان یقام مقام الفاعل من المفعول الثانی لان فیہ معنی الفاعلیۃ بالنسبۃ الی الثانی لانہ عا ط ائی اخذ نحو اعطیت زیداً درہماً مع جواز اعطیت درہماً من ید او ذلک عند الآمن من اللبس واما عند عدمہ فیجب اقامتہ المفعول الاول نحو اعطیت زیداً عمراً

ترجمہ:۔ (اور اگر نہ ہو) یعنی اگر کلام میں مفعول بہ موجود نہ ہو (توسب) یعنی مفعول بہ کے علاوہ سب (برابر ہیں) ان کا فاعل کی جگہ پر واقع ہونے کے جائز ہونے میں (اور ہا مفعول راول باب اعطیت کا) یعنی فعل متعدی بدو مفعول کہ جس کا دوسرا مفعول پہلے مفعول کا غیر ہو راولی ہے، کہ فاعل کے قائم مقام کیا جائے مفعول رثانی ہے، اس لئے کہ اس میں مفعول ثانی کی نسبت فاعلیت کا معنی موجود ہے کیونکہ مفعول اول عالمی یعنی پکڑنے والا ہے جیسے اعطیت زیداً درہماً وجود یک جا ہے اعطیت درہم زیداً اور یہ جائز ہونا اس وقت ہے جب کہ التباس سے مامون ہو لیکن جب مامون نہ ہو تو مفعول اول کو قائم کرنا واجب ہے جیسے اعطیت زیداً عمراً۔

تشریح:۔ بیانہ وان لم یکن۔ یعنی وہ پانچ مفعولات جو نائب فاعل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اگر کلام میں کل یا بعض موجود ہیں لیکن مفعول بہ موجود نہ ہو تو نائب فاعل ہونے میں سب برابر ہیں جیسے جلست جلوس الامیر جلوس اکثر فی دارہ۔ جو بھی فاعل کی جگہ پر قائم ہوگا وہ مفعول بواسطہ کہ وہ اگرچہ محلاً مفعول ہوگا لیکن نقطہ ہمیشہ مجرور ہوگا کہ وہ صرف جہ کا مدخول ہے۔ یہ جمہور نحوات کے نزدیک ہے کہ ہر مفعول کو نائب فاعل بنا کر برابر ہے لیکن بعض غیولوں نے مفعول بواسطہ کو ترجیح دیا ہے اور بعض نے مفعول مطلق کو اور بعض نے مفعول فیہ کو۔

قولہ ائی وان لم یوجد: اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں یکن فعل ناقص نہیں بلکہ فعل تام ہے جو خبر کا محتاج نہیں۔ فالجمع شرط مذکور کی جزاء ہے خبر نہیں کہ اس میں فاعل ہونے کے منافی ہے۔ اور

فی الکلام سے جواب ہے اس سوال کا کہ ہر فعل متعدی کے لئے مفعول بہ کا ہونا ضروری ہے لہذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ فعل متعدی ہو اور مفعول بہ نہ ہو جواب یہ کہ مفعول بہ کے موجود نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام میں موجود نہ ہو کیونکہ نفس الامر میں ہر فعل متعدی کے لئے مفعول بہ کا ہونا ضروری ہے۔

قولہ ائی جمیع۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شرط سے مفعول بہ کا موجود نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور مبتدا سے موجود ہونا۔ یہ دو متنافی کا اجتماع ہے جو ناجائز ہے جواب یہ کہ جنشاء میں مراد ہے مفعول بہ کے علاوہ کامرور ہونا۔

قولہ فی جواز وقوعہا۔ یہ اس دہم کا ازالہ ہے کہ کلام میں اگر مفعول بہ موجود نہ ہو تو تمام مفعولات کا فاعل کی جگہ پر واقع نہ ہونا برابر ہو گا حاصل ازالہ یہ کہ برابر ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفعول بہ اگر موجود نہ ہو تو تمام مفعولات فاعل کی جگہ پر واقع ہونے میں برابر ہیں۔

قولہ ائی الفعل المتعدی۔ اس عبارت سے یہ بتایا گیا ہے کہ باب اعطیت سے مراد ترکیب اضافی نہیں بلکہ وہ فعل ہے جیسا کہ گذرا کہ متعدی ہو دو مفعولوں کی طرف جس کا دو مفعول پہلے مفعول کا غیر ہو اور اکثفا ایک مفعول پر جائز ہو۔

قولہ لات نید۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفعول اول کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنا مفعول ثانی سے اولیٰ کیوں ہے؟ جواب یہ کہ مفعول اول میں فاعلیت کا معنی موجود ہے کہ وہ آخذ ہوتا ہے جیسے اُعطیٰ زیدٌ درہما جب کہ اُعطیٰ درہمٌ زیدٌ بھی جائز ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ التباس کا خطرہ نہ ہو اور جب خطرہ ہو تو مفعول اول ہی کو فاعل کی جگہ پر قائم کرنا ضروری ہے جیسے اُعطیٰ زیدٌ عمرٌ ایں اگر عمر کو فاعل کی جگہ پر قائم کیا جائے تو زید کیساتھ التباس ہو جائیگا کیونکہ اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ زید کو عمر عطا کیا گیا اور جب اس کا برعکس کیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ عمر کو زید عطا کیا گیا اور یہ مقصود کے خلاف ہے۔

وَمَتَّهَا الْمَبْدَأُ وَالْخَبْرُ فِي بَعْضِ النِّسْخِ وَمِنْهُ يُعْنَى مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعَاتِ أَوْ مِنْ جُمْلَةِ الْمَرْفُوعِ الْمَبْدَأُ وَالْخَبْرُ جَمْعُهُمَا فِي فَصْلٍ وَاحِدٍ لِلتَّلَازُمِ الْوَاقِعِ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ فِيمَا وَاشْتَرَكَهُمَا فِي الْعَامِلِ الْمَعْنَى

ترجمہ: — (اور ان ہی میں سے مبتدا و خبر ہیں) بعض نسخوں میں ومنہ سے یعنی جملہ مرفوعات سے یا جملہ مرفوع سے مبتدا و خبر ہیں دونوں کو ایک ہی فصل میں

اس تلازم کی وجہ سے جمع فرمایا ہے جو کہ دونوں کے درمیان اس طور پر واقع ہے کہ دونوں میں اصل ہے اور مبتدا و خبر کے عامل معنوی میں مشترک ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: — بیان اللہ ومنہا۔ ضمیر مجرور کو مؤنث بیان کیا گیا جس کا مرجع مرفوعات ہے جب کہ ماقبل میں ومنہ الفاعل ہے اس کو مذکر بیان کیا گیا ہے جس کا مرجع مرفوع ہے غالباً اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مرجع دونوں کو بتایا جاسکتا ہے لیکن بتقدیر اول مرجع ضمینی ہو گا اور بتقدیر دوم مرجع مرئی ہو گا۔ ترکیب میں منہا خبر مقدم ہے اور المبتدا والخبر مبتدا و خبر اور خبر کو مقدم حصری وجہ سے کیا گیا ہے معنی یہ ہوا کہ مبتدا و خبر مرفوعات ہی کے اقسام سے ہیں مجرور و منصوب کے اقسام سے نہیں۔

قولہ فی بعض۔ اکثر نسخوں میں ضمیر مجرور کو مؤنث دیکھا گیا ہے اور بعض نسخوں میں مذکر دیکھا گیا ہے اصل عبارت یہ ہے من جملۃ المرفوعات یا من جملۃ المرفوع۔ مرفوع سے پہلے جملہ کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ من کا مدح خواہ مرفوع نہیں ہو سکتا کہ وہ متعدد پر داخل ہوتا ہے اور مرفوع متعدد نہیں کہ وہ ماہیت پر دلالت کرتا ہے پس جملۃ المرفوع کا معنی ہوا من افساد المرفوع البتہ مرفوعات سے پہلے جملہ کی تقدیر اگرچہ فضول معلوم ہوتی ہے کہ مرفوعات خود ہی تعدد پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کو اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ مصنف کا کلام فصیحاً کے کلام کے مطابق ہو جائے کہ وہ لوگ تفصیل سے پہلے اجمال کو بیان کرتے ہیں اسی وجہ سے مرفوعات جو کہ مفصل ہے اس سے پہلے جملہ کو بیان کیا گیا کہ وہ مجمل ہے۔

قولہ جمعہما۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا و خبر مرفوع کی دو الگ الگ قسمیں ہیں متنی میں دونوں کو الگ عنوان سے کیوں بیان فرمایا؟ جواب یہ کہ دونوں میں تلازم ذکر ہے کہ مبتدا مستدالیہ ہوتا ہے اور خبر مستند ہوتی ہے اور مستند مستدالیہ نے بغیر پایا جاتا ہے اور مستند مستدالیہ کے بغیر پایا جاتا ہے اس لئے دونوں کو ایک عنوان سے ایک جگہ جمع کیا گیا اور اس لئے بھی کہ دونوں کا عامل معنوی ہے۔

قولہ ماہو الاصل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا کی ایک قسم وہ بھی ہے جس کی کوئی خبر نہیں ہوتی پس مبتدا و خبر میں تلازم نہ ہو جواب یہ کہ اصل مبتدا ہی ہے کہ وہ مستدالیہ ہوا اور جو مبتدا مستدالیہ ہو گا اس کے لئے خبر لازم ہے کہ وہ مستند ہوتی ہے۔

فَالْمَبْدَأُ هُوَ الْإِسْمُ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا لِتَوَالِدِ نَحْوَاتِ تَصَوُّمِ الْخَبَرِ لَكُمْ الْمَجْرَدُ عَنْ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ أَيْ الَّذِي لَمْ يَوْجَدْ فِيهِ عَامِلٌ لَفْظِيٌّ أَوْ حَقَرَتْ بِهِ عَنْ الْإِسْمِ الَّذِي

فیه عامل لفظی کا سہی اِنَّ وَکَانَ اِذْ بِالْعَاصِلِ اللفظی ما یكون مؤثرانی المعنی لئلا ینخرج عنه مثل بحسبک درهم مسند الیه واحترض به عن الخیر وثانی قسمی المبتدأ والخارج عن هذا القسم فایتما لا یكونان الا مسندین

ترجمہ: (تو مبتدأ وہ اسم ہے) عام ہے لفظی طور پر ہو یا تقدیری طور پر تاکہ تعریف اَنْ تصوموا خیرکم کی مانند کو شامل ہو جائے (جو خالی ہو عوامل لفظی سے) یعنی وہ جس میں عامل لفظی بالکل نہ پایا جائے اور مصنف اس قید سے اس اسم سے احتراز فرمایا جس میں عامل لفظی ہو جیسے اَنْ اور کَانَ کے دو اسم اور مصنف نے گویا عامل لفظی سے وہ عامل مراد لیا ہے جو معنی میں مؤثر ہو تاکہ مبتدأ کی تعریف سے بحسبک درهم کی مثل خارج نہ ہو جائے (دستاویز ہوتے ہوئے) اور مصنف نے اس قید سے اور مبتدأ کی دو قسموں میں سے دوسری قسم جو اس قسم سے خارج ہے سے احتراز فرمایا کیونکہ خبر اور مبتدأ کی دوسری قسم مسند ہی ہوتی ہیں

تشریح: — بیانہ فایتما لاء۔ مبتدأ چونکہ مسند الیہ ہونے کی وجہ سے طبقہ مقدم ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا کہ مبتدأ وہ اسم ہے جو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہوئے مسند الیہ ہو اور المبتدأ معرف بلام جس ہے جو مفید حصہ ہے اور ہو ضمیر فصل بھی مفید حصہ ہے لیکن اول مسند الیہ کے حصہ کا فائدہ دیتا ہے جو جامعیت تعریف کی طرف مشیر ہے اور دوم مسند کے حصہ کا فائدہ دیتی ہے جو جامعیت تعریف کی طرف مشیر ہے

قولہ لفظاً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے اَنْ تصوموا خیرکم میں اَنْ تصوموا خارج ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مبتدأ ہے لیکن اسم نہیں جواب یہ کہ اسم سے مراد عام ہے کہ لفظاً ہو یا فقہاً مثال مذکور میں اَنْ تصوموا میں اَنْ مصدر کے داخل ہونے کی وجہ سے تاویل مصدر ہو کر اسم ہو گیا ہے یعنی یکایک خیرکم سوال مقولہ تسمع بالمعیدی خیر من اَنْ تراک میں مبتدأ تسمع صرف فعل ہے جس سے پہلے حرف تاصیب مذکور نہیں جواب تسمع سے پہلے ان ناصبہ مقدم ہے جس سے وہ مصدر کی تاویل میں ہو گیا ہے، معیدی ایک شخص تھا وہ بظاہر اچھا تھا مگر حقیقت میں بہت خراب تھا اور اب وہ ہر ایسے شخص کے لئے مثل ہو گیا جو ظاہر میں اچھا ہے اور باطن میں بُرا ہو۔

قولہ ای الذی لم یوجد۔ اس عبارت سے اس قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ الف لام جب اسم مفعول پر داخل ہو تو وہ الذی کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم مفعول فعل مجہول کے معنی میں اور مجرد سے چونکہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مبتدأ پر پہلے عامل لفظی ہو پھر اس سے مجرد کر لیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اس لئے اس

کالازی معنی لم یوجد یعنی ملزوم سے لازم مراد لیا گیا۔ لیکن متن میں لم یوجد اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ المجرور عبارت میں اختصار کے علاوہ اس امر پر تنبیہ ہو کہ اصل عامل لفظی ہے جو عامل معنوی کی طرف عدول کیا گیا ہے

قولہ عامل لفظی۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں عوامل لفظیہ اگرچہ جمع کثرت ہے لیکن اس سے مراد جس عامل لفظی ہے کہ اس پر الف لام داخل ہونے کی وجہ سے جمعیت باطل ہو گئی ہے اور عامل چونکہ

ضعیفیت سے اسمیت کی طرف منقول ہے اس لئے اس کا الف لام بمعنی الذی نہیں کیونکہ اس تقدیر پر عامل بمنزلة جامد ہو گیا ہے۔ اور اصلاً کی قید حملہ مذکور کی تاکید ہے کہ جس سے مراد وجود عامل لفظی کا عدم بطور سلب کلی ہے بطور رفع ایجاب کلی نہیں۔

قولہ واحترض به۔ تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اس عبارت سے اشارہ کیا جاتا ہے کہ اسم بمنزلة جس ہے جو فاعل مفعول مالم یسم فاعلاً، خبر اَنْ وکَانَ۔ اسم ما ولا شاہد بلیس۔ خبر اَنْ نفی جس خبر مبتدأ اور ثانی کی قسم ثانی کو بھی شامل ہے اور مجرد از عوامل لفظیہ بمنزلة فصل بعید ہے جس سے پہلا پانچواں اسم خارج ہو گئے کیونکہ وہ وہ ایسے اسم ہیں کہ جن کا عامل لفظی ہوتا ہے اور مسند الیہ بمنزلة فصل قریب ہے جس سے آخری دو نول اسم خارج ہو کیونکہ وہ عوامل لفظیہ سے مجرد ضرور ہیں لیکن مسند ہیں مسند الیہ نہیں۔

قولہ کانتہ انا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ بحسبک درهم میں حب مبتدأ ہے لیکن وہ عامل لفظی سے مجرد نہیں کہ اس پر با عامل داخل ہے جواب یہ کہ عامل لفظی سے مراد وہی ہے جو ابتداء سے کتاب میں مذکور ہوا کہ جو معنی میں مؤثر ہو یعنی وہ جس سے معنی حقیقی فاعلیت یا مفعولیت یا اضافت حاصل ہو اور ظاہر ہے مثال مذکور میں یہ مفقود ہے کیونکہ بارے معنی اضافت حاصل ہوتا ہے جیسے مرث بزمیدیں باکا متعلق مرث ہے جس سے مرث کی اضافت بدخول کی طرف ہوتی ہے اور مثال مذکور میں با، زائدہ ہے جس کا کوئی متعلق نہیں ہوتا پھر اس سے معنی اضافت کیسے حاصل ہوگا۔

أَوِ الصِّفَةُ سَوَاءٌ كَانَتْ مُشْتَقَّةً ضَارِبَةً وَمَضْرُوبَةً وَحَسَنٌ أَوْ جَارِيَةً مَجْرَاحًا كَقَرَشِيٍّ أَوْ لَوَاعِيَةً
يَعْلَى حَرْفٍ فِي النَّفْيِ كَمَا وَلَا

ترجمہ: (زیادہ صفت) عام ہے مشتق ہو جیسے ضارب ومضروب وحسن یا مشتق کے قائم مقام ہو جیسے قرشی (جو واقع ہو حرف نفی) جیسے ما ولا (کے بعد)

تشریح:۔ بیان اللہ أو الصفۃ۔ یہ مبتدا کی دوسری قسم کا بیان ہے کہ مبتدا یا وہ صیغہ صفت ہو جو حرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہو کر اسم ظاہر کو رفع دے جسے ما قائم الزیدان میں قائم صیغہ صفت ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہو کر الزیدان کو رفع دیتا ہے۔ اویہاں تنوید و تقسیم محدود کے لئے آیا ہے جو ابتداء سے حد میں محدود کے کل اقسام کی شمولیت کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ حد میں اسم محدود کی پہلی قسم مستدلیہ اور دوسری قسم صیغہ صفت و دوزل کو شامل ہے اس لئے کہ اسم سے یہاں وہ مراد ہے جو فعل و حرف کا مقابل ہو صفت کا نہیں۔

قولہ سواء کانت۔ یہ جواب اس سوال کا کہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ قریشی خاندان میں قریشی مبتدا ہے لیکن وہ صیغہ صفت نہیں جواب یہ کہ صفت سے مراد عام ہے کہ مشتق ہو جسے اسم فاعل و اسم مفعول و صفت مشبہ یا اس کا قائم مقام ہو جسے قریشی کہ وہ منسوب بسوئے قریش کے معنی میں ہے اور منسوب مشتق ہے جس کے قائم مقام قریشی ہے۔

بیانۃ الواقعة۔ صیغہ صفت کو حرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہونے کے ساتھ اس لئے مقید کیا گیا کہ وہ اپنے مابعد کا عامل ہوتا ہے جس کے لئے اعتماد مذکور ضروری ہے پس اس سے قائم زید میں قائم خارج ہو گیا کہ وہ صیغہ صفت ہے لیکن اس سے پہلے اعتماد مذکور نہیں پس وہ خبر مقدم ہو گا اور زید قائم ابوہ میں قائم صیغہ صفت کا اعتماد چونکہ مبتدا پر ہے اس لئے وہ خبر ہو گا مبتدا نہیں اور مرتبہ برجل ضارب ابوہ بکرا میں ضارب بھی صیغہ صفت ہے لیکن اس کا اعتماد موصوف پر ہے اس لئے وہ صفت ہو گا مبتدا نہیں اور جارئی زید را کتباً غلامہ فرما میں را کتباً بھی صیغہ صفت ہے لیکن اس کا اعتماد ذوالحال پر ہے اس لئے وہ حال ہو گا مبتدا نہیں۔

قولہ کما دلا۔ یہ مثال ہے حرف نفی صریح کی جیسے ما و لا قائم الزیدان اور مثال حرف نفی ضمنی کی جیسے انما قائم الزیدان میں انما سے ضمنی نفی مستفاد ہے کہ وہ برائے حصر ہے جس میں نفی و اثبات دونوں متصور ہوتے متن میں اگر بعد حرف نفی کے بجائے صرف بعد نفی کہا جائے تو اختصار کے علاوہ لفظ غیر کو بھی شامل ہو جاتا لیکن حرف نفی کو غالباً اصل ہونے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ نفی میں اصل ہے اور اس لئے بھی کہ لفظ غیر ہمیشہ مضاف واقع ہوتا ہے اور صیغہ صفت مضاف الیہ اور مضاف الیہ کا عامل جمہور کے نزدیک مضاف ہوتا ہے اور مضاف کے نزدیک حرف جاز مقدرا و دوزل عوامل لفظیہ سے ہیں جب کہ مبتدا کی دوسری قسم کا بھی عوامل لفظیہ سے ہر دو نا ضروری ہے اگرچہ متن میں اختصار کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

أدلف الاستفہام ونحوہ لہلہ وما ومن وعن سیویہ جواز الابتداء بھا من غیر استفہام و نفی مع قیچ والاخفش یرئ ذلک حسناً وعلیہ قولہ الشاعر فخیل من عند الناس منکم فخیل مبتداً و نحن فاعلہ و لو جعل خیر خبراً عن نحن لفصل بین اسم التفصیل ومفعولہ الذی هو من بآجنی وهو غیر جائز لفصل علیہ بخلاف ما لو کان فاعلاً لکونہ کالجن ۶

ترجمہ:۔ دیا الف استفہام، اور اس جیسے (کے بعد) جیسے حل اور ما اور من اور سیویہ سے بغیر استفہام و نفی کے صیغہ صفت کے مبتدا ہونے کا جواز قیاحت کیساتھ منقول ہے اور اخفش اس کو جائز سمجھتے ہیں اور اخفش کی راہ پر شاعر کا یہ قول ہے ہج ترجمہ ہم لوگوں کے نزدیک آپ سے بہتر ہیں پس خیر مبتدا ہے اور نحن اس کا فاعل اور اگر خیر کو نحن کی خبر قرار دیا جائے تو اسم تفصیل اور اس کے مفعول جو کہ من ہے، کے درمیان اجنبی سے فصل لازم آئیگی اور وہ جائز نہیں کیونکہ اسم تفصیل کا عمل ضعیف ہے برخلاف اگر خیر کو فاعل قرار دیا جائے تو اجنبی سے فصل لازم نہ آئیگی اس لئے کہ فاعل شل جزی ہوتا ہے۔

تشریح:۔ قولہ ونحوہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ حل قائم الزیدان میں قائم اور ما جالس احوال میں جالس اور من ذاہب ابناء میں ذاہب مبتدا کی دوسری قسم ہیں لیکن وہ الف استفہام کے بعد واقع نہیں جواب یہ کہ عبارت میں معطوف محذوف ہے یعنی اوالف الاستفہام ونحوہ اوالف استفہام کو یہاں اصل ہونے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے خیال رہے کہ من و ما اس تقدیر پر مفعول ہونگے مبتدا نہیں کہ مبتدا صیغہ صفت ہو گا۔

قولہ وعن سیویہ۔ صیغہ صفت کا مبتدا ہونے کے لئے حرف نفی یا الف استفہام پر اعتماد جمہور کے نزدیک ہے لیکن سیویہ اعتماد کے بغیر اس کو جائز قرار دیتے ہیں مگر قیاحت کیساتھ اور اخفش بلا قیاحت جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ شاعر کے قول ہج فخیل من عند الناس منکم میں خیر صیغہ صفت مبتدا ہے اور نحن اس کا فاعل قائم مقام خبر ہے لیکن خبر سے پہلے اعتماد مذکور نہیں جمہور کی طرف اس کے تین جوابات ہیں ایک یہ کہ خیر اسم تفصیل ہے جس کے فاعل کا اسم ظاہر یا ضمیر بارز ہونا مسئلہ کل میں منحصر ہے اور شعر مذکور اسی قبیل سے ہے پس خیر مبتدا نہیں بلکہ خبر ہے مبتدا محذوف نحن کی اور نحن مذکور خبر میں ضمیر مستتر فاعل کی تاکید ہے دوسرا جواب یہ کہ وہ فصحاء کے کلام سے نہیں ہے کہ اس کو دلیل کے طور پر پیش کیا جائے تیسرا جواب یہ کہ ضرورت شعری کی وجہ سے

اعتقاد مذکور محذوف ہو گیا ہے۔

قولہ **ولو جعل**۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ممکن ہے خیر مبتدا نہیں بلکہ خبر ہو اور محض اس کا مبتدا ہو جواب یہ کہ خیر اگر خبر ہوگی تو فصل اجنبی عامل اور معمول کے درمیان لازم آئیگی اس لئے کہ خیر عامل ہے اور معمول منکم ہے جن دونوں کے درمیان محض مبتدا فصل اجنبی ہے کہ وہ خبر کے معمولات سے نہیں اور عامل بھی قوی نہیں کہ وہ اسم تفصیل ہے جو عمل میں ضعیف ہوتا ہے البتہ محض کے فاعل ہونے سے بھی اگرچہ فصل لازم آتی ہے لیکن اجنبی کہ فاعل خبر شئی کی مانند ہوتا ہے۔

سرافعة لظاہر وما یجری مجراہ و هو الضمیر المنفصل لئلا ینحرج عنہ نحو قوله تعالیٰ اے اے انت انت عن الحق یا ابراہیم واحترز بہ عن نوا قائلان الزید انت لات آقانمان افع لضمیر عائلی الی الزیدان ولو کان سرافعا لهذا الظاہر لم یجوز تشیہ

ترجمہ:۔۔۔ درال حالیکہ رفع دیتی ہو اسم ظاہر کو اور اس کو جو اسم ظاہر کے قائم مقام ہو اور وہ ضمیر منفصل ہے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قول **اے اے ابراہیم** کی مثل خارج نہ ہو اور مصنف نے اس قید آقانمان الزیدان جیسی ترکیب سے احتراز فرمایا اس لئے کہ قائمان اس ضمیر کو رفع دیتا ہے جو الزیدان کی طرف رہا ہے اور اگر وہ اسم ظاہر کو رفع دیتا تو اس کو تشیہ لانا جائز نہ ہوتا۔

تشریح:۔۔۔ بیانہ سرافعة۔ یہ حال ہے الواقعہ کی ضمیر سے اصل عبارت یہ ہے کہ حال کون ملک الصیغہ رافعة لظاہر اور ما یجری مجراہ سے جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف اب بھی جامع نہیں کیونکہ **اے اے انت** عن الہی یا ابراہیم میں **راغب** مبتدا ہے لیکن اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا بلکہ انت ضمیر کو رفع دیتا ہے جواب یہ کہ ظاہر سے مراد عام ہے کہ وہ اسم ظاہر ہو یا اس کا قائم مقام یعنی ضمیر منفصل ہو یعنی وہ اسم مراد ہے جو تلفظ میں مستقل ہو خواہ وہ اسم ظاہر ہو یا ضمیر منفصل ہو یہ بیرون کے نزدیک ہے کہ ان کے نزدیک صیغہ صفت ضمیر منفصل کو بھی رفع دیتا ہے لیکن کو فیون کا مذہب اس کا برعکس ہے کہ وہ ضمیر منفصل کو رفع دینے کا قول نہیں کرتے

قولہ **واحترز بہ**۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تعریف میں اس قید کو کیوں بیان کیا گیا ؟ کہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع دے۔ جواب یہ کہ اس قید سے مقصود آقانمان الزیدان کی مثل کو خارج کرنا ہے کیونکہ اس میں صیغہ صفت الزیدان اسم ظاہر کو نہیں بلکہ اسم ضمیر مفعول کو رفع دیتا ہے اس لئے کہ وہ اگر

اسم ظاہر کو رفع دیتا تو اس کو تشیہ لایا نہیں جاتا کیونکہ فاعل کو رفع دینے والا اگر فاعل پر مقدم ہو تو اس رافع کو ہمیشہ واحد لایا جاتا ہے حالانکہ اس کو تشیہ لایا گیا ہے۔

مثال **زید قائم** مثالہ **للقسم الاول من المبتدأ** وما قائم الزیدان مثالہ **للمصنف الواقع بعد** حرف النبی واقائم الزیدان مثالہ **للمصنف الواقع بعد** حرف الاستفهام

ترجمہ:۔۔۔ (جیسے زید قائم) مبتدا کی قسم اول کی مثال ہے (اور ما قائم الزیدان) اس صفت کی مثال ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہے (اور آقام الزیدان) اس صفت کی مثال ہے جو حرف استفہام کے بعد واقع ہے تشریح:۔۔۔ قولہ **مثالہ للقسم الاول**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماقن نے مبتدا کی تین مثالیں کیوں بیان فرمایا جب کہ مثال وضاحت کے لئے ہوتی ہے جو حرف ایک سے کافی ہے جواب یہ کہ پہلی مثال مبتدا کی قسم اول کی ہے اور دوسری مثال مبتدا کی قسم ثانی میں اس صفت کی ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہے اور تیسری مثال اس صفت کی ہے جو حرف استفہام کے بعد واقع ہے

فان طابقت الصیغۃ الواقعۃ بعد حرف النبی والاستفهام اسما مفردا فمذکور ما بعدھا نحو ما قائم زید و آقام زید و احترز بہ عما اذا طابقت مثنی نحو آقانمان الزیدان او مجموعا نحو آقانمان الزیدان فانھا حیثین خبر لیس الا جان الامران کون الصیغۃ مبتدأ وما بعدھا فاعلھا لیس صد الخبر و کون ما بعدھا مبتدأ و الصیغۃ خبر مقدم ما علیہ

ترجمہ:۔۔۔ (پس اگر مطابق ہو وہ) صفت جو حرف نفی و استفہام کے بعد واقع ہو اس اسم (مفرد کے) جو صفت کے بعد مذکور ہے جیسے ما قائم زید اور آقام زید اور مصنف نے مفرد کی قید سے اس صورت سے احتراز فرمایا جب کہ صفت مثنی کے مطابق ہو جیسے آقانمان الزیدان یا مجموع کے جیسے آقانمان الزیدان پس اس وقت صفت خبر کے سوا کچھ نہیں (تو دونوں صورتیں جائز ہیں) صفت کا مبتدا ہونا اور اس کے بعد کا، اس کا فاعل ہونا جو خبر کے قائم مقام ہے اور صفت کے مابعد کا مبتدا ہونا اور صفت کا خبر ہونا جو مبتدا پر مقدم ہے۔ تشریح:۔۔۔ بیانہ فان طابقت۔ یہ تفصیل ہے مذکورہ صیغہ صفت کی کہ وہ اگر اسم ظاہر کا مفرد ہونے میں مطابق ہو یعنی صیغہ صفت کی طرح اسم ظاہر بھی مفرد ہو

جیسے اقامت زید تو دو صورتیں جائز ہیں ایک یہ کہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع کر لیا اس صورت میں صیغہ صفت مبتدا ہوگا اور اسم ظاہر فاعل ہوگا جو قائم مقام خبر ہے دوسری یہ کہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع نہ کرے گا اس صورت میں صیغہ صفت خبر مقدم ہوگا اور اسم ظاہر مبتدا مؤخر پس دونوں صورتوں میں وہ جملہ اسمیہ ہوگا لیکن قائم زید کہ اگر زید کو مبتدا مؤخر قرار دیا جائے تو جملہ اسمیہ ہوگا اور اگر فعل قرار دیا جائے تو جملہ فعلیہ ہوگا اسی لئے اقامت زید میں زید فاعلیت کے لئے متعین نہیں اور قائم زید میں متعین ہے ورنہ فاعل کا مبتدا کیساتھ التباس لازم آئیگا کہ دونوں کا موڈی مختلف ہے اور اقامت زید میں التباس لازم نہیں آئے گا کیونکہ دونوں کا موڈی ایک ہے پس دونوں صورتوں کے جائز ہونے کی وجہ اتحاد موڈی ہے۔

قولہ الصفة الواقعة۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تین میں طابقت کی تعمیر مستر کا مرجع مطلق صیغہ صفت ہو سکتا ہے اور نہ ہی صفت مذکورہ۔ مطلق صیغہ صفت اس لئے نہیں کہ اس سے قائم زید میں بھی دو طریقے جائز ہونا لازم آئے گا حالانکہ اس میں صرف ایک طریقہ جائز ہے یعنی صیغہ صفت کا خبر مقدم ہونا اور اسم ظاہر کا مبتدا مؤخر ہونا اور صفت مذکورہ اس لئے نہیں کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جس اسم ظاہر میں صفت مذکورہ رفع کرتی ہے اس کا فاعل ہوتا اور مبتدا ہوتا دونوں جائز ہوں حالانکہ جس اسم ظاہر میں صفت مذکورہ رفع کرتی ہے اس کو مبتدا بنانا محال ہے مثلاً اقامت زید میں زید کو جب قائم کر رفع دے تو زید مبتدا نہیں ہو سکتا کہ مبتدا فاعل لفظی سے خالی ہوتا ہے جواب یہ کہ مرجع صفت مذکورہ ہی ہے لیکن اس تقدیر پر کہ صفت مذکورہ جو اسم ظاہر کو رفع کرتی ہے اس اسم ظاہر کا مبتدا ہونا بھی ممکن ہو یعنی مبتدا بنانے کے وقت اسم ظاہر کو رفع نہ مانا جائے

قولہ اسماء۔ اس کا ذکر محض بیان واقع کے لئے ہے کہ یہ بحث مرفوعات ہے جو اسم سے متعلق ہے فعل و حرف سے نہیں اسی طرح مذکوراً بعدھا کا ذکر بھی بیان واقع کے لئے ہے کیونکہ جو مفرد ایسے صیغہ صفت کے مطابق ہو جو حرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہو تو وہ مفرد اس صفت کے بعد واقع ہوتا ہے اس لئے کہ اگر پہلے واقع ہو تو حرف نفی و الف استفہام کا مفرد پر داخل ہونا لازم آئیگا صفت پر نہیں اور اگر صفت پر داخل ہو تو اس کی صدارت مفقود ہو جائیگی۔

قولہ واحترز بہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مطابقت مفرد ہی کے ساتھ کیوں ضروری ہے؟ مثنی و مجموع کے ساتھ کیوں نہیں؟ جواب یہ کہ صیغہ صفت اگر مثنی کے مطابق ہو جیسے اقامت الزیدان یا مجموع کے مطابق ہو جیسے اقامت الزیدون تو آگے جو جازا لامران کہا گیا ہے درست نہ ہوگا

کیونکہ ایسی صورت میں صرف ایک امر جائز ہوتا ہے یعنی صیغہ صفت کا خبر مقدم اور اسم ظاہر کا مبتدا مؤخر ہونا جیسا کہ گذرا۔

قولہ كون الصفة۔ ایک امر کا بیان کون اول سے کیا گیا ہے اور دوسرے کا بیان کون دوم سے اول کا حاصل یہ کہ جائز ہے صیغہ صفت کا مبتدا ہونا اور اس کے مابعد کا فاعل ہونا جو جملہ کے تمام ہونے میں خبر کا قائم مقام ہے جیسے اقامت زید خبر اس لئے نہیں ہے کہ وہ مسند الیہ نہیں ہوتی جب کہ وہ یہاں مسند الیہ واقع ہے نیز اس کا عامل صیغہ صفت ہے حالانکہ خبر کا عامل معنوی ہوتا ہے اور وہ یہاں لفظی ہے اور اسم ظاہر مسند الیہ اس لئے واقع ہے کہ اس کو صیغہ صفت رفع دیتا ہے اور وہ خبر کے علاوہ فاعل بھی ہوتا ہے دوم کا حاصل یہ کہ جائز ہے صیغہ صفت کے مابعد کا مبتدا ہونا اور صیغہ صفت کا خبر مقدم ہونا کیونکہ خبر ایسے امر کو شامل ہے جو صدارت کلام کو مقضی ہے اور وہ حرف نفی و الف استفہام ہے۔

فہمنا ثلاث صوراً أحدها أقامت الزيدان وتعين حيشي أن يكون الزيدان مبتداً وأقامت خبداً مقدماً عليه وثانيهما أقامت الزيدان وتعين حيشي أن يكون الزيدان فاعلاً للصفة قائماً مقام الخبر وثالثها أقامت زيدا ويجوز فيه الامران كما عرفت

ترجمہ:۔۔۔ پس یہاں تین صورتیں ہیں جن میں سے ایک اقامت الزیدان ہے اور اس وقت الزیدان کا مبتدا ہونا متعین ہے اور اقامت الزیدان کا خبر ہونا جو اس پر مقدم ہے اور دوسری صورت اقامت الزیدان ہے اور اس وقت متعین ہے الزیدان کا صفت فاعل ہونا جو خبر کا قائم مقام ہے اور تیسری صورت اقامت زید ہے اور اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں جیسا کہ آپ پہچان چکے،

تشریح:۔۔۔ قولہ فہمنا۔ مطابق ہونے اور مطابق نہ ہونے کے اعتبار سے عقلاً صرف تین ہی نہیں بلکہ کل نو صورتیں پیدا ہوتی ہیں جن کی دلیل حصر یہ ہے کہ صیغہ صفت اسم ظاہر کے مطابق ہے یا مطابق نہیں اگر مطابق ہے تو اس کی بھی تین صورتیں ہیں کہ (۱) مطابقت مفرد ہونے میں ہے جیسے اقامت زید (۲) یا مثنی ہونے میں جیسے اقامت الزیدان (۳) یا جمع ہونے میں جیسے اقامت الزیدون اور اگر مطابقت نہیں ہے تو اس کی چھ صورتیں ہیں (۴) صیغہ صفت مفرد ہے اور اسم ظاہر مثنی جیسے اقامت الزیدان (۵) صیغہ صفت مفرد ہے اور اسم ظاہر مجموع جیسے اقامت الزیدون (۶) صیغہ صفت ہے اور اسم ظاہر

مفرد جیسے اقامان زید (۸) صیغہ صفت مجموع ہے اور اسم ظاہر مفرد جیسے اقامون زید (۹) صیغہ صفت شنی ہے اور اسم ظاہر مجموع جیسے اقامان الزیدون (۱۰) صیغہ صفت مجموع ہے اور اسم ظاہر شنی جیسے اقامون الزید پہلی صورت میں دونوں امر جائز ہیں جیسا کہ تفصیل گندی ۱۱۔ دوسری و تیسری صورتوں میں صیغہ صفت کے مابعد کا مبتدا ہونا اور صیغہ صفت کا خبر مقدم ہونا متعین ہے اس قاعدہ سے کہ فعل کی طرح صیغہ صفت بھی ہمیشہ واحد لایا جاتا ہے جب کہ فاعل اسم ظاہر ہو عام ہے وہ مفرد ہو یا مثنیٰ یا مجموع اور اگر فاعل اسم ضمیر ہو تو واحد کے لئے واحد اور شنی کے لئے مثنیٰ اور مجموع کے لئے جمع لائی جاتی ہے دوسری صورت میں صیغہ صفت شنی ہے اور تیسری صورت میں مجموع پس صیغہ صفت اگر مبتدا ہے تو اسم ظاہر کو مرفوع اور مفرد ہونا چاہیے لیکن وہ یہاں ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ مبتدا نہیں بلکہ خبر مقدم ہے اور چوتھی اور پانچویں صورتوں میں صیغہ صفت کا مبتدا ہونا اور اس کے مابعد کا فاعل قائم مقام خبر ہونا بقاعدہ مذکورہ متعین ہے یہ وہ گئیں باقی چار صورتیں تو وہ باطل ہیں جیسا کہ نظر طریق سے ظاہر ہوتا ہے۔

والخبر هو المجرّد أي هو الاسم المجرّد عن العوامل اللفظية لانه الكلام في مرفوعات الاسماء فلا يصدق على يضرب زيدا انه المجرّد المستد به المغائر للصفة المذكورة لانه ليس باسم المستد به أي ما يوقع به الاسناد واحترز به عن القسم الاول من المبتدأ اع لانه مستد اليه لا مستد به المغائر للصفة المذكورة في تعريف المبتدأ واحترز به عن القسم الثاني من المبتدأ اع

ترجمہ: — (۱) اور خبر وہ جو خالی ہو یعنی وہ اسم جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اس لئے کہ کلام اسم کے مرفوعات میں ہے پس یضرب زید میں یضرب پر یہ امر ثابت نہ ہوگا کہ یضرب عوامل لفظیہ سے خالی مستد بہ ہے جو مذکور ہے صفت مذکورہ کا کیونکہ وہ اسم نہیں (مستد بہ) یعنی جس کے ساتھ اسناد واقع ہو اور مصنف نے المستد بہ کی قید سے مبتدا کی قسم اول سے احتراز فرمایا کیونکہ وہ مستد بہ ہے مستد بہ نہیں (جو مغایر ہو اس کے جو) مبتدا کی تعریف میں (مذکور ہے) اور مصنف نے المغائر للصفة المذكورة کی قید سے مبتدا کی قسم ثانی سے احتراز فرمایا۔

تشریح: — بیانہ هو المجرّد۔ مبتدا کی دو قسموں کی تعریف کے بعد اب خبر کی تعریف یہ بیان کی

جاتی ہے کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو مستد بہ ہو جو مغایر ہو صفت مذکورہ کے جیسے زید قائم میں قائم زید کی طرف مستد اور عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور وہ صیغہ صفت مزد ہے لیکن مذکور نہیں کہ اس پر نہ حرف نفی داخل ہے اور نہ ہی الف استفہام۔

قولہ ای هو الاسم المجرّد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف مذکور یضرب زید میں یضرب پر بھی صادق آتی ہے کہ وہ عوامل لفظیہ سے خالی اور مستد بھی ہے جو مغایر ہے صفت مذکورہ کا جواب یہ کہ تعریف المجرّد سے پہلے الاسم موصوف مقدر ہے بایں قسریہ کہ بحث اسم کے مرفوعات میں ہے اور یضرب فعل ہے پس تعریف مذکور اس پر صادق نہ آئیگی خیال رہے کہ اسم از قسم مفرد ہے اس لئے وہ مفرد ہی ہوگا عام ہے حقیقی ہو یا حکمی حقیقی تو ظاہر ہے لیکن حکمی سے مراد یہ ہے کہ لفظ اگرچہ واحد نہ ہو لیکن شدت امتزاج کی وجہ سے واحد شمار کیا جاتا ہو پس ہذا احد عشر میں احد عشر خبر ہے کہ وہ ایک لفظ شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا معنی ایک اور بس ہیں بلکہ گیارہ ہے

قولہ ای ما يوقع به الاسناد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مستد ماخوذ ہے اسناد سے اور وہ متعدی بنفس ہے پس اس کو بار کے ذریعہ متعدی کیوں کیا گیا؟ جواب یہ کہ مستد چونکہ معنی وقوع کو متعین ہے اور وہ لازم ہے اس لئے اس کو باء کے ذریعہ متعدی کیا گیا

قولہ واحترز به۔ اس عبارت سے تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اسم مجرد بمنزلة اسم جنس ہے جو مبتدا کی دونوں قسموں کو شامل ہے لیکن مستد بہ کی قید سے مبتدا کی پہلی قسم خارج ہوگئی کہ وہ مستد نہیں بلکہ مستد الیہ ہوتی ہے اور صفت مذکورہ کے مغایر ہونے کی قید سے مبتدا کی دوسری قسم خارج ہوگئی کیونکہ خبر کبھی بھی صفت مذکورہ نہیں ہوتی پس خبر عام ہے کبھی صفت ہی نہ ہوگی جیسے انا زید میں زید یا صفت ہوگی لیکن اس پر نہ حرف نفی داخل ہوتا ہے اور نہ ہی الف استفہام جیسے زید قائم میں قائم یا حرف نفی یا الف استفہام داخل ہو لیکن وہ اسم ظاہر کو رفع نہیں کرے بلکہ جیسے ماقامان للذیلان دأجالان البکران میں قاتمان اور جالان۔

قولہ فی تعریف المبتدأ ۱۰۔ اس تقریر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں مذکورہ طرف کو لازم ہے اور یہاں اس کا طرف مبتدا کی تعریف ہے اور متن میں اس کو اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ سیاق کلام اس پر دلالت ہے اور اس میں اختصار مطلوب ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ أَتَى تَقُولُ الْمَرْءُ الْمُبْتَدَأُ أَوْ تَجْعَلُ الْبَاءَ فِي بَدْءِ مَعْنَى إِلَى وَالضَّمِيرُ الْجَرَّ وَرَأَيْتُ
إِنِّي الْمُبْتَدَأُ عَلَى التَّقْدِيرِ يَرْجِعُ بِهِ الْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ الْمُبْتَدَأِ وَيَكُونُ قَوْلُهُ الْمَغَايِرُ لِلصَّفَةِ
الْمَذْكُورَةِ تَأْكِيدًا

ترجمہ: — اور آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسند یہ سے مراد مسند بجانب مبتدا ہے یا یہ میں بار کو بمعنی الیٰی کر دیجئے
اور ضمیر خبر و مبتدا کی طرف راجع ہوگی دونوں تقدیروں پر المسند بہ کی قید سے مبتدا کی قسم ثانی خارج ہو جاتی
ہے اور مصنف کا قول المغایر للصفت المذكورة تاکیدی ہوگا

تشریح: — قولہ وَلَمْ يَكُنْ أَتَى تَقُولُ۔ ائی مایوقع کے تحت جو سوال مذکور تھا اس عبارت سے اس
کے مزید دو جواب دیئے جاتے ہیں ایک یہ کہ متن میں مسند یہ سے مراد وہ ہے جو مبتدا کی طرف مسند ہو کیونکہ
مبتدا کی دوسری قسم مسند بہ مذکور ہو چکا اور وہی یہاں بھی مذکور ہے جس کا لازمی معنی یہ ہے کہ وہ مبتدا کی طرف
مسند ہو دوسرا جواب یہ کہ مسند یہ میں بار بمعنی الیٰی ہے اور ضمیر خبر و کا مرجع مبتدا ہے پس معنی یہ ہوا کہ خبر وہ
اسم خبر وہ ہے جو مبتدا کی طرف مسند ہو۔

قولہ عَلَى التَّقْدِيرِ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مسند بہ کی مذکورہ بالا دونوں توضیحوں کی
تقدیر پر صفت مذکورہ کے مقابل ہونے کی قید فضول ہے جواب یہ کہ ان دونوں تقدیروں پر تعریف میں مذکورہ بالا
قید، قید اول کی تاکید ہو جائیگی

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ الْعَامِلُ فِي الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ هُوَ الْإِبْتَدَاءُ أَوْ أَتَى تَجَرِيدُ الْأَسْمِ عَنْ الْعَوَاصِلِ اللَّفْظِيَّةِ
لِيَسْتَأْنِفَ شَيْءٌ أَوْ يُسَمِّيَ الْإِبْتَدَأُ عَامِلٌ فِي الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ مَفْعٌ لَهَا أَعْنَدَ الْبَقَا

ترجمہ: — اور معلوم کیجئے کہ مبتدا و خبر میں عامل ابتداء ہی ہے یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی کیا جانا تاکہ
اس کی اسناد کسی شئی کی طرف کی جائے یا اس کی طرف کسی شئی کی اسناد کی جائے پس بصریوں کے نزدیک
معنی ابتداء مبتدا و خبر میں عامل ہے جو ان دونوں کو رفع دیتا ہے

تشریح: — قولہ وَأَعْلَمُ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا و خبر میں عامل ہے خبر میں اور خبر عامل ہے مبتدا

میں پس دونوں میں سے کوئی بھی عوامل لفظیہ سے نہ ہوا جواب یہ کہ یہاں پر تین مذہب ہیں ایک وہ جو مذکور ہوا
کہ مبتدا و خبر میں عامل ہے خبر میں اور خبر عامل ہے مبتدا میں دوسرا وہ کہ مبتدا میں عامل، معنوی ہے یعنی عامل لفظی
کا نہ ہونا ہے اور خبر میں مبتدا ہے تیسرا وہ کہ مبتدا و خبر میں سے ہر ایک کا عامل معنوی ہے پہلا مذہب امام
کسانی و امام فرائد کا ہے اور دوسرا سبویہ و ابوعلی و ابو الفتح کا ہے اور تیسرا بصریوں کا اور مصنف علیہ الرحمہ کے
نزدیک یہی مذہب اختیار ہے اسی وجہ سے دونوں کی تعریفوں میں المجرّد سے تصریح فرمایا ہے، سوال مبتدا
و خبر میں عامل لفظی کا نہ ہونا موثر نہیں ہو سکتا کیونکہ موثر صفت ثبوتیہ ہوتا ہے اور عامل لفظی کا نہ ہونا امر عدی
ہے اور امر عدی کسی شئی کے وجود کا عامل نہیں ہوتا جواب موثر حقیقتہً شکم ہوتا ہے عامل نہیں البتہ عامل تاثر
شکم پر علامت ہوتا ہے اور امر عدی کا علامت ہونا واقع ہے جیسے حرف کی علامت اسم و فعل کی علامتوں
کا نہ ہونا ہے۔

قولہ اِنِّي تَجَرِيدُ الْأَسْمِ۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا و خبر کا عامل جب ابتداء ہے تو وہ لفظی
ہوگا کہ ابتداء لفظی ہے الفاظ میں۔ یہ جواب یہ کہ ابتداء سے یہاں مراد لفظ ابتداء نہیں بلکہ اس کا معنی ہے یعنی اسم
کا شروع میں ہونا کیونکہ اسم جب عوامل لفظیہ سے خالی ہوگا تو وہ لامحالہ شروع میں ہوگا۔ لیکن مبتدا میں تو ظاہر
ہے اور خبر میں اس لئے کہ وہ بھی کبھی شروع میں ہوتی ہے۔

قولہ لَيْسَ اِلَى شَيْءٍ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا و خبر جس طرح عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے
ہیں اسی طرح اسماء معدودہ مثلاً زید و بکر وغیرہ بھی جواب یہ کہ یہاں اس اسم سے خالی ہونا مراد ہے جو مسند ہو
کسی شئی کی طرف جیسے خبر یا اس کی طرف کوئی شئی مسند ہو جیسے مبتدا۔

وَأَمَّا عِنْدَ غَيْرِهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمُ الْإِبْتَدَاءُ عَامِلٌ فِي الْمُبْتَدَأِ وَالْمُبْتَدَأُ عَامِلٌ فِي الْخَبَرِ وَقَالَ الْآخَرُونَ
أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُبْتَدَأِ وَالْخَبَرِ عَامِلٌ فِي الْخَبَرِ وَعَلَى هَذَا لَا يَكُونُ رَدٌّ مَجْرَدٌ مِنْ عَنِ
الْعَوَاصِلِ اللَّفْظِيَّةِ

ترجمہ: — اور لیکن ان لوگوں کے علاوہ کے نزدیک تو بعض نحوویں نے کہا کہ مبتدا میں عامل ابتداء ہے
اور خبر میں مبتدا اور دوسرے بعض نحوویں نے کہا کہ مبتدا و خبر میں سے ہر ایک دوسرے میں عامل ہے اور ان
دونوں تقدیروں پر مبتدا و خبر عوامل لفظیہ سے مجرّد نہ ہونگے۔

تشریح: قولہ **وَأَمَّا عَنِ غَيْرِهِمْ**۔ بصریوں کے علاوہ میں سے کچھ نحوی و سیویہ و ابو علی و ابو النعمان ایسا جو مبتدا میں عامل ابتداء کو قرار دیتے ہیں اور خبر میں مبتدا کو لیکن خبر میں ابتداء کو عامل اس لئے قرار نہیں دیتے کہ وہ عدنی ہے جو کسی شے کے وجود کا مؤثر نہیں ہوتا لیکن مبتدا میں اس کو عامل ضرورت کی وجہ سے مانتے ہیں کیونکہ اس کا عامل اگر خبر کو قرار دیا جائے تو دور لازم آئے گا کہ خبر میں عامل مبتدا ہے اور مبتدا میں خبر اسی کو دور کہتے ہیں جو محال ہے

قولہ **وَقَالَ الْآخَرُونَ**۔ دوسرے نحوی امام کسائی و امام فرار ہیں جو خبر میں مبتدا کو عامل قرار دیتے ہیں اور مبتدا میں خبر کو ادب اگرچہ بظاہر دور کو لازم کرتا ہے لیکن حقیقتہً نہیں کہ دور کے لئے جہت کا اتنا ضروری ہے اور یہاں اختلاف ہے کیونکہ مبتدا عامل باعتبار ذات ہے اور خبر عامل باعتبار محل فائدہ ہے

قولہ **وَعَلَىٰ هَذَا**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا جب خبر میں عامل ہے یا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے میں عامل ہے تو کوئی بھی عامل لفظ سے مجرور نہ ہوا تو پھر ان دونوں کو متن میں اسم مجرور کیوں تعبیر کیا گیا ہے جواب یہ کہ مبتدا و خبر اگرچہ اخیر دونوں مذہب پر مجرور نہیں لیکن مذہب اول پر مجرور ضرور ہیں اور متن میں اسی مذہب پر دونوں کو اسم مجرور کہا گیا ہے۔

اصل **الْمُبْتَدَأُ** اُنَّی مَا یَنْبَغِ اَنْ یَّکُونَ الْمُبْتَدَأُ عَلَیْهِ اِذَا الْمُرْتَبِعُ مَانَعٌ اَلْتَقْدِیْمُ عَلَی الْخَبْرِ لَفْظًا لِاَنَّ الْمُبْتَدَأَ ذَاتٌ وَالْخَبْرُ حَالٌ مِنْ اَحْوَالِهَا وَالذَّاتُ مُقَدَّمَةٌ عَلَیْ اَحْوَالِهَا

ترجمہ: — اور مبتدا کی اصل، یعنی وہ جس پر مبتدا کا ہونا مناسب ہے جب کہ کوئی مانع منع نہ کرے (مقدم ہونے پر) خبر پر لفظ اس لئے کہ مبتدا ذات ہے اور خبر حال ہے اس کے احوال میں سے اور ذات اپنے احوال پر مقدم ہوتی ہے

تشریح: — بیانہ اصل **الْمُبْتَدَأُ**۔ مبتدا و خبر کی تعریف کے بعد اب دو دل کے احکام کو بیان کیا جاتا ہے اور مبتدا کی تعریف کو جو خبر کی تعریف پر بوجہ تقدم طبعی پہلے بیان کیا گیا تھا اس نے یہاں بھی اس کے احکام کو پہلے بیان کیا جاتا ہے کہ مبتدا جو خبر پر مقدم ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے اس کو لفظاً بھی مقدم کیا جائے تاکہ ظاہر باطن کے موافق ہو جائے پس فی دارہ زیدی کی ترکیب جاتر ہے کیونکہ اس

میں زید اگرچہ لفظاً مؤخر ہے لیکن رتبہً مقدم ہے اس لئے کہ وہ مبتدا ہے جس کی طرف فی دارہ میں ضمیر مجرور راجع ہے کہ وہ مقام خبر میں ہے اور خبر رتبہً مؤخر ہوتی ہے اور صاحبہا فی الدار کی ترکیب منوع ہے کہ اس میں صاحبہا مبتدا ہے جس کی ضمیر داری طرف مابعد ہے جو مقام خبر میں ہونے کی وجہ سے لفظاً بھی مؤخر ہے اور رتبہً بھی پس اس سے اخصار قبل الذکر لازم آتا ہے جو جائز نہیں۔

قولہ **اُنَّی مَا یَنْبَغِ**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا کا مقدم کرنا ہی اگر قانون و قاعدہ ہے تو فی الدار رجل میں رجل کیوں مؤخر ہے؟ جب کہ وہ بھی مبتدا ہے جو اس کے اصل سے یہاں مراد قاعدہ و قانون نہیں بلکہ وہ مناسب حالت ہے جو مبتدا کے لئے کسی عارض کے بغیر ثابت ہو اور مثال مذکور میں رجل کا محوہ تقدیم سے مانع ہے۔

قولہ **لَاَنَّ الْمُبْتَدَأَ**۔ یہ دلیل ہے متن میں دعویٰ مذکور کی جس کا حاصل یہ کہ مبتدا اکثر ذات ہوتا ہے کہ وہ ترکیب میں محکوم علیہ ہوتا ہے اور خبر اس کا حال ہے کہ وہ محکوم یہ ہوتی ہے اور ذات طبعاً اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا اور اس لئے بھی کہ مبتدا حقیقتہً موصوف ہوتا ہے اور خبر اس کے صفت اور موصوف بھی چونکہ طبعاً صفت پر مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا گیا تاکہ ذکر طبع کے مطابق ہو جائے خیال رہے کہ ذات کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے ایک حقیقت و ماہیت پر دوسرا قائم بذاتہ پر تیسرا مستقل بالمفہومیت پر اور یہاں ذات سے پہلا معنی مراد ہے پس **الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النُّومِ** میں صلوة سے مخدور لازم نہیں آئے گی کہ وہ افعال مخصوصہ کا نام ہے جس کو معنی اول شامل ہے کہ وہ ماہیت من الماہیات ہے اور خبر ہونا اس کی حالت و صفت ہے۔ سوال مبتدا کی طرح فاعل بھی ذات و محکوم علیہ ہوتا ہے پس اس کو بھی فعل پر مقدم کرنا چاہئے حالانکہ وہ مقدم نہیں ہوتا جو اب دلیل مذکور سے فاعل کو بھی اگرچہ مقدم کرنا چاہیے لیکن اس کے معارض دوسری دلیل قوی موجود ہے وہ یہ کہ فاعل معمول ہے اور فعل عامل اور عامل کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ معمول پر مقدم ہو اس لئے فاعل کو مؤخر کیا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ فاعل اگر فعل پر مقدم ہو تو اس کا مبتدا کیساتھ التباس ہو جائیگا

لے
وَمِنْ تَمَّ اُنَّی وَمِنْ اَجَلَ اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْمُبْتَدَأِ اَلْتَقْدِیْمُ لَفْظًا جَاثِی قَوْلُهُمْ فِی دَارِہَا زَیْدٌ
مَع کَوْنِ الضَّمِیرِ عَائِدًا اِلَیْهِ اِلَّا فِی الْمَتَّحِ لَفْظًا لَتَقْدِیْمِہٖ سَبَبًا لِاَصَالَتِہِ اَلْتَقْدِیْمُ وَامْتِنَاعِ
قَوْلُهُمْ صَاحِبِہَا فِی الدَّارِ لَعَوْدِ الضَّمِیرِ اِلَی الدَّارِ وَهُوَ فِی حِیْزِ الذَّی اَصْلُہُ اَلتَّأْخِیرُ فَلَیْزَمُ

عود الضمیر الی المتأخر لفظاً ورتباً وحر غیر جائز

ترجمہ: — اور اسی وجہ سے یعنی اس امر کی وجہ سے کہ مبتدا میں اصل لفظاً مقدم ہونا ہے (جائز کھرا) اہل عرب کا قول (فی دارہ زید) باوجودیکہ ضمیر عائد ہے زید کی طرف جو لفظاً مؤخر ہے کیونکہ زید باعتبار رتبہ مقدم ہے تقدیم کے اصل ہونے کی وجہ سے (اور منوع قرار پایا) اہل عرب کا قول (صاحبانی الدار) کیونکہ ضمیر عائد ہے دار کی طرف اور وہ اس مقام پر ہے کہ جس کی اصل مؤخر کرنا ہے پس ضمیر کا بسوئے متاخر لفظاً ورتباً عائد کرنا لازم آیا اور وہ ناجائز ہے۔

تشریح: — بیانہ وین ثقت۔ اس عبارت سے اصل مذکور پر دو تفریع کی گئیں ہیں ایک وجودی اور دوسری عدی وجودی فی دارہ زید ہے کہ زید جو مبتدا ہے وہ لفظ میں اگرچہ ضمیر سے مؤخر ہے لیکن رتبہ میں مقدم ہے پس اس سے اضمار قبل الذکر لازم آیا اس لئے وہ جائز ہے لیکن عدی صاحبانی الدار ہے کہ الدار جو بحر ہے وہ لفظ میں بھی ضمیر سے مؤخر ہے اور رتبہ میں بھی مؤخر ہے پس اس سے اضمار قبل الذکر لفظاً بھی اور رتبہ بھی لازم آیا اس لئے وہ ناجائز ہے۔

قولہ وین اجل۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں بن سبب کے لئے ہے اور ثم اسم اشارہ ہے جس کا مشار الیہ اصل مذکور ہے لیکن وہ مکان نہیں جب کہ ثم کی وضع مشار الیہ مکان کے لئے ہوتی ہے پس اصل مذکور کو مشار الیہ بطور استعارہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کو مکان کے ساتھ استعراض شئی میں مشابہت حاصل ہے کیونکہ مکان جس طرح شئی کا استعراض ہوتا ہے اسی طرح اصل مذکور سے جواز و امتناع کا۔

قولہ قولہم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جاز فعل ہے جس کا فاعل فی دارہ زید جملہ ہے اسی طرح امتنع فعل کا فاعل بھی صاحبانی الدار جملہ ہے حالانکہ فاعل مفرد ہوتا ہے جواب یہ کہ جاز کا فاعل قولہم محذوف ہے جس سے فی دارہ زید بدل اکل واقع ہے بدل منہ کو حذف کر کے بدل کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا اسی طرح امتنع کا فاعل بھی قولہم محذوف ہے۔

وقد یكون المبتدأ أنكرًا وإن كان الأصل فيه أن يكون معرفة لأن للمعرفة معنى معينا والمطلوب المبدأ الكثير الوقوع في الكلام إنما هو الكلام على الأمور المعينة ولكنه لا تقع نكرة على الإطلاق بل إذا تخصصت تلتحق النكرة لوجه ما من وجوه التخصص إذ بالتخصص يقد

أشترأها تنصب من المعرفة

ترجمہ: — (اور مبتدا کبھی نکرہ ہوتا ہے) اگرچہ اصل اس میں معرف ہونا ہے کیونکہ معرفہ کا معنی معین ہے اور کلام عرب میں امور معینہ پر حکم مطلوب ہم اور کثیر الوقوع ہے لیکن مبتدا مطلقاً نکرہ واقع نہیں ہوتا بلکہ (جب مخصوص ہو جائے) وہ نکرہ (کسی وجہ سے) وجوہ تخصیص میں سے اس لئے کہ تخصیص سے نکرہ کا مشترک ہونا کم ہو جاتا ہے پس وہ معرفہ سے قریب ہو جاتا ہے۔

تشریح: — بیانہ وقد یكون۔ مبتدا اکثر معرفہ ہوتا ہے لیکن وہ کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ مضارع پر حرف قد کے دخول سے مستفاد ہوتا ہے پس اس کا معرفہ ہونا اصل ہوا اور نکرہ ہونا خلاف اصل کیونکہ کثیر الوقوع ہونا اصل ہونے پر دال ہے اس کا برعکس خبر ہے کہ اس کا نکرہ ہونا اصل ہے اور معرفہ ہونا خلاف اصل کیونکہ خبر سے مقصود بیان حکم ہے جو صرف تنکیر ہی سے حاصل ہے تعریف کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے بھی کہ اگر وہ بھی معرفہ ہو تو صفت کیساتھ اس کا التباس لازم آئے گا جو منوع ہے

قولہ وان كان۔ یعنی مبتدا اگرچہ کبھی نکرہ ہوتا ہے لیکن اصل اس میں معرفہ ہونا ہے کیونکہ مبتدا محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ میں اصل تعریف ہی ہے اس لئے کہ کلام عرب میں حکم امور معینہ پر کثیر الوقوع ہے کہ وہ حکم مفید ہوتا ہے چنانچہ رجل قائم مفید نہیں ہے کہ اس سے کسی بھی خاص مرد کے قیام کا علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ ممکن ہے وہ ہر مرد کے لئے ہو اور وہ حکم جو کثیر الوقوع ہو وہی اصل ہوتا ہے۔

قولہ ولكنه۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ نکرہ مبتدا کیسے ہو گا جب کہ حکم امور معینہ پر ہوتا ہے جواب یہ کہ نکرہ مطلقاً مبتدا نہیں ہوتا مگر جب کہ وجوہ تخصیص میں سے کسی ایک وجہ سے تخصیص ہو جائے تو اس کے مفہوم میں جو اشتراک ہوتا ہے اس سے کم ہو کہ معرفہ سے قریب ہو جاتا ہے پس جو شئی کے قریب ہوتا ہے وہ منزل میں اس شئی کے ہو جاتا ہے ولہذا تحقق فی الشرع ان المصلى اذا سعى عن القعود الاول وهو الیہ اقرب أعاد ولا یجد السجود۔

مثال قولہ تعالیٰ ولبعد موت خیر من مشرک فان البدل متنازل للمؤمن والکافر وحیث وصف بالمؤمن تخصیص بالصفة فجعل مبتدأ وخیر خبراً

تو:۔۔۔۔۔ (جیسے) اللہ تعالیٰ کا قول (ولعبد مومن خیر من مشرک) اس لئے کہ عید مومن و کافر کو شامل ہے اور جب اس کو مومن کیساتھ موصوف کیا گیا تو صفت کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو گئی پس اس کو مبتدا اور غیر کو اس کی خبر کر دیا گیا۔

تشریح:۔۔۔۔۔ بیانۃً مثل۔ یہ چھ وجوہ تخصیص کو جو یہاں بیان کیا گیا ہے بطور تمثیل ہے کیونکہ ان کے علاوہ بھی وجوہ تخصیص نکلتی ہیں اس لئے کہ اخبار کی صحت کا لفظ فائدہ کے حصول پر ہے جو کسی وجہ سے بھی ممکن ہوتا ہے اور وہ ثلاثیات ہیں (۱) خبر کا ثبوت نکرہ کے لئے بطور خرق عادت ہو جیسے حدیث پاک بقرة تکلمت میں بقرة مبتدا نکرہ ہے اور تکلمت خبر (۲) نکرہ جواب میں واقع ہو جیسے من عندک کے جواب میں رجل کہ اس کی تقدیر رجل عندی ہے (۳) نکرہ مضاف بسوئے نکرہ ہو جیسے خمس صلوات کہن اللہ میں خمس (۴) نکرہ واقع ہو لام ابتداء کے بعد جیسے رجل قائم میں رجل (۵) نکرہ لولائے بعد واقع ہو جیسے لولا اصطبار لاودی کل ذی عقہ میں اصطبار مبتدا نکرہ ہے اور خبر موجود محذوف (۶) نکرہ جملہ عالیہ کے شروع میں واقع ہو جیسے سرینا و نیم قد اضاء فذبدار بہ تمیاز اخی ضوئے کل شارق۔ میں نجم مبتدا نکرہ ہے اور قد اضاء خبر اور یہ جملہ سرینا کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہے (۷) نکرہ جب کہ اذا مفاعلات کے بعد واقع ہو جیسے حبیبک فی الوعی بریء حرور اذا خور لدیث نقلت سحفا میں اذا براے مفاعلات ہے اور خور بمعنی بذل مبتدا نکرہ ہے لدیث اس کے خبر ہے۔

قوله تعالى۔ اس تقدیر عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے انسان کا نہیں چوتھی مثال کے علاوہ باقی چار مثالوں میں قول کو کاف خطاب واحد کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ وہ انسان کا کلام ہے جس کا مخاطب کوئی بھی ایک آدمی ہو سکتا ہے لیکن چوتھی مثال میں قول کو ضمیر جمع غائب کی طرف اس لئے مضاف کیا گیا کہ وہ محاورہ ہے تمام اہل عرب کا۔

بیانۃً ولعبد مومن۔ یہ مثال ہے صفت سے تخصیص کی لیکن وہ عام ہے کہ صفت مخصوصہ مطلقہ ہے یا مقدر یا مبتدا کے معنی سے مستفاد ہے اول جیسے مثال مذکور میں بعد مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور صفت مومن کے ساتھ موصوف ہو گیا ہے دوم جیسے السمون متوال بدرہم میں متوال مبتدا ہے جو نکرہ ہے اس کی صفت منہ مقدم ہے سوم جیسے رجل قائم میں رجل مبتدا ہے جو نکرہ ہے لیکن رجل بمعنی رجل صغیر ہے جو مبتدا کے معنی سے مستفاد ہے۔

ومثل قولك أسجل في الدار أم امرأة فان التكلّم بهذا الكلام يعلم أن أحدهما في الدار يسأل المخاطب عن تعيينه فكانت قاله أي من الأمرين المعلوم كون أحدهما في الدار كما أن فيها فكل واحد منهما تخصص بهذا الصفة فجعل رجل مبتداً وفي الدار خبراً

ترجمہ:۔۔۔۔۔ (اور) جیسے آپ کا قول (یا رجل فی الدار أم امرأة) اس لئے کہ جو اس کلام کے ساتھ کلام کرنے والا ہے وہ اس امر کو جانتا ہے کہ مرد و عورت میں سے ایک گھر میں موجود ہے پس وہ مخاطب سے اس ایک کے تعین کا سوال کرتا ہے گویا تکلم نے کہا کہ ان دو امروں میں سے کہ جن میں سے کسی ایک کا گھر میں ہونا معلوم ہے کونسا ہے پس مرد و عورت میں سے ہر ایک اس صفت کی وجہ سے مخصوص ہو گیا تو رجل کو مبتدا بنایا گیا اور فی الدار کو اس کی خبر۔

تشریح:۔۔۔۔۔ بیانۃً الرجل فی الدار۔ یہ مثال ہے علم تکلم سے تخصیص کی جب کہ مخاطب کے علم پر کوئی نقطہ دل ہو۔ کیونکہ اس میں رجل مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور امرأة اس پر معطوف ہے اور فی الدار خبر ہے اس کی۔ پس مبتدا اگرچہ نکرہ ہے لیکن تکلم کو یہ معلوم ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی ایک گھر میں مزدور موجود ہے سوال کر کے صرف اس کے تعین کو طلب کرنا چاہتا ہے کیونکہ ہنرہ اور ام سے اسی وقت سوال کیا جاتا ہے جب کہ بلا تعین کسی ایک کے لئے خبر ثابت ہونے کا علم ثابت ہو اور مخاطب سے صرف تعین طلب کیا جائے۔

ومثل قولك ما أحد خیر منک فإت النکرۃ فیہا وقعت فی حین النفی فافادت عموم الافراد وشمولها فتعینت وتخصمت فإت لا تعدد فی جمیع الافراد بل هو امر واحد وکذا کل نکرۃ فی الاثبات قعده بها العموم نحو تمر خیر من جرادة

ترجمہ:۔۔۔۔۔ (اور) جیسے آپ کا قول (ما أحد خیر منک) کیونکہ اس جملہ میں نکرہ تحت نفی واقع ہوا تو اس نے افراد کے عموم و شمول کا ذکر کر دیا پس نکرہ متعین و مخصوص ہو گیا اس لئے کہ نکرہ کے تمام افراد میں کوئی تعدد نہیں بلکہ وہ امر واحد ہے اسی طرح ہر نکرہ مبتدا واقع ہو سکتا ہے جو اثبات میں واقع ہو اور نکرہ سے مقصود عموم ہو جیسے تمر خیر من جرادة

تشریح: — بیانہ ما احدٌ خیر۔ یہ مثال ہے استفراق و عموم سے تخصیص کی کیونکہ اس میں احد مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور نکرہ جب تحت نفی واقع ہو تو استفراق و عموم متفاد ہوتا ہے جس سے اسم اگرچہ نکرہ ہوتا ہے لیکن مخصوص ہو جاتا ہے کیونکہ تمام افراد کا مجموعہ چند نہیں بلکہ ایک ہی ہوتا ہے خیال رہے کہ یہ مثال بنی تیم کے مسلک پر ہے جو ما مشابہتیں کو عامل نہیں مانتے ہیں اس میں احد مبتدا ہوا جس کا عامل ابتداء رہے اسی وجہ سے خبر منصوب نہیں ہے اس لئے کہ ما مشابہتیں اگر عامل ہوتا تو وہ خبر کو نصب دیتا جیسے ما زید قائما میں نصب دیا ہے۔

قولہ عموم الافراد عموم افراد کے دو معنی ہیں ایک استفراق و دوسرا کثیر افراد۔ عموم بقدر دوم وجہ تخصیص نہیں ہوتا البتہ تقدیر اول ممکن ہے کیونکہ تمام افراد کے مجموعہ کا فرد ایک ہی ہوتا ہے متعدد نہیں مثلاً انسان عام ہے کہ اس کے افراد کثیر ہیں۔ زید، بکر، خالد اور تمام افراد انسانی کا مجموعہ بھی انسان کا ایک فرد ہے پس انسان سے جس طرح زید خاص ہے اسی طرح بکر خالد اور تمام افراد انسانی کا مجموعہ بھی خاص ہے۔

قولہ کذا اکل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ استفراق و عموم سے تخصیص کیا نکرہ تحت نفی کیساتھ خاص ہے؟ جواب یہ کہ نہیں بلکہ عام ہے کہ کبھی اثبات میں بھی استفراق و عموم سے نکرہ میں تخصیص ہوتی ہے جیسے ثمرۃ خیر من جسرادۃ کا معنی ہے کل ثمرۃ خیر من کل جسرادۃ واقعہ یہ ہے کہ اہل حص کی ایک جماعت نے حالت احرام میں چند ٹڈیوں کو قتل کر دیا حضرت کعب احبار سے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ ٹڈی کے عوض اگر ایک ایک چھ بار صدقہ کر دیا جائے تو جائز ہے۔

وخل قولہ شرأھ ذاناہ بتخصیصہ بما یتخصص بہ الفاعل لشمہ بہ اذ یتعمل فی موضع ما اھ ذاناہ الاشر وما یتخصص بہ الفاعل قبل ذکرہ ہو صحتہ کو نہ محکوماً علیہ بسا اسند الیہ فانک اذا قلت قائم علیہ منہ انا ما یدکر بعدہ امر یصح ان یمکھ علیہ بالقیام فاذا قلت رجل نھو فی تورۃ رجل موصوفہ بفعلہ الحکم علیہ بالقیام۔

ترجمہ: — (اور) جیسے اہل عرب کا قول ہے (شرأھ ذاناہ) اس لئے کہ شرأھ اس معنی سے خصوصیت پایا ہے جس سے فاعل خصوصیت پاتا ہے کیونکہ شر فاعل کے مشابہ ہے اس لئے کہ وہ ما اھ ذاناہ الاشر

کی جگہ پر متعمل ہوتا ہے اور فاعل ذکر سے پہلے جس معنی سے خاص ہوتا ہے وہ اس کے محکوم علیہ کا فعل کے لئے صحیح ہوتا ہے جو اس کی طرف منہ ہوتا ہے پس جب آپ کہیں گے رجل تو وہ ایسے رجل کی منزل میں ہوگا جو اس پر قیام کیساتھ حکم لگانے کی صحت کیساتھ موصوف ہے۔

تشریح: — بیانہ شرأھ ذاناہ۔ یہ مثال ہے فاعل سے مشابہ ہونے کے باعث فاعل کے تخصیص سے تخصیص کی جس کی توضیح دو امر کی تمہید پر موقوف ہے ایک یہ کہ فاعل کا تخصیص کیا ہے دوسرا یہ کہ مبتدا فاعل سے مشابہ ہوتا ہے اول کو شارح نے ما یتخصص سے بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ کہ فاعل مذکور ہونے سے پہلے ہی اس میں فعل مذکور کے محکوم علیہ بننے کی صلاحیت ہوتی ہے چنانچہ جب کہا جائے قائم تو یہ معلوم ہوگا کہ اس کے بعد وہ چیز مذکور ہوگی جس کے اندر قائم ہونے کی صلاحیت ہے پس جب اس کے بعد رجل کہا جائے تو یہ معنی پیدا ہوگا سیکار رجل صاعح للقیام پس فاعل میں فعل مذکور کا محکوم علیہ بننے کی صلاحیت فاعل کا تخصیص ہے دوسرے امر کو شارح نے تشبیہ بہ سے بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ کہ جو مبتدا اصل میں فاعل لفظی یا معنوی ہو وہ مبتدا فاعل کے مشابہ ہوتا ہے پس شرأھ ذاناہ اصل میں اھ ذاناہ فاعل فعلیہ میں اھ ذاناہ کا فاعل لفظی ضمیر ہو ہے جو اس میں مستتر ہے اور شرأھ اس کا بدل ہے اور فاعل بدل کو فاعل معنوی کہا جاتا ہے پھر جمع کے لئے شر کو مقدم کر دیا گیا تو شرأھ ذاناہ ہوا پس اس میں جو مبتدا ہے وہ اصل میں فاعل معنوی تھا تو اس کا تخصیص بھی وہی ہے جو فاعل کا تخصیص ہے تو اس کا معنی یہ ہوا شر صاعح لا اھ ذاناہ۔

قولہ اذ یتعمل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حص کے لئے تقدیم پر کیا قسریہ ہے؟ جواب یہ کہ اس پر قسریہ شرأھ ذاناہ کا ما اھ ذاناہ الاشر کی جگہ پر متعمل ہوتا ہے۔

واعلم ان المھر للکلب بالنباہ المعتاد وقد یکن خیرا کما اذا کان محی حیب مثلاً وقد یکن شرأ کما اذا کان محی عدو والمھر لہ نباح غیر معتاد یشاءم بہ فیکون شرأ لا خیراً فلی الاول یصح القصص بالنسبۃ الی الخیر فمعناہ شرأ لا خیراً ذاناہ وعلی الثاني لا یصح فیقد ر وصف حتی یصح القصص فیکون المعنی شرأ عظیم لا حقیراً اھ ذاناہ وھذا مثل یضرب لرجل قوی اذ رکب العجز فی حادثۃ

فی حادثۃ

ترجمہ: اور معلوم کیجئے کہ کتا کو عادی بھونک بے بھوکانے والا بھی خیر ہوتا ہے جیسے جب کہ کسی دوست کا آنا ہو اور کبھی شر ہوتا ہے جیسے جب کہ کسی دشمن کا آنا ہو اور کتا کو بھونکانے والا غیر عادی بھونک ہو تو اس سے بد فالی لی جاتی ہے پس وہ شر ہو گا خیر نہیں لہذا بر تقدیر اول قصر بہ نسبت خیر درست ہو گا پس اس کا معنی ہے شر لاخیر اہل ذناپ اور بر تقدیر دوم قصر صحیح نہیں تو وصف مقدر مانا جائے گا پس معنی ہو گا شر عظیم لا حقیر اہل ذناپ اور یہ مثل کہادت ہے جو ایسے مرد کے لئے بیان کیا جاتا ہے جس کو غزنے کسی حادثہ میں پالیا ہو۔

تشریح: قولہ واعلم ان المہر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ کتا کو بھونکانے والا صرف ایک شر ہی ہے حالانکہ حصر کی ضرورت معلوم میں پیش آتی ہے جواب یہ کہ کتا بھی عادی بھونکتا ہے اور کبھی غیر عادی عادی بھونکتے والا جس طرح شر ہوتا ہے اسی طرح خیر بھی اول شلا جب کہ کسی دشمن کی آمد ہو اور دوم شلا جب کہ کسی دوست کی آمد ہو پس اس تقدیر پر شال مذکور کا معنی ہو گا شر لاخیر اہل ذناپ الیہ غیر عادی بھونکانے والا شر ہی ہوتا ہے لیکن اس تقدیر پر شر کے اوپر تنوین برائے تعظیم ہوگی پس شال مذکور کا معنی ہو گا شر عظیم لاخیر اہل ذناپ۔ یہ کہادت ہے ایسے قوی مرد کے لئے جو کسی حادثہ میں پھنس کر عاجز نہ ہو جائے تو وہ حادثہ بمنزلہ شر ہوا اور قوی مرد بمنزلہ ذناپ یعنی کتا۔ ناب نفث میں دندان پیشیں نوکتے ہیں لیکن یہاں ذناپ سے مراد کتا ہے۔

وفیل قولک فی الدار رجلٌ لتخصّصہ بتقدیم الخبر لانتہ اذا قبل فی الدار علیہ ان ما یدکر بعد ما صوّف بعضہ استقراراً فی الدار فہو فی توقوۃ التخصّص بالصفۃ

ترجمہ: اور اسے آپ کا قول فی الدار رجل اس لئے کہ رجل تقدیم خبر کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے کیونکہ جب فی الدار کہا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس کے بعد جو مذکور ہو گا دار میں استقرار کی صحت کے ساتھ موصوف ہو گا پس یہ تخصیص بالصفۃ کے حکم میں ہے۔

تشریح: بیان انتہ فی الدار رجل۔ یہ شال ہے خبر کی تقدیم سے تخصیص کی کیونکہ اس میں رجل مبتدا ہے جو نکرہ ہے لیکن جب فی الدار کہا گیا تو معلوم ہو گیا کہ اس کے بعد جو چیز بیان کی جائے گی اس میں استقرار فی الدار ہونے کی صلاحیت ہے پس فی الدار رجل کا معنی ہوا رجل فی صلاحیۃ الاستقرار فی الدار

وفیل قولک سلام علیک لتخصّصہ بالنسبۃ الی التکلم اذ اصلہ سلت سلاماً علیک فخذ فی الفعل وعدل الی الرفع لتخصّصہ الدوام والا استمرار فکانتہ قالہ سلامی ائی سلام من قبل علیک

ترجمہ: اور اسے آپ کے قول (سلام علیک) اس لئے کہ نسبت بسوئے مکمل کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے کیونکہ اس کی اصل سلت سلاماً علیک ہے پس فعل کو حذف کیا گیا اور تصدد دوام واستمرار کی وجہ سے رفع کی طرف عدول کیا گیا گویا تکلم نے کہا سلامی یعنی سلام من قبل علیک

تشریح: بیان سلام علیک۔ یہ شال ہے فعل مقدر کے فاعل کی طرف نسبت سے تخصیص کی کیونکہ اس میں سلام مبتدا ہے جو نکرہ ہے جو فعل مضارع کے فاعل کی طرف نسبت سے مخصوص ہو گیا ہے اس لئے کہ اس جملہ کی اصل ہے سلت سلاماً علیک مفعول مطلق کا فاعل چونکہ وہی ہے جو سلت کا فاعل ہے اس لئے اختصار کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا تو سلاماً علیک باقی رہ گیا پھر دوام واستمرار پر دلالت کرنے کے لئے نصب کو دور کر کے رفع دیا گیا کیونکہ نصب حذف فعل پر دال ہے اور فعل حدوث پر دال ہے جو مقام دعائے غیر مناسب ہے پس سلام علیک ہو گیا لیکن سلام چونکہ فعل مقدر سلامت کے فاعل کے طرف منسوب ہے اس لئے سلام علیک گویا سلامی علیک ہے۔

هذا احوال مشہور بما بین النماۃ وقال بعض المحققین منهم مدار محلی الاخبار عن النکر علی الفائد لا علی ما ذکرہ من التخصیصات النی محتاج فی توجہاتہا الی ہذا التکلیف الرکیکۃ الواہنیۃ فعلى هذا یجوز ان یقالہ کو کہ انقض الساعۃ لحصولہ الفائدۃ ولا یجوز ان یقالہ حاجل قائم لعدمہ وهذا القول اقرب الی الصواب

ترجمہ: یہی مذکور نحو یوں کے درمیان مشہور ہے اور بعض محققین نے نحو یوں میں سے کہا کہ نکرہ سے اخبار کی صحت کا مدار فائدہ پر ہے ان تخصیصات پر نہیں کہ ان کو نحو یوں نے بیان کیا ہے جن کی توجہات بیان کرنے میں ان کو در تکلیفات کی حاجت پیش آتی ہے پس اس تقدیر پر جائز ہے کہ کہ انقض الساعۃ کہنا کیونکہ اس سے فائدہ حاصل ہے اور رجل قائم کہنا جائز نہیں کہ اس سے فائدہ حاصل نہیں اور یہ

قول درستگی سے زیادہ قریب ہے

تشریح: — قولہ ہذا هو المشہور یعنی مبتدا کے وجوہ تخصیص میں سے جو مذکور ہوا۔ جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے لیکن محققین مثلاً امام ابن الدیان نے نکرہ کے مبتدا ہونے کی صحت کا مدار تخصیص کو نہیں بلکہ فائدہ کے حصول کو قرار دیا ہے کہ اگر مخاطب کو پہلے سے نسبت کا علم حاصل نہیں ہے تو اخبار درست ہے اگرچہ مبتدا نکرہ محض ہی کیوں نہ ہو اور اگر اس کو علم ہے تو اخبار درست نہیں اگرچہ مبتدا معرف ہی کیوں نہ ہو پس کوکب انقض الساعۃ میں کوکب کا مبتدا ہونا درست ہے اگرچہ وہ نکرہ محض ہے کیونکہ اس سے فائدہ حاصل ہے اور زید شئی میں زید کا مبتدا ہونا درست نہیں ہے اگرچہ وہ معرف ہے کیونکہ زید کا شئی ہونا کسی کو معلوم ہے اسی طرح رجل قائم میں رجل بھی مبتدا نہیں ہوگا کیونکہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ عالم میں ہر فرد قائم ہے۔

قولہ ہذا القول۔ امام ابن دیان کا یہ قول درستگی سے زیادہ قریب اس لئے ہے کہ استصحاب ان کے مسلک کے زیادہ مطابق ہیں قرآن کریم میں ہے وجوہ یومئذ ناظرۃ۔ اس میں وجوہ مبتدا ہے جو نکرہ محض ہے اور ناظرۃ اس کی خبر ہے اور یومئذ اس کا مفعول فیہ مقدم دوسری جگہ ارشاد ہے یومئذ یوم علینا۔ دونوں جگہ یوم مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور لئنا پہلے کی خبر ہے اور علینا دوسرے کی خبر ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو امام یوسف اور جمہور نحوات کے درمیان اختلاف ہی نہیں ہے کیونکہ امام کا قول بلحاظ ان اشخاص کے ہے جو فائدہ و نقصان کے مادیوں کے درمیان امتیاز رکھتے ہیں اور جمہور نحوات کے درمیان بلحاظ مبتدیان ہیں جو فائدہ و نقصان کے مادیوں کے درمیان امتیاز نہیں رکھتے اس لئے انکی سمجھ کے مطابق تخصیصات مذکورہ کو بیان کیا گیا۔

ولما کان الخبر المعروف فیما سبق مختصاً بالمفرد لكونه تسمیاً من الاسم فلم یکن الجملة داخلۃ فیہ اماد ان یثیر الی ان خبر المبتدأ قد یقع جملة ایضاً فکان والخبر قد یكون جملة اسمیۃ مثل زید ابو قائم و فعلیۃ مثل زید قائم ابو قائم و لم یدکر النظر فیہ لانھا ساجدة الی الفعلیۃ

ترجمہ — اور جب کہ خبر جس کی تعریف ماضی میں کی گئی مفرد کے ساتھ مختص ہے کیونکہ مفرد اسم کی

تم ہے پس جملہ اس میں داخل نہ ہوا تو مصنف نے اس امر کی طرف اشارہ کرنے کا ارادہ فرمایا کہ مبتدا کی خبر بھی جملہ بھی واقع ہوتی ہے پس مصنف نے فرمایا اور خبر بھی جملہ اسمیہ رہتی ہے جیسے زید ابو قائم اور فعلیہ ہوتی ہے جیسے زید قائم ابو قائم جملہ ظرفیہ کو اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ وہ جملہ فعلیہ کی طرف راجع ہے

تشریح: — قولہ ولما کان۔ یہ تمہید ہے متن میں آنے والی عبارت کی جس کا حاصل یہ کہ ماقبل میں خبر کی جو تعریف گذر چکی ہے وہ مفرد کیساتھ خاص ہے کیونکہ وہ اسم کی قسم ہے اور اسم مفرد ہوتا ہے کیونکہ وہ کلمہ کی قسم ہے جو مفرد کے ساتھ خاص ہے پس اس میں جملہ داخل نہیں اس لئے مصنف نے فرمایا کہ خبر اگرچہ بجزت مفرد ہوتی ہے لیکن کبھی وہ جملہ بھی ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی مفرد کی طرح حکم کا افسادہ کرتا ہے جملہ عام ہے کہ وہ اسمیہ ہو جیسے زید ابو قائم میں ابو قائم یا فعلیہ ہو جیسے زید قائم ابو قائم میں قائم ابو قائم قولہ ولما یدکر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خبر جس طرح جملہ اسمیہ و فعلیہ ہوتی ہے اسی طرح ظرفیہ بھی تو ماضی کے ظرفیہ کی مثال کو کیوں چھوڑ دیا؟ جواب یہ کہ جملہ ظرفیہ حقیقتہً جملہ فعلیہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی ظرف فعل کے قائم مقام ہوتا ہے اسی لئے وہ فاعل کو رفع کرتا ہے جیسے فی دارہ زید میں جو ظرف ہے وہ استقر فعل مقدر کے قائم مقام ہو کر زید کو رفع کرتا ہے پس جملہ ظرفیہ فعلیہ میں داخل ہوا۔ یہی حال جملہ شرطیہ کا بھی ہے کہ اس کی جہذا اگرچہ جملہ فعلیہ ہو تو وہ جملہ فعلیہ میں داخل ہے اور اگر جہذا جملہ اسمیہ ہو تو وہ جملہ اسمیہ میں داخل ہے اس لئے کہ نحو یوں کے نزدیک صرف جہذا ہی کلام ہے شرط و جہذا کا مجموعہ نہیں۔

وإذا کان الخبر جملة والجملة مستقلة بنفسها لا تقتضي الاسمية بغيرها فلا بد فی الجملة الواقعة خبراً عن المبتدأ من عائید یربطها بہ وذلك العائد اما ضمیر کما فی المثالین المذكورین أو غیرہ كاللام فی نعم الرجل زید أو موضع المظهر موضع المضمر فی نحو المحاجة ما المحاجة أو کون الخبر تفسیر المبتدأ أو نحو قولہ هو الله احد

ترجمہ — اور جب خبر جملہ ہو اور جملہ مستقل بنفسها ہو جو خبر کے ساتھ ارتباط کا تقاضہ نہیں کرتا پس ضروری ہے جملہ میں جو مبتدا سے خبر واقع ہوتا ہے وعائد کا ہونا جو جملہ کو مبتدا کے ساتھ مربوط کر کے اور یہ عائد آیا ضمیر ہوگا جیسا کہ مذکورہ دونوں مثالوں میں ہے یا غیر ضمیر ہو جیسے لام نعم الرجل زید میں یا

اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا جائے جیسے الحاقۃ ما الحاقۃ جیسی ترکیب میں یا خبر کا مبتدا کی تغیر ہونا جیسے قل هو اللہ احد۔

تشریح۔ قولہ اذا کان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خبر جب جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا کیوں ضروری ہے؟ جواب یہ کہ جملہ افادہ حکم میں مستقل ہوتا ہے کیونکہ مخاطب کو فائدہ پہنچانے میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں اس لئے کہ اس میں ایک مسئلہ ہی ہوتا ہے جو محل فائدہ ہوتا ہے اور دوسرا مسئلہ ہوتا ہے جو محل فائدہ ہوتا ہے پس اگر اس میں رابطہ نہ ہو تو مبتدا کے ساتھ مرتبط نہ ہو گا اور مبتدا کا ذکر لغو ہو جائیگا اس لئے جملہ میں رابطہ ضروری ہے جس کو متن میں عائد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بیانہ فلا بد۔ اس میں فانیہ ہے جس سے پہلے شرط مقدر ہوتی ہے لہذا لائے نفی جنس ہے جس کا اسم بذمعی مصدر ہے اور من عائد اس کا متعلق نہیں ورنہ بقہ کا منصوب ہونا لازم آئیگا کیونکہ وہ اس تقدیر پر شاہ مضاف ہو جائیگا اور لائے نفی جنس کا اسم جب مشابہ مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے حالانکہ یہ مفتوح ہے پس وہ ظرف متغیر ہے جو مقدر کے ساتھ لاحق ہو کر خبر واقع ہے

قولہ وذلك النائد۔ عائد چار طرح کا ہوتا ہے جن میں سے ایک ضمیر ہے جو بکثرت واقع ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں موجود ہے باقی تین ضمیر کے علاوہ ہیں (۱) لام جیسے نعم الرجل زید میں نعم الرجل خبر مقدم جملہ ہے جس میں رجل کے اوپر لام عائد ہے (۲) مظهر جو مضمی کی جگہ واقع ہو جیسے الحاقۃ ما الحاقۃ میں ما الحاقۃ جملہ ہے (ما استفہامیہ مبتدا ہے اور الحاقۃ خبر ہے جس میں الحاقۃ صمی کی جگہ واقع ہے اور یہ الباعظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اور وہ یہاں قیامت کے دن عظمت کو بتانا مقصود ہے (۳) خبر میں مبتدا کی تغیر واقع ہو جیسے قل هو اللہ احد میں اللہ احد جملہ ہے جس میں اسم جملہ ہو مبتدا کی تغیر واقع ہے۔

وقد یحذف العائد اذا کان ضمیراً لقیام قرینۃ نحو الخبر الکترستین درهما والسنن متوالین بدرہم اکی الکومندہ ومتوالین منہ بقرینۃ ان یباع البز والسنن لایسعر غیرہما

ترجمہ:۔ (۱) اور بھی حذف کیا جاتا ہے عائد جب کہ ضمیر ہو قیام قرینہ کے وقت جیسے البراکتر بستین درہما اور السنن متوالین بدرہم یعنی الکترستین و متوالین منہ اس قرینہ سے کہ گہوول اور گہی کا بیچ کرنے والا ال کے علاوہ کا بھاؤ نہیں کرے گا

تشریح:۔ بیانہ قد یحذف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جملہ میں اگر عائد کا ہونا ضروری ہے تو السنن متوالین بدرہم میں السنن مبتدا ہے اور متوالین بدرہم خبر ہے جو جملہ ہے لیکن اس میں عائد کیوں نہیں اسی طرح البراکتر بستین درہما میں البراکتر مبتدا ہے اور الکتر بستین درہما خبر ہے جو جملہ ہے لیکن اس میں بھی کوئی عائد نہیں ہوا ہے کہ عائد کو حذف نہ ہوتا ہے لیکن کبھی محذوف بھی ہوتا ہے جبکہ قرینہ موجود ہو اول میں قرینہ ہے اور گہی بیچنے والے کا قول ہے اور دوم میں قرینہ یہ ہے کہ وہ گہوول بیچنے والے کا قول ہے پس دونوں مثال اصل میں ہیں السنن متوالین بدرہم اور البراکتر بستین درہما خیال ہے کہ اگر ایک عائد کا نام ہے جس میں بارہ دن گہوول آتے ہیں اور ایک دن سنن ساتھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار منڈ کا اور منڈی کو تن کہا جاتا ہے۔ الکتر کلام عائد نہیں بلکہ زائد ہے اس لئے کہ اس سے مراد نہیں یا یہ کہ لام کا عائد ہونا افعال مدح و ذم کے معول میں مشور ہوتا ہے اور ظاہر ہے یہ اس کا معول نہیں الکتر کے بعد نہ جار و مجرور مول جملہ صفت ہے انکر کی اسی طرح متوالین کے بعد نہ صفت لیکن دوم تو ظاہر ہے اول اس لئے کہ انکر میں اگرچہ لام ہے لیکن وہ جو کوئی نائد ہے اس لئے وہ نکرہ ہی ہے پس اس کو جملہ کا جو صوف ہونا درست ہے کیونکہ جملہ بھی نکرہ ہوتا ہے۔

قولہ اذا کان ضمیراً۔ عائد اگر ضمیر ہو تو قرینہ کی وجہ سے صرف ہی محذوف ہوتی ہے دوسرے نہیں کیونکہ لام کے حذف سے حدیث فوت ہو جاتی ہے اور مظهر کو مضمی کی جگہ پر رکھا جاتا ہے وہ کسی بحث کی وجہ سے اور حذف سے روکتہ فوت ہو جاتا ہے اور خبر جو مبتدا کی تغیر ہوتی ہے وہ عین مبتدا ہوتی ہے پس وہ بھی حذف کو قبول نہ کرے گی بر خلاف خبر کہ اس کے حذف سے کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ وہ قرینہ سے معلوم کر لیا جاتا ہے۔

وما وقع ظرفاً ای الخبر الذی وقع ظرفاً ماہ اذ مکان اوجان اوجان ورا فالاکتر من النخاع وھم البغریون علی انک الخبر الواقع ظرفاً مقدراً ای مؤولاً بجملة یقتدی بالفعول فیہ لانک اذا قلنا فیہ الفعل یصیر جملة بخلاف ما اذا قلنا فیہ اسم الفاعل کما هو مذهب الاقل وھذا الکوفون فائتہ یصیر جملة مفرداً

ترجمہ:۔ (۱) اور جو واقع ہو ظرف (یعنی وہ خبر جو ظرف زمان یا مکان واقع ہو یا جار و مجرور (تو اکثر) نخیول سے اور وہ ہم ہیں اس پر ہیں رک وہ) یعنی وہ خبر جو ظرف واقع ہو مقدر ہوتی ہے یعنی مؤول ہوتی ہے (جملہ کیساتھ) اس میں فعل کی تقدیر کے ساتھ اس لئے کہ جب اس میں فعل مقدر مانا جائے تو جملہ ہو جاتا ہے برخلاف اس وقت

اس میں اسم فاعل مقدر مانا جائے جیسا کہ وہ اقل کا مذہب ہے اور وہ کو فین ہیں پس اس وقت وہ مفرد ہو جائے۔

تشریح: — بیان اللہ و ما وقع خبر اگر ظرف ہو تو بصر میں اس سے قبل فعل مقدر مانتے ہیں اور کو فین اسم فاعل پس زید فی الدار میں فی الدار سے قبل بصر یوں کے نزدیک ثبوت یا ثبوت مقدر ہو گا تو وہ جملہ ہو جائیگا اور کو فین کے نزدیک ثابت مقدر ہو گا پس وہ مفرد ہو جائیگا اس مقام پر ایک اختلاف یہ ہے کہ خبر ظرف مقدر ہے یا ظرف طرف ہے یا دونوں کا مجموعہ پہلا مذہب ابن کیسان کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مقدر اصل ہے اس لئے کہ وہ عامل ہے اور ظرف اس کی قید ہے اعتبار اصل کا ہوتا ہے دوسرا مذہب بصر یوں اور ابن جنی کا ہے جو اعتبار ظاہر کا کرتے ہیں کہ مقام خبر میں مذکور ظرف طرف ہے تیسرا مذہب امام ابن الہمام اور علامہ زحی کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مقصود چونکہ دونوں پر موقوف ہے اس لئے خبر دونوں کا مجموعہ ہوگی

قولہ آی الخیر۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں ما اسم موصول بمعنی الذی ہے لیکن مؤخر کے حذف کیساتھ یعنی الخبر الذی اور ظرف سے مراد عام ہے کہ ظرف زمان ہو جیسے القيام لیلة القدر یا ظرف مکان ہو جیسے زید خلفک یا جار و مجرور ہو جیسے بکر فی الدار کہ اسطلاح میں فی الدار کو بھی ظرف کہا جاتا ہے کیونکہ ظرف سے یہاں مراد بطریق عموم مجازاً ما یتحتاج الی المتعلق ہے اور ظاہر ہے ظرف زمان و مکان کی طرح جار و مجرور بھی متعلق کا محتاج ہیں پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں ایک ظرف لغو اور دوسری ظرف مستقر۔ ظرف لغو اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا عامل یعنی متعلق مذکور ہو و جہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ظرف عمل سے خالی ہو کر لغو ہو جاتا ہے اور ظرف مستقر اس ظرف کو کہتے ہیں جس کا عامل یعنی متعلق محذوف ہو و جہ تسمیہ یہ ہے کہ عامل محذوف کی ضمیر مستتر متعلق ہو کر اس میں آجاتی ہے تو ظرف اس کے لئے مستقر یعنی جائے قرار ہوتا ہے پس اس صورت میں زید فی الدار کی ترکیب یہ ہوتی کہ زید مبتدا ہے اور فی حرف جار ال حرف تعریف دار مجرور جار اپنے مجرور سے مل کر ظرف اس میں ہو ضمیر مستر اس کا فاعل ظرف اپنے فاعل سے مل کر جملہ ظرفیہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوا یا و جہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ظرف عامل محذوف کے قائم مقام ہوتا ہے تو یہ ظرف عامل کی جگہ پر مستقر ہوتا ہے پس اس صورت میں مستقر قاف کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل ہے اور پہلی صورت میں قاف کے فتح کیساتھ مستقر اسم ظرف ہے۔

بیان اللہ فلا اکثر۔ اس کے بعد من النماۃ کی تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ اکثر میں لام عہد خارجی کا ہے جس سے مراد اکثر نحو میں ہیں اور اکثر نحو میں سے مراد بصری نحو میں ہیں لیکن اس کو بطور اختصار یوں نہیں فرمایا فلا اکثر من البصر میں اس کی جہ غائبانہ دہم ہے کہ بصر میں پر سن برائے تبعیض ہے جب کہ یہاں مراد تمام بصر میں

بیان اللہ۔ لفظ علی کو حاشیہ عبد الغفور نے ماتن کا قول شمار کیا ہے لیکن حاشیہ عبد الرحمن نے اس کو خارج کا بیان کیا ہے پس اس تقدیر پر جواب ہو گا اس سوال کا کہ اکثر مبتدا ہے اور انہ مقدر اس کی خبر ہے لیکن یہ اس پر محمول نہیں جب کہ خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے جواب یہ کہ انہ مقدر سے پہلے علی محذوف ہے پس معنی یہ ہو گا کہ اکثر نحوی اس امر پر متفق ہیں کہ خبر جو ظرف ہے وہ جملہ کے ساتھ مودل ہوگی اور ای الخیر الواقع سے محض ضمیر منصوب کے مروج کو بیان کیا گیا ہے۔

قولہ آی مودل۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مقدر محمول ہے ان کے اسم پر جو ظرف ہے حالانکہ یہ درست نہیں اس لئے کہ خبر جو ظرف ہے وہ مذکور ہوتا ہے مقدر نہیں۔ جواب یہ کہ مقدر سے یہاں مراد مودل ہے یعنی مقدر سے مراد وہ نہیں جو مذکور کے مقابل ہوتا ہے بلکہ وہ ہے جو ظاہر کے خلاف ہو ذکر خاص مادۃ عام کے قبیل سے کیونکہ مودل جو خلاف ظاہر کو کہتے ہیں وہ مقدر سے عام ہوتا ہے۔

قولہ بتقدیر الفعل۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ظرف مفرد ہوتا ہے اس کو جملہ کیسے کہا گیا ہے جواب یہ کہ ظرف کو جملہ تقدیر فعل کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس سے قبل جب فعل مقدر ہو گا تو اس میں فاعل کی ضمیر مستتر ہوگی فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ ہو جائیگا لیکن جب اس سے قبل اسم فاعل مقدر ہو گا جیسا کہ وہ نحو یوں کا مذہب ہے تو جملہ نہیں بلکہ شبہ جملہ ہو گا کہ اس کی نسبت تام نہیں ہوتی۔

ووجه اکثر ان الظرف لا بد له من متعلق عامل فیہ والاصل فی الفعل هو الفعل فاذا وجب التقدير فالاصل اولی ووجه الاقل انہ خبر والاصل فی الخبر افراد

ترجمہ: — اور اکثر یعنی بصر یوں کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کے لئے ایسے متعلق بافتح کا ہونا ضروری ہے جو اس میں عامل ہو اور عمل میں اصل ظرف فعل ہے پس جب تقدیر واجب ہوئی تو اصل اولی ہوا۔ اور اقل کی دلیل یہ ہے کہ وہ خبر ہے اور خبر میں اصل مفرد ہوتا ہے۔

تشریح: — قولہ وجہ اکثر۔ ظرف سے قبل عامل کے مقدر ماننے میں سب کا اتفاق ہے لیکن بصر یوں نے فعل کو مقدر مانا ہے اور کو فین نے اسم فاعل کو بصر یوں کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کے لئے ایک عامل کا ہونا ضروری ہے جو اس کا متعلق ہو سکے اور عمل میں اصل جو فعل ہے اس لئے فعل کو مقدر مانا گیا اور ہر فعل کے لئے فاعل کا

ہونا ضروری ہے اس لئے اس میں فاعل غیر مستر مانا گیا جس سے مقدر جملہ ہو گیا کو فیون کی دلیل یہ ہے کہ ظرف
مذکور خبر ہے اور خبر میں اصل مفرد ہونا ہے کیونکہ وہ اسم کی قسم ہے اور اسم کلمہ کی قسم ہے اور کلمہ مفرد ہوتا ہے اس لئے
مقدر اسم فاعل کو مانا گیا کہ وہ اپنے عامل سے ملکر مشبہ جملہ ہو جو اصل میں مفرد ہوتا ہے یہ دلیل چونکہ ظرف کے غیر
ہونے کے اعتبار سے ہے اور پہلی دلیل ظرف کے معول ہونے کے اعتبار سے ہے اور ظرف کا معول ہونا اصل ہے کہ وہ
کبھی بھی ظرف سے جدا نہیں ہوتا البتہ خبر و نا ظرف سے جدا ہو جاتا ہے جیسے جلس زید خلف سجد اس لئے مصنف
نے پہلا مذہب کو اختیار فرمایا اور دوسرے کا تذکرہ نہیں کیا۔

ثُمَّ أَتَى الْأَصْلَ فِي الْمَبْدَأِ التَّقْدِيرَ وَجَاءَ تَأْخِيرُهُ لَكِنَّهُ قَدْ بَجِبَ لِعَارِضٍ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ
يَقُولُهُ وَإِذَا كَانَ الْمَبْدَأُ مُشْتَقًّا عَلَى مَالِهِ صَدْرُ الْكَلَامِ أَيْ عَلَى مَعْنَى وَجِبَ لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ
كَالِاسْتِفْهَامِ فَإِنَّهُ بَجِبَ حِينَئِذٍ تَقْدِيرُهُ حِفْظًا لِمَعْنَاهِ

ترجمہ: — پھر مبتدا میں اصل تقدیم ہے اور اس کی تاخیر بھی جائز ہے لیکن کبھی عارض کی وجہ سے تقدیم واجب
ہو جاتی ہے جیسے کہ مصنف نے اس کی طرف اپنے قول سے اشارہ فرمایا کہ وجب مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو جس کے لئے
صدر کلام ہے یعنی ایسے معنی پر مشتمل ہو جس کے لئے صدر کلام واجب ہے جیسے استفہام کہ اس وقت اس کی صدارت
کی حفاظت کرنے کے لئے مبتدا کی تقدیم ضرور ہوتی ہے۔

تشریح: — قولہ ثُمَّ أَتَى الْأَصْلَ۔ اس عبارت سے متن میں آنے والی عبارت کو ماقبل کیساتھ ربط قائم
کیا جاتا ہے کہ مبتدا میں اصل اگرچہ تقدیم ہے جب کہ اس کی تاخیر بھی جائز ہے لیکن عارض کی وجہ سے مبتدا کی تقدیم
کبھی واجب ہو جاتی ہے۔ اس کی کل دس صورتیں ہیں جن میں سے چار تو متن میں مذکور ہیں اور باقی چھ میں سے ایک
یہ کہ مبتدا ضمیر شان ہو جیسے هُوَ السُّرَّاءُ دوسری صورت یہ کہ خبر طلب ہو جیسے زَيْدٌ أَهْرَبَ وَأُزِيدُ هَلَا ضَرْبَةُ تَمْرٍ
صورت یہ کہ مبتدا دعاء ہو جیسے سَلَامٌ عَلَيْكَ اور ذَلِيلٌ زَيْدٌ چوتھی صورت یہ کہ مبتدا امثال کے بعد واقع ہو جیسے اَنَا زَيْدٌ
فَمَنْطِقٌ بِأَنْفُسٍ صورت یہ کہ مبتدا کم ہو جیسے كَمَ مِنْ قَرِيَةٍ أَهْلُهَا جَمْعٌ صورت یہ کہ مبتدا الاسم پہلے یا انما کے
بعد بلا فصل واقع ہو جیسے مَا لَمْ يَلِدْ أَلَمْ يَكُنْ أَوْ أَتَمَّ أَنْتَ نَذِيرٌ۔

بیانہ اِذَا كَانَ۔ اِذَا حرف شرط ہے جس کی جزاء وجب تقدیم ہے اور المبتدأ اسم ہے کلام کا اور
شتمنا اس کی خبر ہے اور علی مالہ میں ما اگر موصوفہ ہو جملہ لاحقہ صلا ہوگا اور اگر موصوفہ ہو جملہ لاحقہ صفت ہوگا

جب کہ شرط میں دوسرے کی طرف اشارہ ہے اور صدر الکلام فاعل ہے لظرف کا یا اس کی خبر مقدم ہے عامل
یہ کہ تقدیم کی یہ پہلی صورت ہے کہ مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو کہ جس کے لئے صدر کلام واجب ہے جیسے مَنَ الْبُورِ اس
صورت میں مبتدا کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ صدارت واجبہ فوت نہ ہو جائے خیال رہے کہ مبتدا کا اشتغال
اس معنی پر اور باقی الفاظ پانچ معنوں پر جو چار خبر میں مسطور ہیں اِشْتَمَالَ الدَّالَّ عَلَى الْمَدْلُولِ ہے کیونکہ مبتدا لفظ ہوتا
ہے اور مالہ صدر الکلام معنی اور ظاہر ہے لفظ وال ہوتا ہے اور معنی مدلول پر مبتدا ایسے معنی پر کبھی بنفہ وال ہوتا
ہے جیسے مَنَ الْبُورِ میں مبتدا استفہام پر بنفہ وال ہے کیونکہ اس کا معنی ہے اِنْذَابُورِ اِمَ ذَالِکَ اور کبھی مبتدا
ایسے معنی پر بواسطہ مجاور وال ہوتا ہے جیسے غلام من ضارب میں مبتدا استفہام پر بواسطہ مجاور مؤخر وال ہے۔

قولہ اَيْ عَلَى مَعْنَى۔ اس عبارت سے متن میں جو ما ہے اس کے معنی کو بیان کیا گیا ہے اور اس
کی تفسیر سے یا اشارہ ہے کہ موصوفہ ہے موصوفہ نہیں کہ وہ معرفہ ہوتا ہے موصوفہ اس لئے مراد لیا گیا کہ یہاں کوئی
خاص معنی مراد نہیں بلکہ عام ہے کہ کوئی بھی معنی ہو جو صدر کلام کو واجب ہے۔

قولہ کَالِاسْتِفْهَامِ۔ یہاں صرف ایک معنی کو بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے جب کہ صدر کلام کل چھ معنوں
کے لئے واجب ہوتا ہے وہ یہ ہیں (۱) استفہام جیسے مَنَ الْبُورِ (۲) شرط جیسے مَنْ يَقْتُلُ مَوْثِمًا مَعْدًا فَنَجَا
جہنم (۳) تاکید بلام ابتداء جیسے زَيْدٌ مَنْطِقٌ (۴) تعجب جیسے مَا أَحْسَنَ زَيْدٌ (۵) تم جیسے لَعَنَكَ اللَّهُ
فی سکر تہم بعمون (۶) نفی جیسے لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا بَكْرٌ اس میں زید مبتدا ہے جو خبر پر وجوہ مقدم ہے اور
مبتدا پر معطوف ہے مبتدا نہیں اس لئے اس کو خبر پر مقدم نہیں کیا گیا۔

قَوْلُهُ مَنَ الْبُورِ فَإِنَّ مَبْدَأَهُ مُشْتَقٌّ عَلَى مَالِهِ صَدْرُ الْكَلَامِ وَهُوَ لَا اسْتِفْهَامَ فَإِنَّ
مَعْنَاهُ أَهَذَا الْبُورِ أَمْ ذَالِكِ وَالْبُورُ خَبْرٌ وَهَذَا مَذْهَبٌ سَبْوِيٌّ وَهَذِهِ بَعْضُ النِّجَاحِ
إِنَّ الْبُورَ مَبْدَأٌ لَكُنْ مَعْرِفَةٌ وَمَنْ خَبْرٌ الْوَاجِبُ تَقْدِيمُهُ عَلَى الْمَبْدَأِ لِتَقْوَمِ
مَعْنَى الْاسْتِفْهَامِ

ترجمہ: — (جیسے مَنَ الْبُورِ) اس لئے کہ لفظ مَنَ مبتدا ہے جو ایسے معنی پر مشتمل ہے جس کے لئے صدر
کلام ہے اور وہ استفہام ہے کیونکہ اس کا معنی ہے أَهَذَا الْبُورِ أَمْ ذَالِكِ اور الْبُورِ اس کی خبر ہے اور یہ
سبویہ کا مذہب ہے اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ الْبُورِ مبتدا ہے کیونکہ وہ معرفہ ہے اور مَنَ ال کی خبر

ہے جس کی تقدیم مبتدا پر ضروری ہے کیونکہ وہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے
تشریح: — قولہ **فَاتَّ مَنَّ**۔ مثال میں ایک دوسرا احتمال بھی ممکن ہے یہاں کہ آگے منکر ہے لیکن جو
احتمال مثل لڑکے مطابق ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں مَنَّ مبتدا ہے جو شتمل ہے معنی استفہام پر جس کے لئے
صدر کلام ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس کا معنی **هَذَا الْبَوْلُ أَمْ ذَاكَ** ہے جو استفہام پر شتمل ہے اور البول اس
کی خبر ہے۔

قولہ **وَهَذَا أَمِنْ هَبْ**۔ یہ جواب اس سوال کا کہ مثال مذکور میں مَنَّ اگرچہ معنی استفہام پر شتمل ہے
لیکن نکرہ ہے جو مبتدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا جواب یہ کہ یہ مثال سیویہ کے مذہب پر مبنی ہے کیونکہ ان کے نزدیک
دو جگہ پر تخصیص کے بغیر بھی نکرہ کو مبتدا بنا جاتا ہے ایک وہی نکرہ جو معنی استفہام پر شتمل ہو جیسے مَنَّ الْبَوْلُ
دوسرا وہ نکرہ افضل التفضیل اپنے جملہ اسمیہ میں مبتدا ہو کہ جو جملہ اسمیہ صفت ہو جیسے جاءنی رجل افضل من البوہ اس
میں افضل نکرہ ہے جو مبتدا ہے اور اس کی خبر البوہ ہے اور مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کہ صفت ہے رجل
موصوف کی۔

قولہ **وَذَهَبَ بَعْضُ**۔ بعض نحو یوں نے مثال مذکور کی ایک دوسری ترکیب یہ بیان کیا ہے کہ مبتدا
البول ہے کیونکہ وہ معرفہ ہے اور مَنَّ اس کی خبر نکرہ ہے اور اس کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ وہ معنی استفہام پر
شتمل ہے لیکن یہ اس تقدیر پر حکم مذکور کی مثال نہ ہو سکے گی البتہ وجوب تقدیم کی مثال ہوگی لیکن وہ بعد میں مذکور
ہے۔

أَوْ كَانَ أَيْ الْمَبْدَأُ وَالْخَبَرُ مَعْرِفَتَيْنِ مَتَّسَاوِيَيْنِ فِي التَّعْرِيفِ أَوْ غَيْرِ مَتَّسَاوِيَيْنِ وَلَا قَرِينَةً
عَلَى كَوْنِهِ أَحَدُهُمَا مَبْدَأٌ وَالْآخَرُ خَبَرٌ أَمْ نَزِيدُ الْمُنْطَلِقِ

ترجمہ: — (یا ہوں دونوں) یعنی مبتدا و خبر معرفہ تعریف میں برابر ہوں یا برابر نہ ہوں اور نہ ان دونوں
میں سے کسی ایک کے مبتدا ہونے اور دوسرے کے خبر ہونے پر قرینہ ہو جیسے زید المنطلق۔

تشریح: — بیانہ اذکانا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مبتدا و خبر جب دونوں معرفہ ہوں اور ان دونوں
میں سے کسی ایک کے مبتدا اور دوسرے کے خبر ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے تاکہ
سایع کو یہ اشتباہ نہ رہے کہ دونوں میں سے کون مبتدا ہے اور کون خبر ہے اور شرح میں **أَيْ الْمَبْدَأُ وَالْخَبَرُ**۔

سے کانامیں ضمیر مفعول کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے۔

قولہ **مَتَّسَاوِيَيْنِ**۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دوسری صورت کا ذکر فضول ہے کیونکہ اس کو تیسری
صورت شامل ہے کہ وہ عام ہے کہ دونوں برابر ہوں تعریف میں یا تخصیص میں جواب یہ کہ دوسری صورت میں بھی مبتدا
و خبر کے معرفہ ہونے سے مراد عام ہے کہ نفس تعریف میں دونوں متساوی یعنی برابر ہوں یا برابر نہ ہوں اول جیسے مقام مدح
میں انت انت وانا اتنا دوم جیسے زید المنطلق میں معرف باللام علم کے برابر نہیں۔

قولہ **وَلَا قَرِينَةً**۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا و خبر کبھی دونوں معرفہ ہوتے ہیں لیکن مبتدا کو خبر
کرنا جائز ہوتا ہے جیسے ابو حنیفہ ابو یوسف میں دونوں معرفہ ہیں لیکن ابو یوسف مبتدا ہے جو موصوف ہے اور ابو حنیفہ خبر
ہے جو مقدم ہے جواب یہ کہ مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کے واجب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں میں سے کسی
ایک کے مبتدا اور دوسرے کے خبر ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو اور مثال مذکور میں قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ دوم کی تشبیہ
اول کیساتھ مقصود ہے کہ اول کا علی و علی کمال دوم کی نسبت اظہر و اشہر ہے اور تشبیہ بلیغ میں مشبہہ کو مستند اور
مشبہہ کو مستند الیہ قرار دیا جاتا ہے جیسے زید اسد میں پس ابو یوسف کے مبتدا ہونے پر چونکہ قرینہ موجود ہے اسلئے اس کو
مقدم کرنا واجب نہ ہوا۔

أَوْ كَانَ أَيْ الْمَبْدَأُ وَالْخَبَرُ مَعْرِفَتَيْنِ مَتَّسَاوِيَيْنِ فِي التَّعْرِيفِ أَوْ غَيْرِ مَتَّسَاوِيَيْنِ وَلَا قَرِينَةً
عَلَى كَوْنِهِ أَحَدُهُمَا مَبْدَأٌ وَالْآخَرُ خَبَرٌ أَمْ نَزِيدُ الْمُنْطَلِقِ

ترجمہ: — (یا ہوں دونوں برابر) نفس تخصیص میں نہ کہ اس کی مقدار میں یہاں تک کہ اگر کہا جائے غلام
رجل صالح خیر منکے تو بھی مبتدا کی تقدیم واجب ہے جیسے افضل منی افضل منکے) اشتباہ کو رفع
کرنے کے لئے۔

تشریح: — بیانہ اذکانا۔ شرح میں کانامی تقدیم سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں متساویین کا عطف معرفت
پر ہے حاصل یہ کہ تقدیم کی تیسری صورت ہے کہ مبتدا و خبر جب دونوں نفس تخصیص میں برابر ہوں تو مبتدا کو خبر پر
مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ سایع کو یہ اشتباہ نہ رہے کہ دونوں میں سے کون مبتدا ہے اور کون خبر ہے جیسے افضل
منکے افضل منی خیال رہے کہ قرینہ کے نہ ہونے کی قید اس صورت میں بھی ملحوظ ہے لیکن یہاں اس کو چھوڑ دیا
گیا سابق پر اکتفا کرنے کی وجہ سے۔

صرف صورت اخبر کے ساتھ نہیں بلکہ مذکور بالا چاروں صورتوں کے ساتھ ہے۔

قولہ ایضا فی صورت الاولیٰ۔ ناقبل میں چاروں صورتوں کیساتھ اجمالاً انکی دلیاں بھی بیان کر دی گئیں تھیں لیکن چونکہ صورت اخیرہ تفصیل کا طالب تھی اس لئے یہاں اس کو دوبارہ بیان کیا جاتا ہے کہ خبر اگر ایسا فعل ہو جس کا فاعل وہ ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف راجع ہو تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے اس لئے کہ فعل اگر مفرد ہو جیسے زید قائم میں تو مبتدا اگر موخر کر کے یوں کہا جائے قائم زید تو یہ اشتباہ ہوگا کہ زید فاعل ہے اور اگر فعل شنی یا مجموع ہو جیسے الرجال قاموا والرجال قاموا تو مبتدا کو اگر موخر کر کے یوں کہا جائے قام الرجال وقاموا الرجال تو یہ اشتباہ ہوگا کہ الرجال یا الرجال فاعل کا بدل ہے ان نحو یوں کے مذہب پر جو فعل میں ضمیر غائب باز مانتے ہیں لیکن ان نحو یوں کے مذہب پر کہ جو فعل میں ضمیر غائب باز نہیں ملتے اور یہ کہتے ہیں کہ قاما اور قاموا میں الف اور واؤ تثنیہ و جمع کے علامت ہیں جس طرح کہ ضربت ہند میں تار باز نہیں بلکہ واحد مونث کی سلامت ہے پس اس صورت میں مبتدا کو اگر موخر کیا جائے تو مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔

وَإِذَا تَقَعَتِ الْغَيْبَةُ الْمَفْرُودَةُ أَيْ الذِّي لَيْسَ بِجُمْلَةٍ صَوْرَةٌ سَوَاءٌ كَانَتْ تَحْسِبُ الْحَقِيقَةَ جُمْلَةً أَوْ غَيْرَ جُمْلَةٍ مَالَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ أَيْ مَعْنَى وَجِبَ لَهٗ صَدْرُ الْكَلَامِ كَالِاسْتِفْهَامِ مِثْلُ أَيْنَ زَيْدٌ قَزِيدٌ مُبْتَدَأٌ وَآيَةُ اسْمُ مُتَضَعٍ لِّلْاسْتِفْهَامِ خَبْرٌ لَا دُخُولَ فِيهِ فَإِنْ قُدِّرَ بِفَعْلٍ كَانَتِ الْخَبْرُ جُمْلَةً حَقِيقَةً مَّفْرُودَةً صَوْرَةٌ وَإِنْ قُدِّرَ بِاسْمٍ الْفَاعِلِ كَانَتِ الْخَبْرُ مَفْرُودَةً صَوْرَةً حَقِيقَةً وَعَلَى التَّقْدِيرِ يَرْتَبِعُ لَيْسَ بِجُمْلَةٍ صَوْرَةٌ وَاحْتَرَفَ بِهِ عَنْ فَوْزِيْدٍ آيَةُ ابْنِ ابْنِ إِدْرَاسَ بِتَاخِيرِهِ صَدْرَ الْكَلَامِ مَالَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ لِمَصْدَرٍ فِي جُمْلَةٍ

ترجمہ: — اور جب متضمن ہو خبر مفرد (یعنی جو صورت جملہ نہ ہو عام ہے کہ حقیقہ جملہ ہو یا جملہ نہ ہو) اس کو کہ جس کیلئے صدر کلام ہے (یعنی ایسے معنی کو کہ جس کے لئے صدر کلام واجب ہے جیسے استفہام (جیسے ایں زید) پس زید مبتدا ہے اور ایں اسم جو استفہام کو متضمن اس کی خبر ہے اور ایں ظرف ہے پس اگر اس کو فعل کیساتھ مقدر کیا جائے تو خبر حقیقہ جملہ ہوگی اور صورت مفرد ہوگی اور اگر اسم فاعل کیساتھ مقدر کیا جائے تو خبر صورتہ و حقیقہ مفرد ہوگی دونوں تقدیروں پر ایں صورتہ جملہ نہ ہوگا اور مضاف نے مفرد کی قید سے زید ایں ابوہ جیسی ترکیب سے احتراز فرمایا کیونکہ اس کی تاخیر سے اس کی صدارت باطل نہیں ہوتی جس کے لئے صدر کلام ہو کیونکہ وہ جملہ کے شروع میں ہے

تشریح: — بیانہ وَاِذَا تَقَعَتِ۔ خبر کو مبتدا پر مقدم کرنے کی بھی دس صورتیں ہیں جن میں سے چار

صورتیں تین میں مذکور ہیں اور باقی چھ صورتوں میں سے پہلی صورت یہ کہ خبر کا خبر مبتدا میں ہو جیسے ماقام الزید یا انما قام زید دوسری صورت یہ کہ فاعل مبتدا میں ہو جیسے ایضا عندک قزید تیسری صورت یہ کہ خبر اسم اشارہ مکانی ہو جیسے تم زید چوتھی صورت یہ کہ مبتدا کی خبر کم خبر یہ ہو جیسے کم درہم مالک پانچویں صورت یہ کہ مبتدا کی خبر کا مضاف الیہ کم خبر یہ ہو جیسے صاحب کم غلام انت چٹی صورت یہ کہ خبر کی تاخیر مقصود میں محل ہو جیسے لبتہ و رت اس لئے کہ تاخیر سے تعجب مستفاد نہیں ہوتا جو اس شال سے مقصود ہے

قولہ ای الذی۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ مفرد اسم مفعول ہے جس کے اوپر الف لام بمعنی الذی ہوتا ہے اور لیس بجملة سے معنی مفرد کو بیان کیا گیا ہے کہ مفرد سے یہاں مراد بفرجہ ہے کیونکہ مفرد کبھی مرکب کے مقابل آتا ہے اور کبھی مضاف کے مقابل اور کبھی تثنیہ و جمع کے مقابل آتا ہے۔

قولہ صورتہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مفرد چونکہ یہاں جملہ کے مقابل ہے اس لئے ایں زید کو خبر مفرد کی مثال دینا درست نہیں کیونکہ وہ ظرف ہے جو جملہ کی تاویل میں ہوتا ہے جواب یہ کہ مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ صورتہ مفرد ہو عام ہے کہ حقیقہ جملہ ہو یا جملہ نہ ہو اور ظاہر ہے ایں صورتہ مفرد ہے اگرچہ بفریوں کے نزدیک وہ حقیقہ جملہ ہے البتہ کو فیول نے اس کو حقیقہ بھی مفرد کہا ہے۔

قولہ ای معنی۔ یعنی تین میں ماسے مراد معنی ہے اور وجہ لہ تین میں لہ سے استفادہ حاصل یہ کہ مبتدا میں جو چھ معنوں کے لئے صدر کلام واجب تھا وہ خبر میں نہیں ہے البتہ صرف استفہام کے لئے صدر کلام واجب ہوتا ہے عام ہے کہ وہ استفہام پر خود ال ہے جیسے ایں زید یا بواسطہ مجاز و ال ہے جیسے غلام من زید اور غالباً اسی فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے تین میں یہاں متضمن مرفوع ہے (شتمل نہیں جو ماقبل میں مذکور ہے۔)

قولہ فزید مبتدا۔ اس عبارت سے مثال کو مثل لہ سے مطابقت قائم کی جاتی ہے کہ مثال میں زید مبتدا ہے جو موخر ہے اور ایں خبر مقدم ہے جو استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور وہ ظرف ہے جو کبھی فعل کی تاویل میں ہوتا ہے اور کبھی اسم فاعل کی تاویل میں بتقدیر اول وہ حقیقہ جملہ ہوگا جیسا کہ بفریوں کا خیال ہے اور بتقدیر دوم حقیقہ مفرد ہوگا جیسا کہ وہ کو فیول کا نظریہ ہے لیکن بہر دو تقدیر وہ صورتہ مفرد ہی ہوگا جملہ نہیں خیال رہے کہ مثال مذکور میں زید مبتدا ہوگا ایں ظرف کا فاعل نہیں جو مشابہ فعل ہوتا ہے کیونکہ اس کا عامل ہونے کے لئے اعتماد مذکور کا ہونا شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

قولہ واحترن بہ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خبر کو مفرد کے ساتھ کیوں مقید کیا گیا ہے

جواب یہ کہ اگر جملہ ہوا اور وہ ایسے معنی کو متضمن ہو جس کے لئے صد کلام فردی ہے تو اس کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ موخر کر دینے سے صدارت فوت نہیں ہوتی جیسے زید ابن ابیہ میں ابن ابیہ خبر جملہ ہے اور استفہام کے معنی کو متضمن ہے اس کے باوجود ابن کو زید سے موخر کرنے پر صدارت فوت نہیں ہوتی کیونکہ جو جملہ خبر ہے اس کے شروع میں ابن مذکور ہے اور متضمنی صدارت کے لئے یہ فردی ہے کہ وہ اپنے جملہ میں صد ہر جملہ میں نہیں۔

حکم —————
 اذ كان الخبر بقدره محملاً لى لبند او من حيث ان البند او بقدره يمعن وقوعه مبتدا او مثله في الدار جل فأتى في الخبر تخصص المبتدا او بقدره كما عرفت فلو أجز بقى المبتدا او نكرة غير مخصوصة

ترجمہ: —————
 دیا میں خبر اپنی تقدیم کی وجہ سے (معنی اس کے لئے) اپنی مبتدا کے لئے اس حیثیت سے کہ وہ مبتدا ہے پس خبر کی تقدیم سے اس کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہو جائیگا جیسے فی الدار جل کیونکہ فی الدار خبر ہے جس کے مقدم ہونے کی وجہ سے مبتدا خاص ہو گیا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا پس اگر خبر کو موخر کیا جائے تو مبتدا نکرہ غیر مخصوص ہی باقی رہ جائے گا

تشریح: ————— بیانہ اذ کان۔ دوسری صورت یہ کہ مبتدا جب نکرہ ہو لیکن خبر کو اس پر مقدم کر دیا جائے تو وہ نکرہ مخصوص ہو جائیگا جیسے فی الدار جل میں جل مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور فی الدار خبر ہے جس کو مقدم کرنے سے جل میں تخصیص پیدا ہو گئی ہے جیسا کہ گذرا۔

قولہ الخبر۔ یہ مرجع ہے کان میں ضمیر مرفوع کا اور تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ خبر جو مبتدا کا معنی ہے باعتبار ذات نہیں بلکہ اس کو مقدم کرنے کے اعتبار سے ہے اور للبتداء سے متن میں لڑکی ضمیر کا مرجع بتایا گیا ہے
 قولہ من حيث۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خبر جب مبتدا کا معنی ہے تو مرتبہ خبر مرتبہ مبتدا پر مقدم ہوا جب کہ معاملہ برعکس ہے جواب یہ کہ مرتبہ مبتدا کا مرتبہ خبر پر تقدم باعتبار ذات ہے لیکن باعتبار وصف ابتداء تو مرتبہ خبر کا اس پر تقدم جاتا ہے۔

حکم —————
 اذ كان متعلقا بکسر اللام أى كان متعلقا بالخبر التام لى تبعية تمنع معها تقدیر لى على الخبر فلا يرد

مخو على الله عبداً لا متوكل ضمير كائن في جانب المبتدا او ساجع الى ذلك المتعلق اذ لو اخر لزم اللاحق قبل الذکر لفظاً ومعنى شل على التمرة مثلاً ما جید انقولہ مثلاً أى مثل التمرة مبتدا او ذیہ ضمیر متعلق الخبر وهو التمر لالان الخبر هو قولہ على التمرة والمتى متعلق بہ مثل متعلق الجن بان کل

ترجمہ: —————
 دیا ہو (اس کے متعلق) بکسر لام (کے لئے) یعنی متعلق خبر کے لئے ایسا تابع ہو جس کے لئے ایسی تبیت ہو اس کے ساتھ مبتدا کی تقدیم خبر پر محال ہوتی ہو پس على التمر عبد متوکل ایسی ترکیب سے اعراض وارد نہ ہو گا ضمیر ہو (مبتدا) کے جانب میں جو اس متعلق کی طرف راجع ہو اس لئے کہ اگر موخر کیا جائے تو اواخر قبل الذکر لفظاً ومعنى لازم آئیگا جیسے على التمرة مثلاً ما جید پس مصنف کا قول مثلاً یعنی شل التمرة مبتدا ہے اور اس میں ضمیر متعلق خبر وہ تمرہ کے لئے ہے اس لئے کہ خبر مصنف کا قول على التمرة ہے اور تمرہ اس کا متعلق ہے جیسے کہ جبر کا متعلق کل کے ساتھ ہوتا ہے

تشریح: ————— بیانہ اذ۔ تیسری صورت یہ کہ مبتدا کیساتھ کوئی ایسی ضمیر متصل ہو کہ جس کا مرجع خبر سے متعلق رکھنے والا کوئی لفظ ہو اور ضمیر کا مرجع خبر پر مقدم کرنا متعین ہو جیسے على التمرة مثلاً ما جید اس میں على التمرة خبر مقدم ہے اور مثلاً ما جید مبتدا موخر ہے جس میں ایک ضمیر ایسی ہے جس کا مرجع التمرة ہے جو خبر سے متعلق رکھتا ہے کہ وہ خبر کا جبر ہے اگر خبر کو موخر کر کے یوں کہا جائے مثلاً ما جید على التمرة تو اواخر قبل الذکر لفظاً ومعنى لازم آئیگا جو منوط ہے۔

قولہ کان۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں متعلق کا عطف ماقبل میں کان کے اسم پر ہے یا اس کی خبر پر اگر اسم پر ہے تو اس کو اسم ہونا چاہیے کیونکہ اسم پر جو معطوف ہے وہ بھی اسم ہوتا ہے جب کہ وہ جار مجرور ہے جو کان کے اسم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر اس کا عطف خبر پر ہے تو جملہ کا عطف مفرد ہونا لازم آئیگا جو ناجائز ہے جواب یہ کہ متعلق سے پہلے کان مقدم ہے پس اس کان کا عطف ماقبل میں کان پر ہوا جو جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔

قولہ بکسر اللام۔ اس عبارت سے اس دم کا ازالہ ہے کہ متن میں متعلق کا دوسرا لام فتح کیساتھ پڑھا جاتا ہے اور اس کی ضمیر خبر کا مرجع خبر ہے پس معنی ہوا کہ خبر کے متعلق کے لئے ایک ایسی ضمیر ہو جو مبتدا میں اظہار ہے خبر کا متعلق مبتدا ہوتا ہے تو معنی ہوا کہ مبتدا کے لئے ایک ضمیر ہو مبتدا میں اور کوئی شک نہیں کہ یہ فساد معنی حاصل ازالہ یہ کہ متعلق کا دوسرا لام فتح کے ساتھ نہیں بلکہ کسرہ کے ساتھ ہے ظاہر ہے خبر کا متعلق بالکسر اس کا جبر ہے مبتدا نہیں۔

قولہ تبعية۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور على التمر عبد متوکل سے منقوض ہے اس لئے کہ

اس میں متوکل خبر ہے جس میں ایک ضمیر ہے جس کا مرجع اسم جلال ہے جو خبر سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ علی اللہ جبار و مجرب
مل کر متوکل سے متعلق ہے جواب یہ کہ حکم مذکور اس شرط کیساتھ ہے کہ خبر کا متعلق یعنی ضمیر کے مرجع کو خبر پر مقدم کرنا متنع
ہو جس طرح علی التمرۃ مثلہا زبدان تمرۃ کو علی التمرۃ پر مقدم کرنا متنع ہے لیکن مثال مذکور میں اسم جلال کو خبر پر مقدم
کرنا متنع نہیں بلکہ جائز ہے اس لئے اس میں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں البتہ اس صورت میں متوکل عامل اور
علی اللہ معمول سے فصل اجنبی لازم آتی ہے اس لئے کہ مبتدا خبر کا اجنبی ہوتا ہے فاضل ہندی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کتابت
کریمہ بالآخرۃ ہم یوقنون میں بھی یوقنون عامل ہے اور بالآخرۃ معمول ہے جن دونوں کے درمیان ہم مبتدا واقع ہے معلوم
ہو کہ فصل اجنبی مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے مقام پر مستقر نہ ہو اور مثال مذکور میں مبتدا
جو فصل اجنبی ہے اپنی جگہ قائم ہے کیونکہ وہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مقدم ہے اور متوکل اس کی خبر موخر
ہے۔

قولہ کائنات۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں فی المبتدا جو ضمیر کی صفت ہے وہ جنب نہیں
بلکہ باعتبار متعلق ہے اور لفظ جانب کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ مثال مثل لا کا مطابق نہیں کیونکہ عبارت سے
سے ظاہر ہے کہ ضمیر مبتدا کا جزو ہو کیونکہ لفظ فی جنسیت پر وال ہے حالانکہ مثال میں وہ مبتدا کا جزو نہیں بلکہ اس کا
مضاف الیہ ہے کیونکہ حقیقۃً مبتدا صرف مضاف ہوتا ہے جواب یہ کہ عبارت میں المبتدا سے پہلے لفظ جانب مقرر
ہے ظاہر ہے اس سے جنسیت متفاد نہیں ہے۔

اور کائنات الخبر خبر عن ان المفتوحة الواقعة مع استنها وخبرها الموقول بالمفرد مبتدا اذ فی تلخیص
خوف لبس ان المفتوحة بالمسورة فی التلخیص لامکان الذہول عن الفتحۃ لکنانہا اذ فی الکتابۃ
مثلاً عندی انک قائم واجب تقدیمہ ائی تقدیم خبر علی المبتدا اذ فی جمیع ہذا الصور
لما ذکرنا

ترجمہ: (دیا ہو) خبر خبر از ان (مفتوحہ جو اپنے اسم و خبر کیساتھ واقع ہو جو مودل بمفرد ہو کہ مبتدا ہوتا ہے
کیونکہ اس کے موخر کرنے میں ان مفتوحہ کا مکسورہ کیساتھ تلفظ میں التیاس کا خوف ہے اس لئے کہ فتوحے اس
کے خفا کا وجہ سے ذہول ممکن ہے یا کتابت میں ربیعہ عندی انک قائم واجب ہے۔ (تقدیم) یعنی خبر کی تقدیم
مبتدا پر ان تمام صورتوں میں اس وجہ سے کہ جو ہم نے بیان کیا ہے۔

تشریح:۔ بیان انک اذ کان۔ جو خبری صورت ہے کہ ان مفتوحہ اپنے اسم و خبر سے ملکر مبتدا ہو جیسے عندی
انک قائم میں انک قائم مبتدا ہے اور عندی خبر جو واجباً مقدم ہے شرح میں الخبر سے کان میں ضمیر مرفوع کے مرجع کو
بیان کیا گیا ہے۔ یہ عبارت ماقبل میں کان الخبر معنی پر معطوف ہے کان متعلقہ پر نہیں کہ اس سے معنی کا فساد لازم
آتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

قولہ اذنی تاخیر۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ان مفتوحہ جب اپنے اسم و خبر سے ملکر مبتدا ہو تو
خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا کیوں واجب ہے؟ جواب یہ کہ ان مفتوحہ کو ان مکسورہ کیساتھ جو نحو تلفظ و کتابت میں التیاس
کا اندیشہ رہتا ہے اس لئے خبر کو مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا تاکہ وہ اس اندیشہ سے محفوظ ہو جائے لیکن تلفظ میں اس
لئے کہ عندی انک قائم میں ان اپنے اسم و خبر سے ملکر مبتدا موخر ہے اور عندی خبر مقدم ہے پس اگر اس کو موخر
کر کے یوں کہا جائے انک قائم عندی تو فوجی چونکہ اخف حرکات ہے جو بلا تکلف زبان پر آجاتا ہے ہو سکتا ہے سامع
ان کا فقرہ بھول کر اس کو مکسور سمجھ لے یا سامع تکلم کے کلام کو سبقت لسانی پر بھول کر سمجھے کیونکہ شروع کلام میں ان سے
مکسورہ ہوتا ہے اور کتابت میں اس لئے کہ خبر کو اگر موخر کر کے یوں کہا جائے انک قائم عندی تو ممکن ہے ناظر
ان مفتوحہ کو مکسور سمجھ لے کہ شروع کلام میں ان مکسورہ ہوتا ہے

وقد يتعدّد الخبر من غير تعدّد الخبر عنه فيكون اثنين فصاعداً وذلك للتعدّد اما بحسب اللفظ
والمعنى جسيما واستعمل ذلك على وجهين بالعطف مثل زيد عالم وعاقلة وبغير العطف مثل زيد عالم
عالم عاقل واما بحسب اللفظ فقط نحو هذا اكلوا حامضاً فادخما في الحقيقة خبر واحد اذ في هذا
هذا الصور لا تترك العطف اذ في نظر بعض النحاة الى صورۃ التعدّد وجوہ العطف ولا يبعد ان يقال
مراد المصنف بتعدّد الخبر ما يكون بغير عاطف لانه التعدّد بالعطف لا خفاء به لاني الخبر ولا في
المبتدا اذ ولا في غيرهما واليضا المتعدّد بالعطف ليس بمخبر بل هو من توابعه ولهذا اورد في المثال
الخبر المتعدّد بغير عاطف ولو جعل التعدّد اعتم فالاعتصام عليه لذلك

ترجمہ: (اور خبر کبھی متعدد ہوتی ہے) خبر عنہ کے تعدد کے بغیر پس دیا ان سے زائد خبریں ہو سکتی ہیں اور یہ
تعدد آیا لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے ہے اور اس کا استعمال دو طریقوں پر ہوتا ہے عطف کیساتھ جیسے زيد عالم
وعاقل اور عطف کے بغیر جیسے زيد عالم عاقل اور یا صرف لفظ کے اعتبار سے جیسے هذا اكلوا حامضاً یعنی یہ میٹھا کھا

کیونکہ دونوں حقیقت میں خبر واحد ہے کہ اس کا معنی کھٹکا ہے اس صورت میں ترک عطف اولیٰ ہے اور بعض خبروں نے تعدد کی صورت کی طرف نظر کرتے ہوئے عطف کو جائز قرار دیا ہے اور بعض نہیں کہ کہا جائے کہ تعدد خبر سے معنی مراد وہ ہے کہ خبر عطف کے بغیر ہو اس لئے کہ عطف سے تعدد میں کوئی خفا نہیں ہے نہ خبر میں اور نہ مبتدا میں اور ان دونوں کے علاوہ میں اور نیز جو عطف سے متعدد ہو وہ خبر ہی نہیں بلکہ اس کے توابع سے ہے اور اسی وجہ سے مثال میں ایسی خبر کو لایا گیا جو عطف کے بغیر متعدد ہو اور اگر تعدد کو عطف و غیر عطف سے عام کیا جائے تو مصنف کا مثال کے لئے میں خبر متعدد بلا عطف پر اکتفا کرنا اسی وجہ سے ہے کہ خبر کے تعدد بال عطف میں کوئی خفا نہیں ہے

تشریح: — بیان اللہ وقد يتعدد۔ خبر بھی متعدد ہوتی ہے یعنی ایک مبتدا کی کئی خبریں ہوتی ہیں کیونکہ وہ ترکیب میں محکوم بہ واقع ہوتی ہے اور یہ جانتے ہیں کہ ایک شئی کے چند محکوم بہ ہوں۔ پھر وہ چند محکوم بہ بھی ہر ایک مفرد ہوتا ہے جیسے رسول اللہ حاضر و ناظر اور بھی ہر ایک جملہ ہوتا ہے جیسے اللہ یعلم جبر اور بھی مختلف ہوتی ہے یعنی ایک خبر مفرد ہوتی ہے اور دوسری جملہ جیسے اللہ مازنی یرزق الحيوانات

قولہ من غیر تعدد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں يتعدد فعل مفارغ ہے جس پر قد کے دخول سے تفہیل مستفاد ہوتی ہے جبکہ خبر کا متعدد ہونا قلیل نہیں بلکہ وہ تعدد غیر منہ کیساتھ کثیر ہوتا ہے جیسے زید قائم و بکر قاعد و خالد قائم وغیرہ جواب یہ کہ تعدد خبر سے یہاں مراد تعدد غیر منہ کے بغیر ہے اور ظاہر ہے اس کا وقوع قلیل ہوتا ہے۔

قولہ ذلك التعدد۔ یہ تفہیل ہے تعدد کی کہ ایک مبتدا کی جو چند خبریں ہوتی ہیں اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لفظ بھی متعدد ہو اور معنی بھی اگر ان میں سے کسی ایک کو بیان کیا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے تو معنی میں فساد نہ ہو اس کا استعمال بھی عطف کیساتھ ہوتا ہے جیسے رسول اللہ آمین و کریم اور بھی عطف کے بغیر ہوتا ہے جیسے اللہ علیم خیر و مری صورت یہ کہ لفظ تو متعدد ہو لیکن معنی متعدد نہ ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بیان کیا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے تو معنی میں فساد لازم آئے جیسے ہذا علو ماضی کہ اس کا معنی وہ منہ جو مٹھا اس و کٹھا اس سے کہہا ہو جو کھٹکا کہا جاتا ہے پس اگر ہذا علو کہا جائے تو معنی صحیح نہ ہو گا کہ وہ شئی مٹھی نہیں ہے اور اگر ہذا ماضی کہا جائے تو بھی صحیح نہیں ہو گا کہ وہ شئی کھٹی نہیں ہے

قولہ فی هذا الصورة۔ یعنی دوسری صورت میں خبر اگرچہ لفظ میں متعدد ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ایک ہوتی ہے اس لئے ان میں حرف عطف کا ترک اولیٰ ہے اگرچہ بعض خبروں نے تعدد کا خیال کرتے ہوئے عطف کو جائز کہا ہے خیال رہے کہ اولیٰ یہاں بمعنی واجب ہے بایں قرینہ کہ بعد میں جزا العطف مذکور ہے

جو ما قبل میں ترک عطف کے وجوب پر دلالت کرتا ہے ہی قول ملاوڑ محمد مدق کا بھی ہے۔

قولہ ولا یبعد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ایک مبتدا کی چند خبریں جب عطف کے بغیر ہوتی ہیں اور

عطف کیساتھ بھی تو مصنف نے صرف پہلی صورت کی مثال کو کیوں بیان فرمایا؟ جواب یہ کہ عطف کیساتھ خبر کے تعدد کا جائز ہونا ظاہر ہے اس لئے دوسری صورت کی مثال کو چھوڑ دیا گیا اور اس لئے بھی کہ عطف کیساتھ حقیقتاً متعدد خبریں نہیں ہوتیں بلکہ خبر صرف معطوف علیہ ہوتی ہے اور معطوف اس کے توابع سے ہوتا ہے پس دونوں ملکر خبر متعدد کہلاتے ہیں جیسے زید عالم و عاتق میں خبر صرف عالم ہے اور عاتق اس کا تابع ہے خبر نہیں۔

وقد يتضمن المبتدأ معنى الشرط وهو سبب الأول للثاني أو للحكم به فلا يرد عليه نحو وما بكم من نعمة فمن الله في شبه المبتدأ الشرط في سبب الخبر كسبب الشرط للجنء أء فصحة دخول الفاء في الخبر ربيعه عدم دخول فيه نظراً إلى حجب يتضمن المبتدأ معنى الشرط وأما إذا قصد الدلالة على ذلك المعنى في اللفظ فيجب دخول الفاء فيه وأما إذا لم تقصد فلم يجب دخول فيه بل يجب عدمه

ترجمہ: — (اور بھی مبتدا معنی شرط کو متضمن ہوتا ہے) اور معنی شرط وہ اول کا ثانی کے وجود یا اس کے حکم کے لئے سبب ہونا ہے پس مصنف کے قول قد يتضمن المبتدأ معنى الشرط پر وما بكم من نعمة فمن الله جیسی ترکیب سے اعراض وارد نہ ہو گا پس مبتدا شرط کے مشابہ ہوئے خبر کے لئے سبب ہونے میں جس طرح شرط جزاء کے لئے سبب ہوتی ہے تو خبر میں فا کا داخل ہونا صحیح ہوتا ہے اور خبر میں فا کا نہ داخل ہونا بھی صحیح ہوتا ہے مبتدا کا معنی شرط کو محض متضمن ہونے کی طرف نظر کرتے ہوئے اور لیکن جب کہ لفظ میں اس معنی سببیت پر دلالت کا قصد کیا جائے تو خبر میں فا کا داخل ہونا واجب ہوتا ہے اور لیکن جب کہ دلالت کا قصد نہ کیا جائے تو خبر میں فا کا داخل ہونا واجب نہیں بلکہ اس کا نہ داخل ہونا واجب ہوتا ہے۔

تشریح: — بیان اللہ وقد يتضمن۔ اس سے قبل مبتدا و خبر میں سے ہر ایک کے جدا جدا احکام بیان کئے تھے لیکن اب وہ احکام بیان کئے جاتے ہیں جو دونوں کے ساتھ متعلق ہیں اور وہ یہ ہیں کہ مبتدا جب شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہے کیونکہ مبتدا خبر کے لئے سبب ہونے میں شرط کے مشابہ ہے کیوں کہ شرط بھی جزا کے لئے سبب ہوتی ہے اور خبر سبب ہونے میں جزا کے مشابہ ہے کیونکہ جزا بھی شرط

کا سبب ہوتی ہے پس جس طرح جزا پر فاد داخل ہوتی ہے اسی طرح خبر پر بھی داخل ہوگی البتہ جزا پر فاد کا داخل ہونا واجب ہے لیکن خبر پر جائز ہے۔

قولہ وهو سبب۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور آیت کریمہ وما یکم من نعمة فمن الله سے منقوض ہے کیونکہ اس میں موصولہ مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن نہیں مگر اس کے باوجود خبر پر فاد داخل ہے کیونکہ شرط کا معنی یہ ہے کہ اول سبب ہونائی کے لئے جیسے ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود میں طلوع شمس وجود نہار کے لئے سبب ہے اور ظاہر ہے مخاطب کے پاس جو نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہونے کا سبب نہیں بلکہ برعکس یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہونا سبب ہے اور مخاطب کے پاس نعمت ہونا سبب ہے جواب یہ کہ معنی شرط سے یہاں مراد یہ ہے کہ اول سبب ہونائی کے لئے یا ثانی کے حکم کے لئے اور آیت مذکورہ میں اول ثانی کے لئے اگرچہ سبب نہیں لیکن اول ثانی کے حکم کے لئے سبب ضروری ہے یعنی مخاطب کے پاس نعمت ہونا اس امر کے لئے سبب ہو کہ کہا جائے یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ شرط کا معنی اگر یہ بیان کیا جائے کہ اول مستلزم ہونائی کو چاہا کہ اس کو غایۃ التحقیق وحاشیہ عبد الرحمن میں بیان کیا گیا ہے اور یہی تحقیق علامہ رضی کی بھی ہے تو شرط کے معنی میں تعین کی حاجت نہ ہو گئی لیکن شارح نے معنی اول کو اس لئے بیان کیا کہ ماتن نے جو مضارع مجزوم کی بحث میں کلم المجازات تدخل علی الفعلین بسبب الاول وسبب الثاني دیکھا ہے اس کے مطابق ہو جائے۔

قولہ ویصح عدمه۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن شرط کے معنی پر دلالت متکلم کا مقصود نہ ہو تو خبر پر فاد کا داخل ہونا جائز نہیں ہوتا جواب یہ کہ یہاں پر تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مبتدا جب شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن متکلم کے قصد و عدم قصد سے قطع نظر ہو جس کو لا بشرط شئی کہا جاتا ہے تو خبر پر فاد کا داخل ہونا اور داخل ہونا دونوں جائز ہیں دوسری صورت یہ کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن شرط کے معنی پر دلالت متکلم کا مقصود ہو جس کو بشرط شئی کہا جاتا ہے تو خبر پر فاد کا داخل ہونا واجب ہوتا ہے تیسری صورت یہ کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو لیکن شرط کے معنی پر دلالت متکلم کا مقصود نہ ہو جس کو بشرط لا شئی کہا جاتا ہے تو خبر پر فاد کا داخل ہونا ممنوع ہوتا ہے جیسے ایمان نجات کے لئے سبب ہے تو الذی امن باللہ کی خبر پر فاد کا داخل ہونا اور نہ ہونا دونوں جائز ہیں لیکن جب نجات کے لئے ایمان کے سبب ہونے پر دلالت متکلم کا مقصود ہو تو خبر پر فاد کا داخل ہونا واجب ہو گا چنانچہ الذی امن باللہ فعوانا کہہ جاتا ہے اور جب نجات کے لئے ایمان کے سبب ہونے پر دلالت متکلم کا مقصود نہ ہو تو خبر پر فاد کا داخل ہونا ممنوع ہو گا چنانچہ الذی امن باللہ فعوانا کہہ جاتا ہے۔

وَذَلِكَ لِأَنَّ الْمُتَضَرِّعَ مَعْنَى الشَّرْطِ أَيْ الْأَسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلِ أَظْهَرَ

صَلَةً جُمْلَةً فَعَلِيَّةً أَوْ ظَرْفِيَّةً مَوْلاَةً بِجُمْلَةٍ فَعَلِيَّةٍ هَاهُنَا بِالْإِتِّفَاقِ وَإِنَّمَا اشْتَرَطْنَا أَنْ يَكُونَ صَلَةً فَعْلًا أَوْ ظَرْفًا مَوْلاً بِالْفِعْلِ لِأَنَّ مِثْلَ ذَلِكَ مِثْلَ مَا يَكُونُ الشَّرْطُ لَا يَكُونُ إِلَّا فَعْلًا وَفِي حَكْمِ الْأَسْمِ الْمَوْصُولِ الْمَذْكُورِ الْأَسْمُ الْمَوْصُولُ بِهِ

ترجمہ:۔۔۔ (اور وہ) مبتدا جو معنی شرط کو متضمن ہے یا تو ایسا اسم ہوتا ہے جو فعل یا ظرف کے ساتھ موصول ہو یعنی ایسا اسم موصول ہو کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہوتا ہے جو باتفاق بحرین و کوفین جملہ فعلیہ کیساتھ موصول ہوتا ہے اور اسم موصول کے صلہ کے فعل یا ظرف موصول ہو چکی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ مبتدا کے مشابہت شرط کیساتھ موکد ہو جائے کیونکہ شرط فعل ہی ہوتی ہے اور اسم موصول مذکور کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اسم موصول مذکور کیساتھ موصوف ہو۔

تشریح:۔۔۔ بیان اللہ وذلک۔ یعنی وہ مبتدا جو شرط کے معنی کو متضمن ہو وہ دو قسموں پر منحصر ہے ایک وہ اسم موصول ہے کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہو اور دوسرا وہ نکرہ ہے کہ جو جملہ فعلیہ یا ظرفیہ سے موصوف ہو ہر ایک کی مثال آگے مذکور ہے۔ یہ دونوں صورتیں جو مذکور ہوئیں مبتدا کے اس خبر کی ہیں جس پر فاد کا داخل ہونا جائز ہے لیکن واجب ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مبتدا پر اما حرف شرط داخل ہو جیسے أَمَّا زَيْدٌ فَمَنْطِقٌ دوسری یہ کہ مبتدا میں شرط کا معنی موجود و مقصود ہو جیسے وَمَا يَكُم مِّنْ نِّعَةٍ فَمِنَ اللَّهِ اور مِّنْ كَانِ فِي بَدْهِ أَعْنَى نَهْوِي الْأَخْصَرَةِ أَعْنَى اور مِّنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا۔

قولہ المبتدأ۔۔۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ جس مبتدا کی خبر پر فاد داخل ہوتا ہے تن میں اس کی دو ہی صورتیں مذکور ہوئیں جب کہ أَمَّا زَيْدٌ فَمَنْطِقٌ میں بھی خبر پر فاد داخل ہے لیکن وہ مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ ہے جواب یہ کہ تن میں ذکر کیے کا مشاعر الیہ وہ مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہو وہ مبتدا نہیں کہ جس کی خبر پر فاد کا داخل ہونا صحیح ہو اور مثال مذکور میں زید مبتدا ضروری ہے لیکن شرط کے معنی کو متضمن نہیں البتہ اس کی خبر پر فاد اس لئے داخل ہے کہ مبتدا سے پہلے اما حرف شرط مذکور ہے یا یہ کہ یہ دو صورتیں اس خبر کی ہیں جس پر فاد کا داخل ہونا جائز ہو اور مثال مذکور میں خبر پر فاد کا داخل ہونا واجب ہے جیسا کہ گذرا۔

قولہ أما۔۔۔ کی تقدیر اس اصول کی وجہ سے ہے کہ عطف اگر بذریعہ اما ہو تو معطوف علیہ پر اما کا ذکر ضروری ہوتا ہے اور اگر عطف بذریعہ اُو ہو جیسا کہ یہاں مذکور ہے تو معطوف علیہ پر اما کا ذکر مستحسن ہونا ہے۔

قوله الذی جعلتے۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماقبل میں گذرا کہ ظرف بمصروف کے نزدیک بتاویل جملہ ہوتا ہے اور کیوں کے نزدیک بتاویل مفرد پس یہاں بھی اس کی دو صورتیں ہوں گی جواب یہ کہ ماقبل میں ظرف کی جو دو صورتیں گذریں اس لئے کہ ظرف وہاں خبر واقع تھا جو اصل میں مفرد ہوتی ہے اور یہاں وہ صلا واقع ہے جو بالاتفاق جملہ ہوتا ہے اس لئے کہ ظرف یہاں صرف بتاویل جملہ ہوگا بتاویل مفرد نہیں

قوله انما اشترط۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اسم موصول کے صد کو جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہونے کی شرط کیوں ہے؟ جواب یہ کہ شرط ہمیشہ جملہ فعلیہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ چونکہ مبتدا کو مشابہت حاصل ہے اس لئے فرق ہو کہ اسم موصول کا صلا بھی جملہ فعلیہ ہو یا ظرفیہ جو بتاویل جملہ فعلیہ ہوتا ہے تاکہ شرط کیساتھ اس کی مشابہت فوری ہو جائے جس کی وجہ سے خبر پر فا کا داخل ہونا جائز ہوتا ہے۔

قوله وفي حكم الاسم۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور آیت کریمہ قل ان الموت الذی تفرؤن منه فائدا ملائیکم سے منقوض ہے کیونکہ اس میں موت مبتدا ہے جو اسم موصول نہیں جواب یہ کہ اسم موصول مذکور کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اس کا موصوف ہو اور ظاہر ہے آیت کریمہ میں اسم موصول کہ جس کا صلا جملہ فعلیہ ہے موت اس کا موصوف واقع ہے اور موصوف و صفت دونوں کا مصداق چونکہ ایک ہوتا ہے اس لئے صفت جب شرط کے معنی کو متضمن ہے تو موصوف بھی متضمن ہوگا۔

أَوَّلُ النُّكْرَةِ الْمُوصُوفَةُ بَعْضًا أَوْ بِأَحَدٍ هَبَا وَفِي حَكْمِهَا الْأَسْمَاءُ الْمُضَافَةُ إِلَيْهَا

ترجمہ: — زیادہ نکرہ ہو جو ان دونوں کیساتھ موصوف ہو یعنی ان دو میں سے کسی ایک کیساتھ اور اس نکرہ موصوف کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اس نکرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے

تشریح: — بیان اول النکرۃ۔ یہ دوسری صورت ہے کہ نکرہ جب کہ جملہ فعلیہ یا ظرفیہ سے موصوف ہو تو اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا جائز ہے شرح میں باحد ہما کی تقدیر سے جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں ہما ضمیر تثنیہ ہے جس کا مرجع فعل و ظرف ہے جب کہ اس سے مراد ظرف ایک ہے کیونکہ نکرہ دونوں میں سے صرف ایک سے موصوف ہوتا ہے چنانچہ زید اؤ بکر قائم کہا جاتا ہے قائم انہیں کہ مرجع ظرف ایک ہے جواب یہ کہ ضمیر تثنیہ سے پہلے احد مضاف مقدر ہے اور نکرہ چونکہ فعل و ظرف دونوں سے موصوف ہوتا ہے اگرچہ ایک وقت میں ایک ہی سے موصوف ہوتا ہے اس لئے متن میں ضمیر کو تثنیہ لایا گیا۔

قوله وفي حکمها۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور کل غلام رجل یا تثنی اؤ فی الدار قلہ درہم سے منقوض ہے کیونکہ اس میں غلام مفہود واقع ہے جو نہ موصوف ہے فعل کیساتھ اور نہ ہی ظرف کیساتھ مگر اس کے باوجود اس کی خبر داخل ہے جواب یہ کہ نکرہ موصوفہ کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اس کی طرف مضاف ہوتا ہے اور مثال مذکور میں غلام اگرچہ نکرہ نہیں جو فعل یا ظرف کیساتھ موصوف ہو لیکن وہ نکرہ کی طرف مضاف ہے

مثال الذی یا تثنیٰ هذا أمثالك للاسم الموصول بفعلي أو الذي في الدار هذا أمثالك للاسم الموصول بظرف قلته درهم أمثالك للاسم الموصوف بالاسم الموصول المذکور بقولته تعالى قل ان الموت الذی تفرؤن منه فائدا ملائیکم ومثل كل رجل یا تثنیٰ هذا أمثالك للاسم الموصوف بفعلي أو كل رجل فی الدار هذا أمثالك للاسم الموصوف بظرف قلته درهم وأمثالك للاسم المضاف فی النکرۃ الموصوفۃ باحد هما فقوله كل غلام رجل یا تثنیٰ اؤ فی الدار أمثالك درهم

ترجمہ: — (رجع الذی یا تثنیٰ) یہ اس اسم کی مثال ہے جو فعل کے ساتھ موصول ہے: (یا) الذی (فی الدار) یہ اس اسم کی مثال ہے جو ظرف کیساتھ موصوف ہو (قلہ درہم) لیکن اس اسم کی مثال جو اسم موصول مذکور کیساتھ موصوف ہو تو اللہ تعالیٰ کا قول ہے قل ان الموت الذی تفرؤن منه فائدا ملائیکم (اد) یہی ہے کہ کل رجل یا تثنیٰ یہ اس اسم نکرہ کی مثال ہے جو فعل کیساتھ موصوف ہو (یا) کل رجل (فی الدار) یہ اس اسم نکرہ کی مثال ہے جو ظرف کیساتھ موصوف ہو (قلہ درہم) اور لیکن اس اسم کی مثال جو نکرہ موصوفہ فعل یا موصوفہ ظرف کی طرف مضاف ہو تو آپ کے قول کل غلام رجل یا تثنیٰ اؤ فی الدار قلہ درہم ہے۔

تشریح: — قوله هذا أمثالك۔ چار صورتیں اوپر چونکہ مذکور ہوتی ہیں جن میں سے دو متن میں اور دو شرح میں اس لئے یہاں بھی چار مثالیں بیان کی جاتی ہیں دو متن میں اور دو شرح میں پہلی صورت کی مثال یہ ہے اؤ فی الدار قلہ درہم دوسری صورت کی مثال یہ ہے قل ان الموت الذی تفرؤن منه فائدا ملائیکم تیسری صورت کی مثال یہ ہے کل رجل یا تثنیٰ اؤ فی الدار قلہ درہم چوتھی صورت کی مثال یہ ہے کل غلام رجل یا تثنیٰ اؤ فی الدار قلہ درہم۔

قوله هذا أمثالك۔ اس مقام پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ مثال اسم موصوف کی نہیں ہے کیونکہ لفظ کل جو مبتدا ہے وہ اگرچہ نکرہ ہے لیکن موصوف نہیں بلکہ مضاف ہے البتہ رجل نکرہ موصوفہ ہے لیکن وہ

مبتدا نہیں اسی طرح دوسری مثال کل غلام رجل یا تثنی فلان درہم انھیں مبتدا کی مثال نہیں ہے جو نکرہ موصوفہ کا مضاف ہو اس لئے کہ رجل جو مبتدا ہے وہ نکرہ موصوفہ کا مضاف نہیں کیونکہ نکرہ موصوفہ رجل ہے جس کا مضاف غلام ہے جواب یہ کہ موصوفہ و مضاف سے یہاں مراد وہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے موصوفہ یا مضاف ہو اور ظاہر ہے پہلی مثال میں کل جو مبتدا نکرہ ہے وہ اگرچہ لفظ کے اعتبار سے موصوفہ نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے موصوفہ ضرور ہے اس لئے کہ کل اپنے مضاف الیہ کے حکم میں ہوتا ہے اسی دوسری مثال میں لفظ کل جو مبتدا نکرہ ہے وہ اگرچہ لفظ کے اعتبار سے نکرہ موصوفہ کا مضاف نہیں لیکن معنی کے اعتبار سے نکرہ موصوفہ کا مضاف ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ نکرہ موصوفہ کا مضاف ہے۔

ولیت ولعل من الحروف المشبهة بالفعل إذا دخل على المبتدأ الذى يصح دخول الفاء على خبره مانعاً عن دخوله عليه لأن صحته دخوله عليه إنما كانت لمثابته المبتدأ والخبر بشرط الجزاء وليت ولعل تزيلا تلت في المشابهة لأنها تخرج جان الكلام من الخبرية إلى الانشائية والشرط والجزء من تيل الأخبار وذلك المنع إنما هو بالاتفاق من النحاة فلا يقال ليت أو لعل الذى ياتى أو فى الدار فله درهم

ترجمہ: — (اور لیت و لعل) حروف مشبہ بفعل میں سے جب کہ دونوں ایسے مبتدا پر داخل ہوں کہ جس کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہوتا ہے (مانع ہیں) خبر پر فا کے داخل ہونے سے اس لئے کہ خبر پر فا کے دخول کا صحیح ہونا اس وجہ سے ہے کہ مبتدا و خبر شرط و جزا کے مشابہ ہیں اور لیت و لعل اس مشابہت کو زائل کر دیتے ہیں کیونکہ وہ دونوں کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نکال دیتے ہیں اور شرط و جزا اخبار کے قبیل سے ہیں اور یہ منع کرنا نحو یوں کے (اتفاق کیساتھ) ای ہے چنانچہ نہیں کہا جائے گا لیت أو لعل الذى ياتى أو فى الدار فله درهم۔

تشریح: — بیانہ ولیت ولعل۔ اس سے قبل خبر پر فا کے دخول کے صحیح ہونے کی صورتیں مذکور تھیں لیکن اب اس کے موانع کو بیان کیا جاتا ہے کہ لیت و لعل خبر پر فا کے داخل ہونے سے بالاتفاق مانع ہیں یعنی بھریوں اور کوئیوں دونوں کے نزدیک وہ مانع ہیں اس قرینہ سے کہ ماقبل میں ان ہی دونوں کے درمیان اختلاف مذکور ہے اور یہاں اس کو اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ بعض نحوی ان کو مانع نہیں مانتے۔

قولہ من الحروف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تن کی عبارت سے یہ مستفاد ہے کہ حرف لیت و لعل ہی خبر پر فا کے داخل ہونے سے بالاتفاق مانع ہیں جب کہ ان وغیرہ اور افعال قلوب بھی کفر پر فا کے داخل ہونے سے منع کرتے جواب یہ کہ یہ حصر اضافی ہے یعنی حروف مشبہ میں سے حرف لیت و لعل ہی خبر پر فا کے داخل ہونے کو بالاتفاق منع کرتے ہیں اور ان وغیرہ کے منع کرنے میں اختلاف ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے اور اس عبارت سے یہ بھی اشارہ ممکن ہے کہ لیت و لعل سے یہاں مراد وہ ہیں جو حروف مشبہ میں سے ہوتے ہیں کیونکہ لعل حرف جار بھی ہوتا ہے جیسے شاعر کے قول لعل ابی المغوار مثلاً قریب میں لعل ابی کو جبر دیا ہے اسی طرح لیت مقولہ عرب لیت زیداً قائماً میں دوسرے جہاں بھی نصب دیا گیا ہے جب کہ حرف مشبہ بفعل حرف پہلا جز کو نصب دیتا ہے۔

قولہ اذا دخلاً۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ لیت و لعل جو حروف مشبہ سے ہیں وہ داخل ہو کر خبر کو نصب دیتے ہیں اس پر فا کہاں داخل ہوتا ہے کہ وہ اس کو منع کریں جواب یہ کہ مانع ہونے سے مراد یہ ہے کہ لیت و لعل جب ایسے مبتدا پر داخل ہوں جن کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہو تو وہ اس فا کے دخول کو منع کریں گے چنانچہ لیت و لعل الذى ياتى أو فى الدار فله درهم نہیں کہا جاتا تھا۔

قولہ لأن صحته دخوله۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ لیت و لعل خبر پر فا کے دخول سے مانع کیوں ہیں؟ جواب یہ کہ خبر پر فا اس لئے داخل ہوتا ہے کہ مبتدا کو شرط کیساتھ اور خبر کو جزا کیساتھ مشابہت حاصل ہے اور ان دونوں کے دخول سے وہ مشابہت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نکال دیتے ہیں جب کہ شرط و جزا بھی اخبار کے قبیل سے ہیں۔ غایۃ التحقیق میں اس کے علاوہ مزید دو وجہیں بیان کی گئیں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ خبر پر فا اس لئے داخل ہوتا ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے اور شرط کا معنی صدارت کو لازم ہے اور لیت و لعل کے دخول سے وہ صدارت فوت ہو جاتی ہے اور شئی چونکہ اپنے لازم کے انتفاء سے منتفی ہو جاتی ہے اس لئے صدارت کے فوت ہونے سے معنی شرط بھی فوت ہو جائیگا اذانات الشرطیات الشرط دوسری وجہ یہ کہ معنی شرط وجود مبتدا کی تقدیر پر وجود خبر کی تطبیق پر دلالت کرتا ہے اور لیت و لعل کے دخول سے کلام قطع سے شک و تردد کی طرف بدل جاتا ہے کیونکہ لیت تثنی پر دلالت کرتا ہے اور لعل ترجی اور دونوں شک پر دلالت کرتے ہیں۔

قولہ والشرط۔ شرط و جزا کا اخبار کے قبیل سے ہونا اہل میزان کے مسلک پر ہے جو حکم کو شرط و جزا کے درمیان مانتے ہیں یہی تحقیق سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی ہے اہل عسریہ حکم کو جزا میں مانتے ہیں

پس اگر خبر ہو تو مجموعہ کلام خبری ہوگا اور اگر جزا جملہ انشائیہ ہو تو مجموعہ کلام انشائی ہوگا۔

فان قيل بآب كان وباب علت ايضا مانعا بالاتفاق فبوجه تخصيص ليت ولعل قيل تخصيصا ببيان الاتفاق انما هو من بين الحي وجه المشبهة لا مطلقا ووجه ذلك التخصيص الاهتمام ببيان الاختلاف الواقع فيها

ترجمہ:۔ پس اگر سوال کیا جائے کہ باب کان اور باب علت بھی بالاتفاق مانع ہیں تو لیت و لعل کے تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ بیان اتفاق کیساتھ لیت و لعل کی تخصیص حروف مشبہ فعل ہی کے درمیان ہے مطلقاً نہیں اور اس تخصیص کی وجہ اس اختلاف کے بیان کا قصد ہے جو حروف مشبہ بفعل میں واقع ہے۔
تشریح:۔ قولہ فان قيل۔ اس عبارت سے شارح مانتی پر سوال کرتے ہیں جیسا کہ گذرا کہ خبر پر فاعل داخل ہونے کو صرف لیت و لعل ہی باتفاق منع نہیں کرتے بلکہ باب کان اور باب علت یعنی افعال ناقضہ و افعال قلوب بھی باتفاق منع کرتے ہیں پس یہاں صرف لیت و لعل ہی کو کیوں بیان کیا گیا دوسروں کو کیوں نہیں؟

قولہ قيل۔ جواب میں دو وجہ بیان کی گئیں ہیں ایک یہ کہ یہاں پر مطلقاً تمام مانعات کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ ہے کہ ان دونوں کی تخصیص اس امر کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ لیت و لعل دونوں حروف مشبہ بفعل میں باتفاق مانع ہیں کیونکہ بعض حروف کا مانع ہونے میں اختلاف ہے مثلاً ان اور آن کو بعض مانع مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے دوسری وجہ یہ ہے کہ حروف مشبہ بفعل میں جو اختلاف واقع ہے اس بیان اختلاف کا اہتمام تخصیص کا باعث ہے۔

والحق بعضهم قيل هو سبويه ان المكسور بهما أى بليت ولعل في المنع عن دخول الفاء على الخبر والا صح أنهما لا تنبع عنه لأنها لا تخرج الكلام عن الخبرية إلى الانشائية يوضح قولنا تعالى ان الذين كفروا وما تواتوا هم كفارا فلن يقبل توبتهم

ترجمہ:۔ (اور لاحق کیا ہے بعض نحو یوں نے) کہا گیا وہ سبویہ ہیں (ان) مکسورہ (کو ان دونوں)

یعنی لیت و لعل (کیساتھ) خبر پر فاعل کے داخل ہونے سے منع کرنے میں اور اصح یہ ہے کہ ان مکسورہ خبر پر فاعل کے داخل ہونے سے مانع نہیں کیونکہ ان مکسورہ کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نہیں نکالتا جس کی تائید اللہ تعالیٰ کا قول ان الذين كفروا وما تواتوا هم كفارا فلن يقبل توبتهم کرتا ہے۔

تشریح:۔ بیان اللہ والحق بعضهم۔ بعض نحو یوں نے ان مکسورہ کو لیت و لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی لیت و لعل جس طرح خبر پر فاعل کے داخل ہونے سے مانع ہیں اسی طرح ان مکسورہ بھی مانع ہیں کیونکہ خبر پر فاعل کا داخل ہونا مبتدا کا شرط کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے اور وہ اس تقدیر پر نازل ہو جاتا ہے کیونکہ شرط و جزا میں تردد پایا جاتا ہے اور ان مکسورہ تحقق کے لئے ہے اور ظاہر ہے دونوں ایک دوسرے کے متناقض ہیں والمتناقضات لا يجتمعان پس ان مکسورہ کے مدخول میں شرط و جزا کا معنی نہیں پایا جائیگا اور خبر پر فاعل کا داخل ہونا صحیح نہ ہوگا۔

قولہ قيل هو۔ یہ مسلم ہے کہ الحاق کا قائل کوئی بعض نحوی ہوگا جو بالکمال و معتبر شخص ہے لیکن چونکہ اس کے تعین میں اختلاف ہے علامہ زحرفی نے سبویہ کا قول کیا ہے اور علامہ اشونی شارح الفیہ نے اخفش کا اس لئے اس کو متن میں بیان نہیں کیا گیا ہے البتہ شرح میں سبویہ کو بیان کیا گیا ہے لیکن قيل کہ تریض سے اس کی وجہ یہ کہ وہ قرآن کریم اور استعمال عرب کے مخالف ہے یا یہ کہ اس کے قائل کی تصریح کو ترک ادب کا موجب سمجھا گیا کافی المعانی۔

قولہ المكسور کا۔ اس قید سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سبویہ نے جو الحاق کا قول کیا ہے وہ صرف ان مکسورہ کیساتھ متعلق ہے ان مفتوحہ کیساتھ نہیں اور آی بلیت و لعل سے متن میں غیر ثبوتی کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے اور فی النع سے یہ اشارہ ہے کہ ان مکسورہ کے الحاق کا قول خبر پر فاعل کے دخول ان سے منع کرنے میں ہے صیغہ یا مادہ وغیرہ میں نہیں۔

قولہ والا صح۔ یعنی خبر پر فاعل کا دخول اس لئے ممنوع ہے کہ لیت و لعل کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نکالتے ہیں لیکن چونکہ ان مکسورہ سے کلام میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اس لئے وہ خبر پر فاعل کے دخول سے مانع نہ ہوگا تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ان الذين كفروا وما تواتوا هم كفارا فلن يقبل توبتهم اور ان الذين كفروا مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے جس پر ان مکسورہ داخل ہے لیکن وہ خبر فلن يقبل توبتهم میں فاعل کے دخول کو منع نہیں کرتا۔ اسی طرح قل ان الموت الذي تفرون منه فانه ملائکم میں بھی خبر پر فاعل کے دخول کو منع نہیں کرتا۔ خیال ہے کہ اصح مقابل میں صحیح کے آتا ہے پس عبارت کا معنی یہ ہوگا کہ ان مکسورہ کا خبر پر فاعل

کے دخول کو منع نہ کرنا اگرچہ صحیح تر ہے لیکن منع کرنا بھی صحیح ہے جیسے آیت کریمہ **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** میں خبر ہم جنات ہے جس پر فاداخل نہیں جب کہ الذین اسم موصول ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اس کا صلا جملہ فعلیہ مذکور ہے۔

قوله یوید کا۔ یہاں پر بدیل قولہ تعالیٰ کہنا چاہیے تھا لیکن یویدہ کہا گیا جس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ قول مذکور ضعیف ہے کیونکہ خبر کو بدون فاعلی دیکھا گیا ہے جیسا کہ گذرا اور اس طرف بھی اشارہ ہے ممکن ہے کہ آیت کریمہ میں خبر فلان یقبل نہیں بلکہ محذوف ہے یعنی یقبل ہم اور فلان یقبل پر جو فاعل ہے وہ جنبا کے لئے نہیں بلکہ تعلیل کے لئے آیا ہے۔

قوله قِيلَ قَدْ أَلْحَقَ بَعْضُهُمْ أَنَّ الْمَفْتُوحَةَ وَلَكِنَّ بَلِيَّةً وَلَعَلَّ فُتَاوَجَهُ تَخْصِيصَ إِنَّ الْمَكْسُورَةَ بِالْأَلْحَاقِ قِيلَ بَعْضُهُمْ الَّذِي أَلْحَقَ إِنَّ بَعْضًا هُوَ سَبُوبُهُ فَاغْتَدَّ بِقَوْلِهِ وَذَكَرَهُ وَلَمْ يَعْتَدِ بِقَوْلِهِ مَعْنً سِوَاكَ فَلَمْ يَذْكُرْ مَعَ أَنَّ كَلَا الْقَوْلِيَّةِ لَا يُسَاعِدُ هَذَا الْقَوْلُ أَنَّ وَكَلَامُ الْفَصَحَاءِ فَيَا بَدَلُ عَلَى عَدَمِ مَنَعِ إِنَّ الْمَكْسُورَةَ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ عَلَى الْخَبَرِ مَا سَبَقَ وَمَا يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ مَنَعِ أَنَّ الْمَفْتُوحَةَ وَلَكِنَّ عَنْ دُخُولِ الْفَاءِ قَوْلُهُ تَعَالَى وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَقَوْلُهُ الشَّاعِرُ شَعْرُ فَوَاللَّهِ مَا فَا رَتَكُم قَالِيَا لَكُمْ وَلَكِنْ مَا يَتَقَبَّحُ فَتَرَفَ يَكُونُ

ترجمہ: پس اگر سوال کیا جائے کہ بعض نحووں نے تو ان مفتوحہ اور لکن کو بھی لیت وعل کے ساتھ لاحق کیا ہے تو الحاق کیساتھ ان مکسورہ کو خاص کرنے کی وجہ کیا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ جن بعض نحووں نے ان مکسورہ کو لیت وعل کے ساتھ لاحق کیا ہے وہ سبویہ ہیں تو وہ منفی اس کے قول کو وقعت دی اور اس کو بیان فرمایا اور ان کے علاوہ دوسروں کے قول کو وقعت نہ دی تو اس کو بیان بھی نہیں فرمایا باوجود کہ قسراں کریم اور فصیح لوگوں کا کلام ان دونوں قولوں سے موافقت نہیں کرتا پس جو دلیل ان مکسورہ کے خبر پر فاعل داخل ہونے سے مانع نہ ہونے پر ہے وہ تو گذر چکی اور وہ دلیل جو ان مفتوحہ اور لکن کا فاعل داخل ہونے سے مانع نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا قول ہے **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ** اور شاعر کا قول ہے **شعر فواللہ ما فارقتکم** غم یعنی خدا کی قسم میں آپ سے بغض رکھنے ہوئے آپ سے جدا نہیں ہوا لیکن جو عند اللہ ٹھہرا وہ ہو کر رہے گا۔

ترجمہ: **قوله فان قيل**۔ یہ سوال شارح کی جانب سے ہے کہ متن میں حروف مشبہ ہیں

صرف ان مکسورہ کو لیت وعل کیساتھ لاحق کیا ہے جب کہ بعض نحووں نے ان مفتوحہ اور لکن کو بھی ان کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی صرف ان مکسورہ ہی خبر پر فاعل کے نزول کو منع نہیں کرتا بلکہ ان مفتوحہ اور لکن بھی منع کرتے ہیں۔

قوله قيل۔ یہ جواب ہے سوال مذکور کا کہ خبر پر فاداخل ہونے کو نہ ان مکسورہ منع کرتا ہے اور نہ ان مفتوحہ اور لکن۔ اول جیسے آیت مذکورہ **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَوْمُوا قَوَّامًا كَفَارًا فُلَنْ يُقْبَلُ** تو بہم میں ان سے مکسورہ کی خبر پر فاداخل ہے دوم جیسے آیت مقدسہ **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ** میں ان مفتوحہ کی خبر پر فاداخل ہے اور سوم جیسے شاعر کا قول ہے **فواللہ ما فارقتکم قالیاکم**۔ و لکن ما یقتضی فوفی یون۔ اس میں لکن کی خبر پر فاداخل ہے اور ان مکسورہ میں چونکہ الحاق نے قائل سبویہ ہیں اور ان مفتوحہ اور لکن میں الحاق نے قائل دوسرے نحو میں اور سبویہ کا مقام دوسرے نحووں سے اعلیٰ وارفع ہے اس لئے متن میں صرف سبویہ کے قول کو نقل کیا گیا۔ دوسروں کے قول کو چھوڑ دیا گیا۔

قوله وَقَدْ يُحْذَفُ الْمَبْدَأُ الْقِيَامُ قَرْنِيَّةً لَفْظِيَّةً أَوْ عَقْلِيَّةً جَوَانِ أَيْ حَذْفُ فَاجْتِزَاءُ الْوَاجِبِ

ترجمہ: اور کبھی حذف کیا جاتا ہے مبتدا بوقت قیام قرنیہ لفظیہ ہو یا عقلیہ (بظور جواز) یعنی حذف جائز نہ کہ واجب۔

ترجمہ: **بیانہ وقد یحذف**۔ اس سے قبل مبتدا و خبر کے مذکور ہونے سے متعلق احکام کا بیان تھا لیکن اب ان کے حذف سے متعلق احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ مبتدا کا مذکور ہونا اگرچہ اصل ہے لیکن وہ کبھی حذف بھی کیا جاتا ہے جب کہ قرنیہ موجود ہو۔ قرنیہ لفظیہ جیسے آیت کریمہ **فَالَا اساطیر الاولین** میں اساطیر الاولین سے پہلے ہو قرنیہ **فَالَا محذوف** ہے اور متن **عَلَّ مَا لَمَّْا فلفظہ میں لفظہ سے پہلے **عَلَّ اور مَنَ اساء فعلیہ میں علی سے پہلے اساءہ بقرنیہ شرط محذوف** ہے اور قرنیہ عقلیہ جیسے ماہ نو دیکھنے والے کا قول **الہلال واللہ** میں الہلال سے پہلے ہذا محذوف ہے جس پر ماہ نو دیکھنے والے کی حالت دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کا مقصود شئی کو اشارہ سے معین کر کے اس پر حکم لگانا ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس طرف متوجہ ہو جائیں اور وہ جیسا کہ اس کو دیکھتا ہے وہ لوگ بھی دیکھنے لگیں۔ خیال رہے کہ قیام میں لام اجل وعلت کے لئے نہیں بلکہ وقت کے لئے آیا ہے جس طرح آیت کریمہ **اقیم الصلوٰۃ لعلک تلتئم** میں لام وقت کے لئے**

آیا ہے کیونکہ قرینہ حذف کا صیح اور اس کا دوائی شلاً تعین - تعظیم - تحقیر وغیرہ ہوتی ہے علت نہیں اس سے کہ قرینہ اگر علت ہو جائے تو حذف کا واجب ہونا لازم آئیگا کیوں کہ وجود علت کے وقت معلول کا وجود لازم آتا ہے۔
قولہ لفظیہ او عقلیہ۔ اس تسمیم سے اس سوال کا جواب ہے کہ حکم متن میں مثال مذکور یعنی اہل اہل
 واللہ سے منقوض ہے کیونکہ اس میں اہلال سے پہلے ہذا محذوف ہے لیکن اس پر کوئی قرینہ دلالت نہیں کرتا۔
 جواب یہ کہ قرینہ سے مراد عام ہے کہ قرینہ لفظیہ ہو یا قرینہ عقلیہ اور مثال مذکور میں اگرچہ قرینہ لفظیہ دلالت نہیں
 کرتا۔ لیکن قرینہ عقلیہ ضرور دلالت کرتا ہے جیسا کہ گذرا۔

قولہ ائی حذفاً۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں جواز کو محذوف کا مفعول مطلق قرار دیا گیا
 ہے جب کہ وہ فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے جو یہاں مفقود ہے۔ جواب یہ کہ وہ مفعول مطلق موصوف محذوف یعنی
 حذف کے اعتبار سے ہے لیکن اس تقدیر پر جواز مصدر یعنی جائز اسم فاعل ہوگا کیونکہ شئی کی صفت اس پر محمول ہوتی
 ہے جیسے زید العالم اور ظاہر ہے جواز حذف پر محمول نہیں ہوتا اور لا واجباً سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں جواز سے مراد
 امکان خاص ہے یعنی جس کے دونوں جانب سے ضرورت کا سلب کیا گیا ہو۔

ترجمہ: — اور کبھی اس کا حذف واجب ہوتا ہے جبکہ صفت کو رفع کیساتھ الگ کیا جائے جیسے اہل اللہ
 اہل الحج یعنی ہر اہل الحج اور اس کا حذف اس لئے واجب ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اصل میں صفت تھا پس
 قصد مدح یا ذم اس کے علاوہ کی وجہ سے الگ کر دیا گیا لہذا اگر مبتدا کو ظاہر کیا جائے تو وہ مقصود واضح نہ ہوگا
 اور مبتدا کا حذف اس کے نزدیک بھی واجب ہوگا جو نعم الرجل زید کے متعلق اس کی تقدیر ہو زید کے قائل
 ہے

ترجمہ: — **قولہ وقد حجب**۔ مبتدا دو مقام پر وجوباً محذوف ہوتا ہے ایک وہ ہے جب کہ نعت
 مقطوع ہو کہ خبر واقع ہو یعنی حقیقہ نعت ہو لیکن اس کو خبر بنا دیا جائے جیسے اہل اللہ اہل الحج اصل میں اہل اللہ

ہو اہل الحج دو مقام وہ ہے جب کہ خبر مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم ہو جیسے نعم الرجل زید میں نعم الرجل جسے
 التثانیہ ہے اور زید مبتدا محذوف ہوئے ملکہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے اسی طرح بشس الرجل خالد میں بشس الرجل
 جملہ التثانیہ ہے اور خالد مبتدا محذوف ہوئے ملکہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے لیکن یہ بعض نحووں کے نزدیک ہے اور
 دوسرے نحووں کا مذہب یہ ہے کہ مخصوص بالمدح و مخصوص بالذم مبتدا ہے اور ما قبل کا جملہ التثانیہ خبر ہے
 اور مبتدا موخر اپنی خبر مقدم سے ملکہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے پس اس مذہب پر نہ مبتدا محذوف ہے اور نہ خبر محذوف
 مبتدا کے حذف وجوبی کو متن میں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اس میں مبتدا کے حذف
 وجوبی کو بیان نہیں کیا گیا ہے لیکن یہ کہنا کہ مبتدا کا حذف وجوبی چونکہ قلیل ہے اس لئے اس کو یہاں چھوڑ دیا گیا
 ہے صحیح نہیں کیونکہ خبر کا حذف وجوبی بھی قلیل ہے لیکن اس کو متن میں بیان کیا گیا ہے۔

قولہ وانما وجب۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مبتدا کو وجوباً کیوں حذف کیا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ
 حذف سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے صفت تھا جس کو نفع کے خبر اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس سے مدح
 حاصل ہو جیسے الحمد للہ اہل الحج یا ذم حاصل ہو جیسے مرت بزید الفاسق یا ترم حاصل ہو جیسے اطعت بک الکس
 پہلی مثال میں اہل اور دوسری مثال میں فاسق اور تیسری مثال میں مسکین مرفوع اس لئے ہیں کہ ہر ایک خبر ہے جس
 کا مبتدا ہو محذوف ہے۔

ترجمہ: — **قولہ المستعمل** ائی المبتدأء المحذوف جوازاً أمثلة المبتدأء المحذوف فی مقولہ المستعمل المبتدأء
 للہلالیہ الرابع موتہ عند البصار ہلالہ واللہ ائی ہذا الہلال واللہ بالقرینۃ الحالیہ
 ولیس من باب حذف الخبر بقدر الہلالیہ ہذا لان مقصود المستعمل تعین شئی بالاشارة
 والحکم علیہ بالہلالیہ لیتوجہ الیہ الناظر ونہ یروا کمایراً واشأ ائی بالقرینۃ جری علی
 عادۃ المستعملین غالباً ولان یتوہم نصب الہلال عند الوقف

ترجمہ: — رجبے ماہ نو دیکھنے والے کا قول یعنی مبتدا محذوف بطور جواز اس مبتدا کی مثل ہے جس
 ماہ نو دیکھنے والے اور اس کے دیکھنے کے وقت اپنی آواز بلند کرنے والے کے مقولہ میں محذوف ہے (اہلال والہ)
 یعنی ہذا الہلال والقرینہ حالیہ کی وجہ سے اور یہ قول بتقدیر الہلال ہذا حذف خبر کے باب سے نہیں ہے اس لئے
 کہ ماہ نو دیکھنے والے کا مقصود اشارہ سے شئی کا تعین اور اس پر ہلال ہونے کا حکم لگانا ہے تاکہ ناظرین اس کی طرف

متوجہ ہو جائیں اور جیسا کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے وہ لوگ بھی دیکھ لیں اور مصنف نے مثال کو قسم کیساتھ ماہ نو دیکھے والے کی غالب عادت پر محمول کرنے کی وجہ سے لایا اور اس لئے بھی کہ وقف کے وقت الہلال کے نصب کا وہم نہ ہو سکے۔

تشریح: — بیان اللہ بقولہ۔ یہ مثال ہے اس مبتدا کی جس کا حذف قرینہ حالیہ کے وقت جائز ہوتا ہے قرینہ لفظیہ والی مثال کو متن میں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ وہ ظاہر ہے محتاج بیان نہیں۔

قولہ ای المبتدأ المحذوف۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قول مستہیل کو مبتدا محذوف کی مثال بیان کیا گیا ہے ظاہر ہے یہ اس کی مثال نہیں ہے جواب یہ کہ قول کے اوپر کاف بمعنی مثل ہے جس کا مضاف الیہ المبتدأ مقدر ہے۔ اور قول بمعنی مقول فی کی تقدیر کیساتھ ہے جس کا مجموعہ مبتدا محذوف کی خبر واقع ہے۔ اصل عبارت شرح میں مذکور ہے۔

قولہ المبتدأ۔ اس قید سے یہ اشارہ ہے کہ مستہیل کے چونکہ دو معنی ہیں ایک ماہ نو دیکھ کر آواز بلند کرنا دوسرا بچہ کا بوقت ولادت آواز نکالنا یہاں اس سے مراد پہلا معنی ہے اور الزام واقع صورتہ عند ابصارہ کی قید بیان واقع کے لئے ہے کہ ماہ نو دیکھنے والا عادت اپنی آواز کو بلند کر کے ہی الہلال والہ اللہ کہتا ہے۔ خیال رہے کہ ہلال کو فیروز اللغات نے پہلی رات کے چاند کو کہا ہے لیکن ماشیہ عبد الغفور و لغات کشوری میں پہلی رات سے تیرا رات کے چاند کو کہا جاتا ہے اور قاموس میں چوتھی یا ساتویں رات تک اور چھبیسویں و ستائیسویں رات کے چاند کو بھی کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ کو قمر کہا جاتا ہے۔

قولہ لیس من باب۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اس مثال کا مبتدا کے حذف سے ہونا امر یقینی نہیں کیونکہ ممکن ہے الہلال مبتدا ہوا اور ہذا اس کی خبر محذوف ہو جواب یہ کہ مقصود ایک شئی کو اشارہ سے معین کر کے یہ بتانا ہے کہ یہ چاند ہے تاکہ ناظرین اس طرف متوجہ ہو کر وہ مشاہدہ کئے جس کو وہ دیکھتا ہے پس یہ مبتدا کے حذف سے ہی حاصل ہو گا۔

قولہ انما اتی۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثال میں واللہ کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے جب کہ اس کو مبتدا کے حذف میں کوئی دخل نہیں ہے جواب یہ کہ اہل عرب کی اکثر عادت رہی ہے کہ چاند دیکھنے کے وقت وہ لوگ الہلال واللہ کہا کرتے ہیں پس یہاں اس کے پورے قول کو منتقل کر دیا گیا یا یہ کہ اگر صرف الہلال کہا کہا جائے تو وقف کی حالت میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ الہلال منصوب ہے اور مفعول یہ ہے فعل محذوف کا۔

وقد یحذف الخبر جوازاً ای حذف جائزاً لقیام قرینۃ من غیر اقارمہ شئی مقامہ مثلاً الخبر المحذوف جوازاً فی قولہ خرجت فاذا السبع فإنت تقدیرک علی المذہب الصحیح کہ انقص علیہ صاحب اللباب خرجت فاذا السبع واقفہ علی أن یکون إذا ظرف من مانہ للخبر المحذوف من غیر ساد مسدداً کأی ففی وقت خروجی السبع واقفہ۔

ترجمہ: — رادر (کبھی حذف کی جاتی ہے) خبر بطور جواز (یعنی بطور حذف جائز بوقت قیام قرینہ خبر کے مقام پر کسی چیز کو قائم کئے بغیر مثل) خبر محذوف بطور جواز آپ کے قول (خرجت فاذا السبع) میں کیونکہ اس کی تقدیر صحیح مذہب پر جیسا کہ صاحب لباب نے اس پر نہیں کیا ہے خرجت فاذا السبع واقفہ اس بنا پر کہ اذا خبر محذوف کا ظرف زمان ہے بغیر اس کے مقام پر کسی کو کر نیکی یعنی نفی وقت خروجی السبع واقفہ۔

تشریح: — قولہ قد یحذف۔ اس تقدیر سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں الخبر کا عطف ماقبل میں المبتدأ پر ہے جس کا حاصل یہ کہ مبتدا کی طرح خبر کا حذف بھی کبھی جواز ہی ہوتا ہے جب کہ قرینہ موجود اور قائم مقام مفقود ہو جیسے خرجت فاذا السبع میں تفصیل آگے مذکور ہے۔

قولہ ای حذف جائزاً۔ حذف جائزاً اور لقیام قرینہ دونوں کی توضیح ماقبل میں مبتدا کے حذف کے بیان میں گذر چکی۔ متن میں صرف اول کو بیان کیا گیا دوم کو نہیں جب کہ دوم بھی تیناں مغیر ہے اس کی وجہ غالباً یہ کہ دوم کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے اور اول یعنی حذف جائز کا بھی ذکر اگرچہ ماقبل میں ہو چکا ہے لیکن اس کو یہاں حذف وجوب سے امتیاز کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

قولہ الخبر المحذوف۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ خرجت فاذا السبع کو خبر کے حذف جوازی کی مثال بیان کیا گیا ہے حالانکہ ظاہر ہے یہ اس کی مثال نہیں ہے جواب یہ کہ شل کے بعد مضاف الیہ یعنی الخبر المحذوف مقدر ہے۔

قولہ فان تقدیرک۔ یعنی مقولہ مذکور کی تقدیر جو صحیح مذہب پر ہے وہ یہ کہ السبع مبتدا ہے جس کی خبر واقفہ محذوف ہے اس پر قرینہ اذ ہے جو مقامات کیلئے آتا ہے یعنی شئی کے اچانک موجود ہونے پر دلالت کرتا ہے پس اس زمانہ کی یہ ہوگی کہ اذا خبر محذوف کا مفعول فیہ مقدم ہے اور السبع مبتدا واقفہ اسم فاعل اس میں ہو ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے ملکر مشبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر۔ مبتدا

اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ معنی یہ ہوا **خبر جئت فاسبح** واقف وقت خروچی یعنی میں نکلا تو درندہ مرے نکلنے کے وقت کھڑا ہے۔ اس مذہب کی نائید جیسا کہ صاحب لباب کی تصریح ہے اس طرح بھی ہے کہ عرب کبھی کبھی خبر کو ظاہر کر کے یوں بولتے ہیں **خبر جئت فاسبح** واقف لیکن زجاج کا خیال ہے کہ خبر کو اس میں محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں اذا ظرف نمان ہے جو خبر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر مضاف یعنی وجود کی تقدیر کیساتھ اس لئے کہ سبب عین ہے اور ظرف زمان عین کے خبر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا پس تقدیر عبارت یہ ہے خبر جئت فوق خروچی وجود السبح اور بہتر دینے بھی اذا کو اگرچہ خبر مقدم مانتا ہے مگر ان کے نزدیک وہ ظرف مکان ہے جو عین کے خبر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے پس اس صورت میں مضاف مقدرہ ہوگا اصل عبارت یہ ہوگی **خبر جئت فاسبح** مکان خروچی السبح۔

قولہ من غیر صائد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ یہ حذف جوازی نہیں بلکہ وجوبی ہے کیونکہ اس میں قرینہ کے علاوہ قائم مقام بھی موجود ہے اور وہ اذ ہے جواب یہ کہ اذا خبر محذوف کا قائم مقام نہیں ہو سکتا کیوں کہ خبر کا قائم مقام مبتدا پر مقدم نہیں ہوتا اور یہ مقدم ہے۔

وقد یحذف الخبر لقیام قرینہ وجوباً ائی حذفنا واجباً فیما التزم ائی فی ترکیب التزم فی موضع الخبر ائی موضع الخبر غیر ذلک ائی غیر الخبر

ترجمہ:۔ (اور) کبھی خبر حذف کی جاتی ہے بوقت قیام قرینہ (بمطور وجوب) یعنی حذف واجب کے طور پر (اس میں جہاں لازم کیا گیا ہو) یعنی اس ترکیب میں جہاں لازم کیا گیا ہو (اس کے مقام یعنی مقام خبر میں اس کے غیر) یعنی خبر کے غیر رکھا

تشریح:۔ قولہ قد یحذف۔ اس عبارت سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں وجوباً کا عطف ماقبل میں جوازا پر ہے جس کا حاصل یہ کہ خبر کا حذف کبھی وجوبی ہوتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو اور خبر کے قائم مقام کوئی چیز ہو کیونکہ اگر خبر کو بیان کیا جائے تو عوض و معوض کا اجتماع لازم آئے گا جو ممنوع ہے جیسے وضو و تیمم کا اجتماع۔ خیال رہے کہ خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے قائم مقام کا ہونا ضروری ہے لیکن مبتدا کا حذف واجب ہونے کے لئے قائم مقام کا ہونا ضروری نہیں جیسے الحمد للہ اہل الحمد میں مبتدا کا حذف واجب ہے لیکن اس کا قائم مقام کوئی نہیں ہے اس کی وجہ یہ کہ خبر کا مقصود جو کہ خبری ہوتی ہے اس لئے خبر مبتدا کی بہ نسبت زیادہ قابل توجہ ہے اور خبر کا حذف

واجب ہونے کے لئے قائم مقام کا ہونا لازم و ضروری ہے۔

قولہ ائی فی ترکیب۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ متن میں ما سے متبادر خبر ہے کیونکہ کلام اسی میں جاری ہے پس اس تقدیر پر عبارت یہ ہوگی قد یحذف الخبر فی الخبر ظاہر ہے یہ معنی فاسد ہے جواب یہ کہ ما سے مراد ترکیب ہے خبر نہیں پس معنی فاسد ہوگا۔ اور ائی موضع الخبر اور ائی غیر خبر سے متن میں ضمیر مجرور کے مرجع کو بیان کیا گیا ہے

ذلک فی أربعة ابواب علی ما ذکرہ المصنف أدلہا المبتدا أو انما یبعد لولا مثلہ لولا ان یبدل لکان کذا ائی لولا ان یبدل موجود لان لولا لامتناع الشئ لوجود غیرہ فیدل علی الوجود وقد التزم فی موضع الخبر جواب لولا یجب حذف لہ لقیام قرینہ والتزم قائم مقام

ترجمہ:۔ اور وہ چار ابواب میں ہے اس طور پر کہ مصنف نے اس کو بیان فرمایا۔ ان میں پہلا باب وہ مبتدا ہے جو لولا کے بعد واقع ہو جیسے لولا زید لکان کذا یعنی لولا زید موجود اس لئے کہ لولا وجوبی کی وجہ سے امتناع شئی کے لئے آتا ہے پس وہ وجود پر دلالت کرتا ہے اور لولا کے جواب کو خبر کی جگہ پر لازم کیا جاتا ہے پس اس کا حذف کرنا قیام قرینہ اور خبر کے قائم مقام کے التزام کے وقت واجب ہوتا ہے۔

تشریح:۔ قولہ ذلک فی ابواب۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مثال سے مثل لہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے جو صرف ایک سے کافی ہے اور یہاں چار مثالیں کیوں بیان کی گئیں؟ جواب یہ کہ مثال سے یہاں صرف وضاحت مقصود نہیں بلکہ مسائل کی طرف اشارہ بھی کرنا ہے کہ جو چار ابواب میں مختصر ہیں۔

قولہ أدلہا۔ یعنی خبر کا حذف بھی جن مقاموں پر واجب ہوتا ہے ان میں سے پہلا مقام یہ ہے کہ مبتدا لولا کے بعد واقع ہو اور خبر افعال عام میں سے کوئی فعل ہو جیسے لولا زید لکان کذا اس میں حذف واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں۔ قرینہ لولا ہے کیونکہ اس کا مدلول یہ ہے کہ اول کا وجود ثانی کے انتفاء کا سبب ہو مثلاً لولا علی لہلک عمر میں علی کا وجود عمر کی ہلاکت کے انتفاء کا سبب ہے اور قائم مقام لولا کا جواب ہے پس اصل عبارت یہ ہے لولا زید موجود لکان کذا اس میں لولا حرف امتناعیہ ہے اور زید مبتدا ہے موجود اپنے نائب فاعل ہو سے مل کر خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ لام جوابیہ کا نام فعل معروف کذا اسم کنایہ فاعل۔ فعل معروف اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر لولا کا جواب ہوا۔

هَذَا إِذَا كَانَ الْخَبَرُ عَامًّا وَمَا إِذَا كَانَ خَاصًّا فَلَا يَجِبُ حَذْفُهُ كَمَا فِي قَوْلِهِ شَعْرٌ وَلَوْلَا الشَّعْرُ بِالْعِلْمَاءِ
يُزَيَّرُ - لَكُنْتُ الْيَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَيْلِي

ترجمہ :- اس وقت ہے جبکہ خبر عام ہو اور لیکن جب کہ خبر خاص ہو تو اس کا حذف کرنا واجب نہیں ہوتا جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے شعر ولولا الشعر یعنی اور اگر شعر کوئی علماء کو عیب دار نہ کرتی تو میں آج لیلید شاعر سے بڑھ کر شاعر ہوتا۔

تشریح :- قَوْلُهُ هَذَا إِذَا كَانَ - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ حکم مذکور اس شعر سے منقوض ہے لَوْلَا الشَّعْرُ بِالْعِلْمَاءِ يَزَيَّرُ + لَكُنْتُ الْيَوْمَ أَشْعَرَ مِنْ لَيْلِي - اس سے پہلے ایک شعر یہ بھی ہے لَوْلَا خَشْيَةُ الرَّحْمَنِ عِنْدِي جَعَلْتُ النَّاسَ كُلَّهُمْ عَيْدِي - پہلا شعر میں یزری اور دوسرا شعر میں عندی خبر ہے جو مذکور ہے حالانکہ مبتدا لولا کے بعد واقع ہے جواب یہ کہ خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے خبر کا افعال عام سے ہونا ضروری ہے اور اگر افعال خاص سے ہو تو حذف واجب نہیں ہوتا اور ظاہر ہے پہلا شعر میں یزری اور دوسرا شعر میں عندی افعال عام سے نہیں دونوں شعروں کا معنی یہ ہے کہ اگر مجھے رحمن کا خوف نہ ہوتا تو میں تمام لوگوں کو اپنا غلام بنالیتا اور اگر شعر کوئی علماء کو عیب دار نہ کرتی تو میں آج لیلید شاعر سے بڑھ کر شاعر ہوتا۔ شعر سے یہاں مراد وہ شعر ہے جو کذب و افتراء وغیرہ نامشروع اور پر شتمل ہو۔ عارف گنجوی نے ایسے ہی شعروں سے اپنے فرزند کو منع فرمایا ہے کہ در شعر بیج و در فن او - چوں اکتب اوست احسن اوست - اور قرآن کریم میں ایسے شاعروں کے متعلق ارشاد ہے وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُونَ النَّوَءَانَ لِيَكُنْ جُورُ شَعْرِهِمْ وَلَغَتْ مِنْهُمُ الْقَلَمُ وَهُوَ بَلَاءٌ شَبِيحٌ مَحْسَنٌ وَعَمْدُهُ هِيَ حَدِيثُ بَاكٍ مِمَّنْ مَرَّوِي هُوَ إِنَّ مِنَ الشُّعْرِ لِحِكْمَةً اور سرکار کائنات علیہ التیمم والثناء نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعائیں اور اپنی دستار مقدس ایسے ہی اشعار پر نوازا تھا۔

قَوْلُهُ فَلَا يَجِبُ - یعنی خبر جب افعال خاصہ سے ہو اور اس کے مخصوص پر کوئی قرینہ موجود ہو تو حذف واجب نہیں البتہ جائز ہوتا ہے اور اگر قرینہ نہ ہو تو جائز ہی نہیں ہوتا اور لولا یہاں افعال عام کے حذف پر قرینہ ہے لیکن افعال خاصہ کے حذف پر نہیں کیونکہ لولا کا مدلول اول کا وجود ہے اور وجود افعال عام سے ہے پس لولا فعل عام کا علم تو ہو جائیگا لیکن فعل خاص کا نہیں۔

قَوْلُهُ كَمَا فِي قَوْلِهِ - ان دونوں شعروں کا قائل کون ہے اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض کا قول ہے کہ وہ محمد بن ادریس الشافعی ہیں کذا فی التحفة الخادمية اور بعض کا خیال ہے کہ وہ امام شافعی علیہ الرحمہ والرضوان ہیں اور یہی مشہور بھی ہے لیکن صحیح نہیں ہے کذا فی جامع الغرض۔

قَوْلُهُ مِنْ لَيْلِي - وہ ابو عقیل لیلید بن ریحہ ہیں جن کا شمار سرکار کے زمانہ پاک کے مشہور شاعروں میں سے ہوتا ہے کذا فی سوال باسولی انہوں نے سرکار کے دست پاک پر اسام قبول فرمایا اور ایک سوچا لیں یا ایک سو ستاون سال عمر پاکر سن اکتالیس ہجری میں وصال فرمائے کذا فی الناجیۃ۔

هَذَا عَلَى مَذْهَبِ الْبَصَرِ وَقَالَ الْكَسَائِيُّ الْأَسْمُ الْوَاقِعُ بَعْدَ هَا فَاِئِلْ لِنَفْعِلْ مَقْدَرُ أَيْ لَوْلَا وَجَدَ نَزِيدٌ وَقَالَ الْفَرَّاءُ لَوْلَا هِيَ الْوَاقِعَةُ لِأَسْمِ الَّذِي بَعْدَهَا

ترجمہ :- یہ بحر یوں کے مذہب پر ہے اور کسائی نے کہا کہ جو اسم لولا کے بعد واقع ہو فعل مقدر کا فاعل ہوتا ہے یعنی لولا وجد نَزِيدٌ اور فرار نے کہا کہ لولا اس اسم کو رفع دیتا ہے جو کہ اس کے بعد واقع ہے۔

تشریح :- قَوْلُهُ هَذَا عَلَى مَذْهَبِ - لولا کے متعلق تین مذہب ہیں ایک بحر یوں کا دوسرا امام کسائی کا اور تیسرا امام فرار کا اور یہ جو مذکور ہوا بحر یوں کا مذہب ہے کہ لولا ایک مستقل حرف ہے جس کو حرف امتناعیہ کہا جاتا ہے اور وہ نہ حرف شرط ہے اور نہ ہی مرکب ہے وہ کلکوں سے پس اس کے بعد اسم مذکور مبتدا ہوگا جس کی خبر کا حذف کرنا واجب و ضروری ہوتا ہے اور امام کسائی کے نزدیک لولا حرف شرط ہے دلیل یہ ہے کہ وجہ ہے لاکے بغیر صرف شرط ہو سکتا ہے لولا کیساتھ بھی حرف شرط ہوگا اور حرف شرط کے بعد فعل ہی مذکور ہوتا ہے اور یہاں اس کے بعد اسم مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ وہ فاعل ہے فعل محذوف کا اصل عبارت یہ ہے لولا وجد نَزِيدٌ لَكَانَ كَذَا - امام فرار لولا کو اسم افعال سے بمعنی وجد مانتے ہیں پس وہ اپنے ما بعد کا رافع ہوا۔ لیکن یہ دونوں مذہب ضعیف ہیں امام کسائی کا مذہب اس لئے کہ فعل کا حذف و جوبی تفسیر کے بغیر نہیں ہوتا اور ظاہر ہے یہاں کوئی تفسیر نہیں ہے لیکن امام فرار کا مذہب اس لئے کہ لولا اگر اسم فعل بمعنی وجد ہو تو وہ صرف ایک ہی اسم کو رفع کرے گا دوسم کو نہیں حالانکہ اس کے بعد دو اسم مرفوع ہوئے ہیں جیسے حدیث پاک میں ہے لولا قوم مدح حدیث محمد بن بکیر لَیْسَتْ الْکَلْبَةُ عَلَى قَوَاعِدِ بَابِئِمَّ اس میں تو مک مرفوع ہے اور حدیث محمد بن بکیر مرفوع ہے۔

ثانیاً کل مبتدأ کان مصدر یا مفعولاً أو الفاعل أو المفعول أو المفعول به أو المفعول به
حالة أو کان اسم تفضیل مضافاً الی ذلک المصدر وذلک مثله ذهابی راجلاً و ضربت یزیداً قائماً
اذا کان یزید مفعولاً بید و مثلاً ضربت یزیداً قائماً أو قائمین وایت ضربت یزیداً قائماً و اکثر شرک
السویق ملتوتاً و اخطب ما یكون الامیر قائماً فذہب البصر یون ان آت تقدیر کا ضربی یزیداً قائماً
اذا کان قائماً فحذف حاصل کا حذف متعلقات الظرف و فی نحو یزید عندک فی فقی اذا کان
قائماً فحذف فی اذامع شرطاً فی العامل فی الحال و اتم الحال مقام الظرف لانی فی الحال معنی
الظرفیۃ فالحال قائم مقام الظرف القائم مقام الخیر فیکون الحال قائماً مقام الخبر

ترجمہ : — اور ان میں سے دوسرا باب ہر وہ مبتدأ ہے جو باعتبار صورت یا تاویل مصدر ہو جو کہ
فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف منسوب ہو اور اس کے بعد حال یا اسم تفضیل ہو جو اس مصدر کی طرف مضاف
ہو اور یہ جیسے ذہابی راجلاً اور ضربت یزیداً قائماً جب کہ یزید مفعول بہ ہو اور جیسے ضربی یزیداً قائماً اور قائمین اور
ان ضربت یزیداً قائماً و اکثر شرک السویق ملتوتاً و اخطب ما یكون الامیر قائماً پس نجات بھری اس طرف گئے
ہیں کہ اس کی تقدیر ضربی یزیداً حاصل اذا کان قائماً ہے تو حاصل "کو حذف کیا گیا جیسا کہ متعلقات ظروف کو
حذف کیا جاتا ہے جیسے یزید عندک پس اذا کان قائماً باقی رہا پھر اذا کو اپنی اس شرط کیساتھ حذف کر دیا گیا
جو عامل ہے حال میں اور حال کو ظرف کی جگہ پر قائم کر دیا گیا اس لئے کہ حال میں ظرفیت کا معنی موجود ہے
پس حال اس ظرف کا قائم مقام ہوا جو خبر کا قائم مقام ہے تو حال خبر کا قائم مقام ہوا۔

تشریح : — قولہ و ثانیہا۔ دوسرا مقام ہر وہ ترکیب ہے جس میں مبتدأ مصدر صریح ہو یا تاویل
جو منسوب ہوئے فاعل یا مفعول یا ہر دو ہو اور اس کے بعد فاعل یا مفعول یا ہر دو سے حال واقع ہو، عام
وہ مفرد ہو یا جملہ۔ جملہ بھی عام ہے کہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ یا مبتدأ اسم تفضیل ہو جو مصدر مذکور کی طرف مضاف ہو
یکل سولہ صورتیں ہیں (۱) مصدر صریح منسوب ہوئے فاعل اور اس کے بعد حال فاعل سے جیسے ذہابی راجلاً
(۲) مصدر صریح منسوب ہوئے مفعول اور اس کے بعد حال مفعول سے جیسے ضربت یزیداً قائماً جب کہ یزید کو مفعول
بہ قرار دیا جائے (۳) مصدر صریح منسوب ہوئے ہر دو فاعل و مفعول اور اس کے بعد حال فاعل یا مفعول
سے جیسے ضربی یزیداً قائماً (۴) مصدر صریح منسوب ہوئے ہر دو فاعل و مفعول اور اس کے بعد حال ہر دو سے

جیسے ضربی یزیداً قائمین (۵) مصدر تاویل منسوب ہوئے فاعل اور اس کے بعد حال فاعل سے جیسے ان
ضربت یزیداً قائماً جب کہ فعل معروف ہو (۶) مصدر تاویل منسوب ہوئے مفعول اور اس کے بعد حال مفعول
سے جیسے ان ضربت یزیداً قائماً جب کہ فعل مجہول ہو (۷) مصدر تاویل منسوب ہوئے ہر دو فاعل و مفعول
اور اس کے بعد حال فاعل یا مفعول سے جیسے ان ضربت یزیداً قائماً (۸) مصدر تاویل منسوب ہوئے ہر دو فاعل
و مفعول اور اس کے بعد حال ہر دو سے جیسے ان ضربت یزیداً قائمین (۹) اسم تفضیل مضاف ہوئے قسم اول
جیسے اکثر ذہابی راجلاً (۱۰) اسم تفضیل مضاف ہوئے قسم دوم جیسے اکثر ضربت یزیداً قائماً (۱۱) اسم تفضیل مضاف
ہوئے قسم سوم جیسے اکثر شرک السویق ملتوتاً (۱۲) اسم تفضیل مضاف ہوئے قسم چہارم جیسے اکثر ضربی یزیداً
قائمین (۱۳) اسم تفضیل مضاف ہوئے قسم پنجم جیسے اخطب ما یكون الامیر قائماً (۱۴) اسم تفضیل مضاف
ہوئے قسم ششم جیسے اکثر ان ضربت یزیداً قائماً جب کہ فعل مجہول ہو (۱۵) اسم تفضیل مضاف ہوئے قسم ہفتم
جیسے اکثر ان ضربت یزیداً قائماً (۱۶) اسم تفضیل مضاف ہوئے قسم ہشتم جیسے اکثر ان ضربت یزیداً قائمین یہ
سولہ صورتیں بتقدیر حال مفرد بیان کی گئیں جن سے بتقدیر حال جملہ اسمیہ و فعلیہ مثلاً اقرب ما یكون العبد من ربہ
وہو ساجد و مثلاً علمی بزید کان ذامال کی صورتیں بھی نکالی جاسکتی ہیں۔

قولہ فذہب البصر یون۔ مذکورہ بالا صورتوں میں سے تن میں یہ تیسری صورت کی مثال
ہے۔ اس کی تقدیر عبارت کے متعلق پانچ قول منقول ہیں جن میں سے ایک قول بصر یون کا یہ ہے کہ اس کی
تقدیر ضربی یزیداً حاصل اذا کان قائماً ہے اس میں ضرب مصدر مبتدأ ہے جو مضاف ہے فاعل کی طرف اور
یزید مفعول بہ ہے مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور مفعول بہ سے ملکر مبتدأ ہے اور حاصل اسم
فاعل اس میں ضمیر مستتر فاعل ہے جو راجع ہے مبتدأ کی طرف اذا ظرف مستقر اور کان تامہ ہے جس میں ہو
ضمیر مستتر ذوالحال ہے جو زید کی طرف راجع ہے اور قائماً اپنے فاعل ہو سے ملکر حال ہے اور ذوالحال اپنے
حال سے ملکر کان تامہ کا فاعل ہے کان تامہ اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر اذا ظرف مستقر کا مضاف
الیہ ہے اذا ظرف مستقر اپنے مضاف الیہ سے ملکر مفعول فیہ ہے حاصل اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ
سے مل کر شبہ جملہ اسمیہ ہو کر مبتدأ کی خبر ہے پس اس میں سے حاصل کو حذف کیا گیا جس طرح یزید عندک
وغیرہ میں ظرف کے متعلقات کو حذف کیا جاتا ہے تو باقی رہ گیا ضربی یزیداً اذا کان قائماً پھر ظرف کو اپنی شرط
کیساتھ یعنی اذا کان کو خبر کی جگہ پر قائم کرنے کے بعد ظرف کو بھی حذف کر دیا گیا اور حال یعنی قائماً کو ظرف کے
قائم مقام کر دیا گیا کیونکہ حال میں ظرفیت کا معنی موجود ہے اس لئے کہ حال بھی وقت پر دلالت کرتا ہے

پس ضربی زیداً قائماً ہو گیا اس ترکیب میں خبر کا حذف اس لئے واجب ہے کہ اس میں قرینہ اور قائم مقام دولوں
موجود ہیں کیونکہ قائماً قرینہ بھی ہے اور قائم مقام بھی قرینہ اس لئے کہ وہ حال ہے اور حال ظرف پر دلالت کرتا
ہے اور ظرف خبر پر دلالت کرتا ہے جب کہ خبر افعال عامہ سے ہو پس قائماً خبر پر دلالت کرنا والا ہوا اور قائم
مقام اس لئے کہ وہ ظرف کا قائم مقام ہے اور ظرف خبر کا قائم مقام ہے پس قائماً خبر کا قائم مقام ہوا جو حاصل ہے
قولہ کان قائماً۔ یہ کان تامہ ہے ناقص نہیں اس لئے کہ اگر ناقص ہو تو قائماً حال نہ ہو گا بلکہ
کان ناقص کی خبر ہو گا اور جب قائماً حال نہ ہو گا تو وہ خبر کے حذف کا نہ قرینہ ہو گا اور نہ ہی خبر کا قائم مقام ہو گا
کیونکہ حال ہی کی وجہ سے وہ ظرف پر دلالت کرتا تھا اور قائم مقام بھی تھا اسی طرح قائماً حال زیداً کا بھی نہیں
ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں اس کا عامل ضربی ہو گا اور وہ مبتدا ہے پس قائماً مبتدا کا متمم ہو گا اور جو مبتدا
کا متمم ہو وہ خبر کا قائم مقام نہیں ہو سکتا کیونکہ خبر کا مقام مبتدا کے بعد ہوتا ہے کذا فی غایۃ التحقيق۔

قاله الرضی عنہ اما قيل فيہ تكلفات كثيرة والذی يظهر لی ان تقدیرہ نحو ضربی زیداً
یلا بس قائماً اذا اردت المحال عن المفعول وضربی زیداً یلا بس قائماً اذا كانت عن الفاعل
اولی ثم نقول حذف المفعول الذی هو ذوالحال فبقی ضربی زیداً یلا بس قائماً ومجوز
حذف ذی الحال مع قیام القرینۃ كما تقول الذی ضربت قائماً زیداً فی ضربتہ ثم
حذف یلا بس الذی هو خبر المبتدا او العامل فی الحال وقام المحال مقامه كما تقول راشداً
مهدياً ای سر راشداً مهدياً فعلى هذا يكون مستريح من تلك التكلفات البعيدة

ترجمہ: علامہ رضی نے کہا کہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے اس تقدیر میں بہت سے تکلفات ہیں
اور وہ جو میرے لئے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی تقدیر اولیٰ یہ ہے ضربی زیداً یلا بس قائماً کی مانند
جب کہ آپ مفعول سے حال کا ارادہ کریں اور ضربی زیداً یلا بس قائماً جب کہ آپ فاعل سے حال کا ارادہ
کریں پھر ہم کہتے ہیں کہ اس مفعول کو حذف کر دیا گیا جو کہ ذوالحال ہے تو ضربی زیداً یلا بس قائماً باقی رہا
اور قیام قرینہ کیساتھ ذوالحال کو حذف کرنا جائز ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں الذی ضربت قائماً زیداً یعنی
ضربتہ پھر یلا بس کو حذف کر دیا گیا جو کہ مبتدا کی خبر ہے اور حال میں عامل ہے اور حال یلا بس کا قائم مقام
ہو گیا جیسا کہ آپ کہتے ہیں راشداً مهدياً یعنی سر راشداً مهدياً پس اس تقدیر پر نجات بصرین ان تکلفات

بعیدہ سے راحت پائیں گے۔

ترجمہ: قولہ قاله الرضی۔ مثال مذکور کی مذکورہ بالا تقدیر پر جس کو بصریوں نے بیان
کیا ہے علامہ رضی نے یہ طنز کیا ہے کہ اس میں بہت سارے تکلفات ہیں ایک اذا ظرفیہ کا اپنے مضاف الیہ
کیساتھ حذف ہونا دوسرا حال کا اذا ظرفیہ اور اس کے مضاف الیہ کے قائم مقام ہونا جن دونوں کی کوئی نظیر
کلام عرب میں نہیں ملتی۔ تیسرا کان ناقص سے تامہ کی طرف عدول کرنا جو ظاہر کے خلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔
قولہ والذی یظهر۔ اس کے فاعل علامہ رضی ہیں یہ بھی ممکن ہے کوئی دوسرے ہوں بہر حال
تقدیر مثال مذکور کی جو تکلفات بعیدہ سے محفوظ ہے وہ یہ ہے ضربی زیداً یلا بس قائماً اگر قائماً سے فاعل
کی حالت بیان کرنا مقصود ہو اور تقدیر ضربی زیداً یلا بس قائماً ہے اگر قائماً سے مفعول کی حالت بیان
کرنا مقصود ہو۔

قولہ ثم نقول۔ یعنی ضربی زیداً یلا بس قائماً میں یلا بس کی ضمیر مفعول کو حذف کیا گیا کہ وہ
ذوالحال ہے پس ضربی زیداً یلا بس قائماً باقی رہ گیا کیونکہ جب قرینہ موجود ہو تو ذوالحال کا حذف جائز ہے
جیسے الذی ضربت قائماً زیداً اصل میں الذی ضربتہ قائماً زیداً تھا پس جس طرح یہاں حذف پر قرینہ اسم
موصول ہے جس کے صلہ میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اسی طرح ذوالحال کے حذف پر دو قرینے موجود
ہیں ایک یہ کہ یلا بس فعل متعدی ہے جو مفعول پر کو مقتضی ہوتا ہے دوسرا یہ کہ قائماً حال ہے جس میں
یلا بس عامل ہے اور حال و ذوالحال کا عامل چونکہ ایک ہوتا ہے اس لئے قائماً یہ دلالت کرے گا
کہ ذوالحال یلا بس کا معمول ہے پس ضربی زیداً یلا بس قائماً رہ گیا پھر یلا بس کو حذف کیا گیا کہ وہ عامل ہے
حال میں اور حال کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا جس طرح راشداً مهدياً میں حال کے عامل کو حذف کر کے
حال اس کے قائم مقام کر دیا گیا اس لئے کہ وہ اصل سر راشداً مهدياً تھا۔

قولہ فعلى هذا۔ یعنی قائماً سے اگر مفعول کی حالت بیان کرنا مقصود ہو تو اس صورت
میں دو حذف ہونے لگے جو کہ دونوں قیاسی ہیں اور محاورہ عرب کے موافق بھی اگر قائماً سے فاعل کی حالت
بیان کرنا مقصود ہو جیسے ضربی زیداً یلا بس قائماً تو صرف ایک حذف یلا بس کا ہو گا جو کہ یہ بھی قیاسی اور
محاورہ عرب کے موافق ہے پس اس تقدیر پر تکلفات مذکورہ سے نجات و راحت مل جائیگی۔

وقال الكوفيون قد يراد ضرب زيد أقالماً حاصل يجعل قائلًا من متعلقات المبتدأ ويلزم فهم حذف الخبر من غير سبب شيء مسدود وتقيد المبتدأ المقصود عمومته بدليل الاستعمال.

ترجمہ: — اور کو فیوں نے کہا کہ مثال مذکور کی تقدیر ضربی زیداً قائماً حاصل ہے قائماً کو مبتدا کے متعلقات سے کر کے اور کو فیوں کو بغیر قائم مقام کے خبر کا وجہ باحذف لازم آتا ہے اور اس مبتدا کا کر دلیل استعمال سے جس کا عموم مقصود ہے مقید کرنا لازم آتا ہے

تشریح: — قولہ وقال الكوفيون۔ مثال مذکور کی تقدیر سے متعلق یہ تیسرا قول کو فیوں کا ہے اور وہ یہ ہے ضربی زیداً قائماً حاصل اس میں قائماً کا ذوالحال ضرب مصدر کا فاعل ہے یا مفعول بہ ہے پس قائماً ضرب مصدر کا مفعول ہو گا جو مبتدا ہے اور مبتدا کا مفعول خبر کا قائم مقام نہیں ہوتا کیونکہ خبر کا مقام مبتدا کے تمام ہونے کے بعد ہوتا ہے پس خبر کا حذف ہونا قائم مقام کے بغیر لازم آیا جو ممنوع ہے دوسرا نقص یہ کہ اس تقدیر پر مبتدا قائماً کے ساتھ مقید ہو گا حالانکہ استعمال شاہد ہے کہ تکلم کا مقصود مبتدا کا عموم ہے کیونکہ ضرب مصدر اسم جنس ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے لیکن جب اس کو حالت قیام کیساتھ مقید کر دیا جائے تو عموم فوت ہو جائیگا

وذهب الاخفش إلى أن الخبر الذي سددت المحال محله مصدر مضاف إلى صاحب المحال أي ضربی زيداً ضرباً قائماً

ترجمہ: — اور امام اخفش اس طرف گئے ہیں کہ وہ خبر کے حال جس کے قائم مقام ہے وہ مصدر ہے جو ذوالحال کی طرف مضاف ہے یعنی ضربی زیداً ضرباً قائماً

تشریح: — قولہ وذهب الاخفش۔ یہ چوتھا قول امام اخفش کا ہے کہ مثال مذکور کی تقدیر ضربی زیداً ضرباً قائماً ہے اگر قائماً سے مفعول کی حالت بیان کرنا مقصود ہو اور تقدیر ضربی زیداً ضرباً قائماً ہے قائماً اگر قائماً سے فاعل کی حالت بیان کرنا مقصود ہو اس تقدیر پر مصدر محذوف مبتدا کی خبر ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس صورت میں ایک تو حذف قلیل ہے اور دوسرا یہ کہ جہاں تک ہو سکے محذوف جنس مذکور سے ہو جو یہاں موجود ہے لیکن اس قول میں بھی دو وجہ سے نقص ہے ایک یہ کہ مصدر عمل میں ضعیف ہے جو محذوف ہو کر عمل کی صلاحیت نہیں رکھتا دوسرا یہ کہ مصدر محذوف کا حذف بلا قرینہ ہے کیونکہ مفعول اپنے عامل کا قرینہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ عامل افعال عامہ سے محذور ضرب فعل خاص ہے جس پر قائماً دلالت نہیں کرتا

وذهب بعضهم إلى أن هذا المبتدأ لا خبر له لكونه بمعنى الفعل إذ المعنى ما ضرب زيداً أقالماً

ترجمہ: — اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ یہ وہ مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں کیونکہ وہ فعل کے معنی میں ہے اس لئے مثال مذکور کا معنی ہے ما ضرب زيداً أقالماً

تشریح: — قولہ وذهب بعضهم۔ یہ پانچواں قول ابن درستیہ اور ابن باشا کا ہے کہ یہ وہ مبتدا ہے جس کی کوئی خبر نہیں کیونکہ وہ فعل کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح مبتدا کی قسم ثانی مثلاً أقام الزيدان کا معنی ہے يقوم الزيدان پس ضربی زیداً قائماً کا معنی ہوا ما ضربت زيداً أقالماً یا ما ضرب زيداً أقالماً مگر اس میں بھی نقص ہے کہ مبتدا اگر فعل کے معنی میں ہو تو احوال کے ذکر کے بغیر یعنی ما ضربت الزيدان یا ما ضربت الزيدان کلام کو تام یعنی اس سے فائدہ تام حاصل ہو جانا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا

وثالثها كل مبتدأ استعمل خبره على معنى المقارنة وعطف عليه شيء ما واو التي بمعنى مع وذلك مثل كل رجل وضعته أي كل رجل مفعول مقرون مع ضيعته فحذف الخبر واجب حذفه لأن الواو يده على الخبر الذي هو مقرون وأقيم المعطوف في موضعه

ترجمہ: — اور ان میں سے تیسرا مقام ہر وہ مبتدا ہے کہ جس کی خبر معنی مقارنت پر مشتمل ہو اور اس مبتدا پر شئی کا عطف بذریعہ واو بمعنی مع ہو اور وہ جیسے دکل رجل وضعته یعنی کل رجل مقرون مع ضيعته پس اس کی خبر کا حذف واجب ہے کیونکہ واو اس خبر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مقرون ہے اور معطوف کو خبر کی جگہ پر قائم کیا گیا

تشریح: — قولہ وثالثها۔ تیسرا مقام ہر وہ ترکیب ہے جس کے مبتدا کی خبر معنی مقارنت پر مشتمل ہو اور اس کے بعد ایک ایسا اسم مرفوع ہو جس سے پہلے واو بمعنی مع ہو جیسے کل رجل وضعته اس میں کل رجل مرکب اضافی مبتدا ہے جس کے بعد ضيعته اسم مرفوع ہے اس سے پہلے واو ہے جو مع کے معنی میں ہے اصل عبارت یہ ہے کل رجل مقرون ہو وضعته اس میں ضيعته کا عطف مقرون کی ضمیر مستتر ہے جس کی تاکید ہو ضمیر منفصل سے کی گئی ہے

قولہ أي كل رجل۔ یہ تقدیر عبارت محققین کے نزدیک ہے لیکن بعضوں کے نزدیک تقدیر یہ ہے کل رجل وضعته مقرونان اس میں ضيعته کا عطف کل رجل مبتدا پر ہے اور مقرونان دونوں کی خبر واقع ہے لیکن اس میں نقص ہے کیونکہ اس صورت میں ضيعته مبتدا ہو گا اور مبتدا خبر کا قائم مقام نہیں ہوتا اس لئے کہ مبتدا

کا مقام مقدم ہے اور خبر کا موخر۔ مقدم موخر کا قائم مقام نہیں ہوتا کوئی قول نے کہا کہ مثال مذکور کلام تام ہے جو تقدیر خبر کا محتاج نہیں کیونکہ کل رجل مبتدأ ہے اور وضیعت خبر ہے اس لئے کہ اس کا واؤ بمعنی مع ہے اور کل رجل مع ضیعتہ میں مع ضیعتہ چونکہ باتفاق خبر ہے اس لئے کہ کل رجل وضیعتہ میں وضیعتہ بھی خبر ہوگا لیکن اس میں بھی نقص ہے کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ واؤ کا بمعنی مع ہونا اس امر کو لازم نہیں کرتا کہ وہ مع ہو جائے کیونکہ مع اسم ظرف ہے جو بلاشبہ خبر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن واؤ نہیں کردہ حرف ہے جو خبر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ خبر مسند ہوتی ہے اور مسند مستقل ہوتا ہے اور ظاہر ہے حرف مستقل نہیں ہوتا خیال رہے کہ ضیعتہ لغت میں اگرچہ زین کو کہا جاتا ہے لیکن وہ یہاں حرفت و پیشہ کے معنی میں ہے کافی سوالی یا اسولی یا آرزو کے معنی میں ہے کافی جامع الغرض۔

قوله لَانِ الْوَائِ۔ خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے قرینہ اور قائم مقام دونوں کا ہونا ضروری ہے جو یہاں موجود ہیں قرینہ یہ ہے کہ واؤ مع کے معنی میں ہے جو مقرون ہونے پر دلالت کرتا ہے اور قائم مقام ضیعتہ ہے جو خبر کی ضمیر مستتر پر معطوف ہے۔

وَالْبَعْثُ كَمَا مَبْدَأُ يَكُونُ مَتَّبِعًا بِهِ وَخَبْرًا الْقِسْمُ وَذَلِكَ لِأَنَّ الْفِعْلَ كَذَا أَيْ لِعَمَلٍ وَبِقَادَرِ قِسْمٍ أَيْ مَا أَقْسَمُ بِهِ فَذَلِكَ أَنَّ لِعَمَلٍ يَدُلُّ عَلَى الْقِسْمِ الْمَحْذُوفِ وَجَوَابُ الْقِسْمِ قَائِمٌ مَقَامَهُ فَحُذِفَ وَالْعَمْرُ وَالْعَمْرُ مَعْنَى وَاحِدٍ وَلَا يَسْتَعْمَلُ مَعَ اللَّامِ إِلَّا الْمَفْتُوحُ لِأَنَّ الْقِسْمَ مَوْضِعَ التَّخْفِيفِ لِكَثْرَةِ اسْتِعْمَالِهِ

ترجمہ:۔۔۔ اور ان میں سے چوتھا مقام ہر وہ مبتدأ ہے جو قسم پر ہو اور اس کی خبر لفظ قسم ہو (اور وہ جیسے (لِعَمَلٍ لافعل کنذا) یعنی لِعَمَلٍ قسمی یعنی ما اقسم بہ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ لِعَمَلٍ قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے اور قسم کا جواب خبر کے قائم مقام ہے پس خبر کا حذف واجب ہوا اور العمر بفتح عین اور العمر بضم عین ایک معنی میں ہے اور لام کیساتھ عین مفتوح ہی مستعمل ہوتا ہے اس لئے کہ قسم کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کی جگہ ہے۔

تشریح:۔۔۔ قولہ مَبْدَأُ الْبَعْثُ۔ چوتھا مقام ہر وہ ترکیب ہے جس کا مبتدأ مقسم بہ ہو اور اس کی خبر قسم ہو جیسے لِعَمَلٍ لافعل کنذا جو اصل میں لِعَمَلٍ قسمی لافعل کنذا تھا اس میں لام قسم کے توطیہ کے لئے ہے یعنی

اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ آیو الا جواب اس لام کے بعد جملہ قسمیہ کے لئے ہے اور لِعَمَلٍ مرکب اضافی مبتدأ مقسم بہ ہے۔ قسمی مرکب اضافی خبر ہے مبتدأ اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ قسمیہ ہوا اور لافعل فعل بافعل کنذا اسم کنایہ مفعول بہ ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب قسم ہوا۔

قوله بَقَاوَلِ۔ یہ غطف تفسیری ہے عمر کا اور اس طرف اشارہ بھی کہ عمر سے یہاں مراد علم نہیں جو زید و بکر کے مقابل آتا ہے بلکہ وہ بقا و حیات کے معنی میں ہے۔

قوله اَيُّ مَا اَقْسَمُ بِهِ۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عمر سے مراد اگر بقا ہے تو اس پر خبر محذوف کا عمل نہ ہو سکے گا کیونکہ بقا صفت ہے مخاطب کی اور قسم فعل ہے متکلم کا جواب یہ کہ قسمی سے یہاں مراد ما اقسم بہ ہے یعنی قسم سے مراد وہ چیز ہے جس کی قسم کھائی جائے یعنی مخاطب کی بقا و زندگی وہ چیز ہے کہ جس کی قسم متکلم کھاتا ہے۔

قوله فَلَا شَكَّ۔ یعنی خبر کا حذف واجب ہونے کے لئے قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں قرینہ تو خود مبتدأ ہی ہے کہ وہ مقسم بہ ہے جو قسم کے بغیر متحقق نہیں ہوتا پس یہ دال ہوا حذف پر اور تعین حذف پر بھی اور جواب قسم قائم مقام ہے۔

قوله وَالْعَمْرُ۔ عمر عین کے فقو کیساتھ ہو یا ضمہ کیساتھ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی زندگی لیکن لام کیساتھ مفتوح ہی مستعمل ہوتا ہے کیونکہ قسم کا استعمال بکثرت ہوتا ہے جو خفت کا متقاضی ہے اور ظاہر ہے حرکت میں ضمہ ثقیل ہے اور فتح خفیف ہے۔

خَبْرُ اَنْ وَلِخَوَاتِهَا اَيُّ اشْبَاهِهَا مِنَ الْحَادِثِ الْخَبَرِ الْبَاقِيَةِ وَحَيَّ اَنْ وَكَانَ وَلِكِنَّ وَلِيَتْ وَلَعَلَّ وَهُوَ مَرْفُوعٌ بِهَذَا الْحَادِثِ لَا بِالْاِبْتِدَاءِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْاَصَحِّ لِأَنَّهَا لَمْ تَشَابِهْهُ الْفِعْلُ الْمُبْتَدَأُ كَمَا سَبَقَ تَحْتِ رَفْعًا وَلِصَابِغًا

ترجمہ:۔۔۔ وان اور اس کے اخوات کی خبر، یعنی مرفوعات میں سے ان اور اس کے اخوات کی خبر ہے یعنی ان کی مثال ان پانچ حروف میں سے جو باقی رہ گئے اور وہ اَنْ وَكَانَ وَلِكِنَّ وَلِيَتْ وَلَعَلَّ ہیں اور وہ خبر ان حروف کی وجہ سے مرفوع ہوتی ہے ابتداء کی وجہ سے نہیں اصح مذہب پر اس لئے کہ جب

وہ حروف فعل متعدی کے مشابہ ہو گئے جیسا کہ بحث حروف میں آیت کا نوہ فعل متعدی کی طرح رفع و نصب میں عمل کریں گے۔

تشریح: — بیانہ خبرائے واخواتہا۔ خبر ان ترکیب میں مبتدا واقع ہے جس سے پہلے خبر محذوف ہے جیسا کہ قرینہ سیاق کلام اس پر دل ہے اور اخواتہا معطوف ہے ان پر اور وہی اس کی ضمیر مجرور کا مرجع بھی ہے۔ اس کو لائے نفی جنس کی خبر پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ ان تحقیق کے لئے آتا ہے اور لائے نفی جنس سے نفی مستفاد ہوتی ہے۔ ظاہر ہے تحقیق نفی سے اصل ہے اور یہی وجہ ہے اس کا اسم ماو لا پر مقدم ہونے کی اور اس لئے بھی کہ ماو لا کا عمل یس کیساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے جو کہ وہ فعل غیر منصرف ہے لیکن ان دگرہ کا عمل فعل منصرف کیساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے جیسا کہ آگے مذکور ہو گا ظاہر ہے منصرف کو غیر منصرف پر شائبہ انت حاصل ہے۔

قولہ ای اشباہا۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اخوات کا اطلاق ذی روح پر ہوتا ہے جس کے لئے مال ہو اور ان وغیرہ ذی روح نہیں پس ان کو اخوات کیوں کہا گیا؟ جواب یہ کہ اخوات سے یہاں مجازاً اشباہ و امثال و نظائر مراد ہیں قرآن کریم میں ہے کَلَّمَا دَخَلْتُ أُمَّتُ لَعْنَتْ أُنْتَهَا یعنی جب ایک گروہ دوزخ میں داخل ہوتا ہے اپنی مثل یعنی دوسرے پر لعنت کرتا ہے۔ اس میں اخت یعنی مثل ہے اطلاق ملزوم و ارادہ لازم کے قبیل سے۔ مونث کیساتھ اس کی تعبیر بتاویل کلمہ ہے یعنی ان چونکہ کلمہ ہے اور کلمہ مونث ہے اس لئے اخواتہا کہا گیا اظہارہ نہیں۔ کیونکہ یہ حروف معانی سے ہے کہ جن کی تذکیر و تانیث دونوں مساوی ہیں اگرچہ وہ حروف مبانی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے بکثرت مونث مستعمل ہوتے ہیں اس لئے کہ حروف مبانی جن کو حروف ہجائی بھی کہا جاتا ہے وہ ہمیشہ مونث مستعمل ہوتے ہیں۔

قولہ دھومر فوع۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مبتدا کی خبر کو بیان کرنے کے بعد ان کی خبر کو بیان کرنا فضول ہے کیونکہ جس طرح مبتدا کی خبر ابتداء سے مرفوع ہوتی ہے اسی طرح ان کی خبر بھی جواب یہ کہ یہاں پر ایک ضمیر بہ کو قبول کا ہے اور دوسرا مذہب بصریوں کا۔ سوال میں جو مذکور ہوا وہ کو قبول کا مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان اور اس کے اخوات صرف اسم میں عمل کرتے ہیں خبر میں نہیں کیونکہ وہ عامل ضعیف ہیں جن کا اثر ان کی خبر قبول نہیں کرتی پس وہ ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ کلام بصریوں کے مذہب پر محمول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان کی خبر ان ہی کی وجہ سے مرفوع ہوتی ہے ابتداء کی وجہ سے نہیں دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان اور اس کے اخوات کی اقتضاء دونوں جزم کے لئے برابر ہوتی ہے کیونکہ ان کے معنی جو تحقیق و تاکید

و تشبیہ و تمثیل و استدرک ہیں ان کا تعلق ما بعد کی نسبت کیساتھ ہے اور نسبت کا تعلق طرفین سے یعنی اسم و خبر دونوں کیساتھ برابر ہے پس ان اور اس کے اخوات کا عمل بھی دونوں جزم کے ساتھ برابر ہو گا اور اس لئے بھی کہ ان اور اس کے اخوات کو فعل متعدی کیساتھ لفظاً و معنی مشابہت حاصل ہے جیسا کہ آگے مذکور ہے اور فعل متعدی فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے پس ان اور اس کے اخوات بھی ایک اسم کو رفع اور دوسرے کو نصب دیں گے البتہ نصب کو پہلے اور رفع کو بعد میں اس لئے کیا گیا تاکہ یہ اشارہ ہو کہ وہ عمل میں فعل متعدی کی فرع ہیں لیکن ان کو فعل متعدی کیساتھ لفظاً مشابہت حاصل یہ ہے کہ وہ بھی فعل متعدی کی طرح ثلاثی و رباعی ہوتے ہیں جیسے ان مثل طلب ہے اور لعل و کان مثل بقر ہیں اور معنی مشابہت حاصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک فعل کا معنی دیتا ہے کیونکہ ان کا معنی حقیقت ہے اور کان کا معنی مشابہت ہے لہذا الآخر دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ فعل متعدی جس طرح فاعل و مفعول کے بغیر کلام تام نہیں ہوتا اسی طرح ان اور اس کے اخوات بھی اسم و خبر کے بغیر کلام تام نہیں ہوتا، ان ہی وجہوں سے بصریوں کے مذہب کو اصح کہا گیا ہے۔

هو أي خبرائے واخواتہا المسند الی شیء آخر بعد دخول أحد ہذا الحروف علیہما فقوله المسند شامل الخبر کان وخبر المبتدأ وخبر الی نفی الجنس وغیرہا وبقوله بعد دخول ہذا الحروف خج جسیعہا عنہ

ترجمہ: — (دوہ) یعنی ان اور اس کے اخوات کی خبر (مسند ہے) دوسری شئی کی طرف رانے حروف میں سے کسی ایک کے، ان دونوں یعنی اسم و خبر پر داخل ہونے کے بعد، پس مصنف کا قول المسند شامل ہے خبر کان اور خبر مبتدا اور خبر لائے نفی جنس وغیرہا کو اور مصنف کے قول بعد دخول ہذا الحروف کی قید سے ان کی خبر کے علاوہ تمام خبریں اس تعریف سے نکل گئیں۔

تشریح: — بیانہ خبرائے واخواتہا۔ یہ تعریف ہے خبر ان اور اس کے اخوات کی اور ای خبر ان واخواتہا سے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے اور الی شئی آخر سے شارح ہندی کے اس جواب کا رد ہے جو انہوں نے تعریف مذکور پر وارد ہونے والے سوال کا جواب المسند الی اسما۔ ہذا الحروف سے دیا تھا تفصیل آگے فلا یحتاج کے تحت مذکور ہے۔

قوله احد - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف ان زیداً قائم میں قائم پر صادق نہیں آتی حالانکہ وہ خبر ہے مگر اس پر تمام حروف مشبہ داخل نہیں جواب یہ کہ ہذہ الحروف سے پہلے احد مضاف محذوف ہے یعنی بعد دخول احد ہذہ الحروف ۔

قوله فقولہ المسند - اس عبارت سے تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ مسند بمنزلہ جنس ہے جو کان کی خبر اور مبتدا کی خبر اور لائے نفی جنس وغیرہ کی خبر کو شامل ہے اور بعد دخول ہذہ الحروف بمنزلہ فعل ہے جس سے ان کی خبر کے علاوہ تمام خبریں خارج ہو گئیں ۔

و المراد بان دخول هذه الحروف عليه ما دونها عايجه الايراث اثر فيهما لفظاً او معنى فلا ينتقض التعريف بشئ يقوم في قولنا ان زيدا يقوم ابو كفا فان يقوم ههنا من حيث اسناد الى ابو ليس مما يدخل عليه ات بهذا المعنى بل اسناد دخل على جملة يقوم ابو فلا يحتاج الى ان يحجب عنه بان المراد بالمسند المسند الى اسماء هذه الحروف ويلزم منه استثناء قولہ بعد دخول هذه الحروف ولا الى ان يحجب بان المراد بالمسند الاسم المسند فيحتاج الى تاويل الجملة بالاسم حيث يكون خبرها جملة مثله ان زيدا يقوم

ترجمہ :- اور ان حروف کا اسم و خبر پر داخل ہونے سے مراد ان حروف کا ان دونوں میں لفظاً یا معنی اثر پیدا کرنے کے لئے ان دونوں پر وارد ہونا ہے پس تعریف مذکور ہمارے قول ان زیداً يقوم ابوہ میں يقوم کی شل سے متغوض نہ ہوگی کیونکہ یہاں يقوم اس حیثیت سے کہ اس کی اسناد ابوہ کی طرف ہے اس میں سے نہیں ہے کہ جس پر ان اس معنی کے اعتبار سے داخل ہوتا ہے بلکہ وہ يقوم ابوہ کے جملہ پر داخل ہے پس یہ جواب دینے کی حاجت نہ ہوتی کہ تعریف میں مسند سے مراد وہ ہے جو ان حروف کے اصول کی طرف مسند ہو کیونکہ اس جواب سے مصنف کے قول بعد دخول ہذہ الحروف کا استدلال کے لازم آئیگا اور نہ یہ جواب دینے کی حاجت ہوگی کہ مسند سے مراد اسم مسند ہے پس یہ حاجت ہوگی کہ جملہ کو اسم کیساتھ تاویل کی جائے جب کہ اس کی خبر ان زیداً يقوم کی شل جملہ ہو ۔

تشریح :- قوله والمراد بدخول - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ وہ فعل پر بھی صادق آتی ہے جیسے ان زیداً يقوم ابوہ میں يقوم پر صادق ہے جواب

یہ کہ ان حروف کے دخول سے مراد یہ ہے کہ یہ حروف اسم و خبر میں لفظ و معنی دونوں اعتبار سے تبدیلی پیدا کرے لفظ کے اعتبار سے یہ کہ اعراب میں اختلاف پیدا کرے اور معنی کے اعتبار سے یہ کہ تاکید وغیرہ کا افادہ کرے اور مثال مذکور کے اندر يقوم میں لفظی و معنوی کسی طرح بھی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی ہے پس اگر وہ خبر ہوتا تو اعراب میں اختلاف پیدا ہوتا حالانکہ جو اعراب رفع دخول ان سے پہلے ناصب جازم سے مجرد ہونے کی وجہ سے تھا وہی دخول کے بعد ہے اور اس میں تاکید بھی نہیں آتی ہے کیونکہ ان کا اثر اسم کے واسطہ ثبوت خبر کی تاکید ہے جیسے ان زیداً قائم میں ہوتی ہے ظاہر ہے یہ يقوم ابوہ کے مجموعہ سے حاصل ہوتی ہے صرف يقوم سے نہیں ۔

قوله فلا يحتاج - شارح ہندی نے سوال مذکور کا جواب یہ دیا تھا کہ تعریف میں مسند سے مراد مسند الی اسماء ہذہ الحروف ہے اور مثال مذکور میں يقوم ان کے اسم کی طرف مسند نہیں بلکہ ابوہ کی طرف ہے جو اس کا فاعل ہے پس وہ تعریف سے خارج ہے اور علامہ جامی اس عبارت سے اس کا رد فرماتے ہیں کہ مسند سے اگر مذکور مراد لیا جائے تو تعریف میں بعد دخول ہذہ الحروف کی قید فضول ہو جائیگی اس لئے وہی مراد ہوگی جو ماقبل میں گذری

قوله ولا الى ان يحجب - اس عبارت سے صاحب غایۃ التحقیق کے اس جواب کا رد ہے جو انہوں نے سوال مذکور کے جواب میں یہ کہا تھا کہ تعریف میں مسند سے مراد اسم مسند ہے اور مثال مذکور میں يقوم فعل مسند ہے اسم مسند نہیں حاصل رد یہ کہ اس صورت میں اسم سے مراد عام لینا ہوگا کہ حقیقتہً اسم ہو یا تاویل اسم ہوتا کہ جملہ پر بھی خبر کی تعریف صادق آئے پس یہ جواب تاویل کا محتاج ہوگا لیکن پہلا جواب میں تاویل کی حاجت نہیں اس لئے وہی بہتر ہے ۔

مثله قائم في ان زيدا قائم فائله المسند بعد دخول هذه الحروف

ترجمہ :- (جیسے قائم ران زیداً قائم) میں کہ وہ مسند ہے ان حروف کے داخل ہونے کے بعد

تشریح :- قوله قائم - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ان زیداً قائم مثال ہے ان کے خبر کی لیکن یہ مثال مثل لکے مطابق نہیں ہے کیونکہ یہ جملہ ہے جواب یہ کہ کل بولکر جزر مراد لیا

کیا ہے یعنی مثل کا مضاف الیہ جملہ مذکور نہیں بلکہ قائم ہے جو عبارت میں محذوف ہے اور فائدہ
المستند سے مثال کو مثل لایسے مطابقت کیا گیا ہے۔

وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَيْرِ الْمُبْتَدَأِ أَيْ حُكْمُهُ كَحُكْمِ خَيْرِ الْمُبْتَدَأِ فِي أَقْسَامِهِ مِنْ كَوْنِهِ مَفْرُوداً وَجُمْلَةً
وَنَكْرَةً وَمَعْرِفَةً وَفِي أَحْكَامِهِ مِنْ كَوْنِهِ وَاحِداً أَوْ مُتَعَدِّداً أَوْ مُتَبَدِّلاً وَفَاوَنِي شَرَائِطِهِ مِنْ
أَنَّهُ إِذَا كَانَتْ جُمْلَةً فَلَا يَدُ مِنْ عَائِدِهِ وَلَا يَحْذَرُ إِلَّا إِذَا عَلِمَ وَالْمُرَادُ أَنَّ أَمْرَهُ كَأَمْرِ بَعْدِ أَنْ
يَصِحَّ كَوْنُهُ خَبِراً أَوْ جُوداً شَرَائِطِهِ وَانْتِفَاءً مَوَالِعِهِ وَلَا يُلْزَمُ مِنْ ذَلِكَ أَنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ
خَبِراً لِلْمُبْتَدَأِ يَصِحُّ أَنْ يَقَعَ خَبِراً لِبَابِ إِنْ حَتَّى يَبْدَأَ أَنَّ يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ إِنْ زَيْدٌ وَمِنْ
أُولَئِكَ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ إِنْ آيْنٌ نَبِيذٌ أَوْ إِنْ مَنْ أِبَالِجٌ

تدجملہ: — اور اس کا امر مبتدا کی خبر کے امر کی مانند ہے یعنی ان اور اس کے اخوات کی خبر کا حکم
مبتدا کی خبر کے حکم کی مانند ہے مبتدا کی خبر کے تمام اقسام میں یعنی مفرد ہونے یا جملہ ہونے اور نکرہ ہونے اور مکرر
ہونے میں اور اس کے احکام میں یعنی واحد ہونے و متعدد ہونے و مثبت ہونے و محذوف ہونے میں اور اس کی
شرائط سے ہے کہ خبر جب جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہے اور عائد محذوف نہ ہوگا مگر جب کہ وہ کسی قرینہ سے
معلوم ہو اور مراد یہ ہے کہ ان کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے بعد اس کے کہ اس کی شرائط کے وجود اور
موالغ کے انتفاء کی وجہ سے مبتدا کی خبر کا باب ان کی خبر ہونا صحیح ہو اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کا مبتدا
کی خبر ہونا صحیح ہو اس کا باب ان کی خبر واقع ہونا بھی صحیح ہو یہاں تک کہ یہ اقراض وار نہ ہوگا کہ این زیداً وہ
من ابوالجہ کہنا جائز ہے اور ان این زیداً اور ان من آیات کہنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: — بیانہ امرہ: خبر ان اور اس کے اخوات کی تعریف سے فاسخ ہونے کے بعد اب اس کے
احکام کو بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی خبر کا حکم تمام اوصاف میں مبتدا کی خبر کی طرح ہے لیکن اقسام میں جیسے نکرہ
ہونے و معرف ہونے میں یا مفرد ہونے و جملہ ہونے میں جملہ عام ہے کہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، شرطیہ ہو یا ظرفیہ لیکن احکام
میں جیسے واحد ہونے و متعدد ہونے میں یا مثبت ہونے و منفی ہونے میں یا مذکور ہونے و محذوف ہونے میں
لیکن شرائط میں جیسے خبر جب کہ جملہ ہو تو عائد ہونے میں اور قرینہ ہو تو حذف ہونے اور قرینہ نہ ہو تو حذف
نہ ہونے میں وغیرہ وغیرہ

قوله أَيْ حُكْمُهُ: یہ جواب ہے اس سوال کا کہ امر کی اضافت خبر ان کی طرف کی گئی ہے جب کہ
امرافعال کا ہوتا ہے اور ظاہر ہے خبر ان افعال سے نہیں جواب یہ کہ امر سے مراد یہاں حکم ہے اطلاق موثر و ارادہ
اثر کے قبیل سے۔

قوله وَالْمُرَادُ: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حکم مذکور امرہ کا مر خبر المبتدا سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ جس طرح این زید اور من ابوک جائز ہے اسی طرح ان این زیداً اور ان من اباک میں جائز ہو حالانکہ یہ
جائز نہیں ہے جواب یہ کہ ان کی خبر کا حکم جو مبتدا کی خبر کی طرح ہے اس وقت ہے جبکہ وجود شرائط کے علاوہ
مانع کا انتفاء بھی ہو اور مذکورہ دونوں مثالوں میں مانع موجود ہے وہ یہ کہ این اور من استفہام کے لئے ہیں اور
اور ان تحقیق کے لئے۔ ظاہر ہے دونوں میں منافات ہے

وَأَلَا تَقْدَرُ عَلَيْهِ أَيْ يَسَّرُ أَمْرُهُ كَأَمْرِ خَيْرِ الْمُبْتَدَأِ فِي تَقْدِيرِهِ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ تَقْدِيرُهُ عَلَى الْأَسْمِ
وَقَدْ جَاءَتْ تَقْدِيرُهُ خَبِراً عَلَى الْمُبْتَدَأِ وَذَلِكَ لِأَنَّ هَذِهِ الْحُرُوفَ فُرُوعٌ عَلَى الْفِعْلِ فِي الْعَمَلِ فَأَرِيدَ
أَنَّهُ يَكُونُ عَمَلُهَا فُرْعاً أَيْضاً وَالْعَمَلُ الْفُرْعِيُّ لِلْفِعْلِ أَنْ يَتَقَدَّمَ الْمَنْصُوبُ عَلَى الْمَرْفُوعِ وَالْأَصْلُ أَنَّ
يَتَقَدَّمَ الْمَرْفُوعُ عَلَى الْمَنْصُوبِ فَلَمَّا أَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الْفُرْعِيُّ لَمْ يَتَصَرَّفْ فِي مَعْبُولِيهَا يَتَقَدَّمُ يَمْشِي نَهْمَا
عَلَى الْأَوَّلِ كَمَا يَتَصَرَّفُ فِي مَعْبُولِ الْفِعْلِ لِنَقْصَانِهَا عَنْ دَرَجَةِ الْفِعْلِ

توجملہ: — رسوائے اس کی تقدیم میں یعنی ان کی خبر کا حکم اس کے مقدم ہونے میں مبتدا کی خبر کی
طرح نہیں ہے کیونکہ ان کی خبر کی تقدیم اس کے اسم پر جائز نہیں ہے حالانکہ خبر کی تقدیم مبتدا پر جائز ہے
اور وہ اس لئے ہے کہ یہ حروف مشبہ عمل میں فعل کی فرع ہیں تو ارادہ کیا گیا کہ ان کا عمل بھی فرعی ہو اور فعل کے
لئے عمل فرعی یہ ہے کہ منصوب مرفوع پر مقدم ہو اور عمل اصلی یہ ہے کہ مرفوع منصوبات پر مقدم ہو پس جب
ان حروف کو عمل فرعی دیا گیا تو ان کے ہر دو معمولوں میں سے دوسرے کو پہلے پر مقدم کرنے کا تصرف نہیں
کیا جائیگا جس طرح فعل کے دونوں معمولوں میں تصرف کیا جاتا ہے کیونکہ یہ حروف مشبہ فعل کے درجہ سے
ناقص ہے۔

تشریح: — بیانہ الا فی تقدیرہ: یہ استثنا مفرغ ہے کلام موجب سے اصل عبارت یہ ہے
حکمہ حکم خبر المبتدا فی جمیع احکامہ الا فی حکم التقدیر۔ پس اس کا مستثنی جو ما قبل

سے مستفاد ہوتا ہے وہ شرح میں مذکور ہے معنی یہ ہے کہ ان کی خبر کا حکم تمام اوصاف میں مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے مگر مقدم ہونے میں اس کی طرح نہیں ہے یعنی خبر مبتدا پر مقدم تو ہو سکتی ہے لیکن ان کے کی خبر اس کے اسم پر مقدم نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک عمل اصلی ہوتا ہے اور دوسرا عمل فرعی۔ عمل اصلی یہ ہے کہ مرفوع مقدم ہوتا ہے جب پر جیسے قتل زید بکرا کیونکہ رفع علامت فاعل ہے اور نصب علامت مفعول ہے اور فاعل کا مقتضائے طبعی یہ ہے کہ وہ فعل کے بعد مفعول سے پہلے واقع ہو اور عمل فرعی یہ ہے کہ منصوب مقدم ہو مرفوع پر جیسے ضرب بکرا زید اور حروف مشبہ چونکہ عمل میں فعل کی فرع ہیں جیسا کہ بحث حروف میں آگے مذکور ہوگا اس لئے مناسب ہوا کہ ان کا عمل بھی فرعی ہو اور ان کے ہر دو مفعولوں میں سے دوسرے کو پہلے پر مقدم نہ کیا جائے۔

لے
إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْخَبَرُ ظَرْفًا أَيْ لَيْسَ امْرُؤٌ كَأَمْرٍ خَيْرٍ امْتِدَادٌ فِي تَقْدِيمِهِ إِلَّا إِذَا كَانَ ظَرْفًا فَإِنَّ
حُكْمَهُ إِذَا أَتَى جَوَازَ التَّقْدِيمِ إِذَا كَانَ الْأِسْمُ مَعْرِفَةً نَحْوَ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ الْإِنْسَانَ يَا جَهَنَّمُ فِي وُجُوبِهِ إِذَا
كَانَ الْأِسْمُ نَكْرَةً نَحْوَ أَنَّ مِنَ الْبَيَانِ سَمْرًا وَأَنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحُمْلَةً وَذَلِكَ لِتَوْسِعِهِمْ فِي الظَّرْفِ
مَا لَا يَتَوَسَّعُ فِي غَيْرِهَا

ترجمہ: — (مگر یہ کہ ہو) خبر ظرف، یعنی ان کی خبر کا حکم تقدیم میں مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح نہیں ہے مگر اس وقت کہ ان کی خبر ظرف ہو اس لئے کہ اس وقت ان کی خبر کا حکم جواز تقدیم میں مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے جب کہ اسم معرفہ ہو جیسے قول باری تعالیٰ إِنَّ الْإِنْسَانَ يَا جَهَنَّمُ اور وجوب تقدیم میں جبکہ ان کا اسم نکرہ ہو جیسے ان من البیان سمرًا اور ان من الشعر لحملہ اور یہ ظروف میں نحو یوں کے توسع و گنجائش دینے کی وجہ سے ہے کہ جس کی گنجائش غیر ظرف میں نہیں دی جاتی۔

تشریح: — بیانہ الا ان یكون۔ یہ استثناء مفرغ ہے کلام غیر موجب سے اصل عبارت یہ ہے فائز لا یجوز فی جمیع الاوقات الا وقت کو نہ ظرفا پس اس کا مستثنیٰ جو ماقبل سے مستفاد ہوتا ہے وہ شرح میں مذکور ہے معنی یہ ہے کہ ان کی خبر اپنے اسم پر کسی وقت بھی مقدم نہیں ہوتی مگر جبکہ ظرف ہو تو ان کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح مقدم ہوتی ہے کبھی جواز جب کہ اسم معرفہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے ان الینا یاہم اور کبھی وجوباً جب کہ اسم نکرہ ہو جیسے ارشاد رسول علیہ التیمۃ والثناء ہے ان من البیان

سمرًا اور ان من الشعر لحملہ جس طرح مبتدا جب نکرہ ہو تو خبر کو مقدم کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے فی اللہ رجل میں اسی طرح یہاں بھی مقدم کرنا ضروری ہے۔

قوله ان من البیان۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ناوی ہیں کہ پورب کی جانب سے کچھ لوگ سرکار مدینہ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور ایسے فصیح و بلیغ کلام کئے کہ صحابہ حیرت زدہ ہو گئے جس پر سرکار نے فرمایا کہ تقریر اگرچہ محمود ہے لیکن بعض تقریر سحر و جادو کا اثر رکھنے کی وجہ سے مذموم ہو جاتی ہے اسی طرح اشعار بنفہا مذموم ہیں قرآن کریم میں ہے الشعرا یتبعون الفاؤن لیکن وہ حمد و ثناء و منقبت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے محمود ہو جاتے ہیں پس معنی یہ ہوا کہ بے شک بعض بیان و تقریر سحر و جادو ہے یعنی وہ ایسی سحر کن ہے کہ سحر و جادو کا اثر رکھتی ہے اور بعض شعر حکمت ہے یعنی واقع و نفس الامر کے مطابق ہے۔

قوله وذلک لتوسعہم۔ نحو یوں نے ظروف میں ایسی گنجائش اس لئے دی ہے کہ کوئی بھی حادث ظرف زمان یا مکان سے خالی نہیں ہوتا جس طرح کوئی بھی آدمی قریب محرم سے خالی نہیں ہوتا ہے تو ظروف بمنزلہ قریب محرم ہوئے اور غیر ظروف بمنزلہ قریب غیر محرم اور قریب محرم کے لئے بعض امور ایسے جائز ہوتے ہیں جو غیر محرم کے لئے جائز نہیں ہوتے جیسے فقہ میں ہے کہ نظر بسوئے راس و صدور و ساق محرم کے لئے جائز ہے اور غیر محرم کے لئے جائز نہیں۔

لے
خبر لا التي الكائنة نفي الجنس أي لنفي صفة اذ لا سجل قائم مثلاً لنفي القيام عن الرجل لا ينفك الرجل نفسه

ترجمہ: — راس لای خبر جو نفی جنس کے لئے ہوتا ہے (یعنی نفی صفت جنس کے لئے اس لئے کہ مثلاً لا رجل قائم رجل سے قیام کی نفی کے لئے ہے نفس رجل کی نفی کے لئے نہیں۔

تشریح: — بیانہ خبر لا التي۔ مبتدا ہے جس سے پہلے من خبر محذوف ہے معنی یہ ہوا کہ مرفوع میں سے ایک قسم لائے نفی جنس کی خبر ہے اور اس کی خبر مرفوع اس لئے ہوتی ہے کہ تاکید میں ان کے مشابہ ہے یعنی جس طرح ان تاکید کا افادہ کرتا ہے اسی طرح لا بھی فرق یہ ہے کہ لانی کی تاکید کا افادہ کرتا ہے اور ان اثبات کی تاکید کا پس جس طرح ان کی خبر مرفوع ہوتی ہے اسی طرح لای خبر بھی مرفوع ہوگی

اور ثانی کو چونکہ اول پر شرافت حاصل ہے اس لئے ان کی خبر کو پہلے اور اس کے بعد لاکے خبر کو بیان کیا گیا اور اسی وجہ سے لاکے خبر کو اگرچہ طرف ہو اس کے اسم پر مقدم کرنا ممنوع ہے جب کہ ان کی خبر کو اگر طرف ہو تو اس کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہے جیسا کہ گذرا لیکن لاکے خبر کو ماولا کے اسم پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ لاکے عمل ان کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور ان کا عمل فعل مشق کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے لیکن ماولا کا عمل فعل جامد یعنی یس کیساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔ اول کو چونکہ ثانی پر شرافت حاصل ہے اس لئے اول کے معمول کو بھی ثانی کے معمول پر شرافت حاصل ہوئی اور لاکے خبر کو ماولا کے اسم پر مقدم کیا گیا۔

قوله الكائنات۔ یہ بیان ہے نفی الجنس کے متعلق کا۔ اس کی تائید سے یہ اشارہ ہے کہ صلہ اپنے موصول کیساتھ لاکے صفت ہوتا ہے خبر نہیں لفظ خبر کی کیونکہ لاحروف معانی سے ہے جن کا مذکور و موصوف دونوں ہونا اگرچہ جائز ہے لیکن اکثر موصوف مستعمل ہوتے ہیں۔

قوله آئی نفی صفتہ۔ یہ جواب اس سوال کا کہ لائے نفی جنس وہ ہے جس سے جنس کی نفی ہو حالانکہ لارجل قائم میں جنس رجل کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کی صفت قیام کی نفی ہوتی ہے اسی طرح تن میں مثال مذکور لاغلام رجل ظریف میں جنس غلام کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کی صفت ظرافت کی نفی ہوتی ہے جواب یہ کہ عبارت میں لفظ جنس سے پہلے مضاف مقدر ہے جو بقرینہ مثال محذوف ہے یعنی لا آئی نفی صفتہ الجنس

هو المند الی شئ آخر هذا شامل الخبر المبتدأ والخبر وکانت وغیرها بعد دخولها آئی بعد دخول لا فخریج بہ سائر الاخبار والمراد بدخولها ما عرفت فی خبر ان فلا یرد نحو یضرب فی لارجل یضرب ابوہ نحو لاغلام رجل ظریف وانما عرفت عن المثالی المشہور وهو قولہم لارجل فی الدار الاحتمال حذف الخبر وجعل فی الدار صفتہ بخلاف ما ذکرہ لان غلام رجل معرب منصوب لا یجوز ارتفاع صفتہ علی ما هو الظاهر فیہا آئی فی الدار خبر بعد خبر لا ظرف ظریف ولا حال لان الظرف لا یتقید بالظرف ونحو

ترجمہ: — (وہ مند ہے) شئی آخر کی طرف مند کی قید مبتدأ کی خبر اور ان وکانت وغیرہ کی خبر

کو بھی شامل ہے (اس کے دخول کے بعد) یعنی لاکے دخول کے بعد پس اس قید سے باقی خبریں نکل گئیں اور دخول لائے مراد وہی ہے جو آپ کو ان کی خبر میں معلوم ہوا پس لارجل یضرب ابوہ میں یضرب کی مثل کا سوال وارد نہ ہوگا (جیسے لاغلام رجل ظریف) اور مصنف علیہ الرحمہ نے مثال مذکور اور وہ نحو یوں کے قول لارجل فی الدار سے اس لئے عدول فرمایا کہ اس میں خبر کے حذف اور فی الدار کا رجل کی صفت بنائے جانے کا احتمال ہے اس کے برخلاف کہ جس کو مصنف نے بیان فرمایا کہ غلام رجل معرب منصوب ہے جس کی صفت کا اس طور پر جو ظاہر ہے مرفوع ہونا جائز نہیں (فیہا) یعنی فی الدار خبر ہے خبر کے بعد ظریف کا ظرف نہیں اور نہ حال ہے اس لئے کہ ظرافت ظرف اور اس جیسی چیز سے مقید نہیں ہوتی۔

تشریح: — بیانشہ هو المند۔ یہ تعریف ہے لائے نفی جنس کے خبر کی کہ جو مند ہولا کے داخل ہونے کے بعد جیسے لاغلام رجل ظریف میں ظریف شرح میں الی شئی کی تقدیر سے فاضل ہندی کے اس جواب کا رد ہے جیسا کہ گذرا کہ مسند سے مراد اگر وہ ہو کہ جولا کے اسم کی طرف مسند ہو تو بعد دخولہا کی قید فضول ہو جائیگی کیونکہ وہ معنی قید اول ہی سے مستفاد ہے۔

قوله هذا شامل۔ اس عبارت سے تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں مند بمنزلہ جنس ہے جو مبتدأ کی خبر اور ان وکانت وغیرہ کی خبر کو بھی شامل ہے اور بعد دخولہا بمنزلہ فصل ہے جس سے وہ تمام خبریں نکل گئیں جو لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند نہیں ہوتیں۔

قوله والمراد بدخولها۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ تعریف مذکور لارجل یضرب ابوہ میں یضرب پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتا ہے جبکہ وہ خبر نہیں بلکہ خبر یضرب ابوہ کا مجموعہ ہے جواب یہ کہ لاکے دخول سے مراد جیسا کہ خبر ان اور اس کے اخوات کے بیان میں گذر چکا، یہ ہے کہ وہ لا خبر کے لفظ و معنی میں کچھ تبدیلی پیدا کرے ظاہر ہے وہ یضرب میں کچھ تبدیلی پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ مرفوع ہے اس وجہ سے کہ ناصب و جازم سے خالی ہے اور اس میں تاکید بھی نہیں آتی ہے۔

قوله وانما عرفت۔ یہ اس سوال کا جواب کہ لائے نفی جنس کی خبر کی مشہور مثال لارجل فی الدار ہے مصنف نے اس سے کیوں عدول فرمایا؟ جواب یہ کہ مثال مشہور میں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ فی الدار رجل کی صفت ہے اور خبر اس کی محذوف ہے اور یہ احتمال تن کے مثال مذکور میں نہیں

ہو سکتا کیونکہ ظرف مرفوع ہے جو غلام جن کی صفت ہیں ہو سکتا اس لئے کہ منصوب کی صفت مرفوع نہیں ہوتا ہے۔

قولہ علی ما عود۔ وہ اسم جو منصوب ہوا کی وجہ سے اس کی صفت کو مرفوع ہونا ابن مالک نے چونکہ جائز قرار دیا ہے اس لئے اس عبارت سے اس کا رد کیا جاتا ہے کہ ایسے موصوف کی صفت کا مرفوع ہونا ظاہر کے خلاف ہے یہی خیال ابن برہان کا بھی ہے کیونکہ وہ منصوب معرب ہے اور معرب کا تابع لفظ میں ہونا ہے محل میں نہیں پس ظرف اگر صفت ہوتا تو اس کو منصوب ہونا چاہیے حالانکہ وہ مرفوع ہے۔

قولہ اکی فی الدار خبر۔ فی الدار سے تن میں فیہا کی ضمیر مجرور کے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے اور خبر بعد خبر ہے۔ اس سوال کا کہ فیہا ظرف ہے ظرف کا یا حال ہے اس کی ضمیر سے پس ظرف مقید ہوا حالانکہ ظرفت یعنی زید کی ایک منہ کو کہتے ہیں جو مکان یا وقت سے مقید نہیں ہوتا جواب یہ کہ فیہا خبر ہے خبر کے بعد نہ ظرف ہے ظرف کا اور نہ اس سے حال ہے۔

و اما انی بہ لئلا یلزم الکذب بنفی ظرفۃ کل غلام ساجلہ ولیکون مثالا لئونی خبریھا الظرف وغیرہ

ترجمہ:۔ اور مصنف نے فیہا کو مثال میں اس لئے لایا کہ ہر مرد کے غلام کی ظرفیت کی نفی سے کذب لازم نہ آئے اور اس لئے کہ یہ لایا کہ خبر کے ان قسموں ظرف اور غیر ظرف کی مثال ہو جائے۔

تشریح:۔ قولہ وانہا اتی۔ یہ جواب ہے علامہ فی کے اس سوال کا کہ مثال سے مقصود وضاحت ہے جو ظرف ایک سے کافی ہے پس خبر لایا کہ دو مثال ایک ظرف اور دوسری فیہا کو کیوں بیان کیا گیا؟ دو جواب ہیں ایک یہ کہ اگر ظرف ایک خبر یعنی لا غلام رجل ظرف کہا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ کسی مرد کا کوئی غلام ظرف نہیں ہے ظاہر ہے یہ کذب کو لازم ہے دوسرا جواب یہ کہ خبر لایا چونکہ دو قسمیں ہیں ایک ظرف اور دوسری غیر ظرف اس لئے اس کی دو مثالیں بیان کی گئیں پہلی مثال غیر ظرف کی اور دوسری ظرف کی

دیحذف خبر لاھذہ حذفاً کثیراً اذا کان الخبر عاماً کا موجود والحاصل لدلالة النفی علیہ

نحو لا الہ الا اللہ ای لا الہ موجود الا اللہ

ترجمہ:۔ (اور حذف کی جاتی ہے) اس لئے نفی جنس کی خبر حذف (کثیر) جبکہ خبر موجود و حاصل کی مانند فعل عام ہو کیونکہ اس پر نفی کی دلالت ہوتی ہے جیسے لا الہ الا اللہ یعنی لا الہ موجود الا اللہ

تشریح:۔ بیانہ ویحذف۔ خبر لایا کہ ظرف کے بعد اب اس کے احکام بیان کئے جاتے ہیں کہ خبر لا اگر افعال عامہ سے نہ ہو تو اس کا حذف جائز نہیں ہوتا جیسے لا غلام رجل ظرف فیہا اور اگر افعال عامہ سے ہو مثلاً موجود و حاصل وغیرہ تو اس کا حذف جائز ہے اس پر قرینہ لائے نفی جنس ہے کیونکہ نفی منفی کو مقنی ہوتی ہے اور جب قرینہ منفی مخصوص کا موجود نہ ہو تو لائے نفی کی دلالت منفی عام پر ہوگی جیسے لا الہ الا اللہ اصل میں لا الہ موجود الا اللہ ہے۔ خبر لا کے احکام میں سے یہ بھی ہیں کہ (۱) وہ ہمیشہ نکرہ ہوتی ہے (۲) حذف جائز اس وقت ہوتا ہے جبکہ اسم مذکور ہو ورنہ نہیں جیسے لا علیہ (۳) لا اور اس کے اسم سے اس کا موخر کرنا ضروری ہے اگرچہ وہ ظرف یا جار و مجرور ہو۔ جائز نہیں کہ لا اور اس کے اسم کے درمیان خبر یا کوئی شئی اجنبی فاصل ہو (۴) خبر کے معمول کا اسم سے موخر کرنا لازم ہے البتہ خبر پر اس کا مقدم کرنا جائز ہے کیونکہ وہ اس کا معمول ہے اور معمول شئی کا اجنبی نہیں ہوتا۔

قولہ خبر لا۔ قد یحذف۔ میں ضمیر مستتر جو نائب فاعل ہے اس عبارت سے اس کے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے اور ہذہ کی قید لامشاہ بیس سے احتراز کے لئے ہے یعنی لائے نفی جنس کی خبر اکثر حذف کی جاتی ہے لامشاہ بیس کی خبر نہیں اور حذف کی قید سے یہ اشارہ ہے کہ متن میں کثیراً مفعول مطلق ہے لیکن موصوف کے اعتبار سے۔

قولہ لا الہ الا اللہ۔ علامہ مختاری نے کلمہ توحید کے متعلق ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے کلمہ توحید کو کلام تام لکھا ہے پس ان کے نزدیک خبر مقدر نہ ہوگی اور اصل عبارت یہ ہوگی اللہ اللہ پہلا جز مبتدا ہے اور دوسرا خبر اور ان دونوں پر لا والا کا دخول جبر کے لئے کیا گیا یعنی لا اللہ لا الہ پھر حمز میں زیادتی کے لئے لا الہ کو مقدم اور لا اللہ کو موخر کیا گیا ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ اس تقدیر پر خبر کے صورت مستثنی جیسی ہوگی اور ظاہر ہے مستثنی خبر نہیں ہوتا کہ وہ فضلات کلام سے ہوتا ہے جبکہ خبر جز کلام ہوتی

و بنوعیم لا یثبتونہ ائی لا یظہرون الخبر فی اللفظ لان الحذف عنہم واجب او المراد

لَهُمْ لَا يَتَّبِعُونَ أَصْلًا وَلَا فِطْرًا وَلَا تَقْدِيرًا فَيَقُولُونَ مَعْنَى قَوْلِهِمْ لَا أَهْلَ وَلَا أَهْلًا أَسْتَفَى الْأَهْلَ وَالْمَالَ
فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى تَقْدِيرٍ خَيْرٍ وَعَلَى التَّقْدِيرِ يَحْمِلُونَ مَا يَرَوْنَ خَيْرًا فِي مَثَلِ لَامٍ جَلَّ قَائِمٌ عَلَى
الْصِفَةِ دُونَ الْخَيْرِ

ترجمہ: — اور بنو تمیم اس کو ثابت نہیں کرتے (یعنی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے اس لئے کہ ان
کے نزدیک حذف واجب ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ لوگ لاکہ خبر کو ثابت ہی نہیں کرتے نہ لفظاً اور تقدیراً پس
وہ لوگ اہل سرب کے قول لا اہل ولا مال کا معنی استغنی الاہل والمال بیان کرتے ہیں تو خبر کو مقدر ماننے کی
ضرورت نہ رہے گی اور دونوں تقریروں یعنی خبر کے واجب الحذف ہونے اور سرے سے خبر نہ ہونے پر اس اسم
وجو لا رجل قائم جیسی ترکیب میں خبر معلوم ہوتی ہے بنو تمیم صفت پر عمل کرتے ہیں خبر پر نہیں۔

تشریح: — بیان بنو تمیم لا یثبتونہ۔ اس سے قبل جو قول مذکور تھا وہ بنو حجاز کا تھا لیکن
بنو تمیم کا قول یہ ہے کہ وہ لوگ لائے نفی جنس کی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک
لائے نفی جنس کی خبر کا حذف واجب ہے اس لئے کہ اس کا عمل ان کیساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور
ان کا عمل فعل متعدی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے پس لا کا عمل فرع کی فرع ہونے کی وجہ سے ضعیف
ہوا جس کا مقتضی یہ ہے کہ اس کی خبر کو لفظ سے حذف کر دیا جائے اور اس کا عمل صرف اسم میں ہو۔

قوله أَوْ أَطْرَادٍ۔ یعنی تن کی عبارت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ بنو تمیم لائے نفی جنس کے لئے
خبر کو ماننے ہی نہیں نہ لفظاً نہ تقدیراً بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ لائے نفی جنس اسم فعل ہے جو بمعنی استغنی ہے پس
اہل عرب کے قول لا اہل ولا مال کا معنی ہوا استغنی الاہل والمال لیکن پہلا مطلب زیادہ ظاہر ہے اس
لئے اس کے بیان کو مقدم کیا گیا کیونکہ وہ خبر کے مقدر ماننے میں لغت فصیح کے موافق ہے نیز اس صیغہ
کی مثل کوئی بھی اسم فعل مسموع نہیں ہے۔

قوله عَلَى التَّقْدِيرِ يَحْمِلُونَ۔ یعنی تن کی عبارت لا یثبتونہ کا جو دو مطلب بیان کیا گیا وہ دو
صورتوں میں لا رجل قائم میں قائم جو بظاہر لائے نفی جنس کی خبر معلوم ہوتی ہے وہ صفت پر محمول ہوگا پہلی
صورت میں اس لئے کہ اس کی خبر مذکور نہیں ہوتی بلکہ وجوباً محذوف ہوتی ہے پس جو یہاں مذکور ہے وہ
خبر نہیں بلکہ صفت ہوگا دوسری صورت میں اس لئے کہ لائے نفی جنس کی خبر ہوتی ہے ہی نہیں پس جو یہاں
مذکور ہے وہ صفت ہوگا۔

اسم ما ولا المشبهین یس فی معنی النفی والدخول علی المبتداء والخبر ولہذا التعلیل عملہ

ترجمہ: — اس ما ولا کا اسم جو مشابہ میں یس کے (معنی نفی اور مبتدا و خبر پر داخل ہونے
میں اسی وجہ سے ما ولا یس کا عمل کرتے ہیں۔

تشریح: — بیان بنو تمیم ما ولا۔ ماقبل کی طرح یہ بھی مبتدا و خبر ہے جس سے پہلے مذکور محذوف
ہے یعنی ومنہ اسم ما ولا جیسا کہ قرینہ سیاق کلام اس پر دل ہے۔ وادبرائے عطف ہے معطوف علیہ منہ
الفاعل ہے یا خبر لا التی نفی الجنس۔ اول بوجہ اصالت ہے دوم بوجہ قرب اور المشبہین صفت ہے ما
لا کی اولیٰں اسی کیساتھ متعلق ہے۔ حاصل یہ کہ مرفوعات کی کل آٹھ قسمیں ہیں جن میں سے سات قسمیں
یہاں پر مذکور ہوتی ہیں (۱) فاعل (۲) مفعول مالم یتم فاعلہ (۳) مبتدا (۴) خبر (۵) خبر ان واخواتہا
(۶) خبر لا التی نفی الجنس (۷) اسم ما ولا بمشابه بلیس۔ آٹھواں قسم اسم کان واخواتہا ہے اس کو یہاں سے
غالباً اس وجہ سے بیان نہیں کیا گیا کہ وہ اسم ما ولا کے بیان سے معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ ما ولا کا عمل یس
سے مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یس انعال ناقصہ سے ہے جیسے کان و صار وغیرہ ہیں۔ یا یہ کہ وہ
حقیقۃً فاعل ہی ہے۔

قوله فی معنی النفی۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ما ولا حرف ہیں اور یس فعل ہے تو ما
لا یس کے مشابہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جواب یہ کہ جس طرح یس کا معنی نفی ہے اسی طرح ما ولا کا معنی
بھی نفی ہے اور جس طرح یس مبتدا و خبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ما ولا بھی مبتدا و خبر پر داخل ہوتے ہیں
پس ما ولا معنی نفی میں اور مبتدا و خبر پر داخل ہونے میں یس کے مشابہ ہیں

لَهُمْ لَا يَتَّبِعُونَ أَصْلًا وَلَا فِطْرًا وَلَا تَقْدِيرًا فَيَقُولُونَ مَعْنَى قَوْلِهِمْ لَا أَهْلَ وَلَا أَهْلًا أَسْتَفَى الْأَهْلَ وَالْمَالَ
فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى تَقْدِيرٍ خَيْرٍ وَعَلَى التَّقْدِيرِ يَحْمِلُونَ مَا يَرَوْنَ خَيْرًا فِي مَثَلِ لَامٍ جَلَّ قَائِمٌ عَلَى
الْصِفَةِ دُونَ الْخَيْرِ

ترجمہ: — (وہ مسند الیہ ہے) یہ شامل ہے مبتدا اور ہر مسند الیہ کو (ان دونوں میں سے

کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد اس قید سے اسم ماولا کا غیر خارج ہو گیا اور اس وجہ سے جو آپ نے دخول کے معنی سے پہچانا مازید ابوہ قائم میں ابوہ کی مثل سے سوال وارد نہ ہوگا جیسے مازید قائم اور لاجل افضل منک

تشریح: — بیان اللہ هو المسند الیہ - جملہ متانفہ ہے یا اس میں ضمیر ہو فصل کے لئے ہے اور المسند الیہ خبر ہے اسم ماولا کی اور بعد اپنے مضاف الیہ کیساتھ اس کا ظرف ہے حاصل یہ کہ ماولا کا اسم مسند الیہ ہوگا ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد ماک کی مثال جیسے مازید قائم اور لاک کی مثال جیسے لاجل افضل منک - سوال پہلی مثال میں زید مسند الیہ ہے صرف ماک کے داخل ہونے کے بعد اور دوسری مثال میں رجل مسند الیہ ہے لاک کے داخل ہونے کے بعد پس یہ کیسے کہا گیا کہ اسم ماولا دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جواب دخول میں ضمیر مجرور سے پہلے احد مضاف مقدر ہے یعنی دخول احد ہما۔

قولہ ہذا شامل - اس عبارت سے تعریف کے جامع و مانع ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں مسند الیہ بمنزلہ جنس ہے جو مبتدا کی پہلی قسم کے علاوہ تمام مسند الیہ کو شامل ہے لیکن بعد دخول ہما کی قید بمنزلہ فصل ہے جس سے اسم ماولا کے علاوہ باقی تمام مسند الیہ خارج ہو گئے۔

قولہ بسلم فت - یہ جواب ہے سوال کا کہ تعریف میں مازید ابوہ قائم میں ابوہ بھی داخل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بھی مسند الیہ ہے قائم کا ملکہ داخل ہونے کے بعد لیکن اس کو ماک کا اسم نہیں کہا جاتا جواب یہ کہ ماک کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہونے سے مراد جیسا کہ خبر ان وغیرہ کے بیان میں گذر چکا ہے کہ وہ حروف لفظ و معنی میں کچھ تبدیلی پیدا کرے اور مثال مذکور میں ماک نے کچھ تبدیلی پیدا نہیں کی ہے بلکہ وہ مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے اور اس میں تاکید بھی نہیں آتی۔

واقیاً آتی بالنکرة بعد لا لانت لا لا تعمل الا في النكرة بخلاف ما فانها تعمل في النكرة والمنع
هذه الغة اهل العجم واما بنو تميم فلا يثبتون لهما العمل ويقولون الاسم والخبر بعد
دخولهما مرفوعان بالابتداء كما كانا قبل دخولهما وعلى لغة اهل العجم وسد القرآن
نحو ما هذا بشرأ

ترجمہ: — اور مصنف نے لاک کے بعد نکرہ اس لئے لایا کہ لامر ف نکرہ میں عمل کرتا ہے بخلاف

ما کہ وہ نکرہ و معرفہ دونوں میں عمل کرتا ہے یہ لغت ہے اہل حجاز کا لیکن بنو تميم ان دونوں کے لئے عمل کو ثابت ہی نہیں کرتے اور ان دونوں کے بعد اسم و خبر کو ابتداء کی وجہ سے مرفوع قرار دیتے ہیں جیسا کہ قولہ ماولا کے داخل ہونے سے پہلے تھے اور لغت اہل حجاز پر قرآن وارد ہوا ہے جیسے ما هذا بشرأ۔

تشریح: — قولہ والذاتى - یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ماک کی طرح لاک کے اسم کی مثال میں مصنف نے معرفہ کیوں نہیں لکھا؟ جواب یہ کہ ماک کا اسم معرفہ و نکرہ دونوں ہوتا ہے لیکن لاک کا اسم معرفہ ہوتا ہی نہیں پس ماک کا عمل عام ہے کہ اس کے اسم و خبر کبھی دونوں معرفہ ہوتے ہیں جیسے مازید ہو الظرف اور کبھی دونوں نکرہ ہوتے ہیں جیسے مارجل قاعد اور کبھی اسم معرفہ ہوتا ہے اور خبر نکرہ جیسے مازید قائم لیکن اس کا برعکس کہ اسم نکرہ ہو اور خبر معرفہ جائز نہیں۔ ماک کے اسم کو یہاں معرفہ لکھا گیا ہے اور امتیاز کے لئے اسی وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا کہ ما باعتبار عمل لا سے عام ہے اور عام طبعاً خاص سے مقدم ہوتا ہے مزید اس کی وجہ عن قرب آئیگی۔

قولہ هذه الغة - یعنی ماولا جو عامل ہیں اہل حجاز کے لغت پر لیکن بنو تميم ان دونوں کو عامل نہیں مانتے۔ بنو تميم یہ دلیل دیتے ہیں کہ جو عامل جس نوع کا ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ خاص ہوتا ہے پس ماولا اگر عامل ہوتے تو صرف اسم میں پائے جاتے حالانکہ وہ فاعل میں بھی پائے جاتے ہیں پس وہ اسم و خبر جن پر ماولا داخل ہوتے ہیں دونوں مرفوع ہوں گے ابتداء کی وجہ سے جس طرح وہ دونوں داخل ہونے سے پہلے ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہوتے ہیں۔ اہل حجاز یہ دلیل دیتے ہیں کہ جس طرح یس کا معنی نفی ہے اسی طرح ماولا کا معنی بھی نفی ہے اور جس طرح یس مبتدا و خبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ماولا بھی مبتدا و خبر پر داخل ہوتے ہیں پس جس طرح یس عامل ہے اسی طرح ماولا بھی عامل ہوں گے لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ مابین ایک شرط یہ ہے کہ اس کی خبر اسم سے موخر ہو ورنہ عمل باطل ہو جائے گا جیسے ما حسن ان یجمل المرء نفسه دوسری یہ کہ ماک سے تاکید نہ لائی گئی ہو ورنہ عمل باطل ہو جائے گا جیسے ما مازید قائم تیری یہ کہ اس کی نفی برقرار رہے اور اگر الا سے فوت ہو جائے تو عمل بھی جاتا رہے گا جیسے ما محمد الرسول چوتھی یہ کہ اس کے بعد ان زائدہ مذکور نہ ہو ورنہ اسم و خبر مبتدا و خبر میں تبدیل ہو جائیں گے جیسے بنی غنم ما ان انتم ذہب لیکن لاین ایک شرط یہ ہے کہ اس کی نفی برقرار رہے دوسری یہ کہ اس کی خبر اسم پر مقدم نہ ہو تیسری یہ کہ لا اور اس کے اسم کے درمیان کوئی شئی فاصل نہ ہو۔

قولہ وعلی لغة۔ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ ماوالا کے متعلق جب دو مذہب ہیں تو مصنف نے اہل حجاز کے مسلک کو کیوں اختیار فرمایا؟ جواب یہ کہ اہل حجاز کے مسلک پر قرآن کریم نازل ہوا ہے چنانچہ بروایت حفص مرقوم ہے ماہذا بشرأ و ماہن امہاتکم اس میں بشرأ اور امہات کو نصب ما کی وجہ سے ہے۔

وہو ای عمل یس فی لا دون ما شاذ قليل لنقصان مشابهة لایس لان لیس نفی المحالہ ولا لیس کذلک قائلہ لنفی مطلقاً بخلاف ما فائدہ ایضاً نفی المحالہ فیقتصر عملہ لا علی مورد السماع نحو قوله شعرت صلت عن نیرانھا فاننا ابرئ قیس لا براح ائی لا براح لی ولا یجوز ان تكون نفی الجنس لانھا اذا كانت نفی الجنس لا یجوز فیما بعدھا الرفع ما لم یتکثر ولا تکثر فی البیت

ترجمہ:۔۔۔ (اور وہ) یعنی عمل مشابہت لیس (لا میں) نہ کہ ما میں (شاذ) قلیل (رہے) لا کی مشابہت لیس کیساتھ ناقص ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ لیس نفی حال کے لئے آتا ہے اور لا ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے برخلاف ما کہ وہ بھی لیس کی طرح نفی حال کے لئے آتا ہے پس لا کا عمل مورد سماع پر موقوف کیا جائیگا جیسے شاعر کا قول ہے من صدأ یعنی جو شخص جنگ کی آتشوں سے اعراض کرے۔ پس میں تو قیس کا بیٹا ہوں کوئی زوال نہیں یعنی میرے لئے کوئی زوال نہیں اور شعریں جائز نہیں ہے کہ لا نفی جنس کے لئے ہو کیونکہ اگر وہ نفی جنس کے لئے ہوتا تو اس کے مابعد کوز قع دینا جائز نہ ہوتا جب تک کہ وہ مکرر نہ آئے اور شعریں مکرر نہیں ہے۔

تشریح:۔۔۔ بیان شدہ وھو۔ یہ دلیل ہے اس دعوے کی کہ ما کا اسم معرفہ و نکرہ دونوں ہوتا ہے لیکن لا کا اسم صرف نکرہ ہوتا ہے معرفہ نہیں حاصل یہ کہ ما و لا کا عمل لیس سے مشابہت کی وجہ سے تھا لیکن لا کی مشابہت لیس کیساتھ چونکہ ناقص ہے اس لئے لا کا اسم معرفہ نہیں ہوتا کیونکہ لیس نفی حال کے لئے آتا ہے اسی طرح ما بھی نفی حال کے لئے آتا ہے لیکن لا مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے عام ہے کہ زمانہ حال میں ہو یا ماضی و استقبال میں پس جب لا کی مشابہت ناقص ہو گئی تو اس کا عمل بھی ناقص ہو گیا اور اس کا عمل سماع پر موقوف ہوتا ہے اور سماع میں اس کا عمل نکرہ کیساتھ خاص دیکھا گیا ہے چنانچہ ناع کے قول میں ہے شعر من صد عن نیرانھا۔ فاننا ابن قیس

لا براح۔ اس میں صد بمعنی عرض اور نیران جمع نار اور اس کی ضمیر مجبور کا مرجع خرب ہے جو اول قصیدہ میں مذکور ہے۔ براح بمعنی زوال ہے۔ محل استشہاد لا براح۔ براح نکرہ ہے وہ مرفوع ہے لامشایہ بلیس کی وجہ سے اس شعر کا قائل سعد بن مالک بن ضیع بن قیس ہے جو سحرار جماسہ میں سے ہے کذا فی التحف لابی ذؤ

قولہ ای عمل لیس۔ اس تفسیر سے ضمیر مرفوع کے مرجع کو ظاہر کیا گیا ہے اور مرجع اگرچہ ماقبل میں صراحۃً مذکور نہیں لیکن وہ المشبہتین بلیس سے مستفاد ہے کیونکہ ما و لا کی تشبیہ لیس کے ساتھ اس امر کو لازم کرتی ہے کہ ان کا عمل مانند عمل لیس ہے پس عمل دونوں میں علاقۃ تشبیہ ہوا۔

قولہ دونہ ما۔ اس عبارت سے اس وہم کا ازالہ ہے کہ لیس کا عمل لا کی طرح ما میں بھی شاذ ہے حاصل ازالہ یہ کہ لیس کا عمل صرف لا میں شاذ ہے ما میں نہیں جیسا کہ گذرا۔ متن میں فی لاطرف لغو مقدم ہے جس کا متعلق شاذ ہے اس کو مقدم حصہ کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

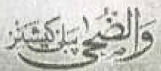
قولہ ولا یجوز۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ شعریں لامشایہ بلیس نہیں بلکہ وہ لائے نفی جنس ہے جو اہل لائے نفی جنس کا اسم اگر مرفوع ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے حالانکہ مرفوع ہے اور وہ مرفوع بھی ہوتا ہے مگر میکہ اس کے اور لا کے درمیان فصل ہو جیسے لانی الدار رجل یا اگر وہ معرفہ ہو تو بخوار لازموری ہوتی ہے جیسے لانیہ ولا بکر اظہار ہے یہاں دونوں مفقود ہیں۔

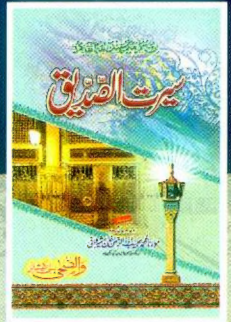
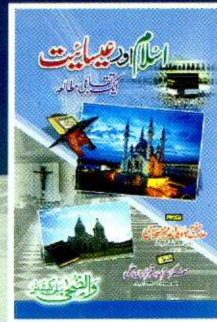
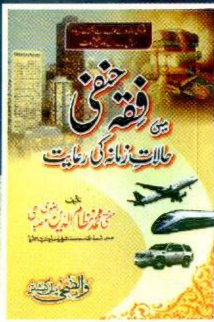
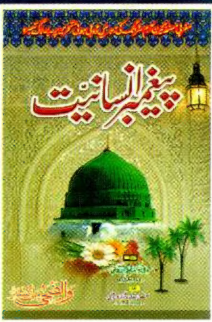
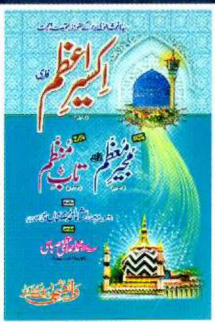
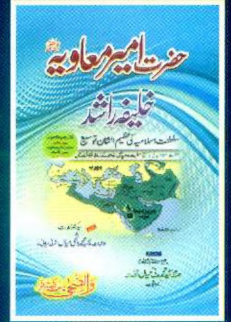
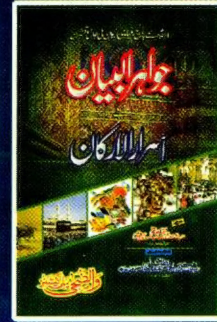
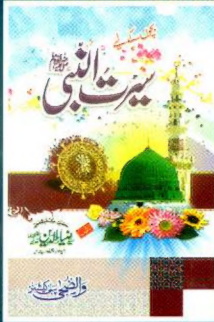
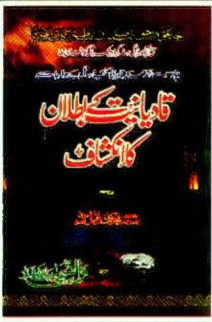
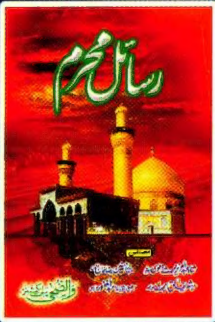
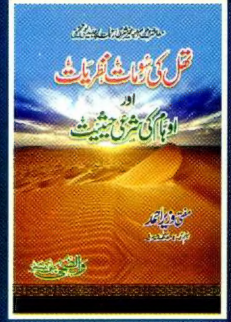
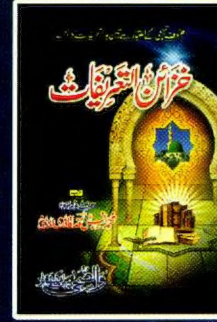
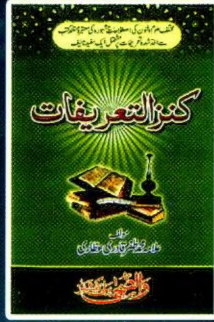
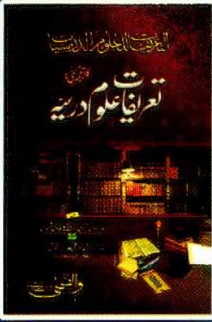
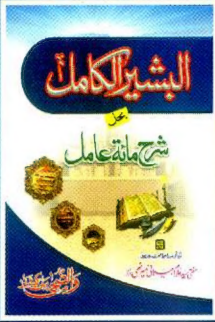
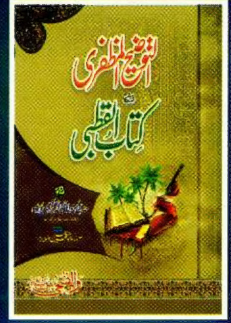
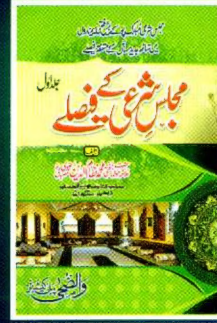
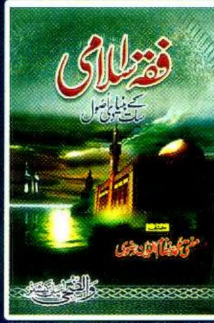
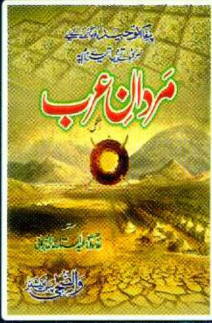
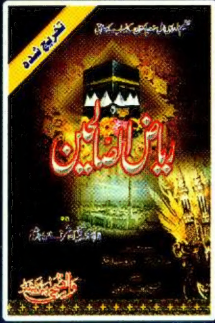
اعلم ان المراد بالمسند والمسند الیہ فی هذا التعریف ما یکون مسنداً أو مسنداً الیہ بالاصالة لا بالنبوة بقربنة ذکر التوابع فیما بعد فلا ینقطن بالتوابع

ترجمہ:۔۔۔ معلوم کیجئے کہ اس تعریف میں مسند و مسند الیہ سے مراد بالاصالة مسند و مسند الیہ ہیں بالتبعیہ نہیں اس قرینہ سے کہ مابعد میں توابع کا ذکر ہے پہلے تعریف مذکور توابع سے منقوص نہ ہوگی

تشریح:۔۔۔ قولہ اعلم ان المراد۔ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مازید اخواف قائماً میں اخواف بدل انکل ہے جو اسم ہے اور قائماً اس کی خبر ہے پس تعریف اس پر بھی صادق آتی ہے لیکن وہ ما کا اسم نہیں کہلاتا جواب یہ کہ مسند و مسند الیہ سے یہاں مراد بالاصالۃ ہے بالتبعیہ نہیں اس قرینہ سے کہ توابع کا ذکر آگے آئیگا اور مثال مذکور میں اخواف مسند الیہ بالتبعیہ ہے پس اس پر تعریف صادق نہ آئیگی اور یہ معنی اگرچہ فاعل کے بیان میں بھی گذر چکا ہے لیکن چونکہ بعد کی وجہ سے ذہول کا اندیشہ تھا اس لئے یہاں اس کو دوبارہ تنبیہ کے لئے بیان کیا گیا۔

ولما فرغ من المرفوعات شرع فی المنصوبات وقد صاع علی المجر ولدت کثیرتھا ولحقہ النصیب فقال





ہادیہ نمبر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان
Ph:042-37361363

والضحیٰ پبلیکیشنز